بولتے حقائق

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
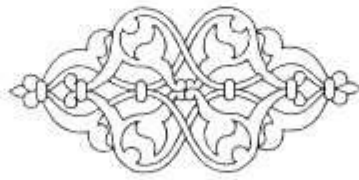
مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا، وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!

کمترین خلائق بندہ محمد یوسف عفا اللہ عنہ وعافاہ، برادرانِ اسلام کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اس ناکارہ نے ۱۳۹۹ھ میں ایک سوال کے جواب میں رسالہ ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' لکھا تھا، جس میں ایک مختصر سا نوٹ ''شیعہ سنی اختلاف'' بھی تھا۔ اس میں شیعہ مذہب کے ان تین بنیادی عقائد کا ذِکر تھا جو زبان زدِ عام و خاص ہیں، اور جو شیعہ مذہب کے مُسلّمات اور اُصولِ موضوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ رسالہ شائع ہوا تو جناب مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی مرحوم نے یہ حصہ ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال میں شائع کردیا، اس پر حضراتِ شیعہ نے ساہیوال کی عدالت میں استغاثہ دائر کردیا۔ فاضل رشیدی مرحوم نے مقدمے کی نقل اور پیشی کی تاریخ اس ناکارہ کو بھجوائی، راقم الحروف نے شیعہ کتب کے حوالے جمع کرکے مقرّرہ تاریخ پر عدالت میں پیش کردیئے، عدالت نے حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد دعویٰ خارج کردیا اور معاملہ رفت وگزشت ہوا۔

تیرہ چودہ سال بعد میرے محسن جناب محترم سیّد محمد محسن الاجتہادی صاحب نے اسی مختصر نوٹ پر ایک طویل عنایت نامہ راقم الحروف کے نام رقم فرمایا، جس میں بندے کی تحریر پر بہت سے منافشات فرمائے۔ ان منافشات کا مختصر سا جواب دیا جاسکتا تھا، لیکن خیال ہوا کہ موصوف کے پیش کردہ نکات پر بقدرِ ضرورت تفصیلی گفتگو ہوجائے، اس لئے متعلقہ کتب دوبارہ فراہم کی گئیں، اور چند مہینے کے "علمی اِعتکاف" کے بعد یہ عجالہ مرتب ہوا۔ اسے احباب کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے حبیبِ مختار سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ اَطہار اور اَصحابِ اَخیار (رضی اللہ عنہم) کے صدقے اس بضاعتِ مزجات کو شرفِ قبول سے مشرف فرمائیں، اور اہلِ دانش وعلم سے اِلتجا کرتا ہوں کہ اس کو بنظرِ اِنصاف ملاحظہ فرماکر جہاں اس کوتاہ قلم کے قلم سے لغزش ہوئی ہو اس کی اصلاح سے دریغ نہ فرمائیں:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ
عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

مقصود شروع کرنے سے پہلے چند اُمور کا بطور تقریبِ سخن گوش گزار کرنا مناسب ہوگا۔

ا:...شیعہ سنی اِختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور دونوں طرف سے اس پر بڑے بڑے دفاتر مرتب و مدوّن کئے جاچکے ہیں۔ لیکن راقم الحروف نے "اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم" کے محولہ بالا نوٹ میں بنیادی طور پر تین مسائل سے تعرض کیا تھا، یعنی عقیدۂ اِمامت، صحابہ کرامؓ، اور قرآنِ کریم۔ زیرِ قلم عجالے میں بھی محورِ سخن یہی تین موضوع رہے، البتہ بعض ضمنی مباحث، جو جناب اِجتہادی صاحب نے چھیڑے، ان سے بھی تعرض ناگزیر ہوا، اس لئے اس رسالے کو چار اَبواب پر تقسیم کرنا پڑا:

باب اوّل :... مباحثِ اِمامت
بابِ دوم :... مباحث متعلقہ صحابہ کرامؓ
بابِ سوم :... مباحث متعلقہ قرآنِ کریم
بابِ چہارم :... متفرقات

۲:...اُوپر عرض کیا گیا کہ فریقین کے اختلاف کا دائرہ بڑا وسیع ہے، اور دونوں کے متنازع فیہ مسائل حدِ شمار سے باہر ہیں، لیکن ان میں بنیادی اُمور صرف تین ہیں، جن پر ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں مختصر سا نوٹ لکھا گیا تھا۔ اگر اس دائرۂ اِختلاف کو مزید سمیٹا جائے تو بنیادی مسئلہ صرف ایک رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ آیا صحابہ کرامؓ من حیث الجماعت لائقِ اعتماد ہیں یا نہیں؟ اگر اس نکتے کا تصفیہ ہوجائے تو اِختلافات کے غیرمحدود فاصلے آنِ واحد میں سمٹ سکتے ہیں، اور دونوں فریق متفق و متحد ہوسکتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس نکتے کی وضاحت کے لئے اپنی ''آپ بیتی'' کا ایک واقعہ درج کردُوں:

غالباً ۱۹۴۹ء کا قصہ ہے، یہ ناکارہ مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی، ضلع بہاول نگر میں ہدایہ اوّلین کے درجے کا طالبِ علم تھا، سن و سال یہی کوئی ۱۸-۱۹ کے درمیان رہا ہوگا۔ اچانک بیمار ہوا، جس سے نظامِ ہضم میں خلل آگیا، والدِ مرحوم کو تشویش ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں:

روح پدرم شاد کہ بہ گفت باستاذ
فرزند مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

انہوں نے فرمایا کہ: میاں حسن شاہ صاحب اچھے طبیب ہیں، ان سے مشورہ کرلیا جائے۔ یہ ہمارے علاقے کے ایک اثناعشری بزرگ تھے، ہمارے گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر ہمارے عزیزوں کا ایک گاؤں تھا، میاں صاحب نے اس گاؤں کو مرکزِ تبلیغ بنا رکھا تھا۔ چونکہ سیّد بادشاہ تھے، اس لئے بلاتفریقِ مسلک و مشرب سبھی لوگ ان کا اِحترام کرتے تھے، اور موصوف اپنی وجاہت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دیہاتی عوام میں (جو مذہب کے اُصول و فروع سے عموماً واقف نہیں ہوتے) اپنے مسلک کی خوب تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے زبان و بیان اور اِفہام و تفہیم کا اچھا ملکہ عطا فرمایا تھا، قدحِ صحابہؓ ان کا سب سے لذیذ اور دِل کش موضوع رہا کرتا تھا، اور وہ صحابہؓ کے عیوب و نقائص بیان کرکے عوام کے قلوب کی زمین، شیعہ مذہب کے لئے تیار کرنے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔

میاں صاحب، والدِ مرحوم سے واقف تھے، لیکن اس ناکارہ کو شاہ صاحب کی

زیارت و لقا کا شرف حاصل نہیں تھا، اس لئے والدِ مرحوم نے میرے پھوپھی زاد بھائی جنابِ مولانا حکیم محمد حسین مرحوم کو میرے ساتھ کر دیا، اور چلتے ہوئے بطورِ خاص ہدایت فرمائی کہ: ''میاں صاحب بڑے جہاں دیدہ بزرگ ہیں، اور تم ابھی بچے ہو، دیکھو! ان سے مذہبی گفتگو نہ کرنا۔'' والدِ مرحوم کو اندیشہ تھا کہ اگر میاں صاحب نے اس بچے کو مذہبی گفتگو میں بند کر دیا تو عزیزوں میں ہماری سبکی ہوگی۔

الغرض ہم دونوں، میاں صاحب کے مستقر پر پہنچے، محفل آراستہ تھی، اور میاں صاحب اس کے صدر نشین تھے۔ علیک سلیک کے بعد تعارف کرایا، اور حاضری کا مدعا عرض کیا، میاں صاحب نے حاضری پر اِظہارِ مسرت فرمایا، لیکن ہمارے معروضے پر توجہ فرمانے کے بجائے مذہبی بحث چھیڑ دی، اور بڑے معصومانہ انداز میں فرمایا کہ: ''اختلاف نہیں ہونا چاہئے، ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں، اُمت کو اختلافات نے غارت کر دیا ہے، تباہ کر دیا ہے، ان اِختلافات کا حل نکلنا چاہئے۔'' وہ دیر تک اسی نوعیت کی گفتگو فرماتے رہے، اور بار بار یہی فقرہ دُہراتے رہے کہ: ''ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں، اِختلافات کو ختم ہونا چاہئے'' وغیرہ وغیرہ۔ یہ ناکارہ والدِ مرحوم کی فہمائش کے مطابق مہر بہ لب رہا، جب خاصی دیر ہوگئی تو میں نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب کی نصیحت و اِخلاص کا سلسلہ شبِ ہجر اور زُلفِ محبوب کی طرح دراز ہوا جاتا ہے، اس لئے مناسب ہوگا کہ موضوعِ گفتگو کو بدلا جائے۔ چنانچہ عرض کیا کہ: ''میاں صاحب! آپ کس اِختلاف کی بات کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں تو ہم میں اور آپ میں کوئی اِختلاف ہی نہیں'' میاں صاحب نے فرمایا کہ: ''نہیں بھئی! اِختلاف تو ہے'' اب یہ ناکارہ اِصرار کر رہا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی اِختلاف نہیں اور میاں صاحب بار بار دُہرا رہے ہیں کہ اِختلاف تو ہے۔ اس تکرار و اِصرار کو سن کر تمام حاضرین ہنسنے لگے کہ اس بچے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان اِختلاف ہے۔ چند لمحے یہ تکرار و اِصرار جاری رہا، تو میں نے کہا: ''ہاں! ذرا سا اِختلاف دونوں کے درمیان ضرور ہے، بس ذرا سا اِختلاف'' میاں صاحب نے چونک کر فرمایا: ''وہ کیا؟''

عرض کیا کہ: ''کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ

تعالیٰ کے آخری نبی ہیں؟'' فرمایا: ''بے شک!''

عرض کیا کہ: ''کیا یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دِین کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کو قیامت تک قائم و دائم رہنا ہے؟'' فرمایا: ''بے شک!''

عرض کیا کہ: ''ہمارے اور آپ کے درمیان اِختلاف بس یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۳ سال کی محنت و جانفشانی سے جو جماعت تیار کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دِین، اپنی کتاب اور اپنی لائی ہوئی ہدایت کو جس جماعت کے سپرد کرکے دُنیا سے تشریف لے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی جس جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور بعد میں آنے والی قیامت تک کی اُمت کے درمیان اوّلین واسطہ بنایا گیا، ہم کہتے ہیں کہ یہ جماعت لائقِ اعتماد ہے، اور آپ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی یہ جماعت لائقِ اعتماد نہیں۔ اب اگر یہ جماعت لائقِ اعتماد ہے، جیسا کہ ہمارا موقف ہے، تو ان حضرات نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح ہے، اور ان پر اِعتراض اور نکتہ چینی فضول ہے۔ لیجئے! اسی سے خلافت کا جھگڑا بھی طے ہوگیا، اور باغِ فدک کا قضیہ اور دیگر تمام اِختلافی مسائل بھی حل ہوگئے۔

اور اگر یہ جماعت لائقِ اعتماد نہیں تھی، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، تو اس کے نتیجے کے طور پر ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ:

الف:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت... نعوذ باللہ... رائیگاں گئی۔

ب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت... نعوذ باللہ... بے فضول ٹھہری۔

ج:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی... نعوذ باللہ... دِینِ اسلام کا خاتمہ ہوگیا، دِینِ اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی دفن ہوگیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دن کیا ایک لمحہ بھی آگے نہیں چلا۔

د:... اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی جماعت لائقِ اعتماد نہیں تھی تو اس ناقابلِ اعتماد جماعت کے ذریعے ہمیں جو قرآن پہنچا وہ بھی لائقِ اعتماد نہ رہا، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت بھی لائقِ اعتماد نہ رہی، اور دِینِ اسلام کی کسی چیز پر بھی اعتماد ممکن نہ رہا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دِین کی ایک ایک چیز ہمیں اسی جماعت کے ذریعے ملی ہے۔‘‘

یہ تقریر معقول تھی اس لئے سامعین اس سے متأثر ہوئے، اور میاں صاحب نے اس پر جرح وقدح نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کچھ مزید گفتگو بھی ہوئی، جو بڑی دِلچسپ تھی، اور جس نے بالآخر شاہ صاحب قبلہ کو موضوعِ گفتگو بدلنے پر آمادہ کردیا، مگر اس کا یہاں نقل کرنا غیر متعلق ہوگا، اس لئے اسے قلم زد کرتا ہوں۔

۳:... بعض اوقات کسی بڑی چیز کی بنیاد نہایت معمولی ہوتی ہے، لیکن آثار ونتائج بڑے دُوررَس ہوا کرتے ہیں، مثلاً برگد کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تن آور اور کتنا بڑا ہے، اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں، مگر اس کے بیج کو دیکھو تو وہ رائی کے دانے سے بھی شرمندہ نظر آئے گا۔ یہی مثال اِختلاف کی ہے، اس کا نقطۂ آغاز نہایت معمولی بلکہ غیر مرئی ہوا کرتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اِختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔ یہی قصہ ’’شیعہ سنی اِختلاف‘‘ کو پیش آیا۔ بونے والوں نے اُمت کے قلوب میں قدحِ صحابہ کا غیر مرئی بیج بودیا، رفتہ رفتہ اس کی شاخیں پھوٹنے لگیں، اور بڑھتے بڑھتے اس نے ایک ایسے جنگل کی شکل اختیار کرلی جس کے کاٹنے کے لئے شاید عمرِ نوح بھی کافی نہ ہوگی۔ بہی خواہانِ ملت اس ناپسندیدہ اِختلاف اور اس ناخوش گوار فرقہ واریت سے پریشان ونالاں اور متفکر نظر آتے ہیں، اس کے خلاف ہر طرف سے صدائے ’’الاتحاد! الاتحاد!‘‘ بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے، لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اِختلاف کا کیا حل نکالا جائے؟ اور اس دردِ بے درماں کا کیا علاج کیا جائے؟ یہ ذرّۂ بے مقدار بہی خواہانِ ملت اور دردمندانِ قوم کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اس عقدۂ لاینحل کا حل یہی ہے کہ اس ناخوش گوار اِختلاف کی جڑوں کو اُمت کے قلوب سے اُکھاڑ پھینکا جائے، اور اس جماعت کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت اور فیضانِ تربیت سے تیار ہوئی، لائقِ اعتماد باور کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس میں اسی جماعت کے بارے میں بار بار

اعلان فرمایا ہے: "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" یعنی "راضی ہوا اللہ ان سے، اور وہ راضی ہوئے اللہ سے۔"

یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے "دوطرفہ رضامندی" کا اعلان ہے۔ اسی اعلان کا اثر ہے کہ عام طور سے اہلِ ایمان جب کسی صحابیؓ کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کے اس اعلانِ رضامندی کے بعد کسی شخص کو، جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، صحابہ کرامؓ سے ناراضی کا حق نہیں رہتا۔ اور جو شخص اس کے بعد بھی ناراض ہو، وہ گویا اعلانِ خداوندی پر ایمان نہیں رکھتا۔

۴:... شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "الاصابة" کے دیباچے میں اِمام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

"اذا رأیت الرجل ینتقص أحدًا من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فاعلم أنه زندیق، وذٰلک أن الرسول حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وانّما أدّی الینا ذٰلک کله الصحابة، وهؤلاء یریدون أن یجرحوا شهودنا، لیبطلوا الکتاب والسُّنّة، والجرح بهم أولٰی، وهم زنادقة." (الاصابۃ ج:۱ ص:۱۰)

ترجمہ:... "جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ زِندیق ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو دِین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے، وہ برحق ہے، اور یہ ساری چیزیں ہم تک صحابہؓ نے پہنچائی ہیں، لہٰذا صحابہؓ ہمارے لئے رسالتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کے گواہ ہیں، اور یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح

کر کے کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ خود لائقِ جرح ہیں، اور یہ بد دِین زِندیق ہیں۔''

خلاصہ یہ کہ ہمارا دِین حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے نازل ہوا ہے، اور چند واسطوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، دِین پر اِعتماد اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ہم تک لائقِ اعتماد واسطوں سے پہنچا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور بعد کی اُمت کے درمیان سب سے پہلا واسطہ صحابہ کرامؓ ہیں، اگر وہ لائقِ اعتماد نہیں تو دِین کی کوئی چیز بھی لائقِ اعتماد نہیں رہتی، لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اعتماد کو مجروح کرنا، درحقیقت دِین کے اعتماد کو مجروح کرنا ہے۔

۵:... حق تعالیٰ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کائنات میں سے منتخب فرمایا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبدۂ کائنات ہیں، سیّد البشر، خیر البشر اور فخرِ اولادِ آدم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب ''خیر الکتب'' ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دِین ''خیر الادیان'' ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ''خیر الامم'' ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ''خیر القرون'' ہے۔ لازماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحاب بھی ''خیر الاصحاب'' ہیں (رضی اللہ عنہم)، چنانچہ مستدرک حاکم میں بہ سندِ صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے:

''عن عويم بن ساعدة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان الله تبارك وتعالىٰ اختارني، واختار لي أصحابًا، فجعل لي منهم وزراء وأنصارًا وأصهارًا، فمن سبّهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه يقوم القيامة صرف ولا عدل. هٰذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي: صحيح.'' (مستدرک حاکم ج:۳ ص:۶۳۲)

ترجمہ:... ''حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چن لیا، اور میرے لئے اصحاب کو چن لیا، پس ان میں بعض کو میرے وزیر، میرے مددگار اور میرے سسرالی رشتہ دار بنا دیا، پس جو شخص ان کو بُرا کہتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سارے اِنسانوں کی لعنت، قیامت کے دن نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم میں سے چھانٹ کر منتخب فرمایا، اسی طرح لائق ترین اَفراد کو چھانٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس انتخابِ خداوندی کے نتیجے میں یہ حضرات، جن کو صحبتِ نبوی کے لئے چنا گیا، اپنی علوِّ اِستعداد اور اپنے جوہری کمالات کے لحاظ سے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام اِنسانوں سے افضل تھے، اسی بنا پر ان کو اللہ تعالیٰ نے ''خیرِ اُمت'' کا خطاب دیا۔ پس اگر صحابہ کرامؓ سے بہتر و افضل کوئی اور اِنسان ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحبت کے لئے ان کو منتخب فرماتے، اس لئے صحابہ کرامؓ کی تنقیص صرف ''صحبتِ نبوی'' کی تنقیص نہیں، بلکہ اسی کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ' کے انتخاب کی بھی توہین وتنقیص ہے۔ اور جو شخص صحبتِ نبوی کی تحقیر اور اِنتخابِ خداوندی کی تنقیص کرتا ہو، اس کے بارے میں شدید سے شدید وعید بھی قرینِ قیاس ہے۔

۶:... صحبتِ نبوی کی عظمتِ تاثیر پر ایک دُوسرے زاویے سے غور کیجئے! حق تعالیٰ شانہ' نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو ''سراجِ منیر'' بنا کر بھیجا، یعنی نبوّت کا وہ آفتاب عالم تاب، جو مطلعِ انوار وہدایت پر تا قیامت درخشاں رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پورا عالم کفر وضلالت کی تاریکیوں میں ڈُوبا ہوا تھا، یکایک فاران کی چوٹیوں سے یہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی کرنیں اَطرافِ عالم کو محیط ہوگئیں، بزمِ عالم جگمگا اُٹھی، اور سارا جہان بقعۂ نور بن گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رسالت مآب نور کا کُرّہ

تھی، جس کی کششِ ثقل نے سعید رُوحوں کو اپنی طرف اس طرح کھینچا، جس طرح مقناطیس آہن پاروں کو کھینچ لیتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِعجازِ نبوّت نے ان کے قلوب کو فوق العادت جلا وضیا بخشی، اوران ذرّوں کو آفتاب بنادیا۔ انہوں نے جمالِ جہاں آرائے محبوب کو ایسا جذب کیا کہ ان کا سراپا، حسنِ محبوب کا مرقع بن گیا، اوران کے رگ وپے سے حسنِ محبوب کی خوشبوئیں بکھرنے لگیں، اوروہ زبانِ حال ومقال سے پکار اُٹھے:

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دِل چشمِ مست نازِ ساقی کا ہے مے خانہ
یہاں تک بڑھ گئی وارفتگیٔ شوقِ نظارہ
حجاباتِ نظر سے پھوٹ نکلا حسنِ جانانہ

بہارِ حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ و دِل میں
محبت میں مرا ذوقِ نظر معیار ہوجائے
مری آنکھوں میں چشمِ مستِ ساقی کا وہ عالم ہے
نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہوجائے

وہ آفتابِ محمدی، جس کی ضیا پاشیاں آج بھی اُمت کے عشاق کے دِلوں کو گرما اور چمکا رہی ہیں، غور کیجئے کہ جن کے گھروں میں یہ آفتابِ نبوّت نور کی کرنیں بکھیر رہا ہوگا، ان کی نورانیت وتابانی کا کیا عالم ہوگا...؟ سبحان اللہ! حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی خوش بختی وسعادت کا کیا کہنا کہ وہ آج تک روضۂ مقدسہ میں خورشید بداماں ہیں، اور قیامت تک اس دولتِ کبریٰ سے بہرہ اندوز رہیں گے:

از پاک داماناں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما، جن کے پہلو میں آج تک آفتابِ نبوّت (صلی اللہ علیہ وسلم) درخشاں ہے، اور قیامت تک فروزاں رہے گا، ان کی نورانیت وتابانی کا اندازہ

کون کرسکتا ہے...؟ اور یہ سعادت... جس کے مقابلے میں کونین کی نعمتیں بھی ہیچ ہیں... ان دونوں بزرگوں کے سوا کس فردِ بشر کے حصے میں آئی...؟ **فَطُوْبیٰ لَھُمَا ثُمَّ طُوْبیٰ لَھُمَا!**

حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ ومقدسہ میں مدفون ہیں، اور یہ روضۂ شریفہ و بقعۂ مقدسہ ''رشکِ صد جنت'' ہے، اور حضراتِ شیخینؓ اسی ''رشکِ صد جنت'' میں محوِ استراحت وآسودۂ خواب ہیں۔ اور جنت کی شان یہ ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد اس میں ایک بار داخل ہوجائے، اسے وہاں سے نکالا نہیں جاتا، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اکابر کو مدت العمر اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا، اور برزخ میں بھی ان کو اپنے پہلوئے مبارک میں جگہ دے کر بقعۂ مبارکہ اور روضۂ مقدسہ میں ان کو شرفِ معیت بخشا، تو یقین ہے کہ فردائے قیامت اور جنت الفردوس میں بھی ان کو شرفِ معیت نصیب ہوگا، وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ...!

آناں کہ بنظر خاک را کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَاتبَاعِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

۷:...شیعہ حضرات جن اکابر کو ''ائمۂ اہلِ بیت'' کہتے ہیں، ہمارے نزدیک وہ اہلِ سنت کے اکابر ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا شمار خلفائے راشدینؓ میں ہے جو جماعتِ صحابہؓ میں سب سے افضل ہیں، اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول اور جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں۔ ان کے بعد کے اکابر بھی اپنے اپنے دور کے اکابر وافاضل اہلِ سنت تھے، اہلِ سنت کے نزدیک ان تمام اکابر کی محبت جزوِ ایمان ہے۔ اس ناکارہ نے ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں ''شیعہ سنی اِختلاف'' کی بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا:

''میں تمام آل واَصحاب کی محبت وعظمت کو جزوِ ایمان سمجھتا ہوں، اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کی تنقیص کو، خواہ

اِشارے کنائے کے رنگ میں ہو، سلبِ اِیمان کی علامت سمجھتا ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ہے، اور میں اسی عقیدے پر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔''

زیرِ قلم رسالے میں شیعہ روایات پر گفتگو کرتے ہوئے اگر کوئی ایسا لفظ نظر پڑے جس سے ان اکابر کے حق میں ادنیٰ سوءِ ادب بھی مترشح ہوتا ہو، تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ گفتگو شیعہ روایات کے مطابق ہے، ورنہ یہ ناکارہ اس سے سو بار براءت کا اظہار کرتا ہے۔

۸:...اس ناکارہ نے ہر بحث میں جناب محمد محسن الاجتہادی صاحب کے خط کے متعلقہ اقتباس درج کردیئے تھے، اس کے باوجود مناسب سمجھا گیا کہ ان کے پورے خط کا عکس رسالے کے شروع میں درج کردیا جائے کیونکہ علمی امانت کا تقاضا ہے کہ جس شخص کی تحریر پر گفتگو کی جائے، اس کی تحریر کا پورا متن قارئین کے سامنے آجائے۔ اس لئے پہلے آپ اِجتہادی صاحب کے گرامی نامے کا عکس ملاحظہ فرمائیں گے، اس کے بعد اس ناکارہ کی کج مج تحریر ملاحظہ عالی سے گزرے گی۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف سے اس عجالے کو قبول فرمائیں اور اپنی رضا و محبت اور اپنے محبوب و مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرماکر اپنے اس ارشاد کا مصداق بنادیں:

''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً. فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ''

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ، وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ.

فہرست

بحثِ دوم: حضراتِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنی اور شیعہ عقیدہ ۴۱۱

باب سوم

شیعہ اور قرآن

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں اور دارالخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ: ''لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔''

اور آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر سے اُترتے ہوئے فرمایا: ''پھر عثمان، پھر عثمان۔'' (البدایۃ والنہایۃ ج:۸ ص:۱۳)

[illegible]

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

خادم الشریعۃ المطہرۃ

محمد حسن الاجتہادی

۳۰ر اگست ۱۹۹۱ء مطابق ۲۰ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

B-363/11 [illegible] کراچی

PL. 683603

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی!

بعالی خدمت جناب سیّد محمد محسن الاجتہادی صاحب، نَسْأَلُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ!

بعد از تحیاتِ مسنونہ و دعواتِ صالحہ معروض آنکہ آنجناب کے گرامی نامے نے معزز و مفتخر فرمایا۔ یہ ناکارہ ایک عرصے تک مختلف عوارض میں صاحبِ فراش رہا، جب ذرا آنے جانے کے لائق ہوا تو ہجومِ مشاغل سے گراں بار رہا، آنجناب کے گرامی نامے کو اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہ ملی، بہرحال دُوسرے مشاغل کو چھوڑ کر آج (بتاریخ یکم ربیع الثانی) آپ کا خط لے کر بیٹھ گیا ہوں، دیکھئے کب تک اس سے فراغ میسر آتا ہے۔

آنجناب نے اس ناکارہ کے اور اس کے رسالے ''اِختلافِ اُمت'' کے بارے میں جن خیالات کا اِظہار فرمایا، ان پر ممنون ہوں۔ ہر شخص کو اپنے فہم و اِدراک کے مطابق تبصرے کا حق ہے۔ تاہم آنجناب نے چونکہ اس ناکارہ کو جواب کے لئے مخاطب فرمایا ہے، اس لئے آپ کے گرامی نامے کے مندرجات کے بارے میں چند گزارشات کی اجازت چاہوں گا۔

میں ان گزارشات کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں:

حصہ اوّل:... عقیدۂ اِمامت، اور اس سے متعلقہ مباحث، جن پر آنجناب نے گفتگو فرمائی ہے۔

حصہ دوم:.... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ومقام اوران کے بارے میں سنی اور شیعہ نقطۂ نظر۔

حصہ سوم:.... تحریفِ قرآن کے بارے میں شیعہ عقیدہ اورآنجناب کی تحریر پر گفتگو۔

حصہ چہارم:.... آنجناب کے چند متفرق سوالات کا جواب

آنجناب کے اخلاقِ کریمانہ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس کج مج تحریر کو بنظرِ انصاف ملاحظہ فرمائیں گے، اگر کوئی بات صحیح نظر آئے تو اس کو قبول کرنے سے دریغ نہیں فرمائیں گے، اوراگر کہیں غلطی ہوئی ہو تو اس کی اصلاح فرمائیں گے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

باب اوّل

عقیدۂ اِمامت

اس باب میں گیارہ مباحث ہیں:

پہلی بحث .... عقیدۂ اِمامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے۔
دُوسری بحث .... عقیدۂ اِمامت کا موجدِ اوّل عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔
تیسری بحث .... عقیدۂ اِمامت، ختمِ نبوّت کے منافی ہے۔
چوتھی بحث .... ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات۔
پانچویں بحث .... ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟
چھٹی بحث............ اِمامت، نیابتِ نبوّت ہے یا نبوّت سے بالاتر؟
ساتویں بحث .... اِمامت میں اُلوہیت کی جھلکیاں۔
آٹھویں بحث.......... کیا عقیدۂ اِمامت دِین وملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟
نویں بحث .... خلافتِ راشدہ واقعی اِقامتِ دِین کا ذریعہ ثابت ہوئی۔
دسیوں بحث .... اِمامِ غائب کے نظریے پر ایک نظر۔
گیارہویں بحث ...... عقیدۂ اِمامت پر تقیہ کا شامیانہ۔

پہلی بحث: عقیدۂ اِمامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے

اس ناکارہ نے عقیدۂ اِمامت کو شیعیت کی بنیاد اور شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا تھا، اس پر آنجناب کو اِعتراض ہے کہ:

''شیعہ عقائد کی کتابوں میں عقیدۂ اِمامت کا نمبر پانچواں ہے، جس کی ترتیب یہ ہے: (۱) توحید، (۲) نبوّت، (۳) معاد، (۴) عدل، (۵) اِمامت۔ عدل سے مراد عدلِ خداوندی ہے۔''

جواباً گزارش ہے کہ اس ناکارہ نے عقیدۂ اِمامت کو شیعیت کا اصل الاصول قرار دینے کی جو گستاخی کی ہے، اس کی چند وجوہ ہیں:

عقیدۂ اِمامت خود شیعہ کی نظر میں، پہلی وجہ:

اگرچہ حضراتِ شیعہ، عقائد کی ترتیب میں اس کو پانچویں نمبر پر بیان کرتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اسی عقیدے کو اپنے مذہب کی اصل بنیاد سمجھتے ہیں۔ شیخ حلی جن کی تحریر کا آنجناب نے حوالہ زیب رقم کیا ہے، وہ اپنے رسالے ''منہاج الکرامہ'' کا آغاز ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

''أما بعد فهٰذه رسالة شريفة، ومقالة لطيفة، اشتملت علىٰ أهم المطالب في أحكام الدين، وأشرف مسائل المسلمين، وهي مسئلة الامامة، التي يحصل بسبب ادراكها نيل درجة الكرامة، وهي أحد أركان الايمان، المستحق بسببه الخلود في الجنان، والتخلص من غضب الرحمٰن، فقد قال رسول الله صلى

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاھلیة۔" (بحوالہ منہاج السنۃ ج:۱ ص:۱۶)

اس عبارت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے:

"یہ رسالہ جس مسئلے پر مشتمل ہے، یعنی مسئلۂ امامت، وہ دین کے احکام میں سب سے اہم چیز ہے، اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہے، اسی پر سعادتِ اُخروی اور دائمی جنت کے حصول کا مدار ہے، اور اس کی معرفت کے بغیر مرنا، حدیثِ نبوی کے مطابق جاہلیت کی موت ہے۔"

انصاف فرمایئے! کہ جو مسئلہ شیخ حلی کے بقول اَحکامِ دِین میں سب سے اہم اور اِسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہو، جس کا اِقرار دائمی جنت کا موجب ہو اور جس کی معرفت کے بغیر مرنا جاہلیت کی موت ہو، اگر اس ناکارہ نے اس کو "اصل الاصول" کہہ دیا تو کیا بُرا کیا...؟

بلکہ شیخ حلی کی عبارت کے بین السطور کا باریک مطالعہ بتاتا ہے کہ توحید وعدل اور نبوّت کے مباحث بھی شاید عقیدۂ اِمامت ہی کی تمہید تھے، ملاحظہ فرمایئے:

"الفصل الأول في نقل المذاهب في هٰذه المسألة، ذهبت الامامية الٰى أن الله عدل حكيم، لا يفعل قبيحًا ولا يخل بواجب، وأن أفعاله انما تقع لغرض صحيح وحكمة، وأنه لا يفعل الظلم ولا العبث، وأنه رؤوف رحيم بالعباد، يفعل بهم ما هو الأصلح لهم والأنفع، وأنه تعالٰى كفلهم تخييرًا لا اجبارًا، ووعدهم الثواب وتوعدهم العقاب علٰى لسانه أنبيائه ورسله المعصومين بحيث لا يجوز عليهم الخطأ ولا النسيان ولا المعاصي، والّا لم يبق وثوق بأقوالهم وأفعالهم،

فتنتفي فائدة البعثة، ثم أردف الرسالة بعد موت الرسول بالامامة، فنصب أولياء معصومين منصوصين ليأمن الناس من غلطهم وسهوهم وخطئهم، فينقادون الٰى أوامرهم، لئلّا يخلى الله العالم من لطفه ورحمته."

(منہاج السنۃ ج:۱ ص:۳۰)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''چونکہ خدا عادل وحکیم ہے، لطف اس کے ذمہ لازم و ضروری ہے، اور بندوں کے حق میں جو چیز اَنفع واَصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے (یہ عدلِ خداوندی کی تفسیر ہوئی)، لہٰذا ناممکن تھا کہ خدا تعالیٰ کی زمین معصوموں سے خالی ہوتی، ورنہ ظلم و جور لازم آتا اور خدا غیر عادل ٹھہرتا، لامحالہ اللہ تعالیٰ کو سلسلۂ نبوّت جاری کرنا پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ سلسلۂ نبوّت بند کردیا گیا، لامحالہ اللہ تعالیٰ کو سلسلۂ اِمامت کا جاری کرنا ناگزیر ہوا۔''

گویا لطف و عدل کا عقیدہ، تمہیدِ نبوّت ہے، اور نبوّت تمہیدِ اِمامت، ان تمام مطالب میں اہم المطالب بس اِمامت ہے۔

عقیدۂ اِمامت پر تمام انبیاء سے عہد لیا گیا:

شیعہ راویوں نے ان بزرگوں سے، جن کو ''اِمامِ معصوم'' کہا جاتا ہے، اس مضمون کی روایات بھی بڑی فراوانی سے نقل کی ہیں کہ عقیدۂ اِمامت پر تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا۔ یہ روایات شیعہ تفسیروں کے علاوہ ''بحار الانوار'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں بطورِ مثال ''بحار الانوار'' سے ایک روایت نقل کرتا ہوں جسے بحار الانوار، کتاب الامامۃ ''باب تفضيلهم على الأنبياء'' میں کراجکی کی ''کنز الفوائد'' سے نقل کیا ہے:

''۳۳- كنز: الحسن بن أبي الحسن الديلمي باسناده عن فريج بن أبي شيبة قال: سمعت أبا عبدالله

علیه السلام وقد تلا هٰذه الآية: "واذ أخذ الله ميثاق النبيّن لما اٰتيتكم من كتٰب وحكمة ثمّ جاءكم رسولٌ مصدِّقٌ لّما معكم لتؤمننَّ به" يعني رسول الله صلى الله عليه وآله "ولتنصرنّه" يعني وصيّه أمير المؤمنين عليه السلام، ولم يبعث الله نبيًّا ولا رسولًا الَّا وأخذ عليه الميثاق لمحمد صلى الله عليه وآله وسلم بالنبوّة ولعليّ عليه السلام بالامامة." (بحارالانوار ج:۶ ص:۲۰۷)

ترجمہ:... "اِمام جعفرؒ نے سورۂ آل عمران کی آیت:۸۱ تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ "لتؤمننَّ به" سے مراد یہ ہے کہ انبیائے کرام کو حکم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لائیں، اور "ولتنصرنَّه" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی یعنی حضرت علیؓ کی مدد کریں۔ اِمام جعفرؒ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے جس رسول اور نبی کو بھی بھیجا اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور علیؓ کی اِمامت کا عہد لیا۔"

انسان بس عقیدۂ اِمامت ہی کے مکلّف ہیں:

اور "معصوم اِماموں" سے اس مضمون کی روایات بھی نقل کی ہیں کہ لوگ بس اِمام کو پہچاننے اور اس کی ماننے ہی کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ علامہ کلینی نے اُصولِ کافی، کتاب الحجہ، "باب التسليم وفضل المسلمين" میں اس مضمون کی سات روایات نقل کی ہیں، یہاں پہلی روایت درج کی جاتی ہے:

"التسليم وفضل المسلمين

۱ — عدّة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن عيسٰى، عن ابن سنان، عن ابن مسكان عن سدير قال: قلت لأبي جعفر عليه السلام: انّي تركت مواليک مختلفين

يتبرّء بعضهم من بعض، قال: فقال: وما أنت وذاك، انّما كلّف النّاس ثلاثة: معرفة الأئمّة، والتّسليم لهم فيما ورد عليهم، والرَّدُّ اليهم فيما اختلفوا فيه."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۹۰)

ترجمہ:... "سدیر کہتے ہیں کہ: میں نے امام باقرؒ سے عرض کیا کہ: میں نے آپ کے شیعوں کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دُوسرے پر تبرا کرتے ہیں۔ فرمایا: تجھے اس سے کیا پڑی؟ لوگ صرف تین باتوں کے مکلّف ہیں:

۱:... اِماموں کو پہچانیں۔

۲:... اِماموں کی طرف سے جو حکم ہو اس کو مانیں۔

۳:... اور جس بات میں ان کا اختلاف ہو، اسے اِماموں کی طرف لوٹائیں۔"

جس عقیدے کے بغیر خدا... نعوذ باللہ... عدل ولطف کی صفات سے محروم ہوجاتا ہو، جس عقیدے کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے، تمام فرشتوں سے اور تمام اِنسانوں سے عہد لیا گیا ہو، اور تمام اِنسانوں کو بس اسی ایک عقیدے کا مکلّف بنایا گیا ہو، اگر اس ناکارہ نے اس عظیم ترین عقیدے کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دے دیا، تو اِنصاف فرمایئے کہ کیا میں نے بے جا بات کہی...؟ نہیں! بلکہ آنجناب کے مذہب کی صحیح ترجمانی کی۔

شیعہ سنی اِفتراق کا نقطۂ آغاز مسئلۂ اِمامت ہے، دُوسری وجہ:

اس ناکارہ نے جو عقیدۂ اِمامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا، اس کی دُوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں فریقوں (شیعہ اور سنی) کے درمیان اختلاف و اِفتراق کی ایک طویل و عریض خلیج واقع ہے اور حضراتِ شیعہ نے کلمہ، نماز اور حج و زکوٰۃ وغیرہ تمام اُصول و فروع میں اپنا الگ تشخص قائم کرلیا ہے، لیکن اگر غور و تامل سے اس اِفتراق کا منبع

تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں کے درمیان اِفتراق کا نقطۂ آغاز مسئلۂ اِمامت ہے۔ اہلِ سنت اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت کی قیادت و سربراہی کا فریضہ علی الترتیب چار بزرگوں نے انجام دیا، جن کو "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہم۔ شیعہ مذہب نے اپنے مذہب کی بسم اللہ یہاں سے کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِمام برحق حضرت علی کرّم اللہ وجہہ تھے، وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، خلافت بلافصل انہی کا حق تھا، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے اِنحراف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت و نیابت اور اپنے بعد اُمت کی اِمامت کے لئے جس شخصیت کو نامزد کیا تھا، صحابہ کرامؓ نے اس کو چھوڑ کر ایک اور بزرگ کو خلیفہ بنالیا، ان کے بعد پھر ایک اور کو، ان کے بعد پھر ایک اور کو..... تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نامزد کردہ شخصیت کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ افسوس کہ اس کے بعد بھی اُمت ان کی اِمامت پر مجتمع نہ ہوسکی۔

الغرض شیعیت کی ابتدا "نظریۂ اِمامت" سے ہوتی ہے، چنانچہ شیخ حلی "منہاج الکرامہ" میں اسی نقطۂ آغاز کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأنه لما بعث الله محمدًا صلى الله عليه وسلم قام بثقل الرسالة ونص علٰى أن الخليفة بعده علىّ بن أبى طالب عليه السلام، ثم من بعده علٰى ولده الحسن الزكى، ثم علٰى ولده الحسين الشهيد، ثم علٰى علىّ بن الحسين زين العابدين، ثم علٰى محمد بن علىّ الباقر، ثم علٰى جعفر بن محمد الصادق، ثم علٰى موسَى بن جعفر الكاظم، ثم علٰى علىّ بن موسَى الرضا، ثم علٰى محمد بن على الجواد، ثم علٰى علىّ بن محمد الهادى، ثم علَى الحسن بن على العسكرى، ثم على الخلف الحجة محمد بن الحسن المهدى عليهم الصلاة

والسلام، وأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یمت الّا عن وصیة بالامامة، قال وأهل السُّنّة ذهبوا الٰی خلاف ذٰلک کله ...... وأن الامام بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أبوبکر بن أبی قحافة بمبایعة عمر بن الخطاب له برضا أربعة: أبی عبیدة بن الجراح وسالم مولٰی أبی حذیفة وأسید بن حضیر وبشیر بن سعد بن عبادة، ثم من بعده عمر بن الخطاب بنص أبی بکر علیه، ثم عثمان بن عفان بنص عمر علٰی ستة هو أحدهم، فاختاره بعضهم، ثم علیّ بن أبی طالب لمبایعة الخلق له۔" (منہاج السنۃ ج:۱ ص:۳۰)

حاصلِ ترجمہ یہ کہ:

"شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرّر کیا تھا، اور ان کے بعد علی الترتیب گیارہ اِماموں کو ــــــ لیکن اہلِ سنت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ تھے، ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ۔"

پس چونکہ شیعیت کا نقطۂ آغاز مسئلۂ اِمامت و ولایت ہے، اس لئے اس ناکارہ نے اس کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول اور سنگِ بنیاد قرار دیا۔

شیعیت کے تمام اُصول وفروع کا مدار "اِمامت" پر ہے، تیسری وجہ:

نظریۂ اِمامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دینے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ شیعہ مذہب کے تمام اُصول وفروع کا مدار "عقیدۂ اِمامت" پر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ اہلِ سنت کے نزدیک اَدِلّہٴ اَحکام علی الترتیب چار ہیں:

ا:... کتابُ اللہ

۲:... سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳:... اِجماعِ اُمت

۴:... مجتہدینِ اُمت کا اِجتہاد و قیاس (جو ان تین دلائل میں سے کسی ایک پر مبنی ہو)

لیکن حضراتِ شیعہ کے نزدیک شرع کے دلائل صرف تین ہیں:

ا:... کتابُ اللہ

۲:... سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳:... اَئمہ معصومین کے اقوال وارشادات

ان کے نزدیک اِمامِ معصوم کے بغیر اِجماع باطل ہے، تا بہ قیاس چہ رسد؟ یہ تو ایک ظاہری اُصول ہے۔ اگر ذرا گہرائی میں اُتر کر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعہ کے نزدیک ان تین دلائل کا مرجع اور خلاصہ بھی صرف ایک ہے، یعنی قولِ اِمام ـــــ چنانچہ کتابُ اللہ کی فلاں آیت کا قولِ خداوندی ہونا ان کے نزدیک قولِ اِمام سے معلوم ہوگا۔ اگر اِمامِ معصوم یہ ارشاد فرمائیں کہ یہ آیت یوں نہیں، یوں ہے، تو شیعہ کے نزدیک قولِ معصوم کی بنا پر اس آیت کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جس طرح اِمام نے فرمایا ـــــ (اس کی تفصیل اِن شاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی)۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کلامِ اِلٰہی ہے، مگر قرآنِ کریم کی کسی آیت کا قولِ خداوندی اور کلامِ اِلٰہی ہونا شیعہ کے نزدیک اِمامِ معصوم کی تصدیق و تصویب پر موقوف ہے۔

جہاں تک ارشاداتِ نبویہ اور اَحادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ہے، شیعہ کے نزدیک وہ بھی صرف اس صورت میں معتبر ہیں جبکہ وہ اَئمہ معصومین کے ذریعے پہنچی ہوں یا اقوالِ اَئمہ کے موافق ہوں، ورنہ چونکہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ عادل وثقہ نہیں، لہٰذا ان کی ایسی روایات جو اَئمہ معصومین کے ذریعے نہ پہنچی ہوں یا قولِ معصوم ان کی تائید نہ کرتا ہو، وہ شیعہ کے نزدیک ساقط الاعتبار ہوں گی۔ چنانچہ شیعوں کے محدثِ اعظم علامہ باقر مجلسی کی کتاب ''بحار الانوار'' جزو دوم (طبع جدید) کتاب العلم میں باب (۲۸) کا

عنوان ہے:

”ما ترويه العامة من أخبار الرسول صلى الله عليه وآله، وأن الصحيح من ذٰلک عندهم عليهم السلام، والنهي عن الرجوع الٰى أخبار المخالفين، وفيه ذكر الكذابين“ (بحارالانوار ج:۲ ص:۲۱۴)

ترجمہ:... ”جو اَحادیث غیر شیعہ کی روایت سے ہوں ان میں سے صحیح وہی ہیں جو ائمہ کے پاس ہوں، اور مخالفین کی روایت کردہ کی طرف رُجوع کرنا ممنوع ہے، اور اس باب میں جھوٹی روایتیں کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔“

اس باب میں اس مضمون کی ۱۴ روایات نقل کی ہیں کہ اِمام کی تائید وتصدیق کے بغیر دُوسروں کی روایت کا اعتبار نہیں۔ اسی باب کی روایت ۱۱ میں اِمام جعفرؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

”۱۱-ل: الطالقانيّ، عن الجلوديّ، عن محمد بن زكريّا، عن جعفر بن محمد بن عمارة قال: سمعت جعفر بن محمد عليهما السلام يقول: ثلاثة كانوا يكذّبون علٰى رسول الله صلى عليه وآله أبوهريرة، وأنس بن مالک، وامرأة. (بيان: يعني عائشة).“

(بحارالانوار ج:۲ ص:۲۱۷)

ترجمہ:... ”تین صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے تھے، ابوہریرہؓ، انس بن مالک اور ایک عورت۔“ (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا... نعوذ باللہ...)

اور اس سے اگلے صفحے پر روایت ۱۴ اِمام باقرؒ سے نقل کی ہے:

”۱۴- أقول: وجدت في كتاب سليم بن

قيس الهلالی أنّ أبان بن أبی عيّاش راوی الكتاب قال: قال أبو جعفر الباقر عليه السلام: لم نزل أهل البيت منذ قبض رسول الله صلی الله عليه وآله نذلُّ ونقصی ونحرم ونقتل ونطرد، ووجد الكذّابون لكذبهم موضعًا يتقرّبون الٰی أوليائهم وقضاتهم وعمّالهم فی كلّ بلدة يحدّثون عدوّنا وولاتهم الماضين بالأحاديث الكاذبة الباطلة، ويحدّثون ويروون عنّا ما لم نقل، تهجينًا منهم لنا، وكذبًا منهم علينا، وتقرّبًا الٰی ولاتهم وقضاتهم بالزور والكذب." (بحارالانوار ج:۲ ص:۲۱۸)

ترجمہ:... "جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، ہم اہلِ بیت کو ہمیشہ ذلیل کیا جاتا رہا، دُور کیا جاتا رہا، محروم کیا جاتا رہا، قتل کیا جاتا رہا اور دُھتکارا جاتا رہا۔ اور جھوٹوں نے اپنے جھوٹ کے لئے یہ موقع پایا کہ وہ اپنے دوستوں، قاضیوں اور حاکموں کا ہر شہر میں تقرّب حاصل کریں، وہ ہمارے دُشمنوں اور ان کے گزشتہ دوستوں کے پاس باطل اور جھوٹی احادیث بیان کرتے اور ہماری جانب سے ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو ہم نے نہیں کہیں۔ جس سے ان کا مقصد ہماری توہین کرنا، ہم پر جھوٹ باندھنا اور جھوٹ طوفان کے ذریعے اپنے دوستوں اور قاضیوں کا تقرّب حاصل کرنا ہے۔"

ائمۂ معصومین کے ان گراں قدر اِرشادات کو پڑھنے کے بعد کون عقل مند ہوگا جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی نقل کردہ احادیث پر اِعتماد کرے گا...؟ الغرض کسی آیت کا اِرشادِ خداوندی ہونا اور کسی حدیث کا اِرشادِ نبوی ہونا شیعہ کے نزدیک قولِ اِمام پر منحصر ہے۔ لہٰذا اصل الاصول وہی "مسئلۂ اِمامت" ٹھہرا۔

شیعہ کا لقب ''اِمامیہ''، چوتھی وجہ:

ان تمام اُمور سے قطع نظر کیجئے تو شیعہ کا لقب ''اِمامیہ'' خود اس اَمر کی دلیل ہے کہ اس فرقے کا اِمتیازی نشان عقیدۂ اِمامت ہے، کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو ایسے لقب سے ملقب کیا کرتا ہے جو اس کے اِعتقادی ونظریاتی نشان کا پتا دے۔ ''اہلِ سنت والجماعۃ'' کا لقب بتاتا ہے کہ ان کے اِعتقادات کا قطب ''ما أنا علیہ و أصحابی'' ہے، اور ان کا اِعتقادی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی نظام سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام اور سنتِ صحابہؓ کے مدار پر گردش کرتا ہے۔ معتزلہ اپنے آپ کو ''اَصحاب التوحید والعدل'' کہتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں ان کا اِعتقادی فلسفہ توحید وعدل کے گرد گھومتا تھا (ان کے یہاں توحید و عدل کی جو بھی تفسیر ہو)۔ اسی طرح حضراتِ شیعہ اپنے آپ کو ''اِمامیہ'' اور ''اِثناعشریہ'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں، تو اس سے ہر شخص کو معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے اُصول وفروع اور اعمال واخلاق کی چکّی قطبِ اِمامت کے گرد گھومتی ہے۔ باوجود اس کے کہ توحید وعدل کی بعض تعبیرات میں شیعہ اور معتزلہ کے درمیان اِتفاق ہے، لیکن شیعہ، معتزلہ کی طرح اپنے آپ کو ''ارباب العدل والتوحید'' نہیں کہلاتے، کیونکہ عقیدۂ اِمامت ان کے نزدیک توحید وعدل کی ان تعبیرات سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دُوسری بحث: عقیدۂ اِمامت کا موجدِ اوّل عبداللہ بن سبا یہودی تھا

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''صفحہ: ۲۰ پر آپ نے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا نامی یہودی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا وہ فرقۂ شیعہ کا موجد ہے۔ یہ وہ رٹی رٹائی بات ہے جو عرصے سے کہی جارہی ہے، حالانکہ تحقیقاً علمائے اہلِ سنت نے عبداللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کے عقائد و نظریات نہ کسی کتاب میں منقول ہیں اور نہ ہی ہوسکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرحِ عقائد اور بیانِ مسائل سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ آپ جیسے فاضل کے لئے میرے خیال میں یہ روا نہیں کہ وہ اس قسم کی بے تکی باتیں نقل کرتا رہے۔ شیعہ مذہب عقائد و نظریات اور فقہی مسائل کا مستقل مکتب ہے، جس میں نہ عبداللہ بن سبا کا کوئی وجود ہے، نہ ہی اس کے نظریات کو بیان کرکے انہیں بطورِ حجت پیش کیا جاتا ہے۔ مولانائے محترم! آپ اس بات کو تو تسلیم کریں گے کہ معتمد علیہ علماء کے بیانات سے اِستدلال کرنا ہی کسی فرقے کی کتب کا پتا دیتا ہے، اور عالم کا مکتبِ فکر طے کرتا ہے۔ اگر شیعہ فرقے میں عبداللہ بن سبا کو موجد کی حیثیت حاصل ہوتی تو ان کی کتابوں میں اس ملعون کے نظریات سے اِستدلال کیا جاتا جبکہ اس مردود کا کسی کتاب میں حوالہ نہیں

ملتا۔ آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہو تو حقیر کو ضرور مطلع فرمائیے گا، آپ یقیناً ایسا نہ کر سکیں گے۔"

اس ناکارہ نے نظریہ "ولایتِ علیؓ" کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ حضرت علیؓ کی اِمامت وولایت اور وصایت کے جو نظریات شیعہ مذہب کا نقطۂ آغاز ہیں:

"ان عقائد ونظریات کے اوّلین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اِسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہوگئے تھے....."

آنجناب نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "یہ رٹی رٹائی بات ہے جو عرصہ سے کہی جارہی ہے۔"

جواباً گزارش ہے کہ یہ اگر "رٹی رٹائی بات" ہے تو معاف کیجئے! یہ آپ ہی کے گھر سے رٹائی گئی ہے، چنانچہ علامہ مامقانی "تنقیح المقال" میں اور علامہ مجلسی "بحارالانوار" میں "رجال کشی" سے نقل کرتے ہیں:

"وذكر بعض أهل العلم أن عبدالله بن سبا كان يهوديًا فأسلم ووالى عليًا عليه السلام وكان يقول وهو علٰى يهوديّته في يوشع بن نون وصيّ موسٰى بالغلوّ فقال فى اسلامه بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى علىّ عليه السلام مثل ذٰلك.

وكان أوّل من أشهر بالقول بفرض امامة علىّ عليه السلام وأظهر البراءة من أعدائه وكاشف مخالفيه وأكفرهم، فمن هٰهنا قال من خالف الشيعة: أصل التشيّع والرفض مأخوذ من اليهوديّة."

(بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۸۷)

ترجمہ:... "بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا

یہودی تھا، پس اسلام لے آیا اور حضرت علیؓ کی ''ولایت'' کا قائل ہوا، یہ اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون علیہ السلام کے بارے میں غلوّ کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں، پس اسلام لانے کے بعد اسی قسم کی بات وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ آپ کے وصی تھے۔

یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے یہ مشہور کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اِمامت کا قائل ہونا فرض ہے، اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دُشمنوں پر (جس سے اس ملعون کی مراد خلفائے راشدینؓ تھے) اعلانیہ تبرا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو واشگاف کیا اور ان کو کافر کہا۔

یہیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رافضیت، یہودیت کا چربہ ہے۔''

علامہ کشی چوتھی صدی کے اکابر شیعہ میں تھے، اور یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شیعہ اسماء الرجال پر قلم اُٹھایا، ''رجال کشی'' اور ''رجال نجاشی'' جن سے علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''بحارالانوار'' میں اِستفادہ کیا ہے، ان دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وکتابا الرجال علیهما مدار العلماء الأخیار فی الأعصار والأمصار.'' (بحارالانوار ج:۱ ص:۳۳)

ترجمہ:... ''رجال کی یہ دونوں کتابیں، انہی پر پسندیدہ علماء کا مدار ہے، تمام زمانوں میں اور تمام شہروں میں۔''

الغرض! جو کتاب تمام اَعصار و اَمصار میں علمائے اَخیار کا مدار چلی آتی ہے، اسی میں یہ بتایا گیا ہے کہ نظریۂ اِمامت کا سب سے پہلا موجد و مبلغ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جس کو امیرالموٴمنین علی رضی اللہ عنہ سے لقاء و زیارت کا شرف حاصل تھا۔ بعد میں جس کسی

نے بھی ''نظریۂ اِمامت'' پیش کیا، اس نے اپنے پیشوا ابنِ سبا یہودی کے وضع کردہ سنگِ بنیاد پر مسئلۂ اِمامت کی بلند و بالا عمارت تعمیر کی۔ اب اگر آپ اپنے ولی نعمت اور مرشدِ اوّل سے کفرانِ نعمت فرمائیں تو اس کا کیا علاج ہے...؟

کیا عبداللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے؟

اور آنجناب نے جو یہ فرمایا ہے کہ:

''تحقیقاً علمائے اہلِ سنت نے عبداللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔''

گویا آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا تو محض ایک فرضی نام ہے، محققین اس کے وجود ہی کا انکار کر رہے ہیں، ''شیعہ مذہب کا موجد'' کہہ کر مفت میں اس غریب کو بدنام کیا جارہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آنجناب نے کن علمائے اہلِ سنت کی یہ تحقیق نقل فرمائی ہے اور یہ کہ ان کا علمی مرتبہ و مقام کیا ہے؟ جہاں تک اس ناکارہ کا علم ہے، اکابر علمائے اہلِ سنت نے وہی بات نقل کی ہے جو علامہ کشی نے کہی ہے اور جسے ابھی علامہ مجلسی کی ''بحارالانوار'' اور علامہ مامقانی کی ''تنقیح المقال'' کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں۔

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''ذکر غیر واحد منهم أن أوّل من ابتدع الرفض والقول بالنص علٰی علیّ وعصمته کان منافقًا زندیقًا، أراد فساد دین الاسلام، وأراد أن یصنع بالمسلمین ما صنع بولص بالنّصاریٰ، لٰکن لم یتأت له ما تأتی لبولص، لضعف دین النصاریٰ وعقلهم، فان المسیح صلی الله علیه وسلم رفع ولم یتبعه خلق کثیر یعلمون دینه ویقومون به علمًا وعملًا، فلما ابتدع بولص ما ابتدعه من الغلوّ فی المسیح اتبعه علٰی ذٰلک طوائف، وأحبوا الغلوّ فی المسیح، ودخلت معهم

ملوک، فقام أهل الحق خالفوهم وأنكروا عليهم فقتلت الملوک بعضهم، وداهن الملوک بعضهم، وبعضهم اعتزلوا فی الصوامع والدیارات. وهٰذه الأُمّة ولله الحمد لا یزال فیها طائفة ظاهرة علی الحق فلا یتمکن ملحد ولا مبتدع من افساده بغلوّ وانتصار علی الحق، ولٰکن یضل من یتبعه علیٰ ضلالة.“

(منہاج السنۃ ج:۳ ص:۲۶۱)

ترجمہ:... ”اور شیعہ جو اہلِ سنت کے خلاف اِمامِ معصوم وغیرہ کے دعوے کرتے ہیں، یہ دراصل ایک منافق زِندیق کا اِختراع ہے، چنانچہ بہت سے اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رفض ایجاد کیا اور جو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اِمامت وعصمت کا قائل ہوا وہ ایک منافق زِندیق (عبداللہ بن سبا) تھا، جس نے دِینِ اسلام کو بگاڑنا چاہا اور اس نے مسلمانوں سے وہی کھیل کھیلنا چاہا جو پولس نے نصاریٰ سے کھیلا تھا، لیکن اس کے لئے وہ کچھ ممکن نہ ہوا جو پولس کے لئے ممکن ہوا، کیونکہ نصاریٰ میں دِین بھی کمزور تھا اور عقل کی بھی کمی تھی، کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام (آسمان پر) اُٹھالئے گئے، جبکہ ان کے پیرو زیادہ نہ تھے جو لوگوں کو ان کے دِین کی تعلیم دیتے اور ان کے علم وعمل کو لے کر کھڑے ہوجاتے، لہٰذا جب پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلوّ اِختراع کیا تو اس پر بہت سے گروہ اس کے پیرو ہوگئے اور وہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو کو پسند کرنے لگے، اور ان غالیوں کے ساتھ بادشاہ بھی غلوّ میں داخل ہوگئے۔ اس وقت کے اہلِ حق کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے غلوّ پر نکیر کی، نتیجہ یہ کہ ان اہلِ حق میں

سے بعض کو بادشاہوں نے قتل کر دیا، بعض نے مداہنت سے کام لیا اور ان کی ہاں میں ہاں ملائی، اور بعض گرجوں اور خلوت خانوں میں گوشہ نشین ہوگئے۔ اور اُمتِ مسلمہ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہی، اس لئے کسی ملحد اور کسی بدعت ایجاد کرنے والے کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ اس اُمت کو غلوّ کی راہ پر ڈال دے اور حق پر غلبہ حاصل کرلے۔ ہاں! ایسے ملحد ان لوگوں کو ضرور گمراہ کر دیتے ہیں جو ان کی گمراہی میں ان کی پیروی اختیار کرلیں۔"

اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے بھی "المنتقیٰ" میں اسی کا خلاصہ درج کیا ہے۔

علامہ شہرستانی "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں:

"السبائية: أصحاب عبدالله بن سبا الذى قال لعلىّ عليه السلام أنت أنت، يعنى أنت الاله، فنفاه الى المداين، وزعموا أنه كان يهوديًّا فأسلم، وكان فى اليهودية يقول فى يوشع بن نوع وصى موسٰى، مثل ما قال فى علىّ عليه السلام، وهو أوّل من أظهر القول بالفرض بامامة عليٍّ." (الملل والنحل ج:۲ ص:۱۱)

ترجمہ:... "سبائیہ: عبداللہ بن سبا کے پیرو کہلاتے ہیں، جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ آپ ہیں، یعنی آپ ہی خدا ہیں۔ حضرت علیؓ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ یہودی تھا، اور اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہا کرتا تھا، جیسا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس عقیدے کا

اظہار کیا کہ حضرت علیؓ کی اِمامت کا قائل ہونا فرض ہے۔''

حافظ ابنِ حجرؒ ''لسان المیزان'' میں لکھتے ہیں:

''عن أبی الجلاس سمعت عليًّا يقول لعبدالله بن سبا: والله! ما أفضى الیّ بشیء كتمه أحدًا من الناس، ولقد سمعت يقول: ان بين يدی الساعة ثلاثين كذّابًا، وانک لأحدهم. وقال أبو اسحاق الفزاری عن شعبة عن سلمة بن كهيل عن أبی الزعراء عن زيد بن وهب أن سويد بن غفلة دخل علٰی علیّ فی امارته فقال: انّی مررت بنفر يذكرون أبابكر، وعمر، يرون أنک تضمر لهما مثل ذٰلک، منهم عبدالله بن سبا وكان عبدالله أوّل من أظهر ذٰلک، فقال علیّ: ما لی ولهٰذا الخبيث الأسود؟ ثم قال: معاذ الله أن أضمر لهما الا الحسن الجميل، ثم أرسل الٰی عبدالله بن سبا فسيره الی المدائن، وقال لا يساكننی فی بلدة أبدًا، ثم نهض الی المنبر حتّی اجتمع الناس فذكر القصة فی ثنائه عليهما بطوله وفی آخره: ألا ولا يبلغنی عن أحد يفضلنی عليهما الّا جلّدته حد المفتری. وأخبار عبدالله بن سبا شهيرة فی التواريخ، وليست له رواية، ولله الحمد، وله أتباع يقال لهم السبائية، معتقدون الٰهية علیّ بن أبی طالب، وقد أحرقهم علیّ بالنّار فی خلافته.''

(لسان المیزان ج:۳ ص:۲۹۰)

ترجمہ:... ''ابوالجلاس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن سبا سے یہ کہتے ہوئے خود سنا ہے کہ اللہ کی قسم!

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی راز کی کوئی بات نہیں بتائی جس کو کسی سے چھپایا ہو، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خود سنا کہ ''قیامت سے پہلے تیس جھوٹے ہوں گے'' تو بھی ان میں سے ایک ہے۔

ابو اسحاق فزاری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سوید بن غفلہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ: میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برائی سے یاد کر رہے تھے، ان کی رائے یہ ہے کہ آپ بھی (یعنی حضرت علیؓ بھی) ان دونوں کے بارے میں یہی بات اپنے دِل میں چھپائے ہوئے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں۔ اس گروہ میں سے ایک عبداللہ بن سبا ہے۔ اور عبداللہ بن سبا سب سے پہلا شخص تھا جس نے اس کا (عداوتِ شیخینؓ کا) اظہار کیا۔ حضرت علیؓ نے میری بات سن کر فرمایا: مجھے اس کالے خبیث (عبداللہ بن سبا) سے کیا تعلق؟ پھر فرمایا کہ: اللہ کی پناہ کہ میں شیخینؓ کے بارے میں بھلائی اور خوبی کے سوا کوئی اور بات اپنے دِل میں چھپاؤں۔ پھر آپ نے عبداللہ بن سبا کو بلا بھیجا، پس اس کو مدائن کی طرف چلتا کیا اور فرمایا: یہ میرے ساتھ ایک شہر میں نہیں رہ سکتا۔ پھر اُٹھ کر منبر پر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ لوگ جمع ہوگئے۔ یہاں راوی نے طویل قصہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخینؓ کی مدح و ثنا فرمائی، اس کے آخر میں حضرت علیؓ کے الفاظ یہ تھے:

''سن رکھو! جس شخص کے بارے میں بھی مجھے یہ خبر پہنچی کہ وہ مجھے شیخینؓ پر فضیلت دیتا ہے، میں اس پر بہتان لگانے والے

کی حد (اَسّی دُرّے) جاری کروں گا۔"

عبداللہ بن سبا کے حالات تواریخ میں مشہور ہیں، اور الحمدللہ کہ اس کی کوئی روایت نہیں، اس کے کچھ پیروکار ہیں جن کو ''سبائیہ'' کہا جاتا ہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلایا تھا۔"

ابنِ سبا کے نظریات اور اس کی تعلیمات:

آنجناب مزید فرماتے ہیں:

''نیز یہ کہ اس کے (ابنِ سبا کے) عقائد و نظریات نہ کسی کتاب میں منقول ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرحِ عقائد اور بیانِ مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

اس ناکارہ کو یہ لکھتے ہوئے نہایت رنج ہوتا ہے کہ آنجناب کا دعویٰ غلط اور دلیل غیر منطقی ہے، شیعی سنی دونوں کتابوں میں ابنِ سبا کے عقائد مذکور ہیں، چنانچہ:

ا:...اس ملعون نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ حضرتِ امیرؓ نے اس کو بلا کر سرزنش فرمائی، اس کو جلاوطن کر دیا اور برسرِ منبر یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آئندہ مجھے حضراتِ شیخینؓ پر فضیلت دے گا، اس پر مفتری کی حد لگاؤں گا۔ علامہ مجلسی نے ''رجال کشی'' کے حوالے سے اِمام جعفر صادقؒ کا ایک طویل ارشاد نقل کیا ہے جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

''وكان أمير المؤمنين عليه السلام أصدق من برأ الله من بعد رسول الله صلى الله عليه وآله وكان الّذي يكذب عليه ويعمل في تكذيب صدقه بما يفتري عليه من الكذب عبدالله ابن سبا لعنه الله."

(بحارالانوار ج:۲ ص:۲۱۷)

ترجمہ:..."امیر المؤمنین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے سچے تھے اور جو شخص آپ پر جھوٹ باندھتا تھا، اور جھوٹ باندھ باندھ کر آپ کے سچ کو جھوٹا ثابت کرتا تھا وہ عبداللہ بن سبا تھا، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔"

غالباً اس نے حضرتِ امیرؓ پر جو پے در پے جھوٹ باندھے ان میں سب سے پہلا جھوٹ یہی تھا کہ امیر المؤمنینؓ حضراتِ شیخینؓ سے افضل ہیں، اور اس کا یہی عقیدہ تھا جس کو سن کر امیر المؤمنینؓ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے، اور اس ملعون کے اسی ملعون عقیدے کا جب خیال آجاتا تھا تو امام زین العابدینؒ کے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی ہی نے "کشی" کے حوالے سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

"لعن الله من كذب علينا، انّي ذكرت عبدالله بن سبا فقامت كل شعرة في جسدي لقد ادّعى أمرًا عظيمًا، ماله لعنه الله." (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۸٦)

ترجمہ:..."اللہ کی لعنت ہو اس پر جو ہم پر جھوٹ باندھے، میں عبداللہ بن سبا کو یاد کرتا ہوں تو میرے بدن کے سارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اس نے بہت بڑی بات کا دعویٰ کیا تھا، اس کو کیا ہوگیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔"

۲:...ابنِ سبا کا عقیدۂ ولایت بھی اُوپر آچکا ہے، جس کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنینؓ کو پوشیدہ علوم سے آگاہی بخشی تھی، کیونکہ آپ وصیٔ رسول تھے، چنانچہ خلافت وولایت حضرت امیر المؤمنینؓ کا حق تھا اور یہ کہ ان سے پہلے کے حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ حق غصب کرلیا تھا، لہٰذا ان سے تبرا ضروری ہے۔ "تنقیح المقال" اور "بحارالانوار" کی وہ روایت جو اُوپر نقل کرچکا ہوں اور جس میں بتایا گیا ہے کہ وصایت وولایتِ علیؓ کا عقیدہ سب سے پہلے ابنِ سبا نے مشہور کیا تھا، اور مخالفین پر تبرا سب سے پہلے اس نے شروع کیا، اس پر "بحارالانوار" کے فاضل محشی کا

یہ حاشیہ بڑا معنی خیز ہے:

"کان قبل ذٰلک یتقون ولا یقولون علانیة تلک الأُمور، فظهر وترک التقیة واعلن القول بذٰلک. القول بکفر المخالفین من مختصاته لعنة الله علیه." (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۸۷)

ترجمہ:... "عبداللہ بن سبا سے پہلے کے لوگ تقیہ سے کام لیتے تھے، اور ان اُمور کو (کہ حضرت علیؓ وصیٔ رسول ہیں، اَحق بالاِمامت ہیں، شیخینؓ سے افضل ہیں) اعلانیہ نہیں کہتے تھے۔ لیکن اس ملعون نے تقیہ چھوڑ دیا اور ان باتوں کو اعلانیہ ذکر کرنا شروع کردیا (معلوم ہوا کہ جو لوگ تقیہ کو چھوڑ کر اعلانیہ حضرت علیؓ کو وصی، اَحق بالاِمامت اور حضراتِ شیخینؓ سے افضل کہتے ہیں، وہ ابنِ سبا کے مقلد ہیں، اس سے پہلے کوئی شخص ان باتوں کا اعلانیہ اظہار نہیں کرتا تھا - ناقل) مخالفینِ اِمامت کو کافر کہنا بھی اس کی خصوصیات میں سے ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

۳:... یہ بھی اُوپر آچکا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا، "رجالِ کشی" میں حضرت صادقؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

"لعن الله عبدالله بن سبا انّه ادّعی الربوبیّة فی أمیر المؤمنین، وکان والله أمیر المؤمنین علیه السلام عبدالله طائعًا، الویل لمن کذب علینا، وانّ قومًا یقولون فینا ما لا نقوله فی أنفسنا، نبرأ الی الله منهم، نبرأ الی الله منهم." (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۸۶)

ترجمہ:... "عبداللہ بن سبا پر اللہ کی لعنت ہو کہ اس نے امیرالمؤمنین کے بارے میں رُبوبیت کا دعویٰ کیا، اللہ کی قسم!

امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے تھے، ہلاکت ہو اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ باندھے، کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے، ہم اللہ کے سامنے ان لوگوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں (دو مرتبہ فرمایا)۔"

۴:...اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لئے نبوّت کا بھی دعویٰ رکھتا تھا، علامہ مجلسی نے "رجال کشی" اور "مناقب آل ابی طالب" کے حوالے سے اِمام باقرؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

"۳۹- کش: محمد بن قولویه عن سعد عن محمد بن عثمان عن یونس عن عبدالله بن سنان عن أبیه عن أبی جعفر علیه السلام انّ عبدالله بن سبا کان یدّعی النبوّة ویزعم أنّ أمیر المؤمنین علیه السلام هو الله، تعالٰی عن ذٰلک، فبلغ ذٰلک أمیر المؤمنین علیه السلام فدعاه وسأله فأقرّ بذٰلک وقال: نعم أنت هو، وقد کان ألقی فی روعی أنک أنت الله وانی نبی."

(بحار الانوار ج:۲۵ ص:۲۸۶)

ترجمہ:... "عبداللہ بن سبا نبوّت کا دعویٰ رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہیں، امیر المؤمنین علیہ السلام کو اس کی یہ بات پہنچی تو اسے بلا بھیجا، اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا اور کہا کہ: ہاں! آپ وہی ہیں، میرے دِل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپ اللہ ہیں اور میں نبی ہوں۔"

ابنِ سبا کے پہلے تین عقیدوں کو شیعہ فرقوں نے آپس میں تقسیم کرلیا۔ چنانچہ تفضیلی شیعوں نے اس کے پہلے عقیدے کو لے لیا، سبّی رافضیوں نے اس کے دُوسرے عقیدے پر اپنے عقائد کی عمارت اِستوار کرلی، اور غالی رافضیوں نے آخری درجے پر جا کر دَم لیا، غالباً

یہ اس عیار کی حکمتِ عملی تھی کہ ہر عقیدے کی ہر جماعت کو جداگانہ تعلیم دی، چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''تحفہ'' کے بابِ اوّل میں اس کی ان تدریجی تعلیمات و تلبیسات کو بہت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، یہاں اس کی تلخیص کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ترجمہ:... ''جب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرست کافروں کے ممالک بہ عنایتِ خداوندی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار نگونسار کو قتل کرنے، قید کرنے اور ان کے اموال کو غنیمت بنانے کا اتفاق ہوا اور ان کافروں کو کمال درجے کی ذِلت و عار لاحق ہوئی..... تو ناچار خلیفہ ثالثؓ کے دور میں انہوں نے ایک نیا حیلہ اختیار کیا، اور مکر و فریب کی مضبوط رسّی کو مضبوط تھاما، لہٰذا ان کی ایک بڑی جماعت نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کی فہرست میں داخل کردیا اور مسلمانوں میں گھس کر نورِ اِسلام کے بجھانے اور مسلمانوں کی جماعت میں فتنہ و فساد اور بغض و عناد ڈالنے کے درپے ہوئے، اور اس مقصد کے لئے حیلہ و تدبیر کرنے لگے.......

اس سازشی ٹولے کا سربراہ عبداللہ بن سبا یہودی یمنی صنعانی تھا، جس نے برسوں تک یہودیت میں تلبیس و اِضلال کا جھنڈا بلند کیا تھا، وہ دغا و فریب کی شطرنج کا تجربہ کار کھلاڑی تھا، فتنہ انگیزی کے سرد و گرم کو خوب چکھے ہوئے تھا، اور اس لق و دق میدان کے نشیب و فراز طے کر رکھے تھے، الغرض فتنہ پروری کا بہت ہی ماہر و تجربہ کار تھا۔ اس نے اہلِ فتنہ میں سے ہر ایک کو ایک الگ طریقے سے فریب دینا شروع کیا اور ہر ایک کی اِستعداد کے مناسب گمراہی کا بیج بونے کی بنیاد رکھی۔

پہلے تو اس نے خاندانِ نبوی سے کمالِ محبت و اِخلاص کا اِظہار کیا، اور اہلِ بیت سے محبت رکھنے اور اس معاملے میں خوب پختگی اختیار کرنے کی ترغیب دینی شروع کی، خلیفہ برحق کی جانب کو لازم پکڑنے، دُوسروں پر اس کو ترجیح دینے اور اس کے مخالفوں کی طرف جھکاؤ نہ کرنے کو بیان کرنے لگا، اس کی یہ ترغیب ہر عام و خاص میں مقبول اور تمام اہلِ اسلام کے لئے مرغوب ہوئی اور اس سے لوگوں کو اس کی نصیحت و خیرخواہی کا اعتقاد ہوا۔ جب ایک جماعت کو اس دامِ فریب میں گرفتار کرلیا تو سب سے پہلے تو انہیں یہ اِلقاء کرنا شروع کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اِنسانوں سے افضل ہیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، برادر اور داماد ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد، حضرت علیؓ کی تمام صحابہؓ پر فضیلت کے قائل ہوگئے ہیں اور یہ بات ان کے ذہنوں میں خوب راسخ اور پختہ ہوگئی ہے تو اپنے خصوصی ہم رازوں اور چیدہ چیدہ دوستوں کو ایک نئے بھید کی تعلیم دی کہ حضرت مرتضیٰؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصِ صریح کے ساتھ خلیفہ بنایا تھا، ان کی خلافت قرآنِ کریم کی آیت: "اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ" سے مستنبط ہوتی ہے۔ لیکن صحابہؓ نے جبر و مکر سے پیغمبر کی وصیت کو ضائع کردیا، انہوں نے خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کی، حضرت مرتضیٰؓ کے حق کو غصب کرلیا اور سب کے سب طمعِ دُنیا کی خاطر دِین سے برگشتہ ہوگئے ..... اس کے اس وسوسے کی وجہ سے ان مسائل پر گفتگو شروع ہوگئی۔ حضرتِ امیرؓ کے

لشکریوں میں خلفائے ثلاثہؓ پر سبّ وطعن کا سلسلہ جاری ہوگیا، اور باہمی مناظروں اور مجادلوں کی نوبت آنے لگی، یہاں تک کہ حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر خطبے ارشاد فرمائے اور اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور کچھ لوگوں کو وعید سنائی اور ان پر حد لگانے کی دھمکی دی۔

ابنِ سبا نے جب دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی نشانے پر بیٹھا اور اہلِ اسلام کے عقیدے میں فتنہ وفساد راہ پانے لگا، چنانچہ مسلمان اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے آپس میں اُلجھتے ہیں اور ایک ۔ ے کی آبروریزی کر رہے ہیں تو اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اپنے خاص الخاص شاگردوں کو چنا اور دُوسروں سے خلوَت میں لے جاکر پہلے ان سے عہد و پیمان لیا اور پھر ایک اور بھید جو زیادہ باریک اور زیادہ نازک تھا، ان کے سامنے کھولا۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ سے بہت سی ایسی چیزیں صادر ہوتی ہیں جو بشر کی قدرت میں نہیں ...... یہ تمام چیزیں اُلوہیت کے خواص ہیں جو ان سے ظہور پذیر ہورہی ہیں، اور ناسوت کے لباس میں لاہوت جلوہ فرما ہے، لہٰذا خوب سمجھ لو کہ علیؓ خود خدا ہیں ان کے سوا کوئی خدا نہیں......

مثل مشہور ہے کہ ''جو بھید دو آدمیوں سے گزر جائے وہ فاش ہوجاتا ہے'' چنانچہ رفتہ رفتہ یہ قبیح نظریہ فاش ہوگیا اور حضرت مرتضیٰؓ تک پہنچا، آپؓ نے ان لوگوں کو ابنِ سبا کے ساتھ بلاکر آگ میں جلانے کی دھمکی دی، ان سے توبہ کرائی، اس کے بعد اسے مدائن کی طرف جلاوطن کردیا...... پس حضرتِ امیرؓ کے اہلِ لشکر میں اس شیطانِ لعین کے وسوسے کے رَدّوقبول کے نتیجے میں چار فریق ہوگئے:

اوّل:... شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین:... جو اہلِ سنت و

جماعت کے پیشوا ہیں۔ یہ حضرات حضرت مرتضیٰؓ کی رَوِش پر قائم رہے کہ مشاجرات و مقاتلات کے باوصف اَصحابِ کبارؓ اور اَزواجِ مطہراتؓ کے حقوق کو پہچانتے تھے، ظاہر و باطن کے لحاظ سے ان اکابر کی عزت و حرمت کے معترف تھے، ان کا سینہ کینہ و نفاق سے پاک صاف تھا، ان حضرات کو شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کہتے ہیں۔ اور یہ گروہ بحکم ''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ'' اس اِبلیس پُرتلبیس کے شر سے ہر جہت سے محفوظ رہا، اور ان کے دامنِ پاک پر اس خبیث (ابنِ سبا) کی نجاست کا کوئی داغ دھبا نہیں آیا۔ حضرت مرتضیٰؓ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح فرمائی اور ان کی رَوِش کو پسند فرمایا۔

دوم:... شیعہ تفضیلیہ:... جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو تمام اکابر صحابہؓ پر فضیلت دیتا تھا، یہ فرقہ اس لعین کے ادنیٰ شاگردوں میں سے تھا اور اس فرقے نے اس ملعون کے وسوسے کا ایک شمہ قبول کرلیا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کے بارے میں تہدید فرمائی اور اِرشاد فرمایا کہ: آئندہ اگر میں نے کسی کے بارے میں سنا کہ وہ مجھے حضراتِ شیخینؓ پر فضیلت دیتا ہے اس مفتری پر (بہتان باندھنے والے کی) حد (اَسّی کوڑے) جاری کروں گا۔

سوم:... شیعہ سبّیہ:... جن کو تبرائیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ تمام صحابہؓ کو ظالم و غاصب اور کافر و منافق جانتے ہیں، اور یہ گروہ اس خبیث (ابنِ سبا) کے درمیانے درجے کے شاگرد ہوئے ...... اور جب اس گروہ کے خیالات حضرت مرتضیٰؓ تک پہنچے تو آپ نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے، ان لوگوں کی بُرائیاں بیان فرمائیں اور ان لوگوں سے اپنی براءت ظاہر فرمائی۔

چہارم:.... غالی شیعہ:.... جو اس خبیث (ابنِ سبا) کے اَخبث تلامذہ اور اس کے خاص الخاص راز دان تھے، یہ لوگ حضرت علیؓ کی اُلوہیت کے قائل ہوئے۔

یہ ہے شیعہ مذہب کے پیدا ہونے کا اصل سبب۔ اور یہیں سے معلوم ہوا کہ اربابِ تشیع کے دراصل تین فرقے ہیں، اور یہ سب ایک وقت میں پیدا ہوئے، اور تینوں کا بانی مبانی وہی خبیثِ باطن، نفاق پیشہ یہودی ہے جس نے ہر ایک کو دُوسرے رنگ میں فریب دیا اور دُوسرے دام میں اُلجھایا۔" (تحفہ ص:۳-۵ ملخصاً)

اور حضرت شاہ صاحبؒ "بابِ سوم در ذِکرِ اَسلافِ شیعہ" میں لکھتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ اسلافِ شیعہ کے چند طبقے ہوئے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ لوگ جنھوں نے اس مذہب کو بلاواسطہ رئیس المضلین اِبلیسِ لعین سے حاصل کیا، یہ منافقوں کا ٹولہ تھا جو اپنے دِل میں اہلِ اسلام کی عداوت چھپائے ہوئے تھے، انہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تاکہ اہلِ اسلام کے زُمرے میں داخل ہونے، ان کو بہکانے اور ان کے درمیان مخالفت اور بغض وعناد پیدا کرنے کا راستہ کھل جائے۔ ان لوگوں کا مقتدا عبداللہ بن سبا یہودی صنعانی ہے، جس کا اِبتدائی حال تاریخ طبری سے بابِ اوّل میں نقل کیا جاچکا ہے۔ اس شخص نے اوّلاً:... حضرتِ امیرؓ کو سب سے افضل جاننے کی لوگوں کو دعوت دی۔ ثانیاً:... صحابہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو کافر و مرتد قرار دینے کی بات کی۔ ثالثاً:... حضرت علیؓ کے خدا ہونے کی لوگوں کو دعوت دی۔ اور اپنے پیروؤں میں سے ہر ایک کو اس کی اِستعداد کے مطابق اغوا و اِضلال کے جال میں پھانسا، پس وہ علی الاطلاق رافضیوں کے تمام فرقوں کا مقتدا ہے کہ یہ آئین خباثت

آ گین، ابلیسِ لعین کے سینے سے لے کر اہلِ زمین کے دِلوں میں اسی کالایا ہوا ہے۔ اگر چہ شیعوں میں سے بہت سے لوگ اس کے کفرانِ نعمت کرتے ہیں اور اس کو بُرائی سے یاد کرتے ہیں، اس بنا پر کہ وہ حضرت علیؓ کی اُلوہیت کا قائل ہوگیا تھا، اس کو غالی شیعوں کا مقتدا جانتے ہیں۔ اور بس ...... لیکن درحقیقت تمام شیعہ اسی کے شاگرد ہیں اور اسی کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام فرقوں میں یہودیت کے معنی صاف نظر آتے ہیں اور یہودیانہ اخلاق ان میں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا، اِفتراء کرنا، بہتان لگانا، بزرگوں کو گالیاں دینا، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں پر طعن و تشنیع کرنا، کلام اللہ اور کلامِ رسول کو غیر محمل پر ڈھالنا، اہلِ حق کی عداوت دِل میں چھپانا، خوف اور طمع کے طور پر چاپلوسی اور تملق کا اظہار کرنا، نفاق کو پیشہ بنانا، تقیہ کو اَرکانِ دِین میں شمار کرنا، بناوٹی رقعے اور جعلی خطوط تصنیف کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اَئمہ کی طرف منسوب کرنا، اپنی دُنیوی اَغراضِ فاسدہ کی خاطر حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنا۔ اور یہ جو کچھ ذکر کیا گیا ''بہت میں سے تھوڑا'' اور ''ڈھیر میں سے ایک نمونہ'' ہے۔ اگر کسی کو تفصیلی اطلاع منظور ہو تو اسے چاہئے کہ سورۂ بقرہ سے سورۂ اَنفال تک کا غور و فکر سے مطالعہ کرے اور یہودیوں کے تذکرے میں جو ان کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق ذکر کئے گئے ہیں ان کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھے، پھر اس فرقے کی صفات اور اعمال و اخلاق کا یہودیوں کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق کے ساتھ موازنہ کرے، یقین ہے کہ اس بات کے صدق کا یقین اس کے دِل میں اُتر جائے گا، اور بے ساختہ ''طابق النعل بالنعل'' کا فقرہ اس کی

زبان سے نکلے گا (یعنی دونوں ایک دُوسرے سے ایسی مطابقت رکھتے ہیں جیسے ایک جوڑے کا جوتا دُوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے)۔" (تحفہ اثناعشریہ ص:۹۷)

مندرجہ بالا تصریحات، خصوصاً ائمہ کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ ابنِ سبا کوئی مجہول یا غیر معروف شخصیت نہیں، بلکہ شیعہ عقائد کا موجد ہونے کی حیثیت سے وہ شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سبا کے عقائد ونظریات نہ صرف مورّخین اور ملل ونحل کے مصنّفین نے تفصیلاً قلم بند کئے ہیں، بلکہ ائمہ معصومین کی زبانِ الہام ترجمان سے بھی اس ملعون کے عقائد کا خلاصہ بیان ہوچکا ہے۔ دیگر اہلِ علم کے بیانات گویا انہی ارشادات کی شرح وتفصیل ہے۔

الغرض! آنجناب کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے کہ ابنِ سبا کے عقائد کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اہلِ سنت کی کتابوں کے علاوہ خود ان حضرات کے ارشادات میں، جن کو شیعہ "اِمامِ معصوم" کہتے ہیں، اس "ذات شریف" کے اُصولِ عقائد مذکور ہیں، اور یہی اُصولِ عقائد بعد میں شیعہ کے مختلف فرقوں کے اُصولِ عقائد قرار پائے۔

رہا آنجناب کا یہ استدلال کہ "ابنِ سبا کی تحریک محض سیاسی تھی، شرحِ عقائد اور بیانِ مسائل سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے" اوّل تو مذکورہ بالا حقائق کے بعد، جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں، جناب کا یہ اِستدلال محض قیاس ہے اور نصوص کے مقابلے میں قیاس باطل ہے، اِمامِ عالی مقام کا یہ ارشاد کہ: "أوّل من قاس إبليس" (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۵۸، کتاب العلم باب البدع والرأی والقیاس روایت:۲۰) یعنی سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ اِبلیس تھا، جناب کے ذہن میں ہوگا، اِمامِ معصوم کے اس ارشاد کی روشنی میں آنجناب کی قیاس آرائی کی، خود سوچئے کیا قیمت رہ جاتی ہے...؟ علاوہ ازیں عبداللہ بن سبا کی یہ تحریک اگرچہ سیاسی تھی (جیسا کہ آپ نے فرمایا) لیکن اس پر "حبِ اہلِ بیت" کا مذہبی خول چڑھایا گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ "سیاسی تحریک" اسلام کے نظامِ خلافت بلکہ خود

اِسلام کے خلاف ایک بغاوت تھی اور اس مقدس دور میں جب تک اس سیاسی تحریک پر دجل و تلبیس اور کتمان و تقیہ کے دبیز غلاف نہ چڑھائے جاتے، اس کا پنپنا ممکن نہیں تھا، چنانچہ ایسے نومسلم افراد جو اِسلام کی تعلیمات سے ناآشنا اور صحابہؓ و تابعینؒ کے فیضِ صحبت سے محروم تھے، ان کو بطورِ خاص شکار کیا گیا، انہیں ''حبِ اہلِ بیت'' کے سحر سے مسحور کیا گیا اور انہیں تدریجاً ''ولایتِ علی'' سے لے کر ''اُلوہیتِ علی'' تک کے عقائد و نظریات کی خفیہ تعلیم دی گئی۔ الغرض! آنجناب کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ یہ نفاق پیشہ تحریک سیاسی تھی، مگر یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس سیاسی تحریک کا عقائد و نظریات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

آخر میں ایک لطیفہ، ایک شکوہ اور ایک شکریہ!

نظریۂ اِمامت و وصایتِ علیؓ کے موجدِ اوّل — عبداللہ بن سبا — کی بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک لطیفے کا ذِکر کرنا ضروری ہے جو ایک شکوے اور ایک شکریے کو متضمن ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس ناکارہ نے یہ ذکر کیا تھا کہ نظریۂ اِمامت، شیعیت کا نقطۂ آغاز ہے، اس کے بعد اِمامت، ولایت اور وصایت کے نظریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس ناکارہ نے لکھا تھا:

> ''ان عقائد و نظریات کے اوّلین موبدوہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اِسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہوگئے تھے، انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رُخ موڑنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زہریلے نظریات کا بیج بوکر اُمتِ اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے۔''

لیکن آنجناب نے میری اس عبارت کا مفہوم یوں نقل کیا:

> ''عبداللہ بن سبا یہودی، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا، وہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔''

ایک فقرے میں تین تبدیلیاں:

میرے اصل فقرے کا اور آنجناب نے اس کا جو مفہوم نقل کیا ہے اس کا ایک بار مقابلہ کر کے دیکھئے، آپ کو اصل اور نقل میں مبینہ طور پر تین تبدیلیاں نظر آئیں گی:

اوّل:... میں نے ''نظریۂ ولایت کے موجد'' کا لفظ لکھا تھا، اور آنجناب نے اس کو بدل کر ''فرقہ شیعہ کا موجد'' بنا دیا۔

دوم:... میں نے منافقین کے ایک گروہ کا ذِکر کیا تھا، جن کا رئیس عبداللہ بن سبا تھا، آنجناب نے گروہِ منافقین کا ذِکر حذف کر کے سارا بوجھ تنہا عبداللہ بن سبا پر ڈال دیا۔

سوم:... حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے مظلومانہ محاصرے کا میں نے سرے سے ذکر ہی نہیں کیا، نہ میری تحریر میں ان کی المناک شہادت کا تذکرہ ہی کہیں دُور ونزدیک آیا، میری تحریر حضرت عثمانؓ کے محاصرے اور ان کی شہادت کے ذکر سے یکسر خالی تھی، آنجناب نے یہ الفاظ ''جس نے حضرت عثمانؓ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا'' خود تصنیف کر کے انہیں میری طرف منسوب کر ڈالا۔

لطیفہ یہ کہ میری عبارت میں تین زبردست تبدیلیاں کر کے آنجناب اس تبدیل شدہ عبارت کو میری طرف منسوب کر کے خود میرے ہی سامنے پیش فرما رہے ہیں، اس جرأت پر ''دروغ گویم بروئے تو'' کی مثل صادق آتی ہے، لیکن یہ ناکارہ ایسی گستاخی نہیں کرسکتا، البتہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ دُوسرے کی عبارت پر تنقید کرنے کا تو حق ہے مگر ایسی ''اِصلاح'' کا حق نہیں، جیسی آنجناب نے فرمائی ہے، یہ اصلاح وترمیم اگر نادانستہ ہے تو آنجناب کے ملکۂ سخن شناسی کی دلیل ہے، جس کی داد دینی چاہئے، اور اگر دانستہ ہے تو کیا عرض کروں؟

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن اکابر کو شیعہ ''ائمہ معصومین'' سے نامزد کرتے ہیں، ان کی طرف شیعہ لٹریچر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں روایات کا جو طومار منسوب کیا گیا ہے، اس میں شیعہ راویوں نے کیا کیا تصرفات نہ کئے ہوں گے اور کیا کیا گل نہ کھلائے ہوں گے...؟

''بہ بیں از گلستاں من بہار مرا''

تاہم اس تبدیلی وتصرف پر آنجناب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آنجناب نے میرے جملے کی ''اصلاح'' فرما کر میری ذمہ داری کا کافی بوجھ ہلکا کردیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

ا:... میں نے ''نظریۂ ولایت کے موجد'' لکھا تھا، آپ نے اس کی جگہ ''فرقہ شیعہ کا موجد'' لکھ کر گویا تسلیم کرلیا کہ فرقہ شیعہ کا سنگِ بنیاد یہی نظریۂ ولایت ہے، اور یہ کہ نظریۂ ولایت اور شیعیت اگر ہم معنی نہیں تو کم سے کم لازم وملزوم تو ضرور ہیں۔ اس سے اُوپر کی ذکر کردہ بحث (نظریۂ اِمامت، شیعہ مذہب کا اصل الاصول ہے) ازخود ثابت ہوگئی اور مجھے اس پر کسی دلیل لانے کی ضرورت نہ رہی، ''حق بر زباں شود جاری'' کی کیسی اچھی مثال سامنے آئی۔

۲:... ''گروہ منافقین'' کے بجائے صرف ''عبداللہ بن سبا'' کا ذِکر کرکے آپ نے مجھے اس پورے گروہ کی تلاش وجستجو کی ذمہ داری سے فارغ کردیا، صرف ایک شخص (عبداللہ بن سبا) کی نشاندہی میرے ذمہ رہ گئی، جس کو بخوبی ادا کرچکا ہوں، ورنہ اگر پورے گروہ کی تلاش وجستجو کی ذمہ داری مجھ پر ہوتی تو مجھے کتبِ رجال اور کتبِ مِلل ونحل کی کافی ورق گردانی کرنا پڑتی، اس کے بعد ہی میں یہ بتاسکتا تھا کہ فلاں فلاں افراد کو اَصحابِ عبداللہ بن سبا کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں کہ آپ نے بیک جنبشِ قلم مجھے اس زحمت سے بَری کردیا، وَکَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ!

۳:... ''نظریۂ ولایت ووصایتِ علیؓ'' کے موجدوں کو ایک سیاسی گروہ قرار دے کر آپ نے اس نظریے کی تائید کردی کہ شیعہ مذہب دراصل ایک ''خفیہ سیاسی تحریک'' تھی جو خفیہ سازش کے ذریعے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں ''وَكَانُوْا شِيَعًا'' کی بھٹی میں جھونکنے کے لئے کھڑی کی گئی، واقعتاً یہ مذہبی تحریک نہ اس وقت تھی، نہ اب ہے، یہ اوّل و آخر ایک سیاسی اور سازشی تحریک ہے۔

گویا جو بات میں نے نہیں کہی تھی، وہ آنجناب نے میری طرف سے خود کہہ دی، جزاک اللہ! مرحبا!

تیسری بحث: عقیدۂ اِمامت، ختمِ نبوّت کے منافی ہے

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آپ کی (یعنی اس ناکارہ کی) تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نظریۂ اِمامت عقیدۂ ختمِ نبوّت پر ایک ضرب ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے، (آمین-ناقل) ہمارے نزدیک نبی کریم محمد مصطفیٰ بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم نبی آخر الزمان یعنی خاتم النبیّین تھے، اور جو بھی اس عقیدے سے منحرف ہو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔''

اس کے بعد آنجناب نے عقیدۂ ختمِ نبوّت پر علامہ طبرسی کی تفسیر ''مجمع البیان''، آیت اللہ طباطبائی کی تفسیر ''المیزان''، مُلاَّ فتح اللہ کاشانی کی تفسیر ''منهج الصادقین'' اور علامہ زنجانی کی کتاب ''عقائد الامامیة الاثنی عشریة'' کے حوالے دے کر آخر میں لکھا ہے:

''کیا اہلِ سنت اس سے مختلف نظریہ نبی کریمؐ کے بارے میں رکھتے ہیں؟ یقیناً نہیں! پس کیسے آپ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ نظریۂ اِمامت عقیدۂ ختمِ نبوّت پر ضرب لگانے کے لئے ایجاد کیا گیا، جبکہ ہمارے نزدیک نبی کریمؐ ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوّت اتنا واضح و مبرہن ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ورنہ ہم اپنی کتبِ عقائد کے حوالوں کے انبار لگا دیتے۔''

آنجناب کو اپنی کتابوں کے حوالوں کے انبار لگانے کی ضرورت نہیں تھی، اور جو

حوالے آنجناب نے زیب رقم فرمائے وہ بھی مفت کی زحمتِ بے جا فرمائی۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا، آنجناب نے اس کا توڑ نہیں فرمایا، اور جو بات میں نے نہیں کہی تھی، اس کی تردید پر حوالے جمع کردیئے، لیجئے اب میں اپنے مدعا کی تشریح کئے دیتا ہوں۔

میں نے ائمہ کے بارے میں حضراتِ شیعہ کے چھ عقائد درج کئے تھے:

۱:...ان کا معصوم ہونا۔

۲:...منصوص من اللہ ہونا۔

۳:...مفترض الطاعۃ ہونا۔

۴:...ان پر وحی نازل ہونا۔

۵:...ان کو حلال وحرام کا اِختیار ہونا۔

۶:...اور یہ کہ وہ قرآنِ کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کرسکتے ہیں۔

ان چھ عقائد کے نتیجے کے طور پر میں نے لکھا کہ: ''جو مرتبہ ایک مستقل صاحبِ شریعت نبی کا ہے، وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک ''اِمام'' کا ہے۔'' اور اس نتیجے پر تفریع کے طور پر میں نے لکھا کہ: ''شیعہ کا نظریۂ اِمامت ختمِ نبوّت کے منافی ہے۔''

میری تحریر کے اس خلاصے سے واضح ہے کہ میں نے آپ حضرات پر یہ اِلزام نہیں لگایا کہ آپ خدانخواستہ ختمِ نبوّت کے منکر اور اِجرائے نبوّت کے قائل ہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑی شد و مد سے ختمِ نبوّت کا اِقرار و اِعلان کیا کرتے ہیں۔ میرا اِلزام یہ ہے کہ آپ حضرات ''اِمام'' کے اوصاف میں ایسا مبالغہ کرتے ہیں جن سے اِمام کا ''ہم رتبۂ نبی'' ہونا لازم آتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی شخصیتوں کو تسلیم کرنا، جو کمالاتِ نبوّت کی وجہ سے ''ہم رتبۂ نبی'' ہوں، درحقیقت ختمِ نبوّت کا اِنکار ہے، مختصراً یہ کہ آپ لفظاً ختمِ نبوّت کا اِقرار کرتے ہیں اور معناً اِنکار کرتے ہیں۔

اب اگر آنجناب کو میری ناچیز تحریر پر تنقید کرنا تھی تو اس کی صحیح صورت یا تو یہ تھی کہ آپ ان عقائد کا انکار کردیتے اور یہ فرماتے کہ حاشا وکلاّ ہم لوگ ''اِمام'' کو نبی کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور مفترض الطاعۃ نہیں سمجھتے، نہ اِمام کو نبی کا مرتبہ دیتے ہیں۔ یا یہ

ثابت کرتے کہ ائمہ کو نبی کا مرتبہ دینا معناً ختمِ نبوّت کا اِنکار نہیں ہے۔ لیکن آنجناب نے نہ یہ کیا، نہ وہ کیا۔ اب خود ہی انصاف فرمائیے کہ آپ نے اس ناکارہ پر بے موقع حوالوں کا بوجھ لادنے کے سوا کیا تنقید فرمائی...؟

جو عقائد میں نے حضراتِ اِمامیہ کی طرف منسوب کئے ہیں، آنجناب کے اطمینان کے لئے ہر ایک کا علی الترتیب ثبوت پیش کرتا ہوں۔

پہلا عقیدہ: اِمام، انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں:

اِمامیوں کا یہ عقیدہ تو ہر اِمامی کی نوکِ زبان پر رہتا ہے، اس پر کسی حوالے کی ضرورت نہیں، تاہم اس سلسلے میں بھی چند جملے پڑھ لیجئے:

۱:...اُصولِ کافی، کتاب الحجہ، "**باب نادر جامع فی فضل الامام و صفاته**" میں اِمام رضا کا ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے، اس میں اِماموں کے فضائل و خصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> "**الامام المطهّر من الذنوب والمبرّا عن العیوب**" (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۰۰)
>
> ترجمہ:... "اِمام، گناہوں سے پاک اور عیوب سے مبرّا ہوتا ہے۔"

۲:...آگے اسی خطبے میں ہے:

> "**فهو معصوم مؤیّد، موفّق مسدّد، قد أمن من الخطایا والزلل والعثار، یخصّه الله بذٰلک لیکون حجّته علٰی عباد.**" (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۰۳)
>
> ترجمہ:... "پس وہ معصوم ہے، اس کو تائید و توفیق حاصل ہے اور اسے سیدھی راہ پر رکھا جاتا ہے، اور وہ غلطی اور لغزش سے امن میں ہے، اللہ تعالیٰ اس کو یہ خصوصیت اس لئے عطا فرماتے ہیں کہ

اس کے بندوں پر حجت ہو۔“

۳:...علامہ باقر مجلسی کی ”بحارالانوار“ کتاب الامامۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”عصمتهم ولزوم عصمة الامام عليهم السلام“

یعنی ”اِمام معصوم ہوتے ہیں، اور اِمام کو عصمت لازم ہے“

۴:...اس باب میں ”عیون الاخبار“ کے حوالے سے ایک مرفوع روایت نقل کی گئی ہے، جس کے آخر میں ہے:

”۲- ن: ماجيلويه وأحمد بن عليّ بن ابراهيم وابن تاتانه جميعًا عن عليّ عن أبيه عن محمد بن عليّ التميمي قال: حدثني سيّدى عليّ بن موس الرضا عليه السلام عن آبائه عن عليّ عليه السلام عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم انّه قال: من سره أن ينظر الى القضيب الياقوت الأحمر الذى غرسه الله عزّ وجلّ بيده ويكون متمسّكًا به فليتولّ عليًّا والأئمة من ولده، فانّهم خيرة الله عزّ وجلّ وصفوته وهم المعصومون من كلّ ذنب وخطيئة.“ (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۱۹۳)

ترجمہ:...”اور وہ معصوم ہوتے ہیں ہر گناہ اور غلطی سے۔“

۵:...اسی میں اِمام صادقؒ کا قول نقل کیا ہے:

”۸- ل: فى خبر الأعمش عن الصادق عليه السلام: الأنبياء وأوصياؤهم لا ذنوب لهم لأنهم معصومون مطهّرون.“ (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۱۹۹)

ترجمہ:...”انبیاء و اوصیاء پر گناہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم اور پاک ہیں۔“

۶:...اسی باب میں مجلسی لکھتے ہیں:

"اعلم أن الامامية رضی الله عنهم اتّفقوا علٰی عصمة الأئمة علیهم السلام من الذّنوب صغیرها وکبیرها، فلا یقع منهم ذنب أصلًا لا عمدًا ولا نسیانًا ولا لخطأ فی التأویل، ولا للاسهاء من الله سبحانه ولم یخالف فیه الّا الصدوق محمد بن بابویه وشیخه ابن الولید رحمة الله علیهما، فانّهما جوّزا الاسهاء من الله تعالٰی لمصلحة فی غیر ما یتعلّق بالتّبلیغ وبیان الأحکام، لا السّهو الّذی یکون من الشیطان."

(بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۰۹)

ترجمہ:... "جاننا چاہئے کہ اِمامیہ اس پر متفق ہیں کہ اِمام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے اصلاً کوئی گناہ نہیں ہوسکتا، نہ قصداً، نہ بھول کر، نہ تاویل میں غلطی کی وجہ سے، نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو بھلا دینے کی وجہ سے، اس نکتے میں صرف شیخ صدوق محمد بن بابویہ نے اور ان کے شیخ ابن الولید نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے اس کو جائز رکھا ہے کہ ان پر کسی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول ڈال دی جائے، بشرطیکہ اس بھول کا تعلق تبلیغ اور بیانِ اَحکام سے نہ ہو، لیکن جو بھول شیطان کی طرف سے ہوتی ہے وہ اَئمہ سے سرزد نہیں ہوسکتی۔"

۷:...اسی باب میں "اعتقادات الصدوق" سے نقل کیا ہے:

"۲۴- عد: اعتقادنا فی الأنبیاء والرسل والأئمة علیهم السلام أنّهم معصومون مطهّرون من کلّ

دنس، وأنّهم لا يذنبون ذنبًا صغيرًا ولا كبيرًا .....“

(بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۱۱)

ترجمہ:...”انبیاء و رُسل اور ائمہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ معصوم اور ہر گندگی سے پاک ہوتے ہیں، اور ان سے کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔“

ائمہ کی بعض ایسی احادیث جن میں ائمہ نے صدورِ ذنب کی تصریح فرمائی ہے، اِمامیہ ان کی تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد ترکِ اَولیٰ ہے، جس پر ان کی شانِ عصمت کے لحاظ سے گناہ کا اطلاق کیا گیا، مثلاً اِمام جعفر صادقؒ کا ارشاد ہے:

”۲۰- ين: الجوهريّ عن حبيب الخثعميّ قال: سمعت أبا عبدالله عليه السلام يقول: انّا لنذنب ونسيء ثمّ نتوب الى الله متابًا.“ (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۰۷)

ترجمہ:...”بے شک ہم گناہ کرتے ہیں اور بُرائی کا ارتکاب کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔“

اور اِمام جعفر کے صاحب زادے اِمام ابوالحسن موسیٰ کاظم سجدۂ شکر میں یہ دُعا کیا کرتے تھے:

”۴۱- كشف: فائدة سنيّة: كنت أرى الدّعاء الّذى كان يقوله أبو الحسن عليه السلام فى سجدة الشكر وهو: ربّ عصيتک بلساني ولو شئت وعزّتک لأخرستني وعصيتک ببصري ولو شئت وعزّتک لأكمهتني وعصيتک بسمعي ولو شئت وعزّتک لأصممتني، وعصيتک بيدي ولو شئت وعزّتک لكنعتني وعصيتک بفرجي ولو شئت وعزّتک لأعقمتني، وعصيتک برجلي ولو شئت

وعزّتک لجذمتني، وعصیتک بجمیع جوارحي الّتي
أنعمت بها عليَّ ولم یکن هٰذا جزاک منّي.“

(بحارالانوار ج:۲۵ ص:۲۰۳)

ترجمہ:... ”اے پروردگار! میں نے اپنی زبان سے تیری نافرمانی کی، آپ کی عزت کی قسم! اگر آپ چاہتے تو مجھے گونگا کردیتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تیری نافرمانی کی، اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اندھا کردیتے۔ اور میں نے اپنے کانوں سے تیری نافرمانی کی، اور اگر آپ چاہتے تو مجھے بہرا کردیتے۔ اور میں نے اپنے ہاتھوں سے تیری نافرمانی کی، اور اگر چاہتے تو مجھے لنجا کردیتے۔ اور میں نے اپنی شرم گاہ کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اور اگر آپ چاہتے تو مجھے نامرد بنادیتے۔ اور میں نے اپنے پاؤں سے آپ کی نافرمانی کی، اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اپاہج کردیتے۔ اور میں نے اپنے تمام اعضاء کے ساتھ، جن کا آپ نے مجھ پر اِنعام فرمایا، آپ کی نافرمانی کی، لیکن آپ نے مجھے یہ سزائیں نہیں دیں۔“

اسی طرح دیگر اَکابر سے ان کی مناجاتیں اور دُعائیں، جو انہیں مضامین کی منقول ہیں، اِمامیہ کے نزدیک سب مؤوّل ہیں، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح ان کی عصمت قطعی ہے۔

دُوسرا عقیدہ: اِمام، انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ ہوتے ہیں:

ا:... اِمامیہ کا یہ عقیدہ بھی ہر اِمامی کو سورۂ فاتحہ کی طرح حفظ ہے، اُصولِ کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”ما نص الله عزّ وجلّ ورسوله علی الأئمة
علیهم السلام واحدًا فواحدًا“

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِماموں پر یکے بعد دیگرے ایک ایک پر نص فرمائی ہے۔''

اس کے بعد صفحہ: ۲۹۲ سے صفحہ: ۳۲۸ تک بارہ اِماموں کی نص کے الگ الگ باب قائم کئے ہیں۔ اِمامیہ کی منطق یہ ہے کہ چونکہ اِمام معصوم ہوتا ہے اور چونکہ عصمت ایک معنوی چیز ہے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اِمام منصوص من اللہ بھی ہو۔

۲:...صدوق معانی الاخبار میں لکھتے ہیں:

''واذا وجب أن يكون معصومًا بطل أن يكون هو الامُّة لما بيّنا من اختلافها فى تأويل القرآن والأخبار وتنازعها فى ذٰلك ومن اكفار بعضها بعضًا، واذا ثبت ذٰلك وجب أن يكون المعصوم هو الواحد الّذى ذكرناه وهو الامام؟ وقدد دللنا علٰى أن الامام لا يكون الّا معصومًا، وأدّينا أنّه اذا وجبت العصمة فى الامام لم يكن بدًّ من أن ينص النبى صلى الله عليه وآله عليه لأنّ العصمة ليست فى ظاهر الخلقة فيعرفها الخلق بالمشاهدة فواجب أن ينصّ عليها علّام الغيوب تبارك وتعالىٰ علٰى لسان نبيه صلى الله عليه وآله وذٰلك لأنّ الامام لا يكون الّا منصوصًا عليه، وقد صحّ لنا النصّ بما بيّناه من الحجج وما رويناه من الأخبار الصحيحة.'' (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۱۹۸)

ترجمہ:... ''ہم بتاچکے ہیں کہ صرف معصوم ہی اِمام ہوسکتا ہے، اور جب اِمام کے لئے عصمت ضروری ہوئی تو یہ بھی لازم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نص فرمائیں، کیونکہ عصمت کوئی

ظاہری اور محسوس چیز تو نہیں کہ مخلوق اس کو مشاہدے سے پہچان لے، پس واجب ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر نص فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے، اور جو دلائل اور اَخبارِ صحیحہ ہم بیان کرچکے ہیں ان کے ذریعے ہمارے لئے نص صحیح طور پر ثابت ہوچکی ہے۔"

۳:...اس مضمون کی ایک روایت بھی اِمام علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"۵- مع: أحمد بن محمد بن عبدالرحمٰن المنقریّ عن محمد بن جعفر المقریّ عن محمد بن الحسن الموصلی عن محمد بن عاصم الطریفیّ عن عبّاس بن یزید بن الحسن الکحّال عن أبیه عن موسی بن جعفر عن أبیه عن جدّه عن علی بن الحسین علیهم السلام قال: الامام منّا لا یکون الّا معصومًا، ولیست العصمة فی ظاهر الخلقة فیعرف بها، فلذٰلک لا یکون الّا منصوصًا." (بحارالانوار ج:۱ ص:۱۹۴)

ترجمہ:..."ہم میں سے اِمام صرف معصوم ہوسکتا ہے، اور عصمت ظاہری بناوٹ میں تو ہوتی نہیں کہ اس کو پہچانا جائے، پس اِمام کا منصوص ہونا ضروری ہوا۔"

تیسرا عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کی طرح اِماموں پر بھی اِیمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے:

جو شخصیت حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے منصوص و مبعوث ہو، ظاہر ہے کہ اس پر اِیمان لانا فرض ہوگا اور اس کا اِنکار کفر ہوگا۔ چنانچہ اِمامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ جس طرح

انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کا اِنکار بھی کفر ہے، اسی طرح بارہ اِماموں پر ایمان لانا بھی فرض ہے، اور ان میں سے کسی کا اِنکار بھی کفر ہے۔ ان کی کتابوں میں اس کی بے شمار تصریحات ہیں، یہاں بطورِ نمونہ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے:

ا:... اُصولِ کافی میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان الأئمة عليهم السلام نور الله عزّ وجلّ"

ترجمہ:... "ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں"

اس کے ذیل میں اپنی سند کے ساتھ ابوخالد کابلی کی روایت نقل کی ہے:

"الحسين بن محمد، عن معلي بن محمد، عن عليّ بن مرداس قال: حدثنا صفوان ابن يحيٰى والحسن بن محبوب، عن أبي أيّوب، عن أبي خالد الكابليّ قال: سألت أبا جعفر عليه السلام عن قول الله عزّ وجلّ: "فاٰمنوا بالله ورسوله والنور الذى أنزلنا" فقال: يا أبا خالد! النور والله الأئمة من آل محمد صلى الله عليه وآله الٰى يوم القيامة، وهم والله نور الله الذى أنزل، وهم والله نور الله فى السماوات وفى الأرض."

(بحارالانوار ج:۱ ص:۱۹)

ترجمہ:... "میں نے اِمام ابوجعفر سے حق تعالیٰ کے ارشاد: "فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا" (یعنی ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا) کے بارے میں سوال کیا کہ (آیت شریفہ میں جس نور پر اِیمان لانے کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟) تو اِمام نے فرمایا:

اے ابوخالد! اللہ کی قسم! نور سے مراد وہ ائمہ ہیں جو قیامت تک آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں گے، اللہ کی قسم! یہی نور

ہے جواللہ نے نازل فرمایا، اللہ کی قسم! یہی اَئمہ اللہ کا نور ہیں آسمانوں اور زمینوں میں۔"

۲:...علامہ مجلسی کی "بحارالانوار" کتاب الامامۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

"تأویل المؤمنین والایمان والمسلمین والاسلام بهم وبولایتهم علیهم السلام، والکفار والمشرکین والکفر والشرک والجبت والطاغوت واللّات والعُزّی والأصنام بأعدائهم ومخالفهیم"

(بحارالانوار ج:۲۳ ص:۳۵۴)

ترجمہ:... "مؤمنین اور اِیمان اور مسلمین اور اِسلام کی تاویل اَئمہ اور اَئمہ کی ولایت ہے، اور کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات وعزیٰ اور اَصنام (بتوں) سے مراد ان کے دُشمن اور مخالف ہیں۔"

موصوف نے اس باب میں سو روایتیں نقل کی ہیں، جن میں قرآنِ کریم کی آیات کو مسخ کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایمان و اسلام "ولایتِ اَئمہ" کا نام ہے، اس پر اِیمان رکھنے والے مؤمن اور مسلمان ہیں۔ اور جو لوگ شیعوں کی اس اِصطلاحی ولایت کے (جس کا موجدِ اوّل عبداللہ بن سبا تھا) قائل نہیں، ان کا نام لے لے کر ان کو پیٹ بھر کر کافر و مشرک، جبت و طاغوت، لات وعزیٰ اور اَصنام کہا ہے۔

۳:...اس باب کے خاتمے پر لکھتے ہیں:

"تذنیب: اعلم أنّ اطلاق لفظ الشرک والکفر علٰی من لم یعتقد امامة أمیر المؤمنین والأئمة من ولده علیهم السلام وفضّل علیهم غیرهم یدلّ علٰی أنّهم کفّار مخلّدون فی النّار، وقد مرّ الکلام فیه فی أبواب المعاد، وسیأتی فی أبواب الایمان والکفر ان

شاء اللہ تعالٰی۔" (بحارالانوار ج:۲۳ ص:۳۹۰)

ترجمہ:... "جاننا چاہئے کہ جو شخص امیر المؤمنین کی اور ان کی اولاد میں سے گیارہ اِماموں کی اِمامت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اور دُوسروں کو ان سے افضل کہتا ہو، اس پر کفر و شرک کا لفظ بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سب کافر ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، یہ مسئلہ ابوابِ معاد میں بھی گزر چکا ہے، اور اَبواب الایمان والکفر میں بھی آئے گا، اِن شاء اللہ۔"

۴:...شیخ مفید "کتاب المسائل" میں لکھتے ہیں کہ:

"قال الشیخ المفید قدّس اللہ روحه فی کتاب المسائل: اتّفقت الامامیّة علٰی أنّ من أنکر امامة أحد من الأئمّة وجحد ما أوجبه اللہ تعالٰی له من فرض الطّاعة فهو کافر ضالّ مستحق للخلود فی النّار۔"

(بحارالانوار ج:۲۳ ص:۳۹۰)

ترجمہ:... "اِمامیہ کا اس پر اِتفاق ہے کہ جو شخص ائمہ میں سے کسی اِمام کی اِمامت کا منکر ہو اور اللہ تعالٰی نے ان کی جو طاعت فرض کی ہے اس کا قائل نہ ہو، وہ کافر ہے، گمراہ ہے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہے۔"

۵:...شیخ مفید دُوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

"وقال فی موضع آخر: اتّفقت الامامیّة علٰی أنّ أصحاب البدع کلّهم کفّار وأنّ علی الامام أن یستتیبهم عند التمکّن بعد الدّعوة لهم، واقامة البیّنات علیهم فان تابوا من بدعهم وصاروا الی الصّواب والّا قتلهم لردّتهم عن الایمان، وأنّ من مات منهم علٰی

ذٰلک فھو من أھل النّار." (بحارالانوار ج:۲۳ ص:۳۹۰)

ترجمہ:... "اِمامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام اہلِ بدعت کافر ہیں، اِمام پر لازم ہے کہ اگر وہ قابو میں آجائیں تو ان کو دعوت دینے اور ان پر حجت قائم کرنے کے بعد ان سے توبہ کروائے، اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کرلیں اور راہِ راست پر آجائیں تو ٹھیک، ورنہ ان کو اِیمان سے مرتد ہونے کی بنا پر قتل کردے، اور یہ کہ جو عقیدۂ اِمامت کو چھوڑ کر مرے گا وہ جہنمی ہے۔"

چوتھا عقیدہ: ائمہ کی غیرمشروط اطاعت بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فرض ہے:

جب شیعہ عقیدے کے مطابق اِمام، معصوم اور منصوص من اللہ ٹھہرے اور جب ان پر اِیمان لانے والے مسلمان اور ان کو منصوص من اللہ نہ ماننے والے کافر ومشرک اور جبت وطاغوت قرار پائے، تو اس سے اَز خود نتیجہ بھی نکل آیا کہ جس طرح مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرمشروط اطاعت فرض ہے، شیعوں کے نزدیک ٹھیک اسی طرح بارہ اِماموں کی بھی غیرمشروط اطاعت فرض اور اس سے اِنحراف کفر ہے۔ چنانچہ اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"باب فرض طاعة الأئمّة"

یعنی "اس کا بیان کہ ائمہ کی طاعت فرض ہے"

اس باب میں سترہ روایتیں درج کی ہیں، ان میں سے تین روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

۱:... "الحسین بن محمد الأشعریّ، عن معلّی بن محمد، عن الحسن بن علیّ الوشّاء عن أبان بن عثمان، عن أبی الصباح قال: أشھد أنّی سمعت أبا عبدالله علیه السلام یقول: أشھد أنّ علیًّا امام فرض الله

طاعته وأنّ الحسن امام فرض الله طاعته وأنّ الحسين امام فرض الله طاعته وأنّ عليّ بن الحسين امام فرض الله طاعته وأنّ محمد بن عليّ امام فرض الله طاعته.“

(أصولِ کافی ج:۱ ص:۱۸۶)

ترجمہ:... ”امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ: میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی بن حسین اور حضرت محمد بن علی (رضی اللہ عنہم) یہ سب اِمام مفترض الطاعۃ ہیں۔“

۲:... ”۵ – عدّة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن محمد بن سنان، عن أبی خالد القمّاط عن أبی الحسن العطّار قال: سمعت أبا عبدالله عليه السلام يقول: أشرک بين الأوصياء والرُّسل فی الطاعة.“

(أصولِ کافی ج:۱ ص:۱۸۶)

ترجمہ:... ”اِمام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اوصیاء اور رسولوں کے درمیان طاعت میں شراکت رکھی ہے۔“

۳:... ”علیّ بن ابراهيم، عن صالح بن السنديّ، عن جعفر بن بشير، عن أبی سلمة عن أبی عبدالله عليه السلام قال: سمعته يقول: نحن الّذين فرض الله طاعتنا، لا يسع الناس الّا معرفتنا ولا يعذر الناس بجهالتنا، من عرفنا كان مؤمنًا، ومن أنكرنا كان كافرًا، ومن لم يعرفنا ولم ينكرنا كان ضالًّا حتی يرجع الی الهدی الّذی افترض الله عليه من طاعتنا الواجبة فان يمت علیٰ ضلالته يفعل الله به ما يشاء.“

(أصولِ کافی ج:۱ ص:۱۸۷)

ترجمہ:... ''امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ: ہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ہماری طاعت فرض کی ہے، لوگوں کو ہماری معرفت کے بغیر چارہ نہیں، اور ہم کو نہ جاننے کے بارے میں لوگ معذور نہیں، جس نے ہم کو پہچانا وہ مؤمن اور جو ہم سے منکر ہوا وہ کافر، اور جس نے ہمارا حق نہ پہچانا اور منکر بھی نہ ہوا وہ گمراہ، یہاں تک کہ اس ہدایت کی طرف لوٹ آئے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے، یعنی ہماری اطاعت جو واجب ہے، اگر وہ اپنی گمراہی پر مرا تو اللہ تعالیٰ اس سے جو معاملہ چاہے کرے۔''

پانچواں عقیدہ: اماموں کے معجزے:

انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کئے جاتے ہیں جو ان کی نبوّت کی دلیل ہوا کرتے ہیں۔ شیعہ عقیدے کے مطابق جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات دیئے جاتے ہیں، اسی طرح اِماموں کو بھی دیئے جاتے ہیں۔

۱:... ''بحارالانوار'' کتاب الامامۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

''انهم يقدرون علىٰ احياء الموتىٰ وابراء الأكمه والأبرص وجميع معجزات الأنبياء عليهم السلام''

ترجمہ:... ''ائمہ، مُردوں کو جِلانے کی، مادرزاد اندھے اور مبروص کو چنگا کرنے کی اور انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزوں کی قدرت رکھتے ہیں۔''

۲:... اس باب کی ایک روایت ملاحظہ فرمایئے:

'' ١- ير: أحمد بن محمد عن عمر بن عبدالعزيز عن محمد بن الفضيل عن الثمالى عن علىّ بن الحسين عليهما السلام قال: قلت له: أسألك

جعلت فداک عن ثلاث خصال انفی عنّی فیه التقیّة، قال: فقال: ذٰلک لک، قلت: أسألک عن فلان وفلان، قال: فعلیهما لعنة الله بلعناته کلّها، ماتا و الله وهما کافرین مشرکین بالله العظیم.

ثم قلت: الأئمّة یحیون الموتٰی ویبرؤن الأکمه والأبرص ویمشون علی الماء؟ قال: ما أعطی الله نبیًّا شیئًا قط الّا وقد أعطاه محمدًا صلی الله علیه وآله وأعطاه ما لم یکن عندهم، قلت: وکلّ ما کان عند رسول الله صلی الله علیه وآله فقد أعطاه أمیر المؤمنین علیه السلام؟ قال: نعم، ثمّ الحسن والحسین ثمّ من بعد کلّ امام امامًا الٰی یوم القیامة، مع الزیادة التی تحدث فی کلّ سنة وفی کل شهر، ای والله فی کلّ ساعة۔"

(بحارالانوار ج:۲۷ ص:۲۹)

ترجمہ:... ''بصائر الدرجات میں ثمالی سے روایت ہے کہ میں نے اِمام زین العابدینؒ سے کہا کہ: میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، از راہِ کرم مجھ سے تقیہ نہ کیجئے۔ فرمایا: ٹھیک ہے۔ میں نے کہا: میں آپ سے فلاں اور فلاں (یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے بارے میں پوچھتا ہوں، فرمایا: ان پر اللہ کی تمام لعنتیں ہوں، اللہ کی قسم! وہ دونوں کافر و مشرک مرے۔

پھر میں نے کہا: کیا اِمام مُردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ مادر زاد اندھے اور مبروص کو چنگا کرتے ہیں؟ اور پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی وقت جو معجزہ بھی دیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ معجزے بھی

دیئے جو کبھی کسی نبی کو نہیں دیئے تھے۔ میں نے کہا: اور جتنے معجزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، وہ سب امیر المؤمنین کو دے دیئے؟ فرمایا: ہاں! پھر حسن کو، پھر حسین کو، پھر ان کے بعد ہر اِمام کو قیامت تک، مع ان زائد معجزات کے جو ہر سال میں، ہر مہینے میں، نہیں بلکہ اللہ کی قسم! ہر گھڑی میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

۲:...ایک باب کا عنوان ہے:

"ان عندهم الاسم الأعظم وبه يظهر منهم الغرائب"

یعنی "ائمہ کے پاس اسمِ اعظم ہوتا ہے جس سے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔"

اس باب کی پہلی روایت:

"١ - محمد بن يحيىٰ وغيره، عن أحمد بن محمد، عن عليّ بن الحكم، عن محمد بن الفضيل قال: أخبرني شريس الوابشي، عن جابر، عن أبي جعفر عليه السلام قال: انّ اسم الله الأعظم علىٰ ثلاثة وسبعين حرفًا وانّما كان عند آصف منها حرف واحد فتكلّم به فخسف بالأرض ما بينه وبين سرير بلقيس حتّى تناول السرير بيده ثمّ عادت الأرض كما كانت أسرع من طرفة عين ونحن عندنا من الاسم الأعظم اثنان وسبعون حرفًا، وحرف واحد عند الله تعالىٰ استأثر به في علم الغيب عنده، ولا حول ولا قوّة الّا بالله العليّ العظيم."

ترجمہ:... "جابر جعفی، اِمام باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے ۷۳ حروف ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کے پاس اس کا صرف

ایک حرف تھا، انہوں نے وہ ایک حرف پڑھا تو ان کے درمیان اور بلقیس کے تخت کے درمیان کی زمین سمٹ گئی، یہاں تک کہ انہوں نے تخت کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا، اور پھر زمین اپنی حالت پر ہوگئی، اور یہ سب کچھ (اسمِ اعظم کے ایک حرف کی بدولت) صرف آنکھ جھپکنے کے وقفے میں ہوگیا۔ اور ہمارے پاس اسمِ اعظم کے ۷۲ حروف ہیں (اب ہماری معجزہ نمائی کا خود اندازہ کرلو) اور اسمِ اعظم کا ایک حرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس خزانۂ غیب میں رکھا ہے۔"

۳:... اسی باب کی دُوسری روایت:

"۲- محمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد، عن الحسین بن سعید ومحمد بن خالد، عن زکریا بن عمران القمّی، عن هارون بن الجهم، عن رجل من أصحاب أبی عبدالله علیه السلام لم أحفظ اسمه قال: سمعت أبا عبدالله علیه السلام یقول: انّ عیسی ابن مریم علیه السلام أعطی حرفین کان یعمل بهما وأعطی موسیٰ أربعة أحرف، وأعطی ابراهیم ثمانیة أحرف، وأعطی نوح خمسة عشر حرفًا، وأعطی آدم خمسة وعشرین حرفًا، وانّ الله تعالیٰ جمع ذٰلک کلّه لمحمد صلی الله علیه وآله وانّ اسم الله الأعظم ثلاثة وسبعون حرفًا، أعطی محمدًا صلی الله علیه وآله اثنین وسبعین حرفًا وحجب عنه حرف واحد." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۳۰)

ترجمہ:... "اِمام صادق" فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اسمِ اعظم کے دو حرف دیئے گئے تھے، جن کو وہ کام میں لاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو چار حروف، ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ حروف، نوح

علیہ السلام کو پندرہ حروف اور آدم علیہ السلام کو پچّیس حروف دیئے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سارے حروف جمع کردیئے، اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے ۷۳ حروف ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۷۲ دیئے اور ایک حرف ان سے بھی پردے میں رکھا گیا۔"

۴:...ایک باب کا عنوان ہے:

ترجمہ:... "ائمہ کے لئے بادل مسخر تھے اور اَسباب میسر تھے۔"

اس باب کی دُوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

"۲ – ختص: ابن عیسٰی عن الحسین بن سعید عن عثمان بن عیسٰی عن سماعة أو غیرہ عن أبی بصیر عن أبی جعفر علیه السلام قال: انّ علیًّا علیه السلام ملک ما فوق الأرض وما تحتها، فعرضت له سحابتان احداهما الصعبة والأخریٰ الذّلول، وکان فی الصعبة ملک مّا تحت الأرض وفی الذّلول ملک ما فوق الأرض، فاختار الصعبة علی الذّلول فدارت به سبع أرضین فوجد ثلاثًا خرابا وأربعة عوامر."

(بحارالانوار ج:۲۷ ص:۳۲)

ترجمہ:... "ابوبصیر، اِمام باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: حضرت علیؓ زمین کے اُوپر کے اور نیچے کے مالک ہوئے تو آپ کے سامنے دو بادل پیش ہوئے، ایک دُشوار، دُوسرا آسان۔ دُشوار میں زمین کے نیچے کی حکومت تھی اور آسان میں زمین کے اُوپر کی۔ پس آپ نے آسان کے بجائے دُشوار کو اِختیار کیا، پس وہ آپ کو لے کر سات زمینوں میں گھوما، پس آپ نے تین

زمینوں کو بے آباد پایا اور چار کو آباد۔''

۵:...علاوہ ازیں ائمہ کے معجزات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کُرتا، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، سلیمان علیہ السلام کی انگشتری، اور بنو اِسرائیل کا تابوتِ سکینہ بھی رہتا ہے۔ (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۳۳)

۶:...علامہ مجلسی، شیخ مفید سے نقل کرتے ہیں:

''فائدة: قال الشيخ مفيد في كتاب المسائل: فأمّا ظهور المعجزات على الأئمّة والأعلام فانّه من الممكن الذى ليس بواجب عقلًا ولا يمتنع قياسًا، وقد جاءت بكونه منهم عليهم السلام الأخبار على التظاهر والانتشار، فقطعت عليه من جهة السّمع وصحيح الآثار، ومعي في هٰذا الباب جمهور أهل الامامة، وبنو نوبخت تخالف فيه وتأباه ....'' (بحارالانوار ج:۲۷ ص:۳۱)

ترجمہ:...''شیخ مفید کتاب المسائل میں لکھتے ہیں: رہا ائمہ کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا تو یہ چیز ممکن ہے کہ نہ عقل کی رُو سے واجب ہے اور نہ قیاس کی رُو سے ممتنع ہے، اور ائمہ سے معجزات کے ظہور میں متواتر اَحادیث وارِد ہوئی ہیں، لہٰذا میں بوجہ منقول کے اور صحیح آثار کے اس کا قطعی عقیدہ رکھتا ہوں، اور میرے ساتھ اس مسئلے میں جمہور اِمامیہ ہیں، اور بنو نوبخت اس کے خلاف ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں.....''

۷:...علامہ مجلسی، شیخ مفید کی عبارت نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ ان الفاظ میں قلم بند کرتے ہیں:

''والحقّ أنّ المعجزات الجارية علىٰ أيدى غير الأئمّة عليهم السلام من أصحابهم ونوّابهم انّما هى

معجزاتهم عليهم السلام تظهر علیٰ أيدی أولئک السفراء لبيان صدقهم و كلامه رحمه الله أيضًا لا يأبی عن ذٰلک ومذهب النوبختيّة، هنا فی غاية السخافة والغرابة.‘‘ (بحارالانوار ج:۲۷ ص:۳۱)

ترجمہ:... ’’اور حق یہ ہے کہ جو معجزات ائمہ کے علاوہ دُوسرے لوگوں، یعنی ان کے اصحاب اور نائبین کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، وہ بھی ائمہ ہی کے معجزات ہیں، جو ان کے نمائندوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں ان کے صدق کو بیان کرنے کے لئے، اور شیخ مفید کا کلام بھی اس کی نفی نہیں کرتا، اور نوبختیوں کا مذہب اس مسئلے میں نہایت بخیف اور غریب ہے۔‘‘

چھٹا عقیدہ: ائمہ پر وحی کا نزول:

اِمامیہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ میں ’’رُوح القدس‘‘ ہوتی ہے، جس کے ذریعے وہ عرش سے تحت الثریٰ تک کی ساری چیزیں جانتے ہیں۔ چنانچہ اُصولِ کافی، کتاب الحجہ، ’’باب فيه ذكر الأرواح التی فی الأئمّة عليهم السلام‘‘ میں جابر سے روایت ہے کہ:

ترجمہ:... ’’میں نے اِمام باقرؒ سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جابر! انبیاء و اوصیاء میں پانچ رُوحیں ہوتی ہیں: ۱:...رُوح الشہوۃ، ۲:...رُوح الایمان، ۳:...رُوح الحیات، ۴:...رُوح القوۃ، ۵:...رُوح القدس۔ پس اے جابر! وہ رُوح القدس کے ذریعہ ماتحت العرش سے ماتحت الثریٰ تک سب کچھ پہچانتے ہیں، اور پہلی چار رُوحوں کو حوادثِ زمانہ لاحق ہوسکتے ہیں مگر رُوح القدس لہو ولعب کا شکار نہیں ہوتی۔‘‘

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۲)

اس کے بعد مفضل بن عمر کی روایت نقل کی ہے، انہوں نے اِمام جعفرؒ سے یہی سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچ رُوحیں تھیں، مندرجہ بالا پانچ رُوحوں کا ذِکر کرنے کے بعد رُوح القدس کے بارے میں فرمایا:

''وروح القدس فيه حمل النبوّة فاذا قبض النبي صلى الله عليه وآله انتقل روح القدس فصار الى الامام، وروح القدس لا ينام ولا يغفل ولا يلهو ولا يزهو والأربعة الأرواح تنام وتغفل وتزهو وتلهو، وروح القدس كان يرى به.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۲)

ترجمہ:... ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رُوح القدس کی وجہ ہی سے حاملِ نبوّت تھے، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو رُوح القدس اِمام کی طرف منتقل ہوگئی، اور رُوح القدس نہ سوتی ہے، نہ غافل ہوتی ہے، نہ بھولتی ہے اور نہ غلطی میں پڑتی ہے۔ باقی چار رُوحین ان چیزوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں، اور رُوح القدس کی وجہ سے اِمام عرش سے فرش تک سب کچھ دیکھتا ہے۔''

اسی باب کے متصل ایک اور باب کا عنوان ہے:

''الروح الذى يسدد الله بها الأئمة عليهم السلام''

(یعنی اس رُوح کا ذِکر جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ائمہ کو راہِ راست پر رکھتے تھے)

اس باب کی پہلی روایت میں ہے:

'' ۱ – عدّة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن الحسين بن سعيد، عن النضر بن سويد، عن يحيَى الحلبيّ، عن أبى الصباح الكنانيّ، عن أبى بصير قال: سألت أبا عبدالله عليه السلام عن قول الله تبارك

وتعالیٰ: "وکذٰلک أوحینا الیک روحًا مّن أمرنا ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان" قال: خلق من خلق اللہ عزّ وجلّ أعظم من جبرئیل ومیکائیل، کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله یخبره ویسدّده وھو مع الأئمّة من بعده." (أصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۳)

ترجمہ:... "ابوبصیر نے اِمام جعفر صادقؒ سے ارشادِ خداوندی: "وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَان" کے بارے میں سوال کیا تو اِمامؒ نے فرمایا:

یہ رُوح ایک مخلوق ہے جو جبریل ومیکائیل سے بڑی ہے، یہ رُوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبریں دیتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہِ راست پر رکھتی تھی، یہ رُوح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے۔"

دُوسری روایت میں ہے:

"۲- محمد بن یحیٰی، عن محمد بن الحسین، عن علیّ بن أسباط، عن أسباط بن سالم قال: سأله رجلٌ من أھل ھیت ـ وأنا حاضر ـ عن قول اللہ عزّ وجلّ: "وکذٰلک أوحینا الیک روحًا مّن أمرنا" فقال: منذ أنزل اللہ عزّ وجلّ ذٰلک الرُّوح علٰی محمد صلی اللہ علیه وآله ما صعد الی السماء وانّه لفینا."

(أصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۳)

ترجمہ:... "جب سے اللہ تعالیٰ نے اس رُوح کو محمد صلی اللہ

علیہ وسلم پر نازل فرمایا، وہ کبھی آسمان پر نہیں چڑھی اور وہ ہم میں ہے۔"

تیسری روایت میں ہے:

"۳– علیّ بن ابراهیم، عن محمد بن عیسٰی، عن یونس، عن ابن مسکان، عن أبی بصیر قال: سألت أبا عبدالله علیه السلام عن قول الله عزّ وجلّ: "یسألونک عن الرُّوح قل الرُّوح من أمر ربّی" قال: خلق أعظم من جبرئیل ومیکائیل، کان مع رسول الله صلی الله علیه وآله وهو مع الأئمّة، وهو من الملکوت." (أصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۳)

ترجمہ:... "یہ رُوح ایک مخلوق ہے جو جبریل اور میکائیل سے بڑی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھی اور وہی ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے اور وہ ملکوت سے ہے۔"

چوتھی روایت میں ہے:

"قال: خلق أعظم من جبرئیل ومیکائیل، لم یکن مع أحد ممّن مضی، غیر محمد صلی الله علیه وآله وهو مع الأئمّة یسدّدهم ولیس کلّ ما طلب وجد."

(أصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۳)

ترجمہ:... "یہ رُوح جو جبریل و میکائیل سے بڑی مخلوق ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ گزشتہ لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں رہتی تھی اور یہ ائمہ کے ساتھ رہا کرتی تھی، ان کو راہِ راست پر رکھتی ہے، اور ایسا نہیں کہ جو چیز طلب کی جائے وہ مل بھی جائے۔"

اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"أن الأئمّة معدن العلم وشجرة النبوّة ومختلف

الملائکۃ" (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۲۱)

ترجمہ:... "اَئمہ، علم کا معدن اور نبوّت کا دَرخت ہیں اور ان کے پاس فرشتوں کی آمد ورفت رہتی ہے۔"

اس میں جناب امیرالموٴمنینؓ، اِمام علی بن حسینؒ اور اِمام جعفر صادقؒ کے اقوال اسی مضمون کے نقل کئے ہیں۔

مجلسی کی "بحارالانوار" میں اسی مضمون کا ایک باب ہے:

"ان الملائکۃ تأتیھم وتطأ فرشھم وأنھم یرونھم صلوات اللہ علیھم أجمعین"

(بحارالانوار ج:۲٦ ص:۳۵۱)

ترجمہ:... "ملائکہ، اَئمہ کے پاس آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور اَئمہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔"

اس باب میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں، جن میں بیان کیا گیا ہے کہ دیگر فرشتوں کے علاوہ جبریل علیہ السلام اَئمہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

علامہ باقر مجلسی نے "بحارالانوار" کے باب "**جھات علومھم**" اور دیگر اَبواب میں بھی بے شمار روایات اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ فرشتے اَئمہ کو علوم اِلقاء کرتے تھے، چند روایات ملاحظہ ہوں:

۱:... **"بر: الحسن بن علیّ عن عنبسة عن ابراھیم بن محمد بن حمران عن أبیه ومحمد بن أبی حمزة عن سفیان بن السّمط قال: حدثنی أبو الخیر قال: قلت لأبی عبداللہ علیه السلام انّی سألت عبداللہ بن الحسن فزعم أن لیس فیکم امام فقال: بلٰی واللہ یا ابن النجاشی انّ فینا لمن ینکت فی قلبه ویوقر فی أذنه ویصافحه الملائکة قال قلت: فیکم؟ قال: ای واللہ فینا الیوم ای**

و الله فینا الیوم ثلاثًا." (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۵۹)

ترجمہ:... "ابوالخیر کہتا ہے کہ میں نے اِمام صادقؒ سے عرض کیا کہ: میں نے عبداللہ بن حسن سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم میں کوئی اِمام نہیں ہے، یہ سن کر اِمام صادقؒ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص (یعنی اِمام) موجود ہے جس کے دِل میں کلام اِلقاء کیا جاتا ہے، جس کے کانوں میں کلام ڈالا جاتا ہے اور جس سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں، میں نے تعجب سے کہا: تم میں؟ فرمایا: ہاں! اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص آج بھی موجود ہے، تین بار یہی بات دُہرائی۔"

۲:... "بر: ابراهیم بن هاشم عن محمد بن الفضیل أو عمن رواه عن محمد بن الفضیل قال: قلت لأبی الحسن علیه السلام: روینا عن أبی عبدالله علیه السلام أنه قال: انّ علمنا غابر ومزبور ونکت فی القلب ونقر فی الأسماع، قال: أمّا الغابر فما تقدّم من علمنا، وأمّا المزبور فما یأتینا، وأمّا النکت فی القلوب فالهام، وأما النقر فی الأسماع فانّه من الملک."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۶۰)

ترجمہ:... "اِمام صادقؒ نے فرمایا: ہمارا علم چار قسم کا ہے، ایک گزشتہ، ایک لکھا ہوا، ایک دِل میں اِلقاء ہونا، اور ایک کانوں میں ڈالنا۔ گزشتہ سے مراد وہ علم ہے جو ہمیں پہلے حاصل ہو چکا، لکھے ہوئے سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس نیا تازہ آتا ہے، دِل میں اِلقاء سے مراد ہے اِلہام اور کانوں میں ڈالنے سے مراد ہے فرشتہ (جو ہمارے کانوں میں کلام اِلقاء کرتا ہے)۔"

۳:... ''وروی زرارة مثل ذٰلک عن أبی عبدالله علیه السلام قال: قلت: کیف یعلم أنّه کان الملک ولا یخاف أن یکون من الشیطان اذا کان لا یری الشخص؟ قال: انّه یلقی علیه السکینة فیعلم أنه من الملک، ولو کان من الشیطان اعتراه فزع، وان کان الشیطان — یا زرارة — لا یعترّض لصاحب هٰذا الأمر.''

ترجمہ:... ''زرارہ کہتا ہے کہ میں نے اِمام صادق ؒ سے کہا کہ: آپ لوگوں کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے (جو آپ کے کان میں باتیں کرتا ہے) اس کا اندیشہ کیوں نہیں کہ وہ شیطان ہو؟ کیونکہ اس کی شخصیت تو نظر آتی نہیں۔ فرمایا: اِمام پر سکینت ڈالی جاتی ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے، اگر شیطان ہوتا تو گھبراہٹ ہوتی، میاں زرارہ! اِمام کے پاس شیطان نہیں آسکتا۔''

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیرنبی کے کشف و اِلہام اور رُؤیائے صادقہ کے اہلِ سنت بھی قائل ہیں، لیکن نبی اور غیرنبی کے کشف و اِلہام اور خواب میں دو وجہ سے فرق ہے۔ اوّل یہ کہ نبی کا کشف و اِلہام اور خواب وحیٔ قطعی ہے، اس میں اِشتباہ و اِلتباس کی گنجائش نہیں، جبکہ غیرنبی کا کشف و اِلہام اور خواب قطعی نہیں، بلکہ ظنی ہے، اس میں اِشتباہ و اِلتباس کی بھی گنجائش ہے اور شیطان کی دخل اندازی کا بھی احتمال ہے، اس لئے جب تک اسے میزانِ شرع میں تول کر نہ دیکھا جائے، تب تک اس کا قبول کرنا اور اس پر اِعتماد و وثوق کرنا جائز نہیں۔

دوم یہ کہ نبی کا کشف و اِلہام بھی اور خواب بھی حجتِ ملزمہ ہے، اس پر اِیمان لانا لازم ہے، اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، جبکہ غیرنبی کا کشف و اِلہام اور خواب حجتِ شرعیہ نہیں، نہ لوگ اس پر اِیمان لانے اور اس پر عمل کرنے کے مکلّف ہیں، بلکہ خود صاحبِ کشف و اِلہام کے لئے بھی اس پر عمل کرنا شرعاً فرض نہیں۔

حضراتِ اِمامیہ کے نزدیک ائمہ کو جو علوم، فرشتوں کے اِلقاء، کشف و اِلہام اور خواب وغیرہ کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں، ان کا درجہ وہ نہیں جو اہلِ سنت کے غیر نبی کے کشف و اِلہام وغیرہ کا ہے، بلکہ ان کا درجہ بعینہٖ انبیائے کرام علیہم السلام کی وحیٔ مقدس کا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ائمہ سہو ونسیان اور غفلت و اِشتباہ سے معصوم اور منزّہ ہیں، اس لئے ان کی وحی انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کی طرح قطعی ویقینی اور ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔ اور چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح واجب الاطاعت ہیں، اس لئے ان کی وحی حجتِ قطعیہ بھی ہے اور حجتِ شرعیہ بھی۔ علامہ مجلسی کی ایک عبارت ''عصمت'' کے ذیل میں نقل کرچکا ہوں، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے، ایک اور عبارت یہاں پیش کرتا ہوں، وہ بحارالانوار، کتاب الامامۃ، ''باب نفی السهو عنهم عليهم السلام'' کی روایت ۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''بيان: قدمنى القول فى المجلّد السادس فى عصمتهم عليهم السلام عن السهو والنسيان وجملة القول فيه أنّ أصحابنا الاماميّة أجمعوا علٰى عصمة الأنبياء والأئمّة صلوات الله عليهم من الذّنوب الصغيرة والكبيرة عمدًا وخطأً ونسيانًا قبل النبوّة والامامة وبعدهما بل من وقت ولادتهم الىٰ أن يلقوا الله تعالىٰ، ولم يخالف فى ذٰلك الّا الصدوق محمد بن بابويه وشيخه ابن الوليد قدّس الله روحهما فانّهما جوّزا الاسهاء من الله تعالىٰ لا السهو الّذى يكون من الشيطان فى غير ما يتعلّق بالتّبليغ وبيان الأحكام وقالوا: ان خروجهما لا يخلّ بالاجماع لكونهما معروفى النسب.

وأمّا السّهو فى غير ما يتعلّق بالواجبات والمحرّمات كالمباحات والمكروهات فظاهر أكثر

أصحابنا أيضًا تحقّق الاجماع علٰى عدم صدوره عنهم واستدلّوا أيضًا بكونه سببًا لنفور الخلق منهم وعدم الاعتداد بأفعالهم وأقوالهم وهو ينافي اللطف، وبالآيات والأخبار الدّالّة علٰى أنّهم عليهم السلام لا يقولون ولا يفعلون شيئًا الّا بوحي من الله تعالٰى."

(بحارالانوار ج:۲۵ ص:۳۵۰،۳۵۱)

ترجمہ:... "ہمارے مشائخِ اِمامیہ کا اس پر اِجماع ہے کہ نبی اور اِمام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ ان سے عمداً گناہ ہوسکتا ہے، نہ خطاءً، نہ سہواً، اور یہ عصمت ان کو نبوّت و اِمامت سے قبل بھی حاصل ہوتی ہے اور بعد میں بھی، بلکہ ولادت سے وفات تک ــــ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے صدوق محمد بن بابویہ اور ان کے شیخ ابوالولید کے، ان دونوں بزرگوں نے کہا ہے جو بھول شیطان کی طرف سے ہو، وہ تو نبی اور اِمام کو پیش نہیں آسکتی لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول ڈال دی جائے، مگر یہ بھول ایسے اُمور میں ہوسکتی ہے جن کا تعلق تبلیغ اور بیانِ اَحکام سے نہ ہو۔ مشائخ نے کہا کہ ان دونوں بزرگوں کا خروج اِجماع میں خلل انداز نہیں، کیونکہ یہ دونوں معروف النسب ہیں، باقی رہا واجبات ومحرمات کے علاوہ چیزوں مثلاً مباحات ومکروہات میں بھول کا واقع ہونا، تو ہمارے اکثر اَصحاب کے قول سے یہ ظاہر ہے کہ اس کے صادر نہ ہونے پر بھی اِجماع ہے، اور انہوں نے اس عدمِ صدور پر یہ اِستدلال بھی کیا ہے کہ یہ چیز ان سے مخلوق کی نفرت کا سبب ہوگی اور ان کے افعال و اقوال کا اعتبار نہیں رہے گا، اور یہ لطف کے منافی ہے، نیز انہوں

نے ان آیات واحادیث سے بھی اِستدلال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حضرات وحیٔ اِلٰہی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور نہ کوئی کام کرتے ہیں۔"

الغرض! اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حضراتِ اِمامیہ، ائمہ پر وحیٔ قطعی کے نزول کے قائل ہیں۔

ساتواں عقیدہ: ائمہ کو تحلیل وتحریم کے اختیارات:

اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"التفويض الٰى رسول الله صلى الله عليه و آله والى الأئمة عليهم السلام فى أمر الدِّين"

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۶۵)

جس کا مطلب یہ ہے کہ دِین کے اُمور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ائمہ کے سپرد کردیئے ہیں، جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں، جس چیز کو چاہیں حرام کہیں، جس کو چاہیں ایک حکم بتائیں اور دُوسرے کو دُوسرا حکم بتائیں، ان پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس عقیدے کو علمائے شیعہ نے ائمہ کی بہت سی روایات سے ثابت کیا ہے، بطورِ نمونہ چند روایتیں ملاحظہ فرمایئے:

۱:... **"محمد بن يحيىٰ، عن محمد بن الحسن، عن يعقوب بن يزيد، عن الحسن بن زياد، عن محمد بن الحسن الميثمى، عن أبى عبدالله عليه السلام قال: سمعته يقول: انّ الله عزّ وجلّ أدّب رسوله حتّى قوّمه علٰى ما أراد، ثمّ فوّض اليه فقال عزّ ذكره: "ما اٰتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" فما فوّض الله الٰى رسوله صلى الله عليه و آله فقد فوّضه الينا."**

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۶۸)

ترجمہ:... "اِمام صادق رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اَدب سکھایا، یہاں تک کہ اپنے ارادے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدھا کردیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دِین کے معاملات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردیا، چنانچہ فرمایا کہ: "رسول تمہیں جو کچھ دے دے اسے لے لو، اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رُک جاؤ" پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہ سب کچھ ہمارے سپرد کردیا۔"

۲:... "الحسين بن محمد الأشعري، عن معلّى بن محمد، عن أبي الفضل عبدالله بن ادريس، عن محمد بن سنان قال: كنت عند أبي جعفر الثاني عليه السلام فأجريت اختلاف الشيعة، فقال: يا محمد! انّ الله تبارك تعالىٰ لم يزل متفرّدًا بوحدانيّته ثمّ خلق محمدًا وعليًّا وفاطمة، فمكثوا ألف دهر، ثمّ خلق جميع الأشياء، فأشهدهم خلقها وأجرى طاعتهم عليها وفوّض اُمورها اليهم، فهم يحلّون ما يشاؤون ويحرّمون ما يشاؤون ولن يشاؤوا الّا أن يشاء الله."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۴۴۱)

ترجمہ:... "محمد بن سنان کہتا ہے کہ میں اِمام ابوجعفر ثانی کے پاس تھا، شیعوں کے اختلافات کا تذکرہ کیا تو اِمام نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد تھا، پھر اس نے محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا، پس وہ ہزار دہر تک ٹھہرے رہے، پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا تو ان کو ان چیزوں کی تخلیق پر گواہ بنایا اور سب چیزوں کے ذمہ ان کی طاعت واجب کی اور تمام اشیاء کے

اختیارات ان کے سپرد کردیئے۔ پس یہ حضرات جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں، اور وہ نہیں چاہیں گے مگر وہی چیز جو اللہ تعالیٰ چاہے۔“

۳:... ”ختص، یر: أحمد بن محمد الأهوازیّ عن بعض أصحابنا عن ابن عميرة عن الثماليّ قال: سمعت أبا جعفر عليه السلام يقول: من أحللنا له شيئًا أصابه من أعمال الظالمين فهو له حلال لأنّ الأئمّة منّا مفوّض اليهم، فما أحلّوا فهو حلال وما حرّموا فهو حرام.“

(بحارالانوار ج:۲۵ ص:۳۳۴)

ترجمہ:... ”ثمالی کہتا ہے کہ میں نے اِمام باقرؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے لئے ہم نے حلال کردی وہ چیز جو اس نے ظالموں کے مناصب میں سے حاصل کی، وہ اس کو حلال ہے، کیونکہ یہ امر ہمارے اِماموں کے سپرد کردیا گیا ہے، پس جس چیز کو وہ حلال قرار دیں، وہ حلال ہے، اور جس چیز کو حرام کردیں، وہ حرام ہے۔“

۴:... ”ثم قال: يا ابن أشيم انّ الله فوّض الٰى سليمان بن داود عليه السلام فقال: "هٰذا عطاؤنا فامنن أو أمسک بغير حساب" وفوّض الٰى نبيّه فقال: "ما اٰتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" فما فوّض الٰى نبيّه فقد فوّض الينا.“ (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۳۳۲،۳۳۳)

ترجمہ:... ”اِمام صادقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاملہ حضرت سلیمان کے سپرد کردیا، چنانچہ فرمایا: ”یہ ہماری عطا ہے، چاہو کسی کو دو، یا اپنے پاس رکھو، تم سے کوئی حساب نہیں لیں گے“ اور

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی سپرد فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ:
''رسول تم کو جو کچھ دے دیں، لے لو، اور جس چیز سے روک دیں، رُک جاؤ'' پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہی ہمارے سپرد کردیا۔''

۵:... ''ید: ابن المتوکّل عن الحمیری عن ابن عیسٰی عن ابن محبوب عن عبدالعزیز عن ابن أبی یعفور قال: قال أبو عبداللہ علیه السلام: انّ اللہ واحد أحد متوحّد بالوحدانیّة متفرّد بأمره، خلق خلقًا ففوّض الیهم أمر دینه، فنحن هم یا ابن أبی یعفور.''

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۶۰)

ترجمہ:... ''ابن ابی یعفور، اِمام صادق سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ واحد ہے، یکتا ہے، وحدانیت کے ساتھ متفرّد ہے، اپنے حکم میں متفرّد ہے، اس نے ایک مخلوق کو پیدا کرکے اپنے دِین کا معاملہ ان کے سپرد کردیا، سو ہم وہی مخلوق ہیں۔''

ان روایات سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار دیا گیا ہے اور اُصولِ کافی کے مندرجہ بالا عنوان سے واضح ہے کہ اِمامیہ اپنے ائمہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

آٹھواں عقیدہ: ائمہ کو اَحکام کے منسوخ کرنے کے اختیارات:

اُوپر کے عقیدے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذنِ اِلٰہی بعض اَحکام کو منسوخ فرماسکتے تھے، اسی طرح باذنِ اِلٰہی ائمہ کو بھی اختیار حاصل تھا کہ جب چاہیں کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیں، اور جب چاہیں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ ائمہ وقتاً فوقتاً اپنے اس اختیار کو اِستعمال بھی کرتے تھے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال:... قرآنِ کریم میں ہے کہ مرحوم شوہر جو کچھ بھی چھوڑ کر مرے، اس میں بیوہ کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ ہے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ ۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ." (النساء:۱۲)

ترجمہ:... "اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم، اگر نہ ہو تمہارے اولاد، اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو کچھ تم نے چھوڑا، بعد وصیت کے جو تم کر دو، یا قرض کے۔"

لیکن اِمام کا فتویٰ یہ ہے کہ بیوہ کو شوہر کی غیرمنقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا، چنانچہ فروعِ کافی، کتاب المواریث، "باب ان النساء لا یرثن من العقار شیئًا" میں گیارہ روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں، چنانچہ اِمام باقرؒ کا قول نقل کیا ہے:

"النساء لا یرثن من الأرض ولا من العقار شیئًا." (فروعِ کافی ج:۷ ص:۱۲۷)

ترجمہ:... "عورتوں کو اَراضی اور غیرمنقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔"

دُوسری روایت میں ہے کہ:

"اس کو ہتھیاروں اور چوپایوں میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا، ہاں! ملبہ وغیرہ کی قیمت لگا کر اس میں سے اس کا حق دے دیا جائے گا۔" (حوالہ بالا)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"اِمام جعفرؒ نے اس کی محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: وہ دخیل ہے، نکاح کرلے گی تو دُوسرے لوگ آکر ان کی

جائیداد کا ستیاناس کردیں گے۔"

اِمام کے اس فتویٰ سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل:... یہ کہ قرآنِ کریم نے پورے ترکہ سے بیواؤں کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرّر فرمایا، لیکن اِماموں نے اپنے فتویٰ کے ذریعے بیواؤں کو شوہر کے ترکہ سے محروم کردیا، بس گھر کے سامان وغیرہ میں ان کا حصہ ہے، اراضی، باغات، غیرمنقولہ جائیداد، ہتھیاروں اور چوپایوں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ قرآنِ کریم کا حکم عام تھا، جسے اِماموں نے منسوخ کردیا۔

دوم:... قرآنِ کریم کے حکم کے خلاف ان کو محروم قرار دینے کی اِمام نے عقلی وجہ بیان فرمائی کہ وہ اوّل تو پرائی ہوتی ہیں، پھر وہ دُوسری جگہ نکاح کرکے دُوسرے لوگوں کو جائیداد میں "دخل در معقولات" کا موقع دیں گی، اس لئے بہتر ہے کہ ان کو غیرمنقولہ جائیداد سے محروم کرکے یہ ٹنٹا ہی ختم کردیا جائے۔ حالانکہ اِمام عقل کے تیر تکے نہیں چلایا کرتے، وہ بالہامِ خداوندی بولتا ہے، اگر اِمامِ معصوم بھی عقل و قیاس اور اِجتہاد کے ساتھ فتوے دیا کریں تو ان کے درمیان اور اہلِ سنت کے اِمام ابوحنیفہؒ و اِمام شافعیؒ کے درمیان کیا فرق رہے گا...؟ اور اِمام ابوحنیفہؒ کو جو اِمام نے تنبیہ فرمائی تھی کہ:

"لا تقس! فانّ أوّل من قاس ابليس"

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۵۸)

ترجمہ:... "قیاس نہ کیا کر! کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ اِبلیس تھا۔"

اس ارشاد کا کیا مصرف رہے گا...؟

سوم:... پھر اِمام نے جو قیاس کی، افسوس ہے کہ وہ بھی غلط، اس لئے کہ اِمام کی یہی دلیل بیٹیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے، وہ بھی پرائے گھر جاتی ہیں، جس کی وجہ سے غیروں کو جائیداد میں دخل اندازی کا موقع ملے گا۔ الغرض! جو دلیل اِمام نے غریب بیواؤں کو محروم کرنے کے لئے پیش کی، وہی لڑکیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے، ان

کو بھی محروم ہونا چاہئے، اور انگریزی قانون پر عمل درآمد ہونا چاہئے کہ جائیداد لڑکوں کو ملتی ہے، لڑکیوں کو ملتی ہی نہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ!

چہارم:... یہ بھی معلوم ہوا کہ اِمام، بے کس و بے سہارا بیواؤں پر کیسے شفیق تھے کہ خود تو ان کی کیا مدد کرتے؟ ان بے چاری بیواؤں کو قرآن نے شوہر کی جائیداد سے جو حصہ دِلایا ہے، اِماموں کو اس کا دِلانا بھی گوارا نہیں تھا۔

ان وجوہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ائمہ کے نام پر روایتیں تصنیف کرنے والے کیسے دانش مند تھے اور انہوں نے خرافات کے کیسے کیسے طومار ائمہ کی طرف منسوب کئے ہیں، جن کو شیعہ وحیٔ آسمانی سے کم نہیں سمجھتے۔

دُوسری مثال:... قرآنِ کریم میں قانونِ شہادت موجود ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے جو فروعِ کافی، کتاب القضاوالاحکام، "باب ان البیّنة علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیه" میں نقل کیا ہے:

"أن البیّنة علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیه" (فروعِ کافی ج:۷ ص:۴۱۵)

ترجمہ:... "گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر آتی ہے۔"

لیکن اِمامِ غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانونِ شہادت کو معطل فرمادیں گے، چنانچہ اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے: "باب فی الأئمة انهم اذا ظهر امرهم حکموا بحکم آل داوٗد ولا یسالون البیّنة" (یعنی جب ائمہ کی حکومت ہوگی تو حکم آلِ داوٗد کے موافق فیصلہ کریں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے) اس میں اِمام جعفرؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

"یا أبا عبیدة! اذا قام قائم آل محمد علیه السلام حکم بحکم داوٗد وسلیمان لا یسأل بیّنة."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۹۷)

ترجمہ:... ''جب قائم آل محمد ظاہر ہوں گے تو داؤد بن سلیمان کے حکم کے مطابق فیصلے دیں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے۔''

دُوسری روایت میں ہے کہ عمار ساباطی نے اِمام جعفرؒ سے پوچھا کہ: آپ حضرات جب فیصلہ کرتے ہیں تو کس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

''بحکم الله وحکم داوٗد فاذا ورد علینا الشیء الّذی لیس عندنا، تلقّانا به روح القدس.''

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۹۸)

ترجمہ:... ''اللہ کے حکم اور داؤد کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں، اور جب ہمارے سامنے کوئی ایسا قضیہ پیش آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہوتا تو رُوح القدس ہمیں اس کا حکم بتادیتا ہے۔''

تیسری روایت میں ہے کہ جعید ہمدانی نے یہی سوال اِمام زین العابدینؒ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

''حکم آل داوٗد، فان أعیانا شیء تلقّانا به روح القدس.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۹۸)

ترجمہ:... ''حکم آلِ داؤد کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں اور اگر ہمیں کسی قضیہ میں مشکل پیش آئے تو رُوح القدس ہمیں بتادیتا ہے۔''

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اَئمہ اپنے فیصلوں میں قرآن وحدیث کے قانونِ شہادت کے پابند نہیں تھے، بلکہ آلِ داؤد کے مطابق فیصلے کے پابند تھے، اور رُوح القدس سے معلوم کرکے فیصلے کیا کرتے تھے۔ اِمامِ غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانونِ شہادت معطل ہوجائے گا، اس لئے وہ کسی مقدمے میں شہادت طلب نہیں کریں گے۔

تیسری مثال:...فروعِ کافی، کتاب الصید "باب صید البزاۃ والصقور وغیر ذٰلک" میں روایت ہے:

"أبو علی الأشعری، عن محمد بن عبدالجبّار، ومحمد بن إسماعیل، عن الفضل بن شاذان، جمیعًا عن صفوان بن یحیٰی، عن ابن مسکان، عن الحلبیّ، قال: قال أبو عبدالله علیه السلام کان أبی علیه السلام یفتی وکان یتّقی ونحن نخاف فی صید البزاۃ والصقور وأمّا الآن فانّا لا نخاف ولا نحلّ صیدها الّا أن تدرک ذکاته فانّه فی کتاب علیّ علیه السلام انّ الله عزّ وجلّ یقول: "وما علّمتم من الجوارح مکلّبین" فی الکلاب."

(فروعِ کافی ج:۶ ص:۲۰۷)

روایت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ: "کتابِ علیؓ میں لکھا ہے کہ آیت شریفہ: "وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ" میں صرف کتوں کے شکار کی اجازت ہے، باز اور شاہین کا شکار حرام ہے، اِلَّا یہ کہ وہ زندہ پکڑ لائیں اور شکار کو ذبح کرلیا جائے۔ اِمام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ: میرے والد ماجد بنا بر تقیہ اس آیت کے خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن اب چونکہ خوف اُٹھ گیا ہے اس لئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ باز اور شاہین کا شکار حلال نہیں۔"

باپ اور بیٹے دونوں اِمامِ معصوم ہیں، ایک قرآنِ کریم کے حکم کے خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں اور دُوسرے حرمت کا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ کو اِختیار ہے کہ جب چاہیں حرام کو حلال قرار دیں اور جب چاہیں حلال کو حرام ٹھہرائیں، جب چاہیں قرآن کے حکم منسوخ یا معطل کردیں، اور جب چاہیں اس کو جاری کردیں۔ تقیہ کی آڑ میں ائمہ نے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے فتوے دیئے ہیں، ان کی سینکڑوں مثالیں شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی کی "تہذیب الاحکام" اور "استبصار" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

چوتھی مثال:...فروعِ کافی، کتاب المواریث، ''باب میراث الوالد'' میں سلمہ بن محرز کی روایت ہے:

''عليّ بن ابراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير، ومحمد بن يحيٰى، عن أحمد بن محمد، عن ابن أبي عمير، عن جميل بن درّاج، عن سلمة بن محرز قال: قلت لأبي عبدالله عليه السلام: انّ رجلًا أرمانيًا مات وأوصى اليّ، فقال لي: وما الأرماني؟ قلت: نبطيٌّ من أنباط الجبال مات وأوصى اليّ بتركته وترك ابنته، قال: فقال لي: أعطها النصف، قال: فأخبرت زرارة بذٰلك، فقال لي: اتّقاك، انما المال لها، قال: فدخلت عليه بعد فقلت: أصلحك الله انّ أصحابنا زعموا أنّك أتقيتني، فقال: لا والله! ما اتّقيتك ولٰكن اتّقيت عليك أن تضمن فهل علم بذٰلك أحدٌ؟ قلت: لا، قال: فأعطها ما بقي.'' (فروعِ کافی ج:۸ ص:۸۶،۸۷)

ترجمہ:...''سلمہ بن محرز کہتا ہے کہ میں نے اِمام صادق'' سے عرض کیا کہ: ایک ارمانی شخص فوت ہوا اور اس نے مجھے اپنا وصی بنایا۔ اِمام نے فرمایا کہ: ارمانی کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ایک جنگلی پہاڑی آدمی مرگیا، اس نے اپنے ترکہ کا وصی مجھے بنایا، اس نے پیچھے ایک بیٹی چھوڑی۔ اِمام نے فرمایا: بیٹی کو نصف مال دے دو۔ میں نے باہر نکل کر اِمام کا یہ فتویٰ زرارہ کو بتایا تو اس نے کہا کہ: اِمام نے تجھ سے تقیہ کیا ہے، ورنہ پورا مال بیٹی کا حق ہے۔ میں دوبارہ اِمام کے پاس گیا، میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے، ہمارے رفقاء کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا ہے، فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! تجھ

سے تقیہ نہیں کیا، بلکہ تیری خاطر تقیہ کیا ہے کہ کہیں آدھے مال کا
تاوان تجھ پر نہ پڑ جائے، کیا اس کا کسی کو علم تو نہیں ہوا؟ میں نے کہا:
نہیں، فرمایا: تو پھر باقی آدھا بھی بیٹی ہی کو دے دے۔''

پورا مال بیٹی کا حق تھا، لیکن اِمام نے آدھا مال دینے کا حکم فرمایا، اور جب زرارہ نے اِمام کی غلطی نکالی تو آپ نے اپنے فتویٰ سے رُجوع فرمالیا اور باقی آدھا بھی بیٹی کو دینے کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ پہلے فتویٰ میں آپ نے قرآن کے حکم کو معطل کر دیا تھا، خدانخواستہ وہ شخص اِمام کے فتویٰ کی زرارہ سے تصحیح نہ کراتا تو تین وبال اس کے سر لازم آتے:

اوّل یہ کہ:... ''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ .... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ .... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' کا مصداق ٹھہرتا، یعنی جو لوگ حکمِ اِلٰہی کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں.... ظالم ہیں.... فاسق ہیں۔

دوم یہ کہ:... ایک یتیم بچی کا مال دُوسروں کو کھلاتا، اور جہنم کی آگ ان کے پیٹ میں بھرنے کا وبال اپنے ذمہ لیتا۔

سوم یہ کہ:... اِمام کے فتویٰ کے مطابق مال جن لوگوں کو دیا جاتا وہ حرام خور ہوتے۔

لطیفہ یہ کہ جس خوف کی بنا پر اِمام نے خلاف ما انزل اللہ فتویٰ دیا تھا، وہ خوف اب بھی باقی تھا، زائل نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود اِمام کا فتویٰ بدل گیا۔ الغرض! ان مثالوں سے واضح ہوا کہ اِمام جب چاہتے تھے قرآنی اَحکام کو منسوخ و معطل کر دیتے تھے، تقیہ کا عذر ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتا تھا۔

نواں عقیدہ: ائمہ کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے:

اُصولِ کافی، باب الحجہ کے ایک باب کا عنوان ہے: ''ان الأئمة هم ارکان الأرض'' اس میں اِمام جعفرؒ سے نقل کیا ہے:

" ۱ – أحمد بن مهران، عن محمد بن عليّ، ومحمد بن يحيٰى، عن أحمد بن محمد جميعًا، عن محمد بن سنان، عن المفضّل بن عمر، عن أبی عبدالله عليه السلام قال: ما جاء به عليٌّ عليه السلام آخذ به وما نهی عنه أنتهی عنه، جری له من الفضل مثل ما جری لمحمد صلی الله عليه وآله ولمحمد صلی الله عليه وآله الفضل علٰی جميع من خلق الله عزّ وجلّ، المتعقّب عليه فی شیء من أحكامه كالمتعقّب علی الله وعلٰی رسوله والرادّ عليه فی صغيرة أو كبيرة علٰی حدّ الشرک بالله، كان أمير المؤمنين عليه السلام باب الله الّذی لا يؤتی الّا منه، وسبيله الّذی من سلک بغيره هلک، وكذٰلک يجری لأئمّة الهدی واحدًا بعد واحد." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۱۹۶)

ترجمہ:... "مفضل بن عمر، اِمام صادق" کا ارشاد نقل کرتا ہے کہ حضرت علیؓ جس چیز کو لے کر آئے ہیں میں اس کو لیتا ہوں، اور جس چیز سے حضرت علیؓ نے منع فرمایا میں اس سے باز رہتا ہوں۔ علیؓ کے لئے وہی فضیلت ثابت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر فضیلت ہے، اور علیؓ کے کسی حکم پر نکتہ چینی کرنے والا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنے والا، اور علیؓ کی کسی چھوٹی بڑی بات کو رَدّ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے کے حکم میں ہے۔ امیرالمؤمنین اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہیں جس کے بغیر داخلہ ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ ہیں کہ جو اس کو چھوڑ کر

چلے وہ ہلاک ہوجائے، جو علیؓ کی فضیلت ہے وہی باقی گیارہ اماموں کی فضیلت ہے۔"

اسی باب میں دُوسری روایت بھی اِمام جعفرؒ ہی سے منقول ہے:

"۲- علیّ بن محمد و محمد بن الحسن، عن سهل بن زياد، عن محمد بن الوليد شباب الصيرفی قال: حدثنا سعيد الأعرج قال: دخلت أنا وسليمان بن خالد علٰى أبی عبدالله عليه السلام فابتدأنا فقال: يا سليمان! ما جاء عن أمير المؤمنين عليه السلام يؤخذ به وما نهی عنه ينتهی عنه جری له من الفضل ما جری لرسول الله صلی الله عليه وآله ولرسول الله صلی الله عليه وآله الفضل علٰی جميع من خلق الله المعيّب علٰی أمير المؤمنين عليه السلام فی شیء من أحكامه كالمعيّب علی الله عزّ وجلّ وعلٰی رسوله صلی الله عليه وآله والرادُّ عليه فی صغيرة أو كبيرة علٰی حدّ الشرك بالله، كان أمير المؤمنين صلوات الله عليه باب الله الّذی لا يؤتی الّا منه، وسبيله الّذی من سلك بغيره هلك، وبذٰلك جرت الأئمة عليهم السلام واحد بعد واحد."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۱۹۷)

ترجمہ:... "سعید اَعرج سے روایت ہے کہ میں اور سلیمان بن خالد، ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں آئے، ہمارے پوچھے بغیر فرمایا: اے سلیمان! جو امیرالمؤمنین علیہ السلام کی وساطت سے ملا ہے اسے تھامے رکھو اور جس سے آپ نے منع فرمایا رُک جاؤ۔ آپ کی وہی فضیلت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت عطا ہوئی۔
جو شخص کسی بھی حکم میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں عیب جوئی کا مرتکب ہوا، وہ گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب جو ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے معاملے میں (امیر المؤمنین کی) حکم عدولی شرک باللہ کے مترادف ہے، امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ کا وہ دروازہ ہے کہ اسی سے دِین آسکا، اور آپ کی راہ سے جس نے اِعراض کیا وہ ہلاک ہوا، اور یہی معاملہ یکے بعد دیگرے ہر امام میں جاری ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"۳- محمد بن يحيٰى وأحمد بن محمد جميعًا، عن محمد بن الحسن، عن عليّ بن حسّان قال: حدثني أبو عبدالله الرياحيّ ..... عن أبي الصامت الحلوانيّ، عن أبي جعفر عليه السلام قال: فضل أمير المؤمنين عليه السلام: لما جاء به آخذ به وما نهى عنه أنتهي عنه، جرى له من الطاعة بعد رسول الله صلى الله عليه وآله ما لرسول الله صلى الله عليه وآله والفضل لمحمد صلى الله عليه وآله، المتقدّم بين يديه كالمتقدّم بين يدي الله ورسوله، والمتفضل عليه كالمتفضل علىٰ رسول الله صلى الله عليه وآله والرد عليه في صغيرة أو كبيرة علىٰ حدّ الشرك بالله، فانّ رسول الله صلى الله عليه وآله باب الله الّذي لا يؤتى الّا منه وسبيله الّذي من سلكه وصل الى الله عزّ وجلّ وكذٰلك كان أمير المؤمنين عليه السلام من بعده وجرى للأئمة عليهم

السلام واحدًا بعد واحد." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۱۹۸)

ترجمہ:... "ابوالصامت حلوانی سے روایت ہے کہ ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا: امیر المؤمنین علیہ السلام کی فضیلت: جو کچھ انہوں نے دیا میں لے لیتا ہوں، جس سے منع کردیا، رُک جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین کی اطاعت اسی طرح لازم ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کی فضیلت ہے، امیر المؤمنین سے (اطاعت میں) متقدم ایسا ہی ہے جیسا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں (اپنی اطاعت کا مدعی) متقدم۔ اور آپؓ پر فضیلت کے مدعی کا حکم وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کے مدعی کا (ہونا چاہئے)، اور کسی بھی چھوٹے بڑے حکم میں امیر المؤمنین کی مخالفت شرک باللہ کا حکم رکھتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ دروازہ ہے کہ دِین اس کے سوا آ ہی نہیں سکتا تھا اور آپ کا راستہ ہی وصل الی اللہ کا واحد راستہ ہے، اور آپ کے بعد یہی مقام امیر المؤمنین علیہ السلام اور یکے بعد دیگرے ائمہ علیہم السلام کو حاصل ہوا۔"

اُصولِ کافی میں ایک باب کا عنوان ہے: "ان الأئمّة عليهم السلام محدثون مفهمون" اس میں اِمام جعفرؒ سے نقل کیا ہے:

"۷- عدَّةٌ من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن الحسين بن سعيد، عن عبدالله بن بحر، عن ابن مسكان، عن عبدالرحمٰن بن أبي عبدالله، عن محمد بن مسلم قال: سمعت أبا عبدالله عليه السلام يقول: الأئمّة بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الّا انّهم

لیسوا بأنبیاء ولا یحلُّ لھم من النساء ما یحلُّ للنّبی صلی اللہ علیہ و آلہ فأمّا ما خلا ذٰلک فھم فیہ بمنزلۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ.“ (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۷۰)

ترجمہ:... ”محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ: میں نے اِمام جعفر صادقؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ائمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں، مگر وہ نبی نہیں، جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال تھیں، اتنی ان کے لئے حلال نہیں، اس کے سوا باقی تمام باتوں میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں۔“

علامہ مجلسی، اِمام جعفرؒ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بیان: یدلّ ظاھرًا علٰی اشتراکھم مع النبی صلی اللہ علیہ و آلہ فی سائر الخصائص سویٰ ما ذکر.“

(بحارالانوار ج:۲۷ ص:۵۰)

ترجمہ:... ”اِمام کا یہ قول ظاہراً دلالت کرتا ہے کہ ائمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیتوں میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، اِلَّا یہ کہ ان کو چار سے زیادہ بیویاں حلال نہیں۔“

علامہ مجلسی کی بحارالانوار، کتاب الامامۃ میں ایک باب کا عنوان ہے: ”انه جریٰ لھم من الفضل والطاعة مثل ما جریٰ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وانھم فی الفضل سوآء“ اس باب میں ۲۳ روایتیں نقل کی ہیں، (ج:۲۵ ص:۳۵۲ تا ۳۶۳) جن کا مضمون یہ ہے کہ ائمہ کا وہی مرتبہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

علامہ مجلسی ”حق الیقین“ میں لکھتے ہیں:

”اکثر علماءِ شیعی را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر علیہ السلام وسایر ائمہ افضل اند از پیغمبران سوای پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واحادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از ائمہ خود در ایں

باب روایت کردہ اند۔'' (ص:۰۷)

ترجمہ:... ''اکثر علمائے شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیرؓ اور باقی ائمہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں سے افضل ہیں، اور اس باب میں احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ ائمہ سے روایت کرتے ہیں۔''

الحمدللہ! کہ بندے نے جتنے عقائد حضراتِ اِمامیہ کی طرف منسوب کئے تھے، ایک ایک کا باحوالہ ثبوت پیش کردیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمایئے کہ جب ائمہ کو معصوم بھی کہا جائے، منصوب من اللہ بھی، ان پر اِیمان لانا نبیوں کی طرح فرض ہو اور ان کا اِنکار نبیوں کے انکار کی طرح کفر ہو، ان کی اطاعت ایسی ہی فرض ہو جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ صاحبِ معجزات بھی ہوں، ان پر وحیٔ قطعی بھی نازل ہوتی ہو، جو ہر ایک کے لئے حجتِ ملزمہ ہو، وہ تحلیل وتحریم کا اختیار بھی رکھتے ہوں، ان کو قرآنی اَحکام کے منسوخ یا معطل کرنے کا بھی اختیار ہو اور ان کا درجہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دُوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے بالاتر ہو، اگر ان تمام اُمور سے میں یہ نتیجہ اخذ کروں کہ آلِ سبا نے اِمامت کا عقیدہ ختمِ نبوّت کا منہ چڑانے کے لئے ایجاد کیا، اور یہ کہ حضراتِ اِمامیہ، اِمامت کے پردے میں ائمہ کی نبوّت کے قائل ہیں تو ذرا یہ فرمایئے کہ کیا میرا یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے...؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو معصوم، منصوب من اللہ اور مفترض الطاعۃ ماننا ہی درحقیقت ختمِ نبوّت کا انکار ہے، خواہ ہزار بار قسمیں کھائیں کہ ہم ختمِ نبوّت کے قائل ہیں...!

اِمامیہ درحقیقت ختمِ نبوّت کے منکر ہیں، اس پر چار گواہ:

میں نے اِمامیہ کے مندرجہ بالا عقائد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اِمامیہ کا عقیدۂ اِمامت ختمِ نبوّت کے خلاف ایک بغاوت ہے، یہ گزشتہ سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم وانصاف سے بہرہ ور فرمایا ہو تو وہ اُوپر کی بحث

پڑھ کر اس کے سوا کوئی دُوسرا نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے میں اپنے اس اخذ کردہ نتیجے پر بھی چار گواہ پیش کرتا ہوں، دواَکابر اہلِ سنت میں سے اور دو اَکابر شیعہ میں سے۔

پہلی شہادت: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "المقالة الوضية فی النصيحة والوصية" میں، جو ان کی کتاب "تفہیماتِ الٰہیہ" جلد دوم میں تفہیم (۲۴۶) کے عنوان سے شامل ہے، وصیت (۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ایں فقیر از رُوحِ پُرفتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت! چہ می فرمایند در بابِ شیعہ کہ مدعی محبت اہلِ بیت اند و صحابہؓ را بہ میگویند؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعی از کلامِ رُوحانی اِلقاء فرمودند کہ مذہب ایشاں باطل است و بطلان مذہب ایشاں از لفظ اِمام معلوم می شود، چوں از آنحات افاقت دست دار در لفظ اِمام تامل کردم معلوم شد کہ اِمام باصطلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعة منصوب للخلق است ووحی باطنی درحق اِمام تجویز می نمایند، پس درحقیقت "ختمِ نبوّت" را منکر اند، گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفتہ باشند۔" (تفہیماتِ الٰہیہ ج:۲ ص:۲۹۴)

ترجمہ:... "اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ پُرفتوح سے سوال کیا کہ حضرت! شیعوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اہلِ بیت سے محبت کے مدعی ہیں اور صحابہؓ کو بُرا کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوع کے رُوحانی کلام کے ذریعے اِلقاء فرمایا کہ: ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ "اِمام" سے معلوم ہوجاتا ہے۔ جب اس حالت سے

اِفاقہ ہوا تو میں نے لفظ ''اِمام'' میں غور کیا، معلوم ہوا کہ ''اِمام'' ان کی اِصطلاح میں وہ شخص ہے جس کی طاعت فرض ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرّر شدہ ہو، یہ لوگ ''اِمام'' کے حق میں ''وحی باطنی'' بھی تجویز کرتے ہیں، پس درحقیقت ختمِ نبوّت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہا کرتے ہیں۔''

اور اس سے اگلی تفہیم (۲۴۷) میں مبشرہ (۹) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''سألته صلى الله عليه وسلم سؤالًا روحانيًا عن الشيعة فأوحى اليَّ أن مذهبهم باطل، وبطلان مذهبهم يعرف من لفظ "الامام"، ولما أفقت عرفت أن الامام عندهم هو المعصوم المفترض طاعته الموحى اليه وحيًا باطنيًا، وهٰذا هو معنى النبى، فمذهبهم يستلزم انكار ختم النبوّة قبّحهم الله تعالىٰ.'' (تفہیمات الٰہیہ ج:۲ ص:۳۰۱)

ترجمہ:... ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعوں کے بارے میں رُوحانی سوال کیا، تو مجھے اِلقاء فرمایا کہ: ان کا مذہب باطل ہے، اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ ''اِمام'' سے معلوم ہوجاتا ہے۔ جب مجھے اس حالت سے اِفاقہ ہوا تو میں نے غور کیا کہ ان کے نزدیک ''اِمام'' وہ شخص ہے جو معصوم ہو، مفترض الطاعۃ ہو اور جس کو باطنی وحی ہوتی ہو، اور یہی نبی کے معنی ہیں، پس ان کا مذہب ختمِ نبوّت کے اِنکار کو مستلزم ہے۔''

دُوسری شہادت: شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے باب ششم ''در بحث نبوّت و ایمان بانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام'' میں ''عقیدۂ دہم'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''وامامیہ ہر چند بظاہر بہ ختمِ نبوّت آنجناب اقرار کنند لکن در پردہ بہ نبوّتِ ائمہ قائل اند کہ ائمہ را بہتر و بزرگ تر از انبیاء شمارند، چنانچہ درہمیں باب بہ تفصیل گزشت، وتفویض امر تحلیل وتحریم کہ خلاصۂ نبوّت بلکہ بالاتر از نبوّت است برای ائمہ اثبات نمایند، پس در معنی منکر ختمِ نبوّت اند۔'' (تحفہ ص:۱۷۰)

ترجمہ:... ''اور اِمامیہ ہر چند کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن در پردہ ائمہ کی نبوّت کے قائل ہیں، کیونکہ ائمہ کو انبیاء سے بہتر و بزرگ تر شمار کرتے ہیں، جیسا کہ اسی باب میں تفصیل سے گزرا، اور تحلیل وتحریم کا معاملہ ائمہ کے سپرد کرتے ہیں جو کہ خلاصۂ نبوّت، بلکہ بالاتر نبوّت ہے، پس درحقیقت ختمِ نبوّت کے منکر ہیں۔''

اور شیعہ کے عقیدۂ تفویض پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''بالجملہ ایں اصلے است فاسد کہ مستلزم مفاسد بسیار ست ومع ھٰذا متضمن انکارِ ختمِ نبوّت است درحقیقت، وجمیع اِمامیہ بآن قائل اند۔'' (تحفہ ص:۱۷۱)

ترجمہ:... ''خلاصہ یہ کہ یہ اُصول فاسد ہے جو کہ بہت سے مفاسد کو مستلزم ہے، علاوہ بریں درحقیقت ختمِ نبوّت کے انکار کو متضمن ہے، اور تمام اِمامیہ اس کے قائل ہیں۔''

تیسری شہادت: علامہ باقر مجلسی:

شیعوں کے محدث ومجددِ اعظم جناب علامہ محمد باقر مجلسی کی علمی منزلت سے تو آنجناب واقف ہوں گے، آیت اللہ العظمیٰ رُوح اللہ خمینی نے ان کی کتابوں کے مطالعے کی شیعہ مؤمنین کو بطورِ خاص تلقین فرمائی ہے۔

جناب باقر مجلسی بحارالانوار، کتاب الامامت "باب انهم محدثون مفهمون" میں ائمہ کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد روایت ۴۵ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"بیان: استنباط الفرق بین النبیّ والامام من تلک الأخبار لا یخلو من اشکال وکذا الجمع بینها مشکل جدًّا.......

وبالجملة لا بدّ لنا من الاذعان بعدم کونهم علیهم السلام أنبیاء وبأنّهم أشرف وأفضل من غیر نبیّنا صلی الله علیه وآله وسلم من الأنبیاء والأوصیاء ولا نعرف جهة لعدم اتّصافهم بالنبوّة الّا رعایة جلالة خاتم الأنبیاء، ولا یصل عقولنا الٰی فرق بیّن بین النبوّة والامامة، وما دلّت علیه الأخبار فقد عرفته."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۸۲)

ترجمہ:... "ان احادیث سے نبی اور اِمام کے درمیان فرق کا اِستنباط کرنا مشکل ہے، اسی طرح ان احادیث کے درمیان جمع کرنا بھی نہایت مشکل ہے .... مختصر یہ کہ یہ یقین تو لازم ہے کہ اِمام، نبی نہیں ہوتے، اور یہ بھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر تمام انبیاء، اوصیاء سے اشرف و افضل ہیں، ہمیں ان کے موصوف بالنبوۃ نہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ خاتم الانبیاء کی جلالت کی رعایت ہو، اور ہماری عقلوں کو نبوّت اور اِمامت کے درمیان واضح فرق تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اخبار سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تم جان ہی چکے ہو، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے احوال کے حقائق کو بہتر جانتے ہیں۔"

چوتھی شہادت: شیخ مفید:

علامہ مجلسی نے ''بحارالانوار'' کے مندرجہ بالا باب میں روایت ۴۶ کے ذیل میں شیخ مفید محمد بن نعمان (متوفیٰ ۴۶۰ھ) کی ''تصحیح الاعتقاد شرح عقائد صدوق'' سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے، اس کے بقدرِ ضرورت جملے یہاں نقل کرتا ہوں:

''وعندنا أنّ الله تعالٰی یسمع الحجج بعد نبیّه صلی الله علیه وآله وسلم کلامًا یلقیه الیهم أی الأوصیاء فی علم ما یکون لٰکنّه لا یطلق علیه اسم الوحی لما قدّمناه من اجماع المسلمین علٰی أنّه لا وحی لأحد بعد نبیّنا صلی الله علیه وآله وانّه لا یقال فی شیء ممّا ذکرناه: انّه وحی الٰی أحد، ولله تعالٰی أن یبیح اطلاق الکلام أحیانًا ویحظره أحیانًا، ویمنع السمات بشیء حینًا ویطلقها حینًا، فأمّا المعانی فانّها لا تتغیّر عن حقائقها علٰی ما قدّمناه.'' (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۸۳، ۸۴)

ترجمہ:... ''اور ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِماموں کو ایسا کلام سناتا ہے جو ان کی طرف اِلقاء کرتا ہے اس علم کے بارے میں جو آئندہ آنے والا ہو، لیکن اس پر وحی کا اِطلاق نہیں کیا جاتا، کیونکہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اِجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو وحی نہیں ہوتی، اور یہ کہ جو چیزیں ہم نے ذکر کی ہیں، ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ کسی کی طرف وحی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ ایک وقت میں ایک لفظ کے بولنے کو جائز رکھے اور دُوسرے وقت میں اس کو منع کردے، اور ایک چیز کے ساتھ کسی

چیز کو موسوم کرنا ایک وقت میں ممنوع قرار دے، اور دُوسرے وقت
میں اس کو جائز قرار دے، باقی رہے معانی! تو وہ اپنے حقائق سے
نہیں بدلتے۔''

علامہ باقر مجلسی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوّت و اِمامت کے درمیان فرق ہماری عقلِ نارسا سے بالاتر ہے۔ باوجودیکہ ائمہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے اشرف و افضل ہیں، لیکن ختمِ نبوّت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو نبی نہیں کہا جاتا، ورنہ نبوّت اور اِمامت کے درمیان وجہِ فرق ہمیں معلوم نہیں۔

شیخ مفید کا آخری فقرہ تو ٹیپ کا بند ہے، فرماتے ہیں کہ: ''حقائق تو نہیں بدلتے، لیکن ایک وقت میں ایک لفظ کا بولنا صحیح ہوتا ہے، دُوسرے وقت میں ممنوع ___'' مطلب یہ کہ نبوّت کی حقیقت جو انبیائے کرام کو حاصل تھی وہی ائمہ کو بھی حاصل تھی، وحی ان پر بھی نازل ہوتی تھی اور ان پر بھی، مگر اس حقیقت پر پہلے زمانے میں نبی اور وحی کا لفظ بولنا جائز تھا، اب جائز نہیں رہا۔ ماشاء اللہ کیا عجب تحقیق ہے...!

اس پوری بحث کو بغور و تدبر پڑھئے اور پھر فرمایئے کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا، کیا وہ بقول آپ کے محض سوءِ ظن کی بنا پر لکھا تھا، اور محض تہمت تراشی کی تھی، یا آپ کے مذہب کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی تھی...؟

''بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر''

چوتھی بحث: ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات

آنجناب نے آیت اللہ العظمیٰ جناب محمد جواد مغنیہ کی کتاب "الشیعة فی المیزان" (ص:۴۳ تا ۴۵) سے طویل اقتباس نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱:...ائمہ، کتاب وسنت کے علوم کا الف سے یا تک کا کامل احاطہ رکھتے ہیں۔

۲:...ان کے علوم کتاب وسنت تک محدود ہیں۔

۳:...ان کا علم وہبی نہیں، کسبی ہے، اور جو شخص اس کے خلاف کہے وہ- بقول ان کے- جاہل ہے۔

۴:...ائمہ کو علمِ غیب نہیں ہوتا، جن اخبار میں ان کی طرف علمِ غیب منسوب کیا گیا ہے وہ "باجماعِ مسلمین" مردود ہیں۔

ان میں سے پہلی بات تو شیعہ عقائد کے مطابق ہے، باقی سب غلط ہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات کے بارے میں حضراتِ اِمامیہ کا موقف ذکر کیا جائے، پھر یہ دیکھا جائے کہ اِمامیہ کے نزدیک ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟ اس لئے ان دونوں نکتوں کو دو الگ بحثوں میں ذکر کرتا ہوں، وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ!

ائمہ کے علمی کمالات کے بارے میں شیعی عقائد:

پہلا عقیدہ:

ائمہ، کتاب وسنت کے علوم کا الف سے یا تک ایسا کامل احاطہ رکھتے ہیں کہ ان کو قرآن وسنت کے کسی لفظ اور کسی حکم میں نہ کبھی اشتباہ ہوتا ہے، نہ سہو ونسیان ہوتا ہے، نہ انہیں غور وفکر اور اِجتہادِ رائے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دُوسرا عقیدہ:

ائمہ کو قرآن وحدیث کے علاوہ توراۃ، زَبور اور دیگر کتبِ آسمانی وصحفِ ربانی کا بھی کامل علم ہوتا ہے اور وہ ہر کتاب کو اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں، چنانچہ اُصولِ کافی، کتاب الحجہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

"ان الأئمّة عليهم السلام عندهم جميع الكتب التي نزلت من عند الله عزّ وجلّ وانهم يعرفونها علىٰ اختلاف ألسنتها" (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۲۷)

ترجمہ:... "ائمہ کے پاس اللہ عز وجل کی نازل کردہ تمام کتب موجود ہوتی ہیں اور وہ جس زبان میں بھی ہوں، یہ حضرات ان کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

اور علامہ مجلسی کی "بحارالانوار" میں ایک باب کا عنوان ہے:

"آخر في أن عندهم صلوات الله عليهم كتب الأنبياء عليهم السلام يقرؤنها علىٰ اختلاف لغاتها"

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۸۰)

ترجمہ:... "یعنی ائمہ صلوات اللہ علیہم کے پاس تمام انبیاء کی کتب موجود ہیں خواہ وہ کسی زبان میں ہوں، یہ حضرات ان کو پڑھ لیتے ہیں۔"

اس مدعا کے ثبوت میں علامہ مجلسی نے ۲۷ روایات ذکر کی ہیں، ایک مختصر سی روایت ملاحظہ فرمائیں:

"۷- يد: أبي عن أحمد بن ادريس ومحمد العطّار معًا عن الأشعري عن ابن هاشم عن محمد بن حمّاد عن الحسن بن ابراهيم عن يونس عن هشام بن

الـحكم فی خبر طويل قال: جاء بريهة جاثليق النصاری فقال لأبی الحسن عليه السلام: جعلت فداک أنّٰی لكم التـوراة والانجيل و كتب الأنبياء؟ قال: هی عندنا وراثة مـن عـنـدهم نقرأها كما قرأوها ونقولها كما قالوها، انّ الله لا يـجـعـل حجّة فی أرضه يُسأل عن شیء فيقول: لا أدری الخبر.“

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۸۰،۱۸۱، اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۲۷)

ہشام بن حکم ایک طویل روایت میں ذکر کرتے ہیں کہ بریہہ جاثلیق نصرانی، ابوالحسن علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: آپ پر قربان! یہ توراۃ و اِنجیل اور دیگر کتبِ انبیاء آپ کے پاس کہاں سے آگئیں؟ فرمایا: ہمارے پاس یہ کتابیں انبیاء کی وراثت کے طور پر پہنچی ہیں، ہم ان کو اسی انداز سے پڑھ سکتے ہیں جیسے وہ حضرات پڑھتے تھے، اور ہم بھی انہیں کی طرح ان کی تفسیر وتشریح پر قدرت رکھتے ہیں (اور یہ اس بنا پر ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی ایسی شخصیت کو دُنیا میں حجت نہیں بناتے جو پوچھنے پر یہ کہہ دے کہ مجھے تو یہ معلوم نہیں۔“

تیسرا عقیدہ:

وہ تمام علوم جو اَنبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کو اَلگ الگ دیئے گئے وہ سب کے سب اَئمہ کو مجموعہ طور پر عطا کئے گئے، اس لئے اَئمہ انبیاء و ملائکہ کے علوم کے جامع ہیں۔

اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”ان الأئـمة ورثـوا عـلـم الـنبی وجميع الأنبياء

والأوصياء الذين من قبلهم" (أصولِ کافی ج:۱ ص:۲۲۳)

ترجمہ:... "ائمہ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام گزشتہ انبیاء واوصیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔"

بحارالانوار، کتاب الامامۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان عندهم جميع علوم الملائكة والأنبياء وانهم اعطوا ما أعطاه الله الأنبياء عليهم السلام، وان كل امام يعلم جميع علم الامام الذى قبله ولا يبقى الأرض بغير عالم" (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۵۹)

ترجمہ:... "ان حضرات کو تمام ملائکہ وانبیاء کے علوم حاصل ہوتے ہیں، اور ان کو وہ سب کچھ عطا ہوتا ہے جو اللہ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے، اور ہر اِمام اپنے سے پہلے اِمام کے جمیع علم پر عبور رکھتا ہے۔"

اس باب کی ۶۳ روایتوں میں سے ایک مختصر سی روایت:

"۴- فس: أبى عن ابن أبى عمير عن ابن أذينة عن أبى عبدالله عليه السلام قال: .... وقال أمير المؤمنين صلوات الله عليه: ألا انّ العلم الّذى هبط به آدم من السماء الى الأرض وجميع ما فضّلت به النبيّون الىٰ خاتم النبيّين فى عترة خاتم النبيّين."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۶۰)

ترجمہ:... "اِمام صادقؒ فرماتے ہیں کہ: امیرالموٴمنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا: یاد رکھو! آدم علیہ السلام جو علم لے کر آسمان سے زمین پر اُترے اور خاتم النبیین تک تمام انبیاء کو جس علم سے شرف بخشا گیا، وہ سب خاتم النبیین کی عترت کو منتقل ہوگیا۔"

چوتھا عقیدہ:

ائمہ، انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں، اُصولِ کافی، کتاب الحجہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

"ان الأئمة يعلمون جميع العلوم التی خرجت الی الملائكة والأنبياء والرسل."

ترجمہ:... "ائمہ ان تمام علوم کو جانتے ہیں جو ملائکہ کو دیئے گئے، اور تمام انبیاء اور رسولوں کو اپنے اپنے وقت میں دیئے گئے۔"

"بحار الانوار" کے ایک باب کا عنوان ہے:

"انهم أعلم من الأنبياء عليهم السلام"

(ج:۲۶ ص:۱۹۴)

ترجمہ:... "ائمہ، انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔"

اس دعوے کو موصوف نے ۱۳ روایات سے ثابت کیا ہے۔

بحار الانوار "**باب جامع فی صفات الامام وشرائط الامامة**" میں حضرت امیرؓ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمایئے:

"علم الأنبياء فی علمهم وسرّ الأوصياء فی سرّهم وعزّ الأولياء فی عزّهم كالقطرة فی البحر والذرة فی القفر، والسماوات والأرض عند الامام كيده من راحته يعرف ظاهرها من باطنها ويعلم برّها من فاجرها ورطبها ويابسها، لأنّ الله علّم نبيّه ما كان وما يكون وورث ذٰلک السرّ المصون الأوصياء المنتجبون، ومن أنكر ذٰلک فهو شقی ملعون يلعنه الله

ویلعنه اللاعنون." (بحارالانوار ج:۲۵ ص:۱۷۳)

ترجمہ:... "ان ائمہ کے علم کے مقابلے میں انبیاء کے علم کو، ان کے سرّ (بھید) کے سامنے اوصیاء کے اَسرار کو، اوران کے مرتبے کے مقابل اولیاء کے مراتب کو وہی نسبت ہے جو سمندر سے قطرے کو اور صحرا سے ایک ذرّے کو ہوتی ہے، آسمان و زمین اِمام کے نزدیک اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہیں، وہ ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ، ان کے اچھے بُرے سے واقف اوران کے خشک و تر کا عالم ہوتا ہے، اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "ما کان وما یکون" کا علم عطا کردیا اور یہ منتخب اوصیاء اس محفوظ راز (بھید) کے وارث ہوتے ہیں، جس نے اس بات کا انکار کیا وہ شقی وملعون ہے، اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی اس پر لعنت ہو۔"

پانچواں عقیدہ:

اَئمہ "ما کان وما یکون" کا علم رکھتے ہیں، ان سے آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی، چنانچہ اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان الأئمة يعلمون علم ما كان وما يكون وانه لا يخفى عليهم الشيء صلوات الله عليهم"

(ج:۱ ص:۲۶۰)

ترجمہ:... "یعنی اَئمہ "ما کان وما یکون" کا علم رکھتے ہیں، اوران پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔"

"بحارالانوار" میں ایک کا عنوان ہے:

"انهم عليهم السلام لا يحجب عنهم علم

السمـاء والأرض والـجـنّة والنّـار، وأنـه عرض عليهم ملكوت السماوات والأرض ويعلمون علم ما كان وما يكون الٰى يوم القيامة" (بحارالانوار ج:۲٦ ص:۱۰۹)

ترجمہ:...''ان سے آسمان وزمین اور جنت ودوزخ کا علم پوشیدہ نہیں ہوتا، آسمان اور زمین کی پوری کائنات ان کے سامنے کردی گئی ہے، وہ"ما كان وما يكون" کا علم رکھتے ہیں، یعنی ابتدا سے اب تک جو کچھ ہو چکا اور جو قیامت تک ہوگا، وہ سب ان کو معلوم ہے۔''

اس باب کے تحت ۲۲ روایتیں درج کی ہیں، ایک روایت ملاحظہ فرمائیں

"۲۲- مصباح الأنوار باسناده الى المفضّل قال: دخلت على الصادق عليه السلام ذات يوم فقال لي: يا مفضّل! هل عرفت محمدًا وعليًّا وفاطمة والحسن والحسين عليهم السلام كنه معرفتهم؟ قلت: يا سيّدى! وما كنه معرفتهم؟ قال: يا مفضّل! من عرفهم كنه معرفتهم كان مؤمنًا في السّنام الأعلىٰ.

قال: قلت: عرّفني ذٰلک يا سيّدى، قال: يا مفضّل! تعلم أنّهم علموا ما خلق الله عزّ وجلّ وذرأه وبرأه وأنّهم كلمة التّقوىٰ وخزّان السّماوات والأرضين والجبال والرمال والبحار وعلموا كم في السماء من نجم وملک ووزن الجبال وكيل ماء البحار وأنهارها وعيونها وما تسقط من ورقة الّا علموها ولا حبّة في ظلمات الأرض ولا رطب ولا يابس الّا في كتاب مبين وهو في علمهم قد علموا ذٰلک.

فقلت: يا سيّدی! قد علمت ذٰلک وأقررت به وآمنت، قال: نعم يا مفضّل! نعم يا مكرّم! نعم يا محبور! نعم يا طيّب! طبت وطابت لک الجنّة ولكلّ مؤمن بها."
(بحارالانوار ج:۲٦ ص:۱۱٦، ۱۱۷)

ترجمہ:... "مفضل سے روایت ہے کہ ایک روز میں اِمام صادق رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ سے پوچھا: اے مفضل! کیا تجھے محمد، علی فاطمہ، اور حسن وحسین علیہم السلام کی معرفت کی گہرائی حاصل ہے؟ میں نے عرض کیا: یا سیّدی! ان کی معرفت کی گہرائی کیا ہے؟ فرمایا: جس شخص کو ان کی معرفت کی گہرائی حاصل ہوگئی وہی اعلیٰ پائے کا مؤمن شمار ہوگا۔

میں نے عرض کیا: یا سیّدی! تو مجھے یہ چیز بتلا دیجئے۔ فرمایا: اے مفضل! تو پھر جان لے کہ ان کو اللہ عزوجل کی ہر طرح کی پوری مخلوق کے بارے میں علم حاصل ہے، یہ حضرات کلمۃ التقویٰ ہیں اور آسمانوں اور زمین، پہاڑوں اور صحراؤں اور سمندروں کے خزانچی ہیں، ان کو یہ سب معلوم ہے کہ آسمان میں کتنے ستارے ہیں، کتنے فرشتے ہیں، پہاڑ کتنے وزنی ہیں، سمندروں، دریاؤں اور چشموں کے پانی کی کتنی مقدار ہے؟ جو بھی پتا گرتا ہے ان کے علم میں ہوتا ہے، زمین کے اندھیروں میں کوئی ذرّہ ایسا نہیں اور نہ کوئی خشک وتر ایسا جو کتابِ مبین میں درج نہ ہو، اور ان کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یا سیّدی! مجھے اب یہ سب معلوم ہوگیا، میں اس کا اِقرار کرتا ہوں اور اس پر اِیمان لاتا ہوں۔ فرمایا: مبارک ہو تجھے اے مفضل! مبارک ہوا ے مکرم! مبارک ہوا ے خوش بخت!

مبارک ہوا ے پاکیزہ نفس! تجھے اور اس عقیدے پر ایمان لانے والے ہر شخص کو جنت مبارک ہو۔"

چھٹا عقیدہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور اس طرح دُوسرے ائمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علم میں برابر کے شریک تھے، وہ تمام علوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے، وہ سب حضرت علیؓ کو اور دیگر ائمہ کو بھی دیئے گئے، اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان الله عزّ وجلّ لم يعلم نبيّه علمًا الّا أمره ان يعلمه امير المؤمنين عليه السلام وانه كان شريكه فى العلم."

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم بھی سکھایا، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کو بھی سکھادیں، اور امیر المؤمنین علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔"

اس میں حضرت صادقؒ سے نقل کیا ہے:

"١ - عليّ بن ابراهيم، عن أبيه، عن ابن أبى عمير، عن ابن أذينة، عن عبدالله ابن سليمان، عن حمران بن أعين، عن أبى عبدالله عليه السلام قال: ..... لم يعلّم الله محمدًا صلى الله عليه وآله علمًا الّا وأمره أن يعلّمه عليًّا عليه السلام."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۶۳)

ترجمہ:... "نہیں سکھایا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کو کوئی علم مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ علم علی علیہ السلام کو بھی سکھا دیں۔''

ایک دُوسری روایت میں حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

''۳- محمد بن يحيٰى، عن محمد بن الحسن، عن محمد بن عبدالحميد، عن منصور بن يونس، عن ابن أذينة، عن محمد بن مسلم قال: .... فلم يعلم والله رسول الله صلى الله عليه و آله حرفًا ممّا علّمه الله عزّ وجلّ الّا وقد علّمه عليًّا ثمّ انتهى العلم الينا.'' (ایضاً)

ترجمہ:... ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حرف بھی جو سکھایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو سکھایا، پھر وہ علم ہم تک پہنچا۔''

ساتواں عقیدہ:

اَئمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اِختیار میں ہے۔

''اُصولِ کافی'' اور ''بحارالانوار'' کے ایک باب کا عنوان ہے:

''أنهم يعلمون متى يموتون وأنه لا يقع ذٰلك الّا باختيارهم'' (بحارالانوار ج:۲۷ ص:۲۸۵)

ترجمہ:... ''اِماموں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کب مریں گے؟ اور ان کی موت ان کے اختیار کے بغیر نہیں ہوتی۔''

اس باب کی پہلی روایت:

''۱- خص، ير: أحمد بن محمد عن ابراهيم بن أبي محمود عن بعض أصحابنا قال: قلت للرّضا عليه السلام: الامام يعلم اذا مات؟ قال: نعم يعلم

بـالـتـعـلـيـم حتّى يتقدّم في الأمر، قلت: علم أبو الحسن عـلـيـه الـسـلام بـالـرّطـب والرّيحان المسمومين اللّذين بـعـث اليـه يـحيىٰ بن خالد؟ قال: نعم، قلت: فأكله وهو يعلم؟ قال: أنساه لينفذ فيه الحكم.“

(بحارالانوار ج:۲۷ ص:۲۸۵)

ترجمہ:... ”اِمام رضاؒ سے عرض کیا گیا کہ: اِمام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اللہ کے بتانے سے جانتا ہے، تاکہ اس کی پیشگی تیاری کرے۔ میں نے کہا: کیا اِمام ابوالحسن اس رطب وریحان کو جانتے تھے جن میں زہر ملاکر یحییٰ بن خالد نے ان کے پاس بھیجا تھا، فرمایا: ہاں! میں نے کہا: پھر اِمام نے جان بوجھ کر زہر کھایا (تو یہ تو خودکشی ہوئی)؟ فرمایا: اللہ نے ان پر بھول ڈال دی تھی تاکہ ان کے بارے میں اپنا حکم جاری فرمائے۔“

تیسری بحث کے چھٹے عقیدے کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ اِمامیہ کے نزدیک اِمام، سہو ونسیان سے پاک اور معصوم ہوتا ہے، لیکن یہاں اِمام کی طرف نسیان کو منسوب کردیا گیا تاکہ اِمام پر خودکشی کا اِلزام نہ لگے، بہرحال ”دروغ گورا حافظہ نباشد“ کا عذر موجود ہے۔

آٹھواں عقیدہ:

اِماموں کو ہر شخص کے ایمان ونفاق کی حقیقت معلوم ہے، ان کے پاس جنتیوں اور دوزخیوں کے نام ایک رجسٹر میں لکھے رہتے ہیں۔

”بحارالانوار“ کے ایک باب کا عنوان ہے:

”انهـم عـلـيهـم الـسـلام يـعرفون الناس بحقيقة الايمان وبحقيقة النفاق، وعندهم كتاب فيه أسماء أهل

الجنّة وأسماء شيعتهم وأعدائهم وانه لا يزيلهم خبر مخبر عما يعلمون من أحوالهم"(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۱۷)

ترجمہ:... "ائمہ، لوگوں کو حقیقتِ ایمان اور حقیقتِ نفاق کے ساتھ پہچانتے ہیں، اور ان کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے جس میں سارے جنتیوں کے نام، ان کے شیعوں کے نام، اور ان کے مخالفین کے نام لکھے ہوتے ہیں، اور یہ کہ کسی خبر دینے والے کی خبر ان کو اس علم سے نہیں ہٹاتی جو لوگوں کے حالات کے بارے میں وہ رکھتے ہیں۔"

اس باب کی چالیس روایتوں میں سے ایک روایت جو "اُصولِ کافی" میں بھی موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"۱ – عليّ بن ابراهيم، عن أبيه، عن عبدالعزيز بن المهتدى، عن عبدالله بن جندب أنّه كتب اليه الرضا عليه السلام: وانّ شيعتنا لمكتوبون بأسمائهم وأسماء آبائهم، أخذ الله علينا وعليهم الميثاق، يردون موردنا ويدخلون مدخلنا، ليس على ملّة الاسلام غيرنا وغيرهم."(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۲۳، اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۲۳)

ترجمہ:... "عبداللہ بن جندب سے روایت ہے کہ اِمام رضا علیہ السلام نے ان کے نام اپنے مکتوب میں تحریر کیا کہ: ہمارے شیعہ کے نام مع ولدیت لکھے ہوئے ہیں، اللہ نے ہم سے اور ان سے پکا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے، ہمارے اور ان کے سوا کوئی ملت اسلام پر نہیں۔"

نواں عقیدہ:

اِمام، دِلوں کے بھید تک جانتے ہیں، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔
''بحارالانوار'' کے ایک باب کا عنوان ہے:

''أنه لا يحجب عنهم شيء من أحوال شيعتهم وما تحتاج اليه الامة من جميع العلوم، وأنهم يعلمون ما يصيبهم من البلايا ويصبرون عليها ولو دعوا الله في دفعها لأجيبوا، وأنهم يعلمون ما في الضمائر وعلم المنايا والبلايا وفصل الخطاب والمواليد''

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۳۷)

ترجمہ:... ''ان سے شیعوں کے حالات میں سے اور جن علوم کی اُمت کو ضرورت ہے، ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں، جو مصائب ان کو پہنچتے ہیں، وہ ان کو جانتے ہیں ان پر صبر کرتے، اگر اللہ تعالیٰ سے ان کے ٹالنے کی دُعا کرتے تو ان کی دُعا قبول ہوتی، وہ لوگوں کے دِلوں کے بھید جانتے ہیں، موتوں اور مصیبتوں کا علم رکھتے ہیں، ان کو فصلِ خطاب کا علم ہے اور وہ پیدائشوں کو جانتے ہیں۔''
اس باب کی باون روایتوں میں سے ایک روایت:

''۱۴ – بر: عبدالله بن عامر عن ابن أبي نجران قال: كتب أبو الحسن الرضا عليه السلام رسالة وأقرأنيها قال: قال عليّ بن الحسين عليه السلام: ان محمدًا صلى الله عليه وآله وسلم كان أمين الله في أرضه، فلمّا قبض محمد صلى الله عليه وآله وسلم كنّا أهل البيت ورثته فنحن أُمناء الله في أرضه، عندنا علم

البلايا والمنايا وأنساب العرب ومولد الاسلام، وانّا لنعرف الرّجل اذا رأيناه بحقيقة الايمان وحقيقة النفاق، وانّ شيعتنا لمكتوبون بأسمائهم وأسماء آبائهم أخذ الله علينا وعليهم الميثاق يردون موردنا ويدخلون مدخلنا." (بحارالانوار ج:۲٦ ص:۱۴۲)

ترجمہ:... ''ابنِ ابی نجران سے روایت ہے کہ اِمام رضا علیہ السلام نے ایک خط لکھا اور مجھے پڑھوایا، اس میں لکھا تھا کہ: علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین میں اللہ کے امین تھے، پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھا لئے گئے تو ہم اہلِ بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہوئے، چنانچہ زمین میں ہم اللہ کے امین ہیں، ہمیں مصائب و اموات کا بھی علم حاصل ہے اور اَنسابِ عرب و مولدِ اِسلام کا بھی، ہم کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو اس کے ایمان و نفاق کی حقیقت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے، ہمارے شیعہ کے نام مع ولدیت لکھے ہوئے ہیں، اللہ نے ہم سے اور ہمارے شیعہ سے پکا وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہمارے ہی ٹھکانے میں ہمارے ساتھ رہیں گے۔''

دسواں عقیدہ:

اِمام، تمام زبانیں اور دُنیا بھر کی تمام بولیاں جانتے ہیں:

''بحارالانوار'' کے ایک باب کا عنوان ہے:

"انهم يعلمون جميع الألسن واللغات ويتكلمون بها."

ترجمہ:... ''اِمام دُنیا کی ساری زبانیں اور ساری بولیاں

جانتے ہیں اور تمام زبانوں میں گفتگو فرماتے ہیں۔"

اس سلسلے کی ایک روایت:

"۷- ختص: ابن یزید عن ابن أبی عمیر عن بعض رجاله عن أبی عبدالله علیه السلام قال: قال الحسن بن علی علیه السلام: انّ لله مدینتین: احداهما بالمشرق، والاُخریٰ بالمغرب، علیهما سور من حدید، وعلیٰ کلّ مدینة ألف ألف باب مصراعین من ذهب وفیها سبعون ألف ألف لغة یتکلّم کلّ لغة بخلاف لغة صاحبتها وأنا أعرف جمیع اللّغات وما فیهما وما بینهما، وما علیهما حجّة غیری وغیر أخی الحسین."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۹۲)

ترجمہ:... "امام صادق" فرماتے ہیں کہ: امام حسنؓ نے فرمایا: اللہ کے دو شہر ہیں، ایک مشرق میں، اور ایک مغرب میں۔ ان کے گرد لوہے کی فصیل ہے، ہر شہر کے دس لاکھ دروازے ہیں، جن کے کواڑ سونے کے ہیں، ہر شہر میں سات کروڑ زبانیں بولی جاتی ہیں، جو ایک دُوسری سے بالکل مختلف ہیں، مجھے ان تمام زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے اور ان شہروں کے اندر اور ان کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، میں اس کو بھی جانتا ہوں، ان دونوں شہروں پر صرف مجھے اور میرے بھائی حسینؓ کو ہی "حجت" بنایا گیا ہے۔"

شیخ مفید کی ایک عبارت نقل کر کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"أقول: أمّا کونهم عالمین باللّغات فالأخبار فیه قریبة من حدّ التواتر وبانضمام الأخبار العامّة لا یبقی فیه مجال شکّ، وأمّا علمهم بالصّناعات

فعمومات الأخبار المستفيضة دالّة عليه، حيث ورد فيها أنّ الحجة لا يكون جاهلًا في شيء يقول: لا أدري، مع ما ورد أنّ عندهم علم ما كان وما يكون وأنّ علوم جميع الأنبياء وصل اليهم، مع أنّ أكثر الصّناعات منسوبة الى الأنبياء عليهم السلام وقد فسّر تعليم الأسماء لآدم عليه السلام بما يشمل جميع الصناعات.

وبالجملة لا ينبغي للمتتبّع الشّكّ في ذٰلك أيضًا.'' (بحارالانوار ج:۲٦ ص:۱۹۳)

ترجمہ:... ''میں کہتا ہوں کہ یہ عقیدہ کہ ائمہ کو تمام زبانوں پر عبور حاصل تھا، اس بارے میں روایات حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اور اگر عامہ کی (یعنی اہلِ سنت کی) روایات کو بھی ان کے ساتھ ملا لیں تو اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ رہا یہ کہ ان کو صناعات کا بھی علم ہوتا ہے تو روایاتِ مشہورہ و مستفیضہ کا عموم اس کی دلیل ہے، جیسا کہ یہ روایت کہ ''حجت'' کسی چیز سے ناواقف نہیں ہوتا کہ یوں کہے: ''مجھے معلوم نہیں'' اسی طرح اس مضمون کی روایات کہ ان کو ''ما کان وما یکون'' کا علم حاصل تھا، اور یہ کہ تمام انبیاء کے علوم بھی ان کے پاس تھے، جبکہ اکثر صناعات انبیاء علیہم السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو اَسماء کی جو تعلیم دی گئی اس کی تفسیر اس طرح کی گئی جو تمام صنعتوں کو شامل ہے۔ الغرض غور و فکر کرنے والے کو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔''

گیارہواں عقیدہ:

اِمام، پرندوں اور چرندوں کی بولیاں بھی جانتے ہیں۔

ایک باب کا عنوان ہے:

"وتحبهم عليهم السلام من الدواب والطيور، وما كتب علىٰ جناح الهدهد من فضلهم، وانهم يعلمون منطق الطيور والبهائم" (بحارالانوار ج:۲۷ ص:۲۶۱)

ترجمہ:... "چوپائے اور پرندے ان سے محبت رکھتے ہیں، ہدہد کے پَروں پر ان کی فضیلت لکھی ہے، اور وہ پرندوں اور بہائم کی بولیاں جانتے ہیں۔"

بارہواں عقیدہ:

پہلے اِمام کی زندگی کے آخری لمحے میں اس کے بعد والے اِمام کو تمام علوم حاصل ہوجاتے ہیں۔

اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"وقت ما يعلم الامام جميع علم الامام الذى كان قبله، عليهم جميعًا السلام" (ج:۱ ص:۲۷۴)

ترجمہ:... "اِمام کو اس کے پہلے اِمام کے تمام علوم کس وقت حاصل ہوتے ہیں؟"

اس باب میں اِمام صادقؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

"۲- محمد، عن محمد بن الحسين، عن عليّ بن أسباط، عن الحكم بن مسكين، عن عبيد بن زرارة وجماعة معه قالوا: سمعنا أبا عبدالله عليه السلام يقول: يعرف الّذى بعد الامام علم من كان قبله فى آخر دقيقة تبقى من روحه." (ج:۱ ص:۲۷۴)

ترجمہ:... ’’جو شخص اِمام کے بعد اِمام بنتا ہے وہ اپنے
سے پہلے اِمام کی زندگی کے آخری منٹ میں اس کے تمام علوم کو
جان لیتا ہے۔‘‘

اگرچہ ائمہ کے علوم کے بارے میں حضراتِ امامیہ کے دیگر عقائد بھی ہیں، مگر میں بارہ اِماموں کے بابرکت عدد کی مناسبت سے فی الحال انہی بارہ عقائد کے ذکر کرنے پر اِکتفا کرتا ہوں۔

پانچویں بحث: ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟

حضراتِ اِمامیہ نے ائمہ کے علوم کے بہت سے ذرائع ذکر کئے ہیں، یہاں ان ذرائع کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے:

پہلا ذریعہ: کتاب وسنت

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی اِستعداد وصلاحیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب وسنت کے علوم حاصل کئے، لیکن حضراتِ اِمامیہ کے نزدیک حضراتِ ائمہ، قرآن وسنت کے علوم میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں جو ان کے سوا اُمت میں کسی کو بھی حاصل نہیں، ان کی چند اِمتیازی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

اوّل:... جیسا کہ جناب محمد جواد مغنیہ نے "الشیعۃ فی المیزان" میں لکھا ہے وہ الف سے یا تک قرآن وسنت کا علم محیط رکھتے ہیں، ہر آیت کی تنزیل وتاویل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل اور تقریر انہیں سورۂ فاتحہ کی طرح ہمہ وقت یاد رہتا ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آیت کی تنزیل وتاویل میں ان کا فہم چوک جائے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ان کے حافظے سے نکل جائے، ظاہر ہے کہ یہ امتیاز صرف انہی حضرات کو حاصل ہے، اس لئے ائمہ کو اِجتہاد وقیاس کی ضرورت پیش نہیں آتی، اور نہ ان کے کسی فتویٰ میں سہو ونسیان اور بھول چوک کا اِمکان ہے۔

دوم:... اِمامیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم میں برابر کے شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی تھی کہ ان کو من جانب اللہ جو بات بھی بتائی جائے وہ حضرت علیؓ کو ضرور بتائیں، ان کے علاوہ کسی کو بتانے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لئے علومِ نبوی میں بہت سی باتیں صرف حضرت علیؓ کو

معلوم تھیں، ان کے سوا دُوسرا کوئی ان کونہیں جانتا تھا، اور حضرت علیؓ کا پورا علم یکے بعد دیگرے ائمہ کو منتقل ہوتا رہا۔

سوم:...قرآن وسنت سے متعلق ائمہ کے علوم اسی طرح قطعی ویقینی تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم قطعی تھے، اس لئے صرف انہی کا علم لائقِ اعتماد ہے، ان کے سوا کسی کا علم لائقِ اعتماد نہیں۔

یہاں اُصولِ کافی، کتاب الحجہ کے چند عنوانات ملاحظہ فرمایئے:

الف:... **"انه لم يجمع القرآن كله الّا الأئمة عليهم السلام وانهم يعلمون علمه كله"** (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۲۸)

ترجمہ:...''پورے قرآن کو ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور ائمہ پورے قرآن کا علم رکھتے ہیں۔''

ب:... **"ان أهل الذكر الذين أمر الله الخلق بسؤالهم هم الأئمة عليهم السلام"** (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۱۰)

ترجمہ:...''قرآنِ کریم میں جن اہلِ ذکر سے سوال کرنے کا حکم آیا ہے، ان سے مراد ائمہ ہیں۔''

ج:... **"أن من وصفه الله تعالىٰ فى كتابه بالعلم هم الأئمة عليهم السلام"** (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۱۲)

ترجمہ:...''قرآنِ کریم میں جن کو ''عالم'' کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔''

د:... **"ان الراسخين فى العلم هم الأئمة عليهم السلام"** (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۱۳)

ترجمہ:...''قرآنِ کریم میں جن کو ''راسخین'' کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔''

مختصر یہ کہ قرآن وسنت کا نزول صرف ائمہ کے لئے ہے، اور بس...!

دُوسرا ذریعہ: کتبِ سابقہ:

اُوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے علوم کے حامل تھے، ان کے پاس کتبِ سابقہ بھی موجود رہتی تھیں اور یہ حضرات ان کی تلاوت بھی فرماتے تھے۔ پس جس طرح ائمہ، کتاب وسنت کے علوم پر اِحاطۂ کاملہ رکھتے تھے اسی طرح کتبِ سابقہ اور انبیائے سابقین علیہم السلام کے علوم پر بھی ان کا علم محیط تھا، اور آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی حرف ان سے غائب نہیں تھا۔

تیسرا ذریعہ: رُوح القدس:

اُوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ کی پانچ رُوحوں میں سے ایک کا نام ''رُوح القدس'' ہے، اسی رُوح القدس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاملِ نبوّت تھے، اور اسی رُوح کی وجہ سے ائمہ پر چودہ طبق روشن رہتے ہیں، اور وہ عرش سے فرش تک اور فرش سے تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہیں۔

چوتھا ذریعہ: رُوحِ اعظم:

اس کا ذکر بھی اُوپر آچکا ہے کہ جبریل ومیکائیل اور ملائکہ سے عظیم تر ایک مخلوق کا نام ''الروح'' ہے اور وہ ہمیشہ ائمہ کے ساتھ رہتی ہے، اسی ''رُوحِ اعظم'' کے ذریعے ائمہ کے علم وفہم کے تمام عقدے حل ہوتے ہیں۔

پانچواں ذریعہ: الصّحیفة الجامعة:

شیعہ روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں ایک صحیفہ اِملا کرایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بولتے جاتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے، یہاں تک کہ ''ستر گز لمبی کتاب'' تیار ہوگئی۔ اس میں تمام حلال وحرام درج تھے، اور وہ تمام اَحکام بھی جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے، حتیٰ کہ خراش کا تاوان تک اس میں درج تھا، اس کو ''کتاب علی'' بھی کہا جاتا ہے، ''مصحفِ علی'' بھی، ''الصحیفہ'' بھی اور ''الجامعہ'' بھی۔

چنانچہ اُصولِ کافی "باب فیه ذکر الصحیفة والحفر والجامعة ومصحف فاطمة علیها السلام" میں حضرت صادقؒ کے خاص محرمِ راز جناب ابوبصیر کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ: میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، یہاں کوئی اور تو نہیں جو میری بات سنتا ہو؟ اِمام نے وہ پردہ اُٹھایا جوان کے اور دُوسرے گھر کے درمیان تھا اور اندر دیکھ کر فرمایا کہ: اندر کوئی نہیں، جو جی چاہے پوچھ سکتے ہو۔ میں نے کہا: آپ کے شیعہ باتیں کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو علم کا ایک باب سکھایا تھا جس سے ہزار باب کھلتے ہیں۔ فرمایا: ایک نہیں! بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ہزار باب سکھائے تھے کہ ہر باب سے ہزار باب کھلتے تھے۔ میں نے کہا: واللہ! علم تو یہ ہے۔ اِمام تھوڑی دیر زمین کریدتے رہے پھر فرمایا کہ: یہ علم تو ہے لیکن کچھ ایسا علم نہیں۔"

پھر فرمایا:

"قال: ثم قال: یا أبا محمد! وانّ عندنا الجامعة وما یدریهم ما الجامعة؟ قال: قلت: جعلت فداک وما الجامعة؟ قال: صحیفة طولها سبعون ذراعًا بذراع رسول الله صلی الله علیه وآله واملائه من فلق فیه وخط علیّ بیمینه، فیها کلّ حلال وحرام وکلّ شیء یحتاج الناس الیه حتّی الأرش فی الخدش."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۳۹)

ترجمہ:... "اور ہمارے پاس جامعہ ہے، اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا چیز ہے؟ پوچھنے پر فرمایا کہ: یہ ایک صحیفہ ہے جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی پیمائش سے ستر ہاتھ کا ہے،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان سے اِملا کراتے تھے اور
حضرت علیؓ لکھتے جاتے تھے، اس میں حلال و حرام کی تمام چیزیں ہیں
اور وہ تمام چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے، حتیٰ کہ
خراش کا تاوان بھی اس میں لکھا ہے۔''
ابوبصیر کہتے ہیں کہ: میں نے یہ سن کر کہا: واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا: یہ علم تو ہے مگر
کچھ ایسا علم نہیں۔

چھٹا ذریعہ: علمِ جفر:

مندرجہ بالا روایت میں آگے ہے کہ: اِمام تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

''ثمّ قال: وانّ عندنا الجفر وما يدريهم ما
الجفر؟ قال: قلت: وما الجفر؟ قال: وعاء من أدم فيه
علم النبيّين والوصيّين، وعلم العلماء الّذين مضوا من
بني اسرائيل.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۳۹)

ترجمہ:... ''اور ہمارے پاس جفر بھی ہے، اور لوگوں کو کیا
معلوم کہ جفر کیا چیز ہے؟ یہ چمڑے کا ایک برتن یا تھیلا ہے جس میں
پہلے کے انبیاء اور اوصیاء کا علم ہے، اور بنو اِسرائیل کے ان علماء کا علم
ہے جو گزر چکے ہیں۔''
ابوبصیر کہتے ہیں کہ: میں نے یہ سن کر کہا کہ: واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا: یہ علم تو ہے
مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

ساتواں ذریعہ: مصحفِ فاطمہ:

اسی روایت میں آگے ہے کہ: اِمام نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا:

''وانّ عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام وما

يدريهم ما مصحف فاطمة عليها السلام؟ قال: قلت: وما مصحف فاطمة عليها السلام؟ قال: مصحف فيه مثل قرآنكم هٰذا ثلاث مرّات، والله ما فيه من قرآنكم حرفٌ واحدٌ." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۳۹)

ترجمہ:... "اور ہمارے پاس "مصحفِ فاطمہ" ہے، اور لوگوں کو کیا خبر کہ "مصحفِ فاطمہ" کیا چیز ہے؟ میں نے پوچھا: "مصحفِ فاطمہ" کیا چیز ہے؟ فرمایا: تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے، بخدا! اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔"

ابوبصیر کہتے ہیں کہ: میں نے یہ سن کر کہا کہ: واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا: یہ علم تو ہے، مگر کچھ ایسا علم نہیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ: ہمارے پاس "ما كان وما يكون" کا علم ہے۔ میں نے کہا: واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا: یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔ میں نے کہا: پھر علم کیا ہے؟ فرمایا: قیامت تک جتنے اُمور اور جتنی چیزیں یکے بعد دیگرے وقوع میں آتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا علم۔

مصحفِ فاطمہ کیا چیز ہے؟

مندرجہ بالا روایت میں "مصحفِ فاطمہ" کا ذکر آیا ہے، اس کے بارے میں اِمام جعفر صادقؒ ہی کا تفصیلی بیان "اُصولِ کافی" کے اسی باب کی دُوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے، اس کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے! جناب ابوبصیر ہی کی روایت کے مطابق اِمام جعفر صادق نے اس سوال کے جواب میں کہ: "مصحفِ فاطمہ کیا ہے؟" (یہاں صرف ترجمے پر اِکتفا کیا جارہا ہے) فرمایا کہ:

ترجمہ:... "اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو اس دُنیا سے اُٹھالیا اور آپ کی وفات ہوگئی تو فاطمہؓ کو ایسا رنج و غم ہوا، جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، تو اللہ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو

ان کے غم میں ان کو تسلی دے اور ان سے باتیں کیا کرے، فاطمہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو یہ بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ: جب تم کو اس فرشتے کی آمد کا اِحساس ہو اور اس کی آواز سنو تو مجھ کو بتا دو، تو (اس کی آمد پر) میں نے ان کو بتلا دیا، تو اَمیر المؤمنین نے ایسا کیا کہ جو کچھ فرشتے سے سنتے اس کو لکھتے جاتے یہاں تک کہ انہوں نے اس سے ایک مصحف تیار کرلیا (یہی مصحفِ فاطمہ ہے)۔''

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۴۰)

آٹھواں ذریعہ: نور کا ستون:

شیعی روایات کے مطابق اِمام کو نور کا ایک ستون عطا کیا جاتا ہے جس کے ذریعے اِمام اپنی جگہ بیٹھا پوری دُنیا میں بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے، چنانچہ ''بحار الانوار'' میں ایک باب کا عنوان ہے:

''ان اللہ تعالٰی یرفع للامام عمودًا ینظر به الٰی أعمال العباد'' (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۳۲)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ اِمام کے لئے ایک ستون بلند کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ بندوں کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔''

اس باب کی سولہ روایتوں میں سے اِمام باقرؒ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اِمام، ماں کے پیٹ میں سب کچھ سنتا ہے، پیدا ہوتا ہے تو اس کے کندھے پر آیت ''وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ'' لکھی ہوتی ہے۔

''ثمّ یبعث أیضًا له عمودًا من نور من تحت بطنان العرش الی الأرض یری فیه أعمال الخلائق کلّها ثمّ یتشعّب له عمود آخر من عند اللہ الٰی اُذن الامام کلّما احتاج الٰی مزید أفرغ فیه افراغًا.''

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۳۵)

ترجمہ:... ''پھر اس کے لئے نور کا ایک ستون عرش کے نیچے سے فرش تک بلند کیا جاتا ہے، جس میں وہ ساری مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے، پھر اس کے لئے ایک اور ستون نکلتا ہے جس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے پاس اور دُوسرا سرا اِمام کے کان کے پاس ہوتا ہے، اِمام کو جب کسی مزید چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس ستون کے ذریعے من جانب اللہ اِمام کے کان میں ڈال دی جاتی ہے۔''

فائدہ:... یہ آٹھواں ذریعہ اِمام باقرؒ کی تصریح کے مطابق ـــــ درحقیقت دو ذریعوں پر مشتمل ہے، ایک نور کا ستون، جس کے اندر سے اِمام کو تمام بندوں کے بلکہ تمام مخلوق کے اعمال اور ان کی تمام حرکات وسکنات نظر آتی ہیں، یہ تو گویا اِمام کے لئے نور کا خدائی ٹیلی ویژن ہے، جس کی اسکرین پر اِمام کو پوری کائنات نظر آتی ہے۔ اور دُوسرا ذریعہ وہ نورانی عمود ہے جس کا ایک سرا خدا کے پاس اور دُوسرا اِمام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ نور کی ٹیلی فون لائن ہے، جس کے ذریعے ہمہ دم اِمام کا اللہ تعالیٰ سے مواصلاتی رابطہ رہتا ہے۔

نواں ذریعہ: فرشتوں سے بالمشافہ ملاقات:

کبھی کبھی فرشتے اَئمہ سے بالمشافہ ملاقات کرتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں، اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

''أنّ الأئـمّة تـدخـل الـمـلائكة بيـوتهم وتطأ بسطهم وتأتيهم بالأخبار عليهم السلام''

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۹۳)

ترجمہ:... ''فرشتے اَئمہ کے گھروں میں آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں، اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔''

اس باب کی ایک روایت:

''۴- محمد، عن محمد بن الحسن، عن محمد بن أسلم، عن عليّ بن أبی حمزة، عن أبی الحسن عليه السلام قال: سمعته يقول: ما من ملک يهبطه الله فی أمر مّا يهبطه الّا بدأ بالامام، فعرض ذٰلک عليه، وانّ مختلف الملائكة من عند الله تبارک وتعالٰی الٰی صاحب هٰذا الأمر.'' (ج:۱ ص:۳۹۴ روایت نمبر:۴)

ترجمہ:...''اِمام ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو بھی کسی کام کے لئے بھیجتے ہیں وہ سیدھا سب سے پہلے اِمام کے پاس آتا ہے، اور اس کام کو اِمام کے سامنے پیش کرتا ہے، اور فرشتوں کی آمد و رفت اللہ تعالیٰ کے پاس سے ''صاحبِ اَمر'' کی طرف ہوتی ہے۔''

''بحارالانوار'' میں ایک باب کا عنوان ہے:

''ان الملائكة تأتيهم وتطأ فرشهم وأنهم يرونهم صلوات الله عليهم أجمعين''

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۵۱)

ترجمہ:...''فرشتے اَئمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتے بھی ہیں۔''

اس مدعا کے ثبوت میں ۲۶ روایتیں پیش کی ہیں۔

دسواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے اِلہام واِلقاء:

''اُصولِ کافی'' میں ایک باب کا عنوان ہے: ''جهات علوم الأئمّة'' یعنی ''اَئمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟'' اس میں اِمام صادقؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''۳- عليّ بن ابراهيم، عن أبيه، عمّن حدّثه، عن المفضّل بن عمر قال: قلت لأبی الحسن عليه

السلام: روينا عن أبی عبدالله عليه السلام أنّه قال: انّ علمنا غابر ومزبور ونكت فی القلوب ونقر فی الأسماع فقال: أمّا الغابر فما تقدّم من علمنا، وأمّا المزبور فما يأتينا، وأمّا النكت فی القلوب فالهامٌ، وأمّا النقر فی الأسماع فأمر الملك۔"

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۶۴)

ترجمہ:... "ہمارا علم کچھ تو وہ ہے جو گزر چکا، کچھ وہ ہے جو لکھا ہوا ہے، کچھ وہ ہے جو دِلوں میں ڈالا جاتا ہے اور کانوں میں اِلقاء کیا جاتا ہے۔ "جو گزر چکا" سے مراد وہ علم ہے جو پہلے حاصل ہوچکا، "جو لکھا ہوا ہے" سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس شب و روز آتا ہے، "جو دِلوں میں ڈالا جاتا ہے" اس سے مراد اِلہام ہے، اور "جو کانوں میں اِلقاء کیا جاتا ہے" وہ فرشتے کا حکم کرنا ہے۔"

بحارالانوار، کتاب الامامۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"جهات علومهم عليهم السلام وما عندهم من الكتب وانه ينقر فی آذانهم وينكت فی قلوبهم"

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۸)

ترجمہ:... "ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتے ہیں؟ اور ان کے پاس کون کون سی کتابیں ہوتی ہیں، اور یہ کہ ان کے کانوں میں آوازیں آتی ہیں اور ان کے دِلوں میں علوم اِلقاء کئے جاتے ہیں۔"

اس باب میں حسبِ عادت ۱۴۹ رِوایات ذکر کی گئی ہیں، جن میں ان مضامین کو باصرار وتکرار دُہرایا گیا ہے۔ نیز بحارالانوار، کتاب تاریخ امیرالمؤمنین میں ایک باب کا عنوان ہے:

''ان الله نـاجـاه، صـلـوات الله عليه، وان الروح
يلقى اليه، وجبريل املاه'' (ج:۳۹ ص:۱۵۱)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ نے آپ سے مناجاتیں کیں، روح القدس آپ کو اِلقاء کیا کرتا تھا اور جبریل نے آپ کو اِملا کرائی۔''

پھر اس مدعا کو ۱۹ روایات سے ثابت کیا ہے۔

گیارہواں ذریعہ: ہفتہ وار معراج:

شیعی روایات کے مطابق ہر شبِ جمعہ میں اَرواحِ اَئمہ کو معراج ہوتی ہے، وہ عرش تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں ان کو بے شمار علوم عطا ہوتے ہیں۔ اُصولِ کافی میں ایک باب کا عنوان ہے: ''باب فی الأئـمّة یـزدادون فی لیلة الجمعة'' یعنی ''ہر شبِ جمعہ کو اَئمہ کے علوم میں اضافہ ہوتا ہے'' اور اس کے ذیل میں اِمام صادق ؒ سے نقل کیا ہے:

''۱ – حـدثنی أحمد بن ادریس القمّی ومحمد بـن یـحیٰی، عـن الحسن بن علیّ الکوفی عن موسی بن سـعدان، عن عبدالله بن أیّوب، عن أبی یحیٰی الصنعانیّ، عـن أبـی عبـدالله علیه السلام قال: قال لی: یا أبا یحیٰی! انّ لـنـا فـی لیـالـی الجمعة لشأنًا من الشأن، قال: قلت: جعـلـت فـداک وما ذاک الشأن؟ قال: یؤذن لأرواح الأنبیاء الموتی علیهم السلام وأرواح الأوصیاء الموتی وروح الـوصـیّ الّـذی بیـن ظهـرانیـکـم، یعرج بهـا الی السـمـاء حتّـی تـوافـی عـرش ربّهـا، فتطوف به اسبوعًا وتـصـلّی عند کل قائمة من قوائم العرش رکعتین، ثمّ ترد الی الأبدان الّتی کانت فیها فتصبح الأنبیاء والأوصیاء قد ملؤا سرورًا ویصبح الوصیّ الّذی بین ظهرانیکم وقد زید فی علمه مثل جمّ الغفیر.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۵۳، ۲۵۴)

ترجمہ:... ''ہمارے لئے جمعہ کی راتوں میں ایک عظیم شان ہوتی ہے۔ میں نے کہا: میں آپ پر فدا ہوجاؤں، وہ کیا شان ہے؟ فرمایا: وفات یافتہ انبیاء علیہم السلام کی اَرواح اور اسی طرح فوت شدہ وصیوں کی رُوحوں کو اور اس زندہ وصی کی رُوح کو، جو تمہارے درمیان موجود ہوتا ہے، اجازت دی جاتی ہے، ان کو آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب عرشِ اِلٰہی تک پہنچ جاتی ہیں، وہاں پہنچ کر عرش کا سات دفعہ طواف کرتی ہیں، پھر عرشِ اِلٰہی کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتی ہیں، پھر ان سب رُوحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جاتا ہے، جن میں وہ پہلے تھیں، پھر یہ تمام نبی اور وصی اس حالت میں صبح کرتے ہیں کہ مسرّت سے لبریز ہوتے ہیں اور وہ وصی جو تمہارے درمیان ہے اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے علم میں مثل جم غفیر کے اضافہ ہوجاتا ہے۔''

''بحارالانوار'' میں اسی مضمون کا عنوان ہے: **''باب انهم یزدادون ..... وان أرواحهم تعرج الی السماء فی لیلة الجمعة''** اور اس مدعا کے ثبوت میں حسبِ عادت ۳۷ رِوایات نقل کی ہیں۔

بارہواں ذریعہ: شبِ قدر میں نازل ہونے والی کتاب:

شیعہ عقیدے کے مطابق ائمہ پر ہر سال کی شبِ قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس کو فرشتے اور ''الروح'' لے کر آتے ہیں، چنانچہ اُصولِ کافی، کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

''باب فی شأن انا انزلناه فی لیلة القدر وتفسیرها''

اس باب میں اِمام باقرؒ سے روایت نقل کی ہے:

''۷- وعن أبی جعفر علیه السلام قال: لقد خلق الله جلّ ذکره لیلة القدر أوّل ما خلق الدنیا ولقد

خلق فيها أوّل نبيّ يكون، وأوّل وصيّ يكون، ولقد قضى أن يكون في كلّ سنة ليلة يهبط فيها بتفسير الأمور الى مثلها من السَّنَة المقبلة." (اُصولِ کافی ص:۲۵۰)

ترجمہ:... "اِمام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو پیدا کیا، سب سے پہلے جب دُنیا پیدا کی، اور اس میں سب سے پہلا نبی اور سب سے پہلا وصی پیدا کیا، اور بہ تحقیق یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ ہر سال میں ایک ایسی رات ہو جس میں ان تمام اَحکام کی تفسیر نازل کی جائے جو آئندہ سال کی اس رات تک پیش آنے والے ہیں۔"

اور اُصولِ کافی، کتاب التوحید، "باب البداء" میں اِمام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ:

"انہوں نے قرآنِ کریم کی آیت شریفہ: "يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ" کی تفسیر میں فرمایا کہ: وہی چیز مٹائی جاتی ہے جو پہلے ثابت ہو اور وہی چیز ثابت کی جاتی ہے جو پہلے نہ ہو۔" (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۱۴۶ روایت نمبر:۲)

علامہ خلیل قزوینی "صافی شرح کافی" میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"برائے ہر سال کتاب علیحدہ است مراد کتابیست کہ دراں تفسیر اَحکام حوادث کہ محتاج الیہ اِمام است تا سال دیگر، نازل شوند بآں کتاب ملائکہ و رُوح در شب قدر بر اِمام زمان، اللہ تعالیٰ باطل کند بآں کتاب آنچہ را کہ میخواہد از اِعتقادات اِمام خلائق و اثبات می کند دروآنچہ کہ می خواہد از اِعتقادات۔"

(صافی شرح کافی ج:۲ ص:۲۲۷)

ترجمہ:... "ہر سال کے لئے ایک کتاب علیحدہ ہے، اس

سے مراد وہ کتاب ہے جس میں ان حوادث کی تفسیر ہوتی ہے، جن کی حاجت اِمام کو دُوسرے سال تک ہے، اس کتاب کو لے کر فرشتے اور رُوح شبِ قدر میں اِمامِ زمان پر نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے اِمامِ خلائق کے جن اِعتقادات کو چاہتا ہے باطل کردیتا ہے اور جن اِعتقادات کو چاہتا ہے اس کتاب میں قائم کرتا ہے۔“

تیرہواں ذریعہ: علمِ نجوم:

ائمہ علمِ نجوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، اور ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے، ”روضہ کافی“ میں ابوعبداللہ مدائنی سے روایت ہے کہ اِمام صادق ؒ نے فرمایا:

”۳۶۹- عدّة من أصحابنا، عن سهل بن زياد، عن الحسن بن علی بن عثمان قال: حدّثنی أبو عبدالله المدائنیّ، عن أبی عبدالله عليه السلام قال: انّ الله عزّ وجلّ خلق نجمًا فی الفلک السابع فخلقه من ماء بارد وسائر النّجوم الستّة الجاريات من ماء حار وهو نجم الأنبياء والأوصياء وهو نجم أمير المؤمنين عليه السلام يأمر بالخروج من الدُّنيا والزُّهد فيها ويأمر بافتراش التراب وتوسّد اللّبن ولباس الخشن وأكل الجشب وما خلق الله نجمًا أقرب الی الله تعالیٰ منه.“

(روضہ کافی ج:۸ ص:۲۵۷)

ترجمہ:... ”اللہ نے فلکِ ہفتم پر ایک ستارہ پیدا کیا ہے، اس ستارے کو ٹھنڈے پانی سے پیدا کیا ہے، اور اس کے سوا اور جو چھ ستارے باقی چھ آسمانوں کے ہیں، ان کو گرم پانی سے پیدا کیا ہے، اور وہی ٹھنڈے پانی کا ستارہ انبیاء اور اوصیاء کا ستارہ ہے اور وہی

امیر المؤمنین علیہ السلام کا ستارہ ہے۔ حکم کرتا ہے دُنیا سے نکل جانے اوراس کو چھوڑ دینے کا، اور حکم کرتا ہے خاک پر سونے اور اینٹوں سے تکیہ بنانے اور موٹا کپڑا پہننے اور بدمزہ طعام کھانے کا، اور نہیں پیدا کیا ہے اللہ نے کوئی ستارہ جو اس ستارے سے زیادہ اللہ کا مقرّب ہو۔''

ائمہ ستاروں کی سعادت اور نحوست کے بھی قائل تھے، محمد بن حمران اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ امام صادقؒ نے فرمایا:

''من سافر أو تزوّج والقمر فی العقرب لم یر الحسنٰی.'' (روضہ کافی ج:۸ ص:۲۷۵)

ترجمہ:... ''جس نے سفر کیا یا نکاح کیا ایسے وقت میں کہ ''قمر دَر عقرب'' ہو، وہ بھلائی نہ دیکھے گا۔''

ائمہ سے یہ بھی منقول ہے کہ علم نجوم کا ماہر ایک خاندان تو ہندوستان میں ہے اور ایک عرب میں، چنانچہ ''روضہ کافی'' میں معلّٰی بن خنیس سے مروی ہے:

''۵۰۷ - محمد بن یحیٰی، عن سلمة بن الخطاب، وعدّة من أصحابنا، عن سهل بن زیاد جمیعًا، عن علیّ بن حسّان، عن علیّ بن عطیّة الزّیات، عن معلّی بن خنیس قال: سألت أبا عبدالله علیه السلام عن النجوم أحقٌّ هی؟ فقال: نعم انّ الله عزّ وجلّ بعث المشتری الی الأرض فی صورة رجل فأخذ رجلًا من العجم فعلّمه النجوم حتّی ظنّ أنه قد بلغ ثمّ قال له: انظر أین المشتری؟ فقال: ما أراه فی الفلک وما أدری أین هو، قال: فنحّاه وأخذ بید رجل من الهند فعلّمه حتّی ظنّ أنّه قد بلغ وقال: انظر الی المشتری أین هو، فقال: انّ حسابی لیدلّ علٰی أنک أنت المشتری، قال:

وشهق شهقه فمات وورث علمه أهله فالعلم هناک."

(روضہ کافی ج:۸ ص:۳۳۰)

ترجمہ:... "میں نے اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ: نجوم حق ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں حق ہے، اللہ نے مشتری ستارے کو آدمی کی صورت بنا کر زمین پر بھیجا تھا، اس نے عجم کے ایک شخص کو شاگرد بنایا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری کو یہ گمان ہوا کہ یہ شخص نجوم سیکھ کر کامل ہوگیا تو اس سے پوچھا کہ: بتا مشتری کہاں ہے؟ تو اس نے کہا کہ: میں اس کو آسمان پر نہیں دیکھتا اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ اِمام نے فرمایا کہ: یہ سن کر مشتری نے اس کو جدا کردیا، اور ہند کے ایک شخص کا ہاتھ پکڑا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری نے جان لیا کہ وہ اس فن میں کامل ہوگیا تو اس سے پوچھا کہ: مشتری کو دیکھ کہ اس وقت کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ: میرا حساب یہ بتاتا ہے کہ تو مشتری ہے۔ یہ سن کر مشتری نے ایک نعرہ مارا اور مرگیا۔ اس کے بعد اس ہندی نے، جس نے علم سیکھ لیا تھا، اپنے خاندان کو اس علم کا وارث بنادیا، پس یہ علم اسی ملک میں ہے۔"

اس کے بعد اسی کتاب میں اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دُوسری روایت ہے کہ:

"عن أبی عبدالله علیه السلام قال: سئل عن النجوم قال: ما یعلمها الّا أهل بیت من العرب وأهل بیت من الهند." (روضہ کافی ج:۸ ص:۳۳۱)

ترجمہ:... "اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے نجوم کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ: نجوم کو کوئی نہیں جانتا، مگر ایک خاندان عرب کا اور ایک خاندان ہند کا۔"

مولانا احتشام الدین مرادآبادی "نصیحة الشیعة" میں لکھتے ہیں:

"اِمام نے جو یہ فرمایا کہ نجوم کا جاننے والا ایک خاندان عرب میں ہے اور ایک خاندان ہند میں، تو عرب کے خاندان سے تو انہوں نے اپنا خاندان مراد لیا، اور ہند میں پنڈتوں کا خاندان جوتش میں مشہور ہے۔ مشتری فقط ایک ہندی کو سکھا گیا تھا، شاید عرب میں کسی طرح ہند سے یہ فن پہنچا ہوگا۔ "قمر دَر عقرب" کی نحوست کی بھی اِمام نے تصریح فرمادی، اس سے معلوم ہوا کہ اَئمہ کا خواصِ نجوم پر بھی عمل تھا، نعوذ باللہ منہا۔"

علامہ مجلسی نے بحار الانوار، کتاب تاریخ امیر المؤمنین کے باب ۹۳ میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ:

"امیر المؤمنین علیہ السلام تمام علوم مثلاً قراءت، تفسیر، فقہ، فرائض، روایت، کلام، نحو، خطابت، شعر، وعظ، فلسفہ، ہندسہ، علمِ نجوم، حساب، کیمیا اور طب میں ساری دُنیا کے اِمام تھے۔"

(دیکھئے ج:۴۰ ص:۱۵۶ تا ۱۷۶)

اَئمہ علمِ نجوم کی بدولت سعد و نحس اوقات کو بھی جانتے تھے اور دِنوں کی نحوست کے بھی قائل تھے، چنانچہ ہر مہینے کے آخری بدھ کو بطورِ خاص منحوس جانتے تھے، علامہ مجلسی "حیاتُ القلوب" جلد اوّل کے بابِ دوم کی فصلِ پنجم میں لکھتے ہیں:

"بہ سندِ معتبر اِمام رضاؒ سے منقول ہے کہ ایک مردِ شامی نے حضرت اَمیر المؤمنینؓ سے قولِ خدا "یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ" (سورۂ عبس:۳۴) کہ "جس روز مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا" کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ فرمایا کہ: قابیل ہے جو اپنے بھائی ہابیل سے بھاگے گا۔ پھر روز چہارشنبہ کی نحوست کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کہ: وہ آخر ماہ کا چہارشنبہ ہے جو تحت شعاع

میں واقع ہوتا ہے، اسی روز قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔“

(اُردو ترجمہ ”حیات القلوب“ ج:۱ ص:۱۳۱)

علامہ مجلسی نے بحارالانوار ”کتاب السماء والعالم، ابواب الأزمنة وأنواعها وسعادتها ونحوستها“ میں بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ ائمہ کے نزدیک سال کے کس مہینے کا کون سا دن اور کون سی گھڑی سعد اور نحس ہوتی ہے؟ اسی میں ہر مہینے کے آخری بدھ کی نحوست حضرت امیر المؤمنینؓ سے بہت مفصل نقل کی ہے (ج:۵۶ ص:۴۱)۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ذُوالحجہ کی ۲۶ر تاریخ بڑی مبارک ہے، اس میں روزہ رکھنے کا بڑا ثواب ہے کیونکہ اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مجوسی کے دستِ جفا سے شہید ہوئے تھے:

”ومن ذٰلک أنّ ابن ادریس - ره - فی سرائره بعد ذکر فضیلة أیّام ذی الحجّة وما وقع فیها قال: وفی الیوم السادس والعشرین منه سنة ثلاث وعشرین من الهجرة طعن عمر بن الخطّاب، فینبغی للانسان أن یصوم هٰذه الأیّام، فانّ فیها فضلًا کثیرًا وثوابًا جزیلًا.“

(بحارالانوار ج:۵۵ ص:۳۷۲)

ترجمہ:... ”اور من جملہ اس کے یہ کہ ابنِ اِدریس نے اپنی کتاب ”سرائر“ میں ذُوالحجہ کے ایام کی فضیلت اور اس ماہ کے واقعات کو ذِکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ۲۶ر ذُوالحجہ ۲۳ھ کو (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) زخمی ہوئے، پس آدمی کو چاہئے کہ ان دنوں کا روزہ رکھے، کیونکہ ان میں بڑی فضیلت اور بڑا ثواب ہے۔“

زہے سعادت کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو شہادت کے لئے ایسا بابرکت دن نصیب ہوا...!

عجائبات میں سے ہے کہ ائمہ، مجوسیوں کے مہینوں اور دِنوں کی سعادت ونحوست

بھی بیان فرماتے تھے، اور معلیٰ بن خنیس کی روایت کے مطابق اِمام صادق ؒ نے مجوسیوں کے ''نوروز'' کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ (بحارالانوار ج:۵۶ ص:۹۲)

ائمہ کے ان حیرت انگیز علمی کمالات اور ان کے وسیع علم کے ذرائع پر غور کیجئے، جن کا خلاصہ اُوپر ذِکر کیا گیا ہے، اور پھر اِنصاف کیجئے کہ آپ کے آیت اللہ محمد جواد مغنیہ کا یہ کہنا کہ ائمہ کا علم قرآن وسنت تک محدود تھا، اور یہ کہ ان کے علوم وہبی نہیں بلکہ کسبی تھے، کیا یہ ائمہ کے حق میں تقصیر بلکہ گستاخی نہیں؟ جناب مغنیہ صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بارہویں اِمام تو چار پانچ سال کی عمر میں ''لوازماتِ اِمامت'' کے ساتھ رُوپوش ہوگئے تھے، انہوں نے کتاب وسنت کے علم کا اِکتساب کس سے کیا تھا...؟

چھٹی بحث: اِمامت، نیابتِ نبوّت ہے یا نبوّت سے بالاتر؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''ہماری کتبِ عقائد میں ''اِمام'' کی جو تعریف ہے وہ ''نائبِ نبی'' کی حیثیت میں ہے۔ ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے، **کما لا یخفی علیٰ أھل العلم۔**''

اس کے بعد جناب نے علامہ نراقی کی ''کفایۃ الموحدین''، روزبہان کی ''کلم الطیب''، شیخ علی بحرانی کی ''منار الہدیٰ'' اور شیخ حلی کے رسالے ''عقائد'' سے اِمامت کی تعریف نقل کرکے تحریر فرمایا ہے:

''غرضیکہ عقائد کی جتنی بھی کتابیں قدیم و جدید موجود ہیں، ان میں ''اِمام'' کو نائبِ رسول ہی کہا گیا ہے۔''

آنجناب کا یہ ارشاد سرآنکھوں پر کہ آپ کے عقائد کی کتابوں میں ''اِمام'' کو نائبِ نبی کہا گیا ہے، اور یہ بھی صحیح کہ عقلِ سلیم کا فتویٰ یہ ہے کہ: ''نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے'' لیکن اس کا کیا علاج کہ اِمامیہ، عقلِ سلیم کے علی الرغم انبیائے کرام علیہم السلام پر ائمہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور وہ ائمہ کی طرف منسوب کردہ جھوٹی سچی روایات کے مقابلے میں نہ خدا اور رسول کی مانتے ہیں، نہ عقل کی سنتے ہیں۔ ان کے محدثِ اعظم جناب باقر مجلسی نے یہ فتویٰ ہی صادر فرمادیا کہ:

''اِمامت بالاتر از رُتبہ پیغمبری است''

(حیاتُ القلوب ج:۳ ص:۱۰)

ترجمہ:... ''اِمامت کا درجہ نبوّت سے بالاتر ہے۔''

اور بحارالانوار، کتاب الامامۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

"تفضيلهم عليهم السلام على الأنبياء وعلٰى جميع الخلق وأخذ ميثاقهم عنهم وعن الملائكة وعن سائر الخلق، وان اولى العزم انما صاروا اولى العزم بحبهم صلوات الله عليهم" (بحارالانوار ج:۲٦ ص:۲٦۷)

یعنی: "ا:...ائمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ ۲:...ائمہ کے بارے میں انبیائے کرام سے، ملائکہ سے اور ساری مخلوق سے عہد لیا گیا۔ ۳:...اُولوالعزم انبیائے کرام صرف ائمہ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے اُولوالعزم بنے تھے۔"

اس باب میں روایات کا ڈھیر لگانے کے بعد "عقائد صدوق" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عد: يجب أن يعتقد أنّ الله عزّ وجلّ لم يخلق خلقًا أفضل من محمد صلى الله عليه وآله وسلم والأئمّة عليهم السلام، وأنّهم أحبّ الخلق الى الله عزّ وجلّ وأكرمهم وأوّلهم اقرارًا به لما أخذ الله ميثاق النبيّين في الذّر، وأنّ الله تعالٰى أعطى كلّ نبيّ علٰى قدر معرفته بنبيّنا صلى الله عليه وآله وسلم وسبقه الى الاقرار به، ويعتقد أنّ الله تعالٰى خلق جميع ما خلق له ولأهل بيته عليهم السلام، وأنّه لولا هم ما خلق السّماء ولا الأرض ولا الجنّة ولا النّار ولا آدم ولا حوّاء ولا الملائكة ولا شيئًا ممّا خلق، صلوات الله عليهم أجمعين.

تـأكيـد وتأييد: اعلم أنّ ما ذكره رحمه الله من فضـل نبيّنـا وأئـمّتنـا صـلوات الله عليهم علىٰ جميع الـمخلوقات وكن أئمّتنا عليهم السلام أفضل من سائر الأنبيـاء، هو الّذى لا يرتاب فيه من تتبّع أخبارهم عليهم السـلام علىٰ وجه الاذعان واليقين، والأخبار فى ذٰلك أكثـر مـن أن تـحصىٰ، وانّما أوردنا فى هٰذا الباب قليـلًا منهـا، وهـى متـفـرّقة فـى الأبواب لا سيّما باب صفات الأنبيـاء وأصنـافهـم عـليهـم السلام، وباب أنّهم عليهم السـلام كـلـمة الله، وباب بدو أنوارهم وباب أنّهم أعلم مـن الأنبيـاء، وأبـواب فـضـائـل أميـر المؤمنين وفاطمة صـلـوات الله عـليهـمـا، وعليه عمدة الاماميّة، ولا يأبى ذٰلك الّا جاهل بالأخبار.

قـال الشيـخ مـفيـد رحـمـه الله فـى كتـاب المقالات: قد قطع قوم من أهل الامامة بفضل الأئمّة من آل مـحمد عليهم السلام علىٰ سائر من تقدّم من الرسل والأنبيـاء سـوى نبيّـنـا محمد صلى الله عليه وآله وسلم وأوجـب فـريـق مـنهـم لهـم الـفضل علىٰ جميع الأنبياء سوى أولى العزم منهم عليهم السلام وأبى القولين فريق منهم آخر وقطعوا بفضل الأنبياء كلّهم علىٰ سائر الأئمّة عليهم السلام.

وهٰـذا بـاب ليس للعقول فى ايجابه والمنع منه مـجـال، ولا عـلىٰ أحد الأقوال اجماع وقد جاءت آثار عـن الـنبـىّ صـلى الله عليه وآله وسلم فى أمير المؤمنين

علیہ السلام وذرّیّته من الأئمّة علیهم السلام والأخبار عن الأئمّة الصّادقین علیهم السلام أیضًا من بعد، وفی القرآن مواضع تقوی العزم علٰی ما قاله الفریق الأوّل فی هٰذا المعنی، وأنا ناظر فیه وباللّٰه أعتصم من الضلال انتهی."
(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۹۷ روایت:۶۳)

ترجمہ:..."یہ عقیدہ لازم ہے کہ اللہ عز وجل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ یہ حضرات اللہ عز وجل کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ومعزز ہیں، اور عہدِ اَلست میں یہی حضرات اوّلین اِقرار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جو کچھ عطا کیا وہ اسی قدر عطا کیا جس قدر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل ہوئی، اور جس قدر اس نے آپ کا اِقرار کرنے کی طرف سبقت کی۔ اور یہ اِعتقاد بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوقات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت علیہم السلام کے سبب سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو نہ آسمان وزمین کا وجود ہوتا، نہ جنت ودوزخ کا، نہ آدم وحوا کا اور نہ فرشتوں کا، بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کو پیدا نہ فرماتا۔

تشریحِ مزید:... معلوم ہوا کہ صدوق نے جو ذِکر کیا ہے کہ ہمارے نبی اور ائمہ صلوات اللہ علیہم تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ کہ ائمہ علیہم السلام، تمام انبیاء سے افضل ہیں، یہ ایسا عقیدہ ہے کہ اذعان ویقین کے ساتھ اخبار کا تتبع کرنے والا کوئی بھی شخص اس میں شک وشبہ کا شکار نہیں ہوسکتا، اور اس بارے میں روایات شمار سے باہر ہیں۔ اس باب میں تو ہم نے تھوڑی سی روایات ذکر کی ہیں، باقی

دیگر اَبواب میں مذکور ہیں۔ خاص طور پر "باب صفات الأنبياء وأصنافهم عليهم السلام"، "باب انهم عليهم السلام كلمة الله"، باب بدء أنوارهم"، "باب انهم أعلم من الأنبياء"، "ابواب فضائل أمير المؤمنين وفاطمة صلوٰة الله عليهما" وغیرہ میں۔ اسی عقیدے پر اِمامیہ کے مذہب کی بنیاد ہے، اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا، سوائے اس شخص کے جو روایات سے جاہل ہو۔

شیخ مفید، کتاب المقالات میں لکھتے ہیں کہ:

(افضلیتِ ائمہ میں اِمامیہ کے تین گروہ ہوگئے) ایک گروہ قطعی طور پر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آلِ محمد میں سے ائمہ علیہم السلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا گزشتہ تمام انبیاء ورُسل سے افضل ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک اُولوالعزم انبیاء کے علاوہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اور اِمامیہ میں سے ایک گروہ ان دونوں باتوں کا انکار کرکے تمام انبیاء کی تمام ائمہ پر فضیلت کا قائل ہوگیا۔

یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس کے اقرار وانکار میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ ان (تینوں) اقوال میں سے کسی ایک پر اِجماع منعقد نہیں ہوسکا، البتہ امیر المؤمنین اور آپ کی اولاد میں ہونے والے ائمہ علیہم السلام کی فضیلت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات اور بعد میں ائمہ صادقین علیہم السلام کی مرویات اور قرآن کے ارشادات اس مسئلے میں فریقِ اوّل کے قول کی تائید و تثبیت کرتے ہیں، اور میں اس میں غور کررہا ہوں، اللہ مجھے گمراہی سے بچائے، فقط۔"

دورِ حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما آیت اللہ العظمیٰ جناب رُوح اللہ الخمینی اپنی کتاب "الحکومة الاسلامیة" میں "الولایة التکوینیة" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"وان من ضروریات مذهبنا ان لأئمّتنا مقامًا لا یبلغه ملَک مقرّب ولا نبی مرسل."

(الحکومۃ الاسلامیہ ص:۵۲)

ترجمہ:... "یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ نہ کوئی مقرّب ترین فرشتہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نبیٔ مرسل کی وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔"

شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ مجلسی اور اِمام خمینی کی ان تصریحات کو بچشمِ عبرت ملاحظہ فرمایئے کہ شیعہ مذہب کے یہ اکابر و اَساطین آنجناب کے ذِکر کردہ اُصول، یعنی "اِمام نائبِ نبی ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے درجے میں فروتر ہوتا ہے" کی کیسی مٹی پلید کر رہے ہیں؟ وہ اپنے ائمہ کو تمام انبیائے کرام سے بالاتر سمجھتے ہیں اور ائمہ کی روایات کے مقابلے میں آپ کی عقل کی بات سننے کے لئے تیار نہیں...!

شیعہ مذہب کے غالیانہ عقائد اور حضراتِ خلفائے راشدینؓ کی کرامت:

واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب نے حضراتِ ائمہ کی مدح و ستائش کی قصیدہ خوانی حضراتِ خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ...رضی اللہ عنہم اجمعین...کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے شروع کی تھی، گویا اس قصیدہ خوانی کا منشاء "حبِ علی" نہیں "بغضِ معاویہ" تھا۔ لیکن حضراتِ خلفائے راشدینؓ اور ائمہ اہلِ بیت کی کرامت دیکھئے کہ "بازی بازی، باریش بابا ہم بازی" کے مصداق شیعہ مذہب نے اس قصیدہ خوانی میں ایسا غلوّ کیا کہ ایمان بالانبیاء ان کے ہاتھ سے جاتا رہا، اس غلوّ سے انبیائے کرام علیہم السلام کی صریح توہین و تحقیر لازم آئی اور اس پر "اگر فرقِ مراتب نہ کنی زِندیقی" کا مضمون صادق آیا۔

اکابرِ شیعہ کی مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اس نکتے کی مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی، لیکن مناسب ہوگا کہ ان کے ''غلوّ کی وادیٔ تیہ'' میں بھٹکنے کا نظارہ کرنے کے لئے بطورِ نمونہ چند ایسی غالیانہ رِوایات ذکر کی جائیں جن کو شیعہ رُواۃ و مصنّفین نے خود تصنیف کر کے ائمہ طاہرینؒ کے نام لگادیا ہے اور صدوق، مفید اور مجلسی جیسے صنادیدِ شیعہ نے جن پر اپنے مندرجہ بالا عقائد کا محل تعمیر کیا ہے۔

پہلا غلوّ: ائمہ، انبیائے کرام سے افضل ہیں:

اہلِ عقل جانتے ہیں کہ انسانی مراتب میں سب سے بلند و بالا مرتبہ رِسالت و نبوّت کا ہے، اور انبیائے کرام علیہم السلام نوعِ انسانی میں سب سے اکمل و افضل ہیں، لطف وعنایت اور قربِ الٰہی کے جو مراتبِ عالیہ ان حضرات کو حاصل ہیں، کوئی دُوسرا ان میں انبیائے کرام علیہم السلام کا ہمسر نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ افضل ہو۔ لیکن اِمامیہ کا عقیدہ اُوپر گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ، انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں، اس سلسلے میں جو بہت سی روایات انہوں نے تصنیف کی ہیں، ان میں سے چند ملاحظہ فرمایئے:

الف:... "محمد بن عليّ بن الشاء عن أبي حامد عن أحمد بن خالد الخالديّ عن محمد بن أحمد بن صالح التميميّ عن أبيه عن محمد بن حاتم القطّان عن حمّاد بن عمرو عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جدّه عن عليّ بن أبي طالب عليهم السلام عن النبيّ صلى الله عليه وآله وسلم أنّه قال في وصيّة له: يا عليّ! انّ الله عزّ وجلّ أشرف على الدُّنيا فاختارني منها على رجال العالمين، ثمّ اطّلع الثانية فاختارک على رجال العالمين بعدي، ثمّ اطّلع الثالثة فاختار الأئمة من ولدک على رجال العالمين بعدک، ثمّ اطّلع الرابعة فاختار فاطمة على

نساء العالمین." (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۷۰)

ترجمہ:... "اِمام جعفر صادقؒ اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ: اے علی! اللہ عزوجل نے رُوئے زمین پر نگاہ دوڑائی تو اس میں مجھے تمام کائنات کے انسانوں میں چن لیا، پھر دوبارہ نگاہ دوڑائی تو میرے بعد تمام کائنات کے انسانوں میں سے تجھے منتخب کرلیا، پھر تیسری مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تیرے بعد تیری اولاد میں سے ائمہ کو تمام جہانوں کے انسانوں میں سے منتخب کرلیا، پھر چوتھی مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تمام جہانوں کی عورتوں میں سے فاطمہ کو چن لیا۔"

ب:... **"مناقب محمد بن أحمد بن شاذان القمیّ عن أبی معاویة عن الأعمش عن أبی وائل عن عبدالله قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: قال قال لی جبرئیل علیه السلام: یا محمد! علیّ خیر البشر من أبٰی فقد کفر.**" (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۰۶)

ترجمہ:... "مناقبِ قمی میں عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ: اے محمد! علی خیر البشر ہیں، جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہے۔"

ج:... **"وباسناده عن الرضا عن آبائه علیهم السلام قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لعلیّ بن أبی طالب علیه السلام: یا علیّ! أنت خیر البشر لا یشکّ فیه الّا کافر.**" (ایضاً)

ترجمہ:... ''اِمام رضا کی اپنے آباء علیہم السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! آپ خیرالبشر ہیں، اس میں کافر کے سوا کوئی شک نہیں کرسکتا۔''

د:... ''وعن أنس عن عائشة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: علىّ بن أبى طالب خير البشر، من أبٰى فقد كفر.'' (ایضاً)

ترجمہ:... ''حضرت انسؓ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: علی بن ابی طالب خیرالبشر ہے، جس نے اس سے انکار کیا وہ کافر ہوگیا۔''

ہ:... ''ومنه نقـلًا من الكتاب المذكور بحذف الاسناد عن أمير المؤمنين عليه السلام قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: أنا سيّد الأوّلين والآخرين، وأنت يا علىّ سيّد الخلائق بعدى، أوّلنا كآخرنا وآخرنا كأوّلنا.'' (بحارالانوار ج:۲٦ ص:۳۱٦)

ترجمہ:... ''امیرالمؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اَوّلین وآخرین کا سردار ہوں، اور میرے بعد اے علی! تو ہی سیّدالخلائق ہے، ہمارا پہلا ہمارے پچھلے کی مانند ہے، اور ہمارا پچھلا ہمارے پہلے کی مانند ہے۔''

ز:... ''ومنه نقـلًا من كتاب الحسن بن كبش عن أبى ذرّ رضوان الله عليه قال: نظر النبى صلى الله عليه وآله الٰى علىّ عليه السلام فقال: هٰذا خير الأوّلين وخير

الآخـريـن من أهل السّماوات وأهل الأرضين، هٰذا سيّد الصّدّيقين وسيّد الوصيّين الخبر."

ترجمہ:..."ابوذرؓ رضوان اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علیؓ کی طرف نظر اُٹھائی اور فرمایا: یہ شخصیت آسمانوں اور زمینوں کے اوّلین و آخرین میں سب سے افضل ہے، اور یہ تمام صدیقین اور اوصیاء کے سردار ہیں۔"

ح:... "ومنه قال: روى عن الصادق عليه السلام أنّه قال: علمنا واحد وفضلنا واحد ونحن شيء واحد."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۱۶،۳۱۷)

ترجمہ:..."اِمام جعفر صادقؒ سے روایت ہے فرمایا: ہمارا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اَئمہ کا) علم یکساں ہے، اور ہماری فضیلت ایک ہے، اور (درحقیقت) ہم ایک ہی کچھ ہیں۔"

دُوسرا غلوّ: اَئمہ، انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں:

شیعہ کا یہ عقیدہ اُوپر بہت تفصیل سے گزر چکا ہے کہ اِمامیہ کے نزدیک انبیائے کرام کا علم اَئمہ کے علم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو قطرے کو دریا سے اور ذرّے کو صحرا سے ہوتی ہے۔ اس باب میں ان کی تصنیف کردہ روایات جو اَئمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں حدِ شمار سے باہر ہیں۔ جن میں سے چند رِوایات اُوپر گزر چکی ہیں۔ یہاں علامہ باقر مجلسی کی بحارالانوار، کتاب الامامت "باب انهم أعلم من الأنبياء عليهم السلام" (یعنی اَئمہ، انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں) کی تین روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

الف:... "ير: عليّ بن محمد بن سعيد عن حمدان بن سليمان عن عبيدالله بن محمد اليماني عن مسلم بن الحجّاج عن يونس عن الحسين بن علوان عن أبي

عبداللہ علیہ السلام قال: ان اللہ خلق اُولی العزم من الرسل وفضّلهم بالعلم وأورثنا علمهم وفضّلنا عليهم في علمهم، وعلم رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم ما لم يعلموا، وعلمنا علم الرسول وعلمهم."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۹۴)

ترجمہ:... "اِمام صادقؒ نے فرمایا: اللہ نے اُولوالعزم انبیاء ورُسل کو پیدا فرمایا اور ان کو علم عطا کرکے فضیلت بخشی، اور ان کے علم کا ہمیں وارث ٹھہرایا اور علم میں ہمیں ان پر فضیلت بخشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ علم عطا کیا جو اُولوالعزم رُسل کو بھی نہ دیا تھا، پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اَنبیاءِ اُولوالعزم کا سارا علم عطا کردیا۔"

ب:... "یر: اسماعیل بن شعیب عن علیّ بن اسماعیل عن بعض رجاله قال: قال أبو عبداللہ علیه السلام لرجل: تمصّون الثماد وتدعون النّهر الأعظم، فقال الرّجل: ما تعنی بهٰذا یابن رسول اللہ؟ فقال: علم النبی صلی اللہ علیه وآله علم النبیّین بأسره، وأوحی اللہ الٰی محمد صلی اللہ علیه وآله وسلم فجعله محمد عند علیّ علیه السلام.

فقال له الرجل: فعلیّ أعلم أو بعض الأنبیاء؟ فنظر أبو عبداللہ علیه السلام الٰی بعض أصحابه فقال: انّ اللہ یفتح مسامع من یشاء، أقول له: انّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم جعل ذٰلک کلّه عند علیّ علیه السلام فیقول: علی علیه السلام أعلم أو بعض

الأنبیاء." (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۹۵)

ترجمہ:... "اِمام صادق ؒ نے ایک شخص کو تنبیہاً فرمایا: (تعجب ہے) تم لوگ علم کے لئے پتھر کو چوستے ہو مگر بے پایاں دریا سے گریز کرتے ہو۔ اس شخص نے پوچھا: اے ابنِ رسول اللہ! اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کا مجموعی علم، جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا، پھر وہ محمدؐ نے علی علیہ السلام کے حوالے کردیا۔

وہ شخص (حیرت کے ساتھ) آپ سے پوچھنے لگا کہ: پھر علیؓ کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا؟ اِمام نے (اپنے گرد بیٹھے ہوئے) اپنے بعض اَصحاب کی طرف دیکھا اور (تعجب کے انداز میں) فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے کان کھول دیتا ہے، میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کے تمام علوم علی علیہ السلام کے حوالے کردیئے اور یہ پوچھتا ہے کہ: علی علیہ السلام کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا؟"

ج:... "یر: محمد بن الحسین عن أحمد بن بشیر عن کثیر عن أبی عمران قال: قال أبو جعفر علیه السلام: لقد سأل موسی العالم مسئلة لم یکن عنده جوابها ولقد سئل العالم موسٰی مسألة لم یکن عنده جوابها ولو کنت بینهما لأخبرت کلّ واحد منهما بجواب مسئلته ولسألتهما عن مسألة لا یکون عندهما جوابها." (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۹۵)

ترجمہ:... "اِمام باقر علیہ السلام نے فرمایا: موسیٰ نے ایک عالم سے ایک مسئلہ پوچھا، جس کا اس سے جواب نہ بن پڑا، پھر اس

عالم نے موسیٰ سے ایک مسئلہ پوچھا، جس کا ان سے جواب نہ بن پڑا، اور اگر ان دونوں کے پاس میں موجود ہوتا تو دونوں کے اپنے اپنے مسئلے کا جواب دے دیتا، پھر ان دونوں سے ایک ایسا مسئلہ پوچھتا کہ ان دونوں سے جواب نہ بن پڑتا۔“

تیسرا غلوّ: انبیائے کرام علیہم السلام اور دیگر ساری مخلوق کی تخلیق ائمہ کی خاطر ہوئی:

شیعہ مؤلفین نے اس مضمون کی روایات بھی ائمہ اَطہار کی طرف بڑی فیاضی سے منسوب کی ہیں کہ ائمہ ہی باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں، وہ نہ ہوتے تو نہ انبیائے کرام علیہم السلام کو وجود ملتا، نہ کسی اور مخلوق کو۔ گویا ائمہ کی تخلیق ہی مقصود بالذات تھی، انبیائے کرام علیہم السلام کا وجود محض طفیلی ہے ...نعوذ باللہ... اِمامیہ کا یہ عقیدہ ”اعتقادات صدوق“ کے حوالے سے اُوپر نقل کر چکا ہوں، یہاں اس مضمون کی دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

”۱- ک، ن، ع: الحسن بن محمد بن سعید الهاشمیّ عن فرات بن ابراهیم عن محمد بن أحمد الهمدانیّ عن العبّاس بن عبدالله البخاریّ عن محمد بن القاسم بن ابراهیم عن الهرویّ عن الرضا عن آبائه عن أمیر المؤمنین علیه السلام قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: ما خلق الله عزّ وجلّ خلقًا أفضل منّی ولا أکرم علیه منّی.

قال علیّ علیه السلام: فقلت: یا رسول الله! فأنت أفضل أو جبرئیل؟ فقال علیه السلام: یا علیّ! انّ الله تبارک وتعالیٰ فضّل أنبیاءه المرسلین علیٰ ملائکته المقرّبین، وفضّلنی علیٰ جمیع النبیّین والمرسلین،

والفضل بعدی لک یا علیّ وللأئمّة من بعدک، وانّ الملائکة لخدّامنا وخدّام محبّینا، یا علیّ! الّذین یحملون العرش ومن حوله یسبّحون بحمد ربّهم ویستغفرون للّذین آمنوا بولایتنا.

یا علیّ! لو لا نحن ما خلق آدم ولا حوّا ولا الجنّة ولا النّار والا السّماء ولا الأرض."

(بحارالانوار ج:۲٦ ص:۳۳۵)

ترجمہ:... "امیرالمؤمنین علیہ السلام نے بتایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھ سے افضل و اکرم کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ افضل ہیں یا جبریل؟ اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء ومرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین سے افضل بنایا ہے اور مجھے تمام انبیائے مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے، اور میرے بعد یہ فضیلت اے علی! تیرے لئے اور تیرے بعد ائمہ کو حاصل ہوگی، ملائکہ ہمارے اور ہمارے محبین کے خادم ہیں۔ اے علی! عرش اُٹھانے والے اور اس کے اِردگرد کے فرشتے اپنے رَبّ کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور ہماری ولایت پر اِیمان لانے والوں کے لئے اِستغفار میں مصروف رہتے ہیں۔

اے علی! اگر ہم نہ ہوتے تو نہ آدم وحوا پیدا ہوتے، نہ جنت ودوزخ بنائے جاتے اور نہ آسمان اور زمین وجود میں آتے۔"

"۲- کتاب المحتضر للحسن بن سلیمان من کتاب السیّد جلیل حسن بن کبش باسناده الی المفید رفعه الٰی محمد بن الحنفیّة قال: قال أمیر المؤمنین

علیہ السلام: سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول: ...... وأنا سیّد الأنبیاء وأنت سیّد الأوصیاء، وأنا وأنت من شجرة واحدة لولانا لم یخلق الله الجنّة ولا النّار ولا الأنبیاء ولا الملائکة."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۴۹)

ترجمہ:... "محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ: امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا..... میں انبیاء کا سردار ہوں اور آپ اوصیاء کے سردار ہیں۔ میں اور آپ ایک ہی درخت سے ہیں، اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نہ جنت ودوزخ پیدا کرتا اور نہ انبیاء وملائکہ کو۔"

چوتھا غلو: انبیائے کرام علیہم السلام سے بارہ اِماموں کی اِمامت کا عہد لیا گیا:

حق تعالیٰ شانہٗ کی رُبوبیت کا اولادِ آدم سے عہد لیا جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لینا تو قرآنِ کریم میں منصوص ہے، لیکن اِمامیہ نے "ولایت کا درجہ نبوّت سے بلند" کرنے کے لئے اس مضمون کی بے شمار روایتیں تصنیف کرکے ائمہ سے منسوب کردیں کہ عہدِ اَلست میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی رُبوبیت کا عہد لیا، وہاں انبیائے کرام اور ملائکہ علیہم السلام سے بارہ اِماموں کی اِمامت کا عہد بھی لیا... نعوذ باللہ... اس مضمون کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

الف:... "جعفر بن محمد الأودیّ معنعنا عن جابر الجعفی قال: قلت لأبی جعفر علیه السلام: متی سمّی أمیر المؤمنین؟ قال: قال لی: أو ما تقرأ القرآن؟ قال: قلت: بلی، قال: فاقرأ، قلت: وما أقرء؟ قال: اقرأ: "واذ أخذ ربُّک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم وأشهدهم

علٰی أنفسهم ألست بربکم“ فقال لی: هیه الٰی أیش؟ ومحمد رسولی وعلیّ أمیر المؤمنین، فثم سمّاه یا جابر أمیر المؤمنین.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۷۸)

ترجمہ:... ”جابر جعفی کہتا ہے کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ: ”امیرالموٴمنین“ کا لقب (علیؓ کے لئے) کب تجویز کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا: کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے کہا: پڑھتا ہوں! فرمایا: تو پڑھ، میں نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ فرمایا: یہ پڑھ (ترجمہ) ”اور جب نکالا تیرے رَبّ نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اِقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر، کیا میں نہیں ہوں تمہارا رَبّ؟“

پھر فرمایا: اسی میں یہ بھی شامل تھا کہ محمد میرے رسول ہوں گے اور علی امیرالموٴمنین۔ تو اے جابر! یوں (علی کے لئے) امیرالموٴمنین کا لقب تجویز کیا۔“

ب:... ”أحمد بن محمد عن الحسن بن موسٰی عن علی بن حسّان عن عبدالرحمٰن بن کثیر عن أبی عبدالله علیه السلام فی قوله عزّ وجلّ: ”واذ أخذ ربّک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم وأشهدهم علٰی أنفسهم ألست بربکم“ قال: أخرج الله من ظهر آدم ذرّیّته الٰی یوم القیامة کالذر فعرّفهم نفسه، ولولا ذٰلک لم یعرف أحد ربّه، وقال: ألست بربکم؟ قالوا: بلٰی، وأنّ محمدًا رسول الله وعلیًّا أمیر المؤمنین.“

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۸۰)

ترجمہ:... ”اِمام صادقؒ نے ارشادِ باری تعالیٰ (ترجمہ)

''اور جب نکالا تیرے رَبّ نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اِقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر، کیا میں نہیں ہوں تمہارا رَبّ'' کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو ننھی چیونٹیوں کی صورت میں نکالا اور انہیں اپنی ذات کی معرفت عطا کی، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنے رَبّ کو نہ پہچانتا، اور پوچھا: ''کیا میں نہیں ہوں تمہارا رَبّ؟'' (سب بیک زبان) بولے: ''ہاں'' اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی ان کے وصی ہیں۔''

ج:... ''ابن یزید عن ابن محبوب عن محمد بن الفضیل عن أبی الحسن علیه السلام قال: ولایة علیّ مکتوبة فی جمیع صحف الأنبیاء، ولن یبعث الله نبیًّا الّا بنبوّة محمد ووصیّه علیّ صلوات الله علیهما.''

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۸۰)

ترجمہ:... ''اِمام ابوالحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ: تمام آسمانی صحیفوں میں ''ولایتِ علی'' (پر اِیمان کا حکم) درج ہے، اور اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر محمد کی نبوّت اور آپ کے وصی علی صلوات اللہ علیہما کے ساتھ۔''

پانچواں غلوّ: انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوّت اِقرارِ ولایت کی وجہ سے ملی:

اس مضمون کی بھی بہت سی روایات تصنیف کی گئی ہیں کہ کسی نبی کو نبوّت اس وقت تک نہیں ملی جب تک اس نے ائمہ کی ولایت کا اِقرار نہیں کیا، اس سلسلے کی چند روایات ملاحظہ فرمایئے:

الف:... ''أحمد بن محمد عن علیّ بن الحکم عن ابن

عمیرة عن الحضرمیّ عن حذیفة بن اسید قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم: ما تکاملت النبوّة لنبیّ فی الأظلّة حتّی عرضت علیه ولایتی وولایة أهل بیتی ومثّلوا له فأقرّوا بطاعتهم وولایتهم.‘‘

(بحارالانوار ج:۲٦ ص:۲۸۱)

ترجمہ:... ’’حذیفہ بن اُسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عالم ارواح میں کسی نبی کو اس وقت تک نبوّت نہیں دی گئی، جب تک اس کے سامنے میری اور میرے اہلِ بیت کی ولایت پیش نہیں کی گئی، اور یہ ائمہ ان کے سامنے پیش نہیں کیے گئے، پس انہوں نے ان کی ولایت وطاعت کا اقرار کیا، تب ان کو نبوّت ملی۔‘‘

ب:... ’’السندی بن محمد عن یونس بن یعقوب عن عبدالأعلی قال: قال أبو عبداللّٰہ علیه السلام: ما نبّیء قط الّا بمعرفة حقّنا وبفضلنا علٰی من سوانا.‘‘

(بحارالانوار ج:۲٦ ص:۲۸۱)

ترجمہ:... ’’اِمام صادق ؒ نے فرمایا کہ: کسی بھی نبی کو اس وقت تک نبوّت نہیں ملی جب تک اس نے ہمارے حق (ولایت و اِمامت) کا اِقرار نہیں کرلیا، اور دیگر سب لوگوں پر ہماری فضیلت کو تسلیم نہیں کرلیا۔‘‘

ج:... ’’محمد بن عیسٰی عن محمد بن سلیمان عن یونس بن یعقوب عن أبی بصیر عن أبی عبداللّٰہ علیه السلام قال: ما من نبیّ نبّیء ولا من رسول أرسل الّا ولایتنا وتفضیلنا علٰی من سوانا.‘‘ (بحارالانوار ج:۲٦ ص:۲۸۱)

ترجمہ:... ''ابوبصیر نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا کہ اس وقت تک کسی نبی کو نہ نبی بنایا گیا، نہ کسی رسول کو رسول، جب تک کہ اس نے ہماری ولایت اور سب پر فضیلت کا اقرار نہیں کرلیا۔''

د:... ''ابن یزید عن یحیی بن المبارک عن ابن جبلة عن حمید بن شعیب عن جابر قال: قال أبو جعفر علیه السلام: ولایتنا ولایة الله الّتی لم یبعث نبیًّا قطّ الّا بها.'' (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۸۱)

ترجمہ:... ''جابر نے ابوجعفر علیہ السّلام سے روایت کیا ہے کہ: ہماری ولایت درحقیقت ولایت اللہ ہے، اس کا اقرار کئے بغیر کسی نبی کو بھی نہیں مبعوث کیا گیا۔''

چھٹا غلوّ: اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایتِ ائمہ کا اِقرار لیا:

اس مضمون کی بھی متعدد رِوایات ائمہ کے نام لگائی گئی ہیں کہ روزِ میثاق میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایتِ ائمہ کا اِقرار لیا، جس نے اِقرارِ ولایت کیا وہ سعید ہوا اور جس نے اِقرارِ ولایت نہ کیا وہ شقی ہوا، اس سلسلے کی دو رِوایتیں ملاحظہ ہوں:

الف:... ''أحمد بن محمد بن العبّاس عن ابن المغیرة عن أبی حفص عن أبی هارون العبدی عن أبی سعید الخدریّ قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله یقول: یا علیّ! ما بعث الله نبیًّا الّا وقد دعاه الی ولایتک طائعًا أو کارهًا.'' (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۸۰)

ترجمہ:... ''ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اے علی! اللہ نے ہر نبی کومبعوث کرنے سے پہلے طوعاً وکرہاً تیری ولایت کا اس سے اقرار لیا۔''

ب:... ''المفید عن المظفّر بن محمد عن محمد بن أحمد أبی الثلج عن محمد بن موسی الهاشمیّ عن محمد بن عبدالله البداریّ عن أبیه عن ابن محبوب عن أبی زکریّا الموصلیّ عن جابر عن أبی جعفر عن أبیه عن جدهٖ علیه السلام انّ رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال لعلیّ علیه السلام: أنت الّذی احتجّ الله بک فی ابتدائه الخلق حیث أقامهم أشباحًا فقال لهم: ألست بربکم؟ قالوا: بلٰی، قال: ومحمد رسولی؟ قالوا: بلٰی، قال: وعلیٌّ أمیر المؤمنین؟ فأبی الخلق جمیعًا الّا استکبارًا وعتوًّا عن ولایتک الّا نفر قلیل، وهم أقلّ الأقلّین وهم أصحاب الیمین.'' (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۷۲)

ترجمہ:... ''اِمام باقر علیہ السلام اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ: تم وہ ہستی ہو جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے وقت سے ''حجت'' بنایا۔ وہ اس طرح کہ ان کو اَجسامِ مثالی میں ظاہر کیا اور ان سے فرمایا: کیا میں نہیں ہوں تمہارا رَبّ؟ بولے: ہاں ہے۔ پھر پوچھا: محمد میرے رسول ہیں؟ بولے: ہاں ہیں۔ پھر (اِقرار لینا چاہا اور) کہا: علی امیرالمؤمنین ہوں گے؟ مگر ایک مختصر گروہ کے سوا تمام مخلوق نے تکبر وحسد کی بنا پر تیری ولایت

سے انکار کردیا، یہ ولایتِ علی کا اِقرار کرنے والے بہت تھوڑے سے لوگ تھے اور یہی اَصحابُ الیمین ہوں گے۔''

ج:... اور علامہ مجلسی نے مناقب ابن شہر آشوب کے حوالے سے اِمام زین العابدین کی روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین حالتِ نبوّت میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کا اِبا و اِستکبار جاری رہا، جس کی سزا میں ان کو بطنِ ماہی میں قید کیا گیا، ملاحظہ فرمایئے:

''۱۵ - قب: الثمالیّ قال: دخل عبدالله بن عمر علٰی زین العابدین علیه السلام وقال: یا ابن الحسین! أنت الّذی تقول: انّ یونس بن متی انّما لقی من الحوت ما لقی لأنّه عرضت علیه ولایة جدّی فتوقّف عندها؟ قال: بلٰی ثکلتک اُمّک، قال: فأرنی آیة ذٰلک ان کنت من الصادقین، فأمر بشدّ عینیه بعصابة وعینیّ بعصابة، ثمّ أمر بعد ساعة بفتح أعیننا، فاذا نحن علٰی شاطئ البحر تضرب أمواجه، فقال ابن عمر: یا سیّدی! دمی فی رقبتک، الله الله فی نفسی، فقال: هیه وأریه ان کنت من الصادقین.

ثم قال: یا أیها الحوت، قال: فأطلع الحوت رأسه من البحر مثل الجبل العظیم وهو یقول: لبّیک لبّیک یا ولیّ الله! فقال: من أنت؟ قال: أنا حوت یونس یا سیّدی! قال: أنبئنا بالخبر، قال: یا سیّدی انّ الله تعالٰی لم یبعث نبیًّا من آدم الٰی أن سار جدّک محمد الّا وقد عرض علیه ولایتکم أهل البیت، فمن قبلها من الأنبیاء سلم وتخلّص، ومن توقّف عنها وتمنّع من حملها لقی ما

لقی آدم علیه السلام من المعصیة، وما لقی نوح علیه السلام من الغرق، وما لقی ابراهیم علیه السلام من النار، وما لقی یوسف علیه السلام من الجبّ، وما لقی أیوب علیه السلام من البلاء، وما لقی داوُد علیه السلام من الخطیئة الٰی أن بعث الله یونس علیه السلام، فأوحی الله الیه: أن یا یونس تولّ أمیر المؤمنین علیًا والأئمّة الراشدین من صلبه فی کلام له، قال: فکیف أتولّی من لم أره ولم أعرفه، وذهب مغتاظًا، فأوحی الله تعالٰی الیّ أن التقمی یونس ولا توهنی له عظمًا، فمکث فی بطنی أربعین صباحًا یطوف معی البحار فی ظلمات ثلاث، ینادی: انّه لا الٰه الّا أنت سبحانک انّی کنت من الظالمین، قد قبلت ولایة علیّ ابن أبی طالب والأئمّة الراشدین من ولده، فلمّا أن آمن بولایتکم أمرنی ربّی فقذفته علٰی ساحل البحر، فقال زین العابدین علیه السلام: ارجع أیّها الحوت الٰی وکرک، واستوی الماء." (بحارالانوار ج:۱۴ ص:۴۰۱، ۴۰۲ روایت:۱۵)

ترجمہ:... ''ثمالی کہتا ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر، اِمام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ: آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس بن متی (علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ میں اس بنا پر ڈالا گیا کہ ان کے سامنے میرے دادا امیرالمؤمنین کی ولایت پیش کی گئی تو انہوں نے اس کے قبول کرنے میں توقف کیا؟ اِمام نے فرمایا کہ: ہاں! میں نے کہا ہے۔ تیری ماں تجھ کو گم کرے یعنی تو مرجائے ـــ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ: اگر تم سچے ہو تو اپنی راست

گفتاری کی کوئی علامت دِکھاؤ، اِمام نے حکم دیا کہ میری اور عبداللہ بن عمر کی آنکھوں پر ایک پٹی باندھ دی جائے، تھوڑی دیر بعد حکم دیا کہ آنکھیں کھول دو، جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم ایک دریا کے کنارے پر ہیں جس کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ابنِ عمر نے کہا کہ: اے سیّد! میرا خون آپ کی گردن پر ہے (یعنی دریا کی موجیں مجھے بہالے جائیں گی)، اِمام نے فرمایا کہ: ڈرو نہیں، میں ابھی تم کو اپنی راست گفتاری کی علامت دِکھاتا ہوں۔

پھر اِمام نے فرمایا: اے مچھلی! اِمام کا پکارنا تھا کہ ایک مچھلی نے فوراً دریا سے سر نکالا، جو پہاڑ جیسی تھی، اور وہ کہہ رہی تھی: لبیک! لبیک! اے ولیٔ خدا! اِمام نے فرمایا: تو کون ہے؟ کہنے لگی: اے سیّد! میں وہی مچھلی ہوں جس نے یونس کو نگلا تھا، فرمایا: ہمیں بتاؤ کہ یونس علیہ السلام کا کیا قصہ ہوا تھا؟ کہنے لگی: اے سیّد! اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا، آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے دادا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک، مگر اس پر تم اہلِ بیت کی ولایت پیش کی، جس نے اس کو قبول کیا وہ سالم رہا، اور جس نے اس میں توقف کیا، اور اس اَمانت کے اُٹھانے سے انکار کیا، اس کو وہی اِبتلا پیش آیا جو آدم علیہ السلام کو گناہ کی وجہ سے پیش آیا، اور جو نوح علیہ السلام کو غرق سے پیش آیا، اور جو اِبراہیم علیہ السلام کو آگ سے پیش آیا، اور جو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے سے پیش آیا، اور جو اَیوب علیہ السلام کو بیماری میں مبتلا ہونے سے پیش آیا، اور جو داؤد علیہ السلام کو غلطی سے پیش آیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ: اے یونس! امیر المؤمنین علی اور ان کی نسل کے اَئمہ راشدین کی ولایت کو قبول

کرو! کچھ اور کلام بھی وحی فرمایا، یونس علیہ السلام نے کہا کہ: میں ان لوگوں کی ولایت کو کیسے قبول کروں جن کو میں نے دیکھا نہیں، اور ان کو پہچانتا نہیں، اور غصہ ہوکر دریا کے کنارے چلے گئے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ یونس کو نگل جا، اور ان کی ہڈیوں کو گزند نہ پہنچانا۔ پس وہ میرے پیٹ میں چالیس روز رہے، میں ان کو دریاؤں میں اور تین تاریکیوں میں لئے پھرتی رہی، وہ برابر پکار رہے تھے کہ: ''لا اِلٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّالمین (کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے! تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے) میں نے امیر المؤمنین علی کی اور ان کی اولاد سے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کیا'' پس جب یونس علیہ السلام تمہاری ولایت پر ایمان لے آئے تو میرے پروردگار نے مجھ کو حکم دیا تو میں نے ان کو دریا کے ساحل پر ڈال دیا۔ جب مچھلی نے یہ قصہ سنایا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ اپنے آشیانے میں واپس چلی جا، اور پانی کو موجوں سے سکون ہوگیا۔''

د:... حضرت امیر المؤمنین کی ایک روایت کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کو زمین میں دھنسایا گیا، یہاں تک کہ ان کو... نعوذ باللہ... قارون کے ساتھ ملادیا گیا، اور جب قارون سے عذاب ہٹایا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کو عبرت ہوئی اور انہوں نے ولایت کا اِقرار کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی۔

''وقد سأل بعض الیهود أمیر المؤمنین علیه السلام من سجن طاف أقطار الأرض بصاحبه، فقال: یا یهودی! أمّا السّجن الّذی طاف أقطار الأرض بصاحبه فانّه الحوت الّذی حبس یونس فی بطنه، فدخل فی بحر القلزم، ثمّ خرج الٰی بحر مصر، ثمّ دخل الٰی بحر

طبرستان، ثمّ خرج فی دجلة الغوراء، قال: ثمّ مرّت به تحت الأرض حتّی لحقت بقارون، وکان قارون هلک فی أیّام موسیٰ علیه السلام ووکّل الله به ملکًا یدخل فی الأرض کلّ یوم قامة رجل، وکان یونس فی بطن الحوت یسبّح الله ویستغفره، فسمع قارون صوته فقال للملک الموکّل به: أنظرنی فانّی أسمع کلام آدمیّ، فأوحی الله الی الملک الموکّل به: أنظره، فأنظره، ثمّ قال قارون: من أنت؟ قال یونس: أنا المذنب الخاطئ یونس بن متی، قال: فما فعل الشدید الغضب لله موسی بن عمران؟ قال: هیهات لک، قال: فما فعل الرؤوف الرحیم علیٰ قومه هارون بن عمران؟ قال: هلک، قال: فما فعلت کلثم بنت عمران الّتی کانت سمّیت لی؟ قال: هیهات ما بقی من آل عمران أحد، فقال هارون: وا أسفاه علیٰ آل عمران، فشکر الله له ذٰلک، فأمر الله الملک الموکّل به أن یرفع عنه العذاب أیّام الدنیا فرفع عنه، فلمّا رأی یونس ذٰلک نادی فی الظلمات: "أن لا الٰه الّا أنت سبحانک انّی کنت من الظالمین" فاستجاب الله له وأمر الحوت فلفظه علیٰ ساحل البحر." (بحارالانوار ج:۱۴ ص:۳۸۲)

ترجمہ:... "ایک یہودی نے امیرالمؤمنین علیہ السلام سے اس جیل خانے کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چہارسو چکر کاٹتا رہا کہ وہ کونسا جیل خانہ تھا؟ آپ نے فرمایا: اے یہودی! وہ جیل خانہ جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے

زمین کے چہار سو چکر کاٹتا رہا وہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں قید کر رکھا تھا، پس وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر بحرِ قلزم میں داخل ہوئی، پھر بحرِ مصر کی طرف نکلی، پھر طبرستان کے سمندر میں داخل ہوئی، پھر دجلہ الغورہ کی طرف نکلی۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: پھر وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر زمین کے نیچے گئی، یہاں تک کہ قارون سے جا ملی، اور قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہلاک ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرّر کر دیا تھا جو اس کو روزانہ قدِ آدم کی مقدار زمین میں دھنسا دیتا رہا، یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی تسبیح اور اِستغفار کرتے رہے، پس قارون نے ان کی آواز کو سن لیا اور مقرّر کردہ فرشتے سے کہا کہ: مجھے مہلت دو، میں ایک آدمی کا کلام سن رہا ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو وحی کی کہ اس کو مہلت دے دو، چنانچہ فرشتے نے اس کو مہلت دے دی، قارون نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا: میں گنہگار خطا کار یونس بن متی ہوں۔ قارون نے پوچھا: موسیٰ بن عمران کا کیا بنا جو بہت غصہ کیا کرتے تھے اللہ کے لئے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا: وہ تو مدت ہوئی فوت ہو چکے ہیں۔ قارون نے پوچھا: ہارون بن عمران کا کیا بنا جو اپنی قوم پر بہت شفیق اور نرم تھے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا: وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ قارون نے پوچھا: کلثم بنت عمران کا کیا بنا جو میرے ساتھ منسوب کی گئی تھی؟ (میری منگیتر تھی) یونس علیہ السلام نے فرمایا: مدت ہوئی کہ آلِ عمران میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ قارون نے کہا: ہائے افسوس آلِ عمران پر! پس اللہ تعالیٰ نے قارون کے اظہارِ افسوس کو قبول کر لیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مقرّرہ فرشتے کو حکم دیا کہ دُنیا کی زندگی تک اس سے

عذاب اُٹھا دیا جائے، پس فرشتے نے اس سے عذاب اُٹھا دیا، جب یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اندھیروں ہی میں پکارا: ''کوئی حاکم نہیں تیرے سوا! تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے'' پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کر لی اور مچھلی کو حکم دیا تو مچھلی نے آپ کو ساحلِ سمندر پر لا ڈالا۔''

یہاں جو بات لائقِ عبرت ہے وہ یہ کہ ان روایات کے مطابق یونس علیہ السلام کا اِبا و اِستکبار ...نعوذ باللہ... اِبلیس سے بھی بڑھ گیا، کیونکہ شیطان نے اِبا و اِستکبار کے ساتھ جھوٹ کو جمع نہیں کیا تھا۔ مگر ان روایات کے مطابق جب یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا کہ: ''میں ان لوگوں کی ولایت کا اقرار کیسے کروں جن کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں'' تو یہ بات قطعاً غلط اور جھوٹ تھی، کیونکہ روزِ میثاق میں جب انبیائے کرام علیہم السلام سے ولایتِ اَئمہ کا اِقرار لیا گیا ہوگا تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ضرور دیکھا اور پہچانا ہوگا۔ پھر اِمامیہ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں بھی ولایتِ اَئمہ کا اعلان موجود تھا، اور حضرت یونس علیہ السلام توریت ضرور پڑھتے ہوں گے، پھر اس کے کیا معنی کہ میں اَئمہ کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں؟

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کو جتنے اِبتلا من جانب اللہ پیش آئے، جن کی طرف اِمام زین العابدینؒ کی روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ سب عقیدۂ اِمامت میں شک و تردّد کی نحوست تھی، نعوذ باللہ من ھٰذہ الھفوات!

ساتواں غلوّ: انبیائے کرام علیہم السلام اَئمہ کے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے:

شیعہ کے گیارہویں اِمام حسن عسکریؒ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ انبیائے کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے، اور ہمارے نشانِ قدم کی پیروی کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''کتاب المحتضر للحسن بن سلیمان: روی

أنّـه وجد بخطّ مولانا أبي محمد العسكريّ عليه السلام: أعوذ بالله من قوم حذفوا محكمات الكتاب ونسوا الله ربّ الأرباب والنبيّ وساقي الكوثر في مواقف الحساب، ولظى والطامّة الكبرىٰ ونعيم دار الثواب فنحن السنام الأعظم، وفينا النبوّة والولاية والكرم، ونحن منار الهدى والعروة الوثقى، والأنبياء كانوا يقتبسون من أنوارنا، ويقتفون آثارنا."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۶۳)

ترجمہ:...''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس قسم سے جس نے قرآن کے محکمات کو مٹاڈالا، جنھوں نے اللہ رَبّ الارباب کو بھلادیا، جنھوں نے اس کے نبی کو جو یومِ حساب میں ساقیٔ کوثر ہوں گے، بھلادیا، جو قیامت، دوزخ اور دارِثواب کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہیں، ہم بلند چوٹی کے صاحبِ عظمت لوگ ہیں، ہمیں میں نبوّت و ولایت وکرامت ہے، ہم ہدایت کا مینار ہیں اور عروۂ وثقیٰ ہیں، تمام انبیائے کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے اور ہمارے نقشِ قدم کی پیروی کرتے تھے۔''

آٹھواں غلوّ: قیامت کے دن حضرت علیؓ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے آگے ہوں گے:

اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ حضرت امیرالمؤمنینؓ نے اپنے فضائل ومناقب کا ذِکر کرتے ہوئے فرمایا:

"ما يتقدّمني الّا أحمد وانّ جميع الرسل والملائكة والروح خلفنا، وانّ رسول الله صلى الله عليه

وآله ليدعى فينطق وادعى فأنطلق على حدّ منطقه."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۱۷)

ترجمہ:... "مجھ سے آگے صرف احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، تمام رُسل، ملائکہ اور رُوح القدس ہمارے پیچھے پیچھے ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو بلایا جائے گا تو آپ بات کریں گے اور مجھے بھی پکارا جائے گا تو میں بھی اتنی ہی بات کروں گا۔"

نواں غلوّ: قیامت کے دن حضرت علیؓ کی کرسی عرشِ اِلٰہی کے دائیں جانب اور اَنبیاء کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی:

اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر عرشِ اِلٰہی کے دائیں جانب ہوگی اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی:

"۱۱۹ – كتاب المحتضر للحسن بن سليمان ممّا رواه من الأربعين رواية سعد الاربلي يرفعه الى سلمان الفارسيّ رضى الله عنه قال: كنّا عند رسول الله صلى الله عليه وآله اذ جاء أعرابى ..... الخامسة أنّ جبرئيل عليه السلام قال: اذا كان يوم القيامة نصب لك منبر عن يمين العرش والنبيّون كلّهم عن يسار العرش وبين يديه. (فى المصدر: والنبيون كلهم عن يساره) ونصب لعلىّ عليه السلام كرسى الىٰ جانبك اكرامًا له."

(بحارالانوار ج:۲۷ ص:۱۲۸، ۱۲۹)

ترجمہ:... "حسن بن سلیمان نے کتاب المحتضر میں اربعین کی روایت سے سعد اربلی کے واسطے سے سلمان فارسی

رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے، سلمان کہتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے، اتنے میں ایک اعرابی آیا (طویل روایت ہے جس میں حضرت علیؓ کے فضائل مذکور ہیں، اسی سلسلے میں فرمایا) پانچویں بات جبرئیل علیہ السلام نے یہ فرمائی: قیامت کے روز آپ کی کرسی عرش کے دائیں جانب لگائی جائے گی اور باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام عرش کے بائیں جانب (کی کرسیوں پر) ہوں گے۔ (اصل کتاب میں یہ الفاظ ہیں کہ: تمام انبیائے کرام علیہم السلام حضرت علیؓ کے بائیں جانب ہوں گے۔ حاشیہ) اور علی علیہ السلام کی کرسی ان کے اکرام کی بنا پر آپ کے پہلو میں لگائی جائے گی۔''

دسواں غلوّ: انبیائے کرام علیہم السلام کی دُعائیں اِماموں کے طفیل قبول ہوئیں:

علامہ مجلسی کی ''بحار الانوار'' کی کتاب الامامت میں ایک باب کا عنوان ہے:

''ان دعاء الأنبياء استجيب بالتوسل والاستشفاع بهم صلوات الله عليهم أجمعين'' (بحار الانوار ج:۲۶ ص:۳۱۹)

ترجمہ:... ''انبیائے کرام علیہم السلام کی دُعائیں اِماموں کے وسیلے اور سفارش کی بنا پر ہی قبول ہوئیں۔''

اس سلسلے کی بہت سی روایات میں سے دو رِوایتیں:

الف:... ''ص: بالاسناد الى الصدوق عن النقّاش عن ابن عقدة عن عليّ بن الحسن بن فضّال عن أبيه عن الرضا عليه السلام قال: لمّا أشرف نوح عليه السلام على الغرق دعا الله بحقّنا فدفع الله عنه الغرق، ولمّا

رمی ابراهیم فی النّار دعا الله بحقّنا فجعل الله النّار علیه بردًا وسلامًا.

وانّ موسیٰ علیه السلام لمّا ضرب طریقًا فی البحر، دعا الله بحقّنا فجعله یبسًا، وانّ عیسٰی علیه السلام لما أراد الیهود قتله، دعا الله بحقّنا فنجّی من القتل فرفعه الیه." (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۲۵)

ترجمہ:...''اِمام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام ڈُوبنے لگے تو اللہ کو ہمارے وسیلے سے پکارا، اللہ نے ان کو ڈُوبنے سے بچالیا۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے (بھی) اللہ کو ہمارے حق کا واسطہ دیا تو اللہ نے ان پر آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر سے راستہ لینے کے لئے اس پر عصا مارا تو (بھی) اللہ سے ہمارے وسیلے سے دُعا کی لہٰذا اللہ نے اس کو خشک کردیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہود نے قتل کرڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ہمارے ہی وسیلے سے اللہ کو پکارا، چنانچہ اللہ نے ان کو بچالیا اور اپنی طرف اُٹھالیا۔''

ب:... ''ختص: أبو الفرج عن سهل عن رجل عن ابن جبلة عن أبی المغرا عن موسی بن جعفر علیه السلام قال: سمعته یقول: .... بنا غفر لآدم وبنا ابتلی أیوب وبنا افتقد یعقوب وبنا حبس یوسف وبنا رفع البلاء وبنا أضاءت الشمس نحن مکتوبون علٰی عرش ربّنا.''

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۵۷)

ترجمہ:...''اِمام موسیٰ کاظمؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے

فرمایا: ہمارے ہی وسیلے سے آدم کو معافی ملی، اور ہمارے ہی سبب سے ایوب علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے، یعقوب علیہ السلام کو صدمۂ فراق برداشت کرنا پڑا، اور یوسف علیہ السلام زندانی ٹھہرے، اور ہمارے ہی وسیلے سے ان کے مصائب دُور ہوئے، سورج ہمارے ہی طفیل روشن ہوتا ہے اور ہمارے اسمائے گرامی ہمارے ربّ کے عرش پر کندہ ہیں۔"

گیارھواں غلوّ: حضرت آدم علیہ السلام کو اِماموں کے مرتبے پر حسد ہوا، اس لئے ان کو سزا ملی اور اُولوالعزم انبیاء کی فہرست سے ان کا نام خارج کردیا گیا:

اس مضمون کی دِل آزار رِوایات کثرت سے ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ائمہ کی مرتبہ شناسی میں تامل ہوا، اس لئے ان کا نام اُولوالعزم انبیاء کی فہرست سے خارج کردیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ ارشادِ خداوندی: "وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا" کا یہی مطلب ہے، نیز یہ کہ جس شجرۂ ممنوعہ سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ "شجرۂ حسد" تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ خبردار! ائمہ کے مرتبے پر حسد نہ کرنا، لیکن وہ اس ہدایتِ خداوندی کو بھول گئے اور ائمہ کے مرتبے پر حسد کیا، جس کی وجہ سے ان پر عتاب نازل ہوا، نعوذ باللہ...!

اس مضمون کی بے شمار رِوایتوں میں سے چند:

الف:... "بر: أحمد بن محمد عن عليّ بن الحكم عن مفضّل بن صالح عن جابر عن أبى جعفر عليه السلام فى قول الله عزّ وجلّ: "ولقد عهدنا الٰى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزمًا" قال: عهد اليه فى محمد والأئمّة من بعده فترك ولم يكن له عزم أنّهم هٰكذا وانّما سمّى أُولو العزم أُولو العزم لأنّه عهد اليهم فى

محمد والأوصياء من بعده والمهدی وسیرته فأجمع عزمهم أنّ ذٰلک کذٰلک والاقرار به۔"

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۷۸، ج:۱۱ ص:۱۷۳)

ترجمہ:... "جابر جعفیؒ نے امام باقرؒ سے ارشادِ خداوندی:

"وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے محمد اور ائمہ علیہم السلام (کی تصدیق) کا عہد لیا گیا، انہوں نے اس کو نظرانداز کردیا، اور ان کے اس مقام کا اعتراف و اقرار نہ کیا، اُولوالعزم انبیاء کو "اُولوالعزم" کا امتیازی لقب اسی وقت ملا جبکہ تمام انبیاء سے محمد اور آپ کے بعد اوصیاء اور مہدی کی سیرت پر اقرار لیا تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے ان (ائمہ) کے اس حق کا اقرار کیا۔"

امام رضاؒ سے ایک طویل روایت میں نقل کیا ہے کہ:

ب:... "انّ آدم لمّا أکرمه الله تعالیٰ ذکره باسجاد الملائکة له وبادخاله الجنّة قال فی نفسه: هل خلق الله بشرًا أفضل منّی؟ فعلم الله عزّ وجلّ ما وقع فی نفسه فناداه: ارفع رأسک یا آدم فانظر الٰی ساق عرشی، فرفع آدم رأسه فنظر الٰی ساق العرش فوجد علیه مکتوبًا: لا الٰه الّا الله محمد رسول الله، علیّ بن أبی طالب أمیر المؤمنین، وزوجته فاطمة سیّدة نساء العالمین، والحسن والحسین سیّدا شباب أهل الجنّة.

فقال آدم علیه السلام: یا رَبّ! من هؤلاء؟ فقال عزّ وجلّ: من ذرّیّتک وهم خیر منک ومن

جمیع خلقی ولولاھم ما خلقتک ولا خلقت الجنّة والنّار ولا السّماء والأرض فایّاک أن تنظر الیھم بعین الحسد فأخرجک عن جواری.

فنظر الیھم بعین الحسد وتمنّی منزلتھم فتسلّط الشیطان علیه حتّی أکل من الشجرة الّتی نھی عنھا وتسلّط علٰی حوّاء لنظرھا الٰی فاطمة علیھا السلام بعین الحسد حتّی أکلت من الشجرة کما أکل آدم فأخرجھما اللہ عزّ وجلّ من جنّته وأھبطھما عن جواره الی الأرض.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۷۳، ج:۱۱ ص:۱۶۵)

ترجمہ:... ”اِمام رضا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سجدہ کرواکے اور جنت میں رہنے کی اجازت دے کر آدم علیہ السلام کو خصوصی اِکرام سے نوازا تو ان کے جی میں یہ سوال اُبھرا کہ: ”کیا اللہ نے مجھ سے افضل کسی بشر کو پیدا فرمایا ہوگا؟“ اللہ عز وجل ان کے جی کے وسوسے پر مطلع ہوئے، ان کو فرمایا: اے آدم! ذرا اپنا سر اُٹھا اور میرے عرش کے پائے کی طرف دیکھ۔ انہوں نے اپنا سر اُٹھایا اور عرش کے پائے کی جانب نگاہ کی تو اس پر تحریر تھا: ”لا الٰہ اِلَّا اللہ، محمد رسول اللہ، علی بن ابی طالب امیرالموٴمنین، ان کی بیوی فاطمہ سیّدۃ نساء العالمین اور حسن وحسین جوانانِ جنت کے سردار۔“

آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے رَبّ! یہ کون حضرات ہیں؟ رَبّ العزت نے فرمایا: یہ تیری اولاد میں سے ہوں گے لیکن تجھ سے اور میری تمام مخلوق سے بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔ اور یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھ کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو اور نہ آسمان و

زمین کو وجود میں لاتا۔ دیکھ! ان کو حسد کی نظر سے نہ دیکھنا ورنہ اپنے قرب سے تجھے نکال باہر کروں گا۔

مگر آدم نے نظرِ حسد سے ان کو دیکھا اور ان کے مقام کی تمنا کی، تو شیطان ان پر مسلط ہوگیا، یہاں تک کہ وہ ''شجرۂ ممنوعہ'' کو کھانے کے مرتکب ہوئے، اور حواء پر بھی شیطان مسلط ہوا، کیونکہ اس نے فاطمہ علیہا السلام کو نگاہِ حسد سے دیکھا تھا، جس کے نتیجے میں اس نے بھی آدم کی طرح ''شجرۂ ممنوعہ'' کو کھالیا، لہٰذا اللہ عز وجل نے ان دونوں کو جنت سے نکال دیا اور اپنے قرب سے زمین پر اُتار دیا۔''

ج:... ''مع: العجلی عن ابن زكريا القطّان عن ابن حبيب عن ابن بهلول عن أبيه عن محمد بن سنان عن المفضّل قال: قال أبو عبدالله عليه السلام: انّ الله تبارک وتعالٰى خلق الأرواح قبل الأجساد بألفى عام، فجعل أعلاها وأشرفها أرواح محمد وعلىّ وفاطمة والحسن والحسين والأئمة بعدهم صلوات الله عليهم.

فلمّا أسكن الله عزّ وجلّ آدم وزوجته الجنّة قال لهما: ''كلا منها رغدًا حيث شئتما ولا تقربا هٰذه الشجرة'' يعنى شجرة الحنطة ''فتكونا من الظالمين'' فنظر الٰى منزلة محمد وعلىّ وفاطمة والحسن والحسين والأئمّة من بعدهم فوجداها أشرف منازل أهل الجنّة فقالا: يا ربّنا لمن هٰذه المنزلة؟

فقال الله جلّ جلاله: ارفعا رؤوسكما الٰى ساق عرشى، فرفعا رؤوسهما فوجدا اسم محمد وعلىّ وفاطمة والحسن والحسين والأئمة بعدهم صلوات الله

عليهم مكتوبة علىٰ ساق العرش بنور من نور الجبّار جلّ جلاله.

فقالا: يا ربّنا! ما أكرم أهل هٰذه المنزلة عليک وما أحبّهم اليک وما أشرفهم لديک؟ فقال الله جلّ جلاله: لولاهم ما خلقتكما، هؤلاء خزنة علمي واُمنائي علىٰ سرّي، ايّاكما أن تنظرا اليهم بعين الحسد وتتمنّيا منزلتهم عندي ومحلّهم من كرامتي فتدخلا بذٰلک في نهيي وعصياني فتكونا من الظالمين.

يا آدم ويا حواء! لا تنظرا الىٰ أنواري وحججي بعين الحسد فأهبطكما عن جواري، وأحلّ بكما هواني ..... فدلّاهما بغرور، وحملهما علىٰ تمنّي منزلهم فنظرا اليهم بعين الحسد فخذلا."

(بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۲۰،۳۲۱)

ترجمہ:... "محمد بن سنان نے مفضل سے روایت کیا کہ اِمام صادق نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اَجسام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل اَرواح کو پیدا فرمایا، ان میں سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین صلوٰۃ اللہ علیہم کی اَرواح کو دیگر تمام اَرواح پر اَعلیٰ واَشرف قرار دیا......

پھر جب اللہ عز وجل نے آدم اوران کی زوجہ کو جنت میں رہنے کی اجازت دی تو ان سے فرمایا: "کھاؤ اس میں سے جو چاہو، جہاں کہیں سے چاہو، اور پاس مت جانا اس درخت کے (یعنی گندم کے درخت کے) ورنہ تم ہوجاؤ گے ظالم" انہوں نے محمد، علی، فاطمہ اور حسن وحسین کے مرتبوں کو دیکھا تو وہ تمام اہلِ جنت سے اعلیٰ و

اشرف نظر آئے تو کہنے لگے: اے رَبّ ہمارے! یہ مقام کن حضرات کو ملا ہے؟

اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا: اپنے سر اُٹھا کر میرے عرش کے پائے کی جانب نظر کرو۔ چنانچہ انہوں نے اُوپر دیکھا تو وہاں عرش کے پائے پر محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین اور ان کے بعد کے تمام اَئمہ صلواۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی اللہ جل جلالہٗ کے نور کی روشنائی سے لکھے ہوئے دیکھے۔

ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رَبّ! اس مقام کے لوگوں کو تیرے ہاں یہ اِکرام، اور تیری یہ محبت اور تیرے دربار میں ان کو یہ شرف وفضیلت کس بنا پر حاصل ہوا؟

اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا: اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم دونوں کو بھی پیدا نہ کرتا، یہ میرے علم کے محافظ ہیں، میرے بھید کے امین ہیں، ان کو حسد کی نظر سے دیکھنے اور میرے ہاں ان کے اعلیٰ مقام و مرتبے کی تمنا اپنے لئے کرنے سے سخت پرہیز کرنا ورنہ تم دونوں میری حکم عدولی کے مرتکب ہوکر نافرمان ٹھہروگے اور ظالموں میں شمار ہوجاؤ گے.......

اے آدم اور اے حوا! تم دونوں میرے انوار اور میری حجتوں کو نظرِ حسد سے ہرگز نہ دیکھنا ورنہ تمہیں اپنے قرب سے نکال کر ذلتوں میں گرادوں گا ...." پھر شیطان نے مائل کرلیا ان کو فریب سے" ان دونوں کو ان حضرات کے مقام کی تمنا پراُکسایا، چنانچہ انہوں نے ان کو نگاہِ حسد سے دیکھا لہٰذا دونوں کو رُسوائی اُٹھانا پڑی۔"

د:.... شی: عن عبدالرحمٰن بن کثیر، عن أبی عبداللہ علیہ السلام قال: انّ اللہ تبارک وتعالیٰ عرض

علیٰ آدم فی المیثاق ذرّیّته فمرّ به النّبیّ صلی اللہ علیه وآله وهو متّکیء علیٰ علیّ علیه السلام، وفاطمة صلوات اللہ علیها تتلوهما، والحسن والحسین علیهما السلام یتلوان فاطمة، فقال اللہ: یا آدم! ایّاک أن تنظر الیه بحسد أهبطک من جواری، فلمّا أسکنه اللہ الجنّة مثّل له النّبیّ وعلیّ وفاطمة والحسن والحسین صلوات اللہ علیهم فنظر الیهم بحسد ثمّ عرضت علیه الولایة فأنکرها فرمته الجنّة بأوراقها، فلمّا تاب الی اللہ من حسده وأقرّ بالولایة ودعا بحقّ الخمسة: محمد وعلیّ وفاطمة والحسن والحسین صلوات اللہ علیهم غفر اللہ له، وذٰلک قوله: "فتلقّٰی آدم من ربّه کلمات" الآیة."

(بحارالانوار ج:۱۱ ص:۱۸۷)

ترجمہ:... "عبدالرحمٰن بن کثیر سے روایت ہے کہ اِمام صادق ؓ نے فرمایا: "میثاق" میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی تمام اولاد کو پیش کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، آپ، علی علیہ السلام کا سہارا لئے کھڑے تھے، اوران دونوں کے پیچھے فاطمہ صلوات اللہ علیہا تھیں، اوران کے پیچھے حسن و حسین علیہم السلام تھے، اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان پر حسد کرنے سے بچنا ورنہ اپنے قرب سے گرادوں گا۔ پھر جب اللہ نے ان کو جنت میں ٹھکانا دیا تو ان کے سامنے نبی، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کی شبیہ لائی گئی تو آدم علیہ السلام نے ان کو نظرِ حسد سے دیکھا، پھر آدم کو ان کی ولایت کے اِقرار کا حکم ہوا مگر اس نے انکار کردیا تو اس کے نتیجے میں جنت کے پتے اس پر پھینکے گئے، پھر اس کے بعد

جب اللہ سے ان پر حسد کی معافی مانگی اور ولایت کا اقرار کرلیا اور ان پانچوں یعنی محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین صلوات اللہ علیہم کے حق کو تسلیم کرلیا تو اللہ نے اس کو معاف کردیا، اسی کی طرف اس ارشادِ باری "فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ" میں اشارہ کیا گیا ہے۔"

ہ:... "شی: عن موسی بن محمد بن علی، عن أخیه أبی الحسن الثالث علیه السلام قال: الشّجرة الّتی نهی الله آدم وزوجته أن یأکلا منها شجرة الحسد، عهد الیهما أن لا ینظرا الٰی من فضّل الله علیه وعلٰی خلائقه بعین الحسد، ولم یجد الله له عزمًا."

(بحارالانوار ج:۱۱ ص:۱۸۷)

ترجمہ:... "موسیٰ بن محمد بن علی اپنے بھائی ابوالحسن ثالث علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ نے آدم اور ان کی زوجہ کو جس درخت کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ حسد کا شجر تھا، اللہ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اپنی مخلوق میں سے جس کو اللہ نے خاص فضیلت بخشی ہے اس پر حسد نہیں کریں گے، لیکن اللہ نے ان کو عہد کا پختہ نہ پایا۔"

ز:... "الحسین بن محمد، عن أحمد بن اسحاق، عن بکر بن محمد، عن أبی بصیر قال: قال أبو عبدالله علیه السلام: أُصول الکفر ثلاثة: الحرص، والاستکبار، والحسد، فأمّا الحرص فانّ آدم علیه السلام حین نهی عن الشجرة، حمله الحرص علٰی أن أکل منها، وأمّا الاستکبار فابلیس حیث أُمر بالسّجود لآدم فأبی، وأمّا الحسد فابنا آدم حیث قتل أحدهما

صاحبه." (اُصولِ کافی ج:۲ ص:۲۸۹)

ترجمہ:... "ابوبصیر سے روایت ہے کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: کفر کی تین بنیادیں ہیں، حرص، تکبر اور حسد۔ حرص تو اس طرح کہ آدم علیہ السلام کو جب "شجرۂ ممنوعہ" (درخت جس کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا) سے منع کر دیا گیا تو حرص نے ہی اسے کھانے کی انگیخت کی۔ اور تکبر ہی کی بنا پر اِبلیس نے حکمِ خداوندی کے باوجود آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور حسد کی بنیاد پر آدم کے ایک بیٹے نے دُوسرے کو قتل کر ڈالا تھا۔"

اہلِ عقل جانتے ہیں کہ حسد و کبر اِبلیس کا مرض ہے، جس نے اس کو ہمیشہ کے لئے ملعون اور راندۂ درگاہ کر دیا۔ شیعہ راویوں نے حسد و کبر اور حرص تینوں اُصولِ کفر کو سیّدنا ابوالبشر علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے گویا ان کو... نعوذ باللہ... اِبلیس سے بھی بڑھا دیا، پھر حکمِ خداوندی سے سرتابی کرنا بھی کفر وجحود ہے، شیعہ راویوں نے اس کو بھی بلاتکلف حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا... نعوذ باللہ...!

بارہواں غلوّ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے نبوّت، پھر خلت، پھر اِمامت دی گئی:

"اِمامت کا رُتبہ نبوّت سے بالاتر" ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کی بھی متعدّد رِوایات تصنیف کی گئیں کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کو پہلے نبوّت عطا کی گئی، پھر خلت کا مرتبہ عطا کیا گیا، اس کے بعد تیسرے مرتبے میں اِمامت عطا کی گئی، اس سلسلے کی ایک روایت:

"انّ الامامة خصّ الله عزّ وجلّ بها ابراهيم الخليل عليه السلام بعد النبوّة والخلّة مرتبة ثالثة وفضيلة شرّفه بها أوشاد بها ذكره فقال عزّ وجلّ: انّي

جاعلک للناس اِمامًا.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۱۲۱)

ترجمہ:... ”ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوّت وخلت عطا کرنے کے بعد تیسرے مرتبے پر اِمامت کی فضیلت سے مشرف کیا، اسی کی طرف ارشادِ باری تعالیٰ: ”اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا“ میں اشارہ کیا گیا ہے۔“

تیرہواں غلوّ: حضرت کلیم اللہ کو ”حُلَّۃُ اصطفا“ اِماموں کی ولایت کی وجہ سے پہنایا گیا:

اِمام حسن عسکری کی طرف منسوب کیا گیا کہ انہوں نے ایک رُقعے میں تحریر فرمایا:

”فالکلیم البس حلة الاصطفاء لما عهدنا منه الوفا.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۶۵)

ترجمہ:... ”پس کلیم اللہ کو ”حُلَّۂ اصطفا“ اس وقت پہنایا گیا جب اس نے ان سے وفا پائی۔“

چودہواں غلوّ: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر اَئمہ کی طاعت واجب ہوتی:

حدیث شریف میں ایک قصے کے ضمن میں یہ ارشادِ نبوی وارِد ہے:

”لو کان موسٰی حیًّا لما وسعه الّا اتّباعی.“

ترجمہ:... ”یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اِتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔“

اس حدیث سے اِستنباط کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا گیا کہ:

”قال الحسن بن سلیمان: فعلٰی هٰذا لو کان موسٰی علیه السلام فی زمن محمد صلی الله علیه و آله وسلم لما وسعه الّا اتّباعه، و کان من امّته، ووجب علیه

طاعة وصيّه أمير المؤمنين والأوصياء من بعده عليهم السلام.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۱۶)

ترجمہ:... ”یہاں سے ثابت ہوا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو ان کو آپ کی اِتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا، اور وہ آپ کے اُمتی ہوتے۔ اور ان پر آپ کے وصی امیرالمؤمنین اور ان کے بعد دُوسرے اوصیاء علیہم السلام کی اطاعت بھی واجب ہوتی۔“

پندرہواں غلوّ: حضرت ایوب علیہ السلام نے حضرت علیؓ کی اِمامت میں شک کیا، اس لئے بیماری میں مبتلا ہوئے:

شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی کی کتاب ”مسائل البلدان“ میں پوری سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی اور اَمیرالمؤمنین رضی اللہ عنہما کا ایک مکالمہ نقل کیا گیا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے اِبتلاء کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ”ولایتِ علی“ میں شک کیا تھا، روایت کا درج ذیل حصہ ملاحظہ فرمائیے:

”فقال أمير المؤمنين عليه السلام: أتدرى ما قصّة أيّوب وسبب تغيّر نعمة الله عليه؟ قال: الله أعلم وأنت يا أمير المؤمنين. قال: لمّا كان عند الانبعاث للنطق شكّ أيّوب فى ملكى فقال: هٰذا خطب جليل وأمر جسيم، قال الله عزّ وجلّ: يا أيّوب! أتشكّ فى صورة أقمته أنا؟ انّى ابتليت آدم بالبلاء فوهبته له وصفحت عنه بالتسليم عليه بأمرة المؤمنين وأنت تقول: خطب جليل وأمر جسيم؟ فوعزّتى لأذيقنّك من عذابى أو تتوب الىّ بالطاعة لأمير المؤمنين.

ثـمّ أدركتـه السـعادة بي، يعني أنّه تاب وأذعن بـالـطـاعة لأميـر الـمؤمـنين عليـه السلام وعلٰى ذرّيّتـه الطيّبين عليهم السلام.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۹۳)

ترجمہ:...”امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ قصۂ ایوب کیسے پیش آیا؟ اور ان سے اللہ کی نعمتیں چھننے کا کیا سبب بنا؟ سلمان نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ جانتا ہے یا آپ کو معلوم ہے۔ فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے (میری اِمامت ان کے سامنے پیش کرکے) ان سے اقرار لیا تو ایوب کو میری اِمامت میں شک ہوا اور کہنے لگے: یہ تو بڑی بات ہے اور بڑا بھاری معاملہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ: اے ایوب! تو اس شخصیت میں شک کرتا ہے جس کو میں نے خود مقرّر کیا ہے؟ اسی بنا پر تو میں نے آدم کو اِبتلا میں ڈالا۔ پھر اَمیر المؤمنین کی اِمارت تسلیم کرلینے کے صلے میں اس پر عنایات کیں اور اس کو معاف کردیا۔ اور تو کہتا ہے کہ یہ بڑی بات اور بھاری معاملہ ہے؟ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں تجھے اپنا عذاب چکھا کر رہوں گا یہاں تک کہ تو توبہ تائب ہوکر اَمیر المؤمنین کی اطاعت کا اِقرار نہ کرلے۔

پھر میرے طفیل ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی، یعنی انہوں نے توبہ کی اور اَمیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کی پاکیزہ اولاد علیہم السلام کی اطاعت کا اِقرار کرلیا۔“

سولہواں غلوّ: حضرت یونس علیہ السلام نے ولایتِ علیؓ سے انکار کیا تو مچھلی کے پیٹ میں قید کئے گئے:

اس مضمون کی تصنیف کردہ درج ذیل چند رِوایتیں ملاحظہ فرمایئے:

الف:... ”فر: محمد بن أحمد معنعنا عن جعفر بن محمد عن أبيه عن آبائه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله: انّ الله تعالىٰ عرض ولاية عليّ بن أبي طالب عليه السلام علىٰ أهل السماوات وأهل الأرض فقبلوها ما خلا يونس بن متى فعاقبه الله وحبسه في بطن الحوت لانكاره ولاية أمير المؤمنين عليّ بن أبي طالب عليه السلام حتّى قبلها.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۳۳۳،۳۳۴)

ترجمہ:... ”امام جعفر صادقؒ اپنے باپ دادا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کی تو یونس بن متی کے سوا سب نے اسے قبول کرلیا، اس کے نتیجے میں اللہ نے یونس کو بطورِ سزا مچھلی کے پیٹ میں قید کردیا، کیونکہ انہوں نے امیرالمؤمنین علیؓ بن ابی طالب کی ولایت کا انکار کردیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قبول کیا تب ان کو رہائی ملی۔“

ب:... ”ير: ابن معروف عن سعدان عن صبّاح المزنيّ عن الحارث بن حصيرة عن حبّة العرنيّ قال: قال أمير المؤمنين عليه السلام: انّ الله عرض ولايتي علىٰ أهل السماوات وعلىٰ أهل الأرض أقرّ بها من أقرّ وأنكرها من أنكر، أنكرها يونس فحبسه الله في بطن الحوت حتّى أقرّ بها.“ (بحارالانوار ج:۲۶ ص:۲۸۲)

ترجمہ:... ”امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ: اللہ نے میری ولایت کو آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کیا، جس نے

اِقرار کرنا تھا، تسلیم کرلیا، اور جس کو اِنکار کرنا تھا، منکر ہوا، یونس نے
بھی انکار کردیا تھا، تو نتیجتاً اللہ نے اسے مچھلی کے پیٹ میں قید کردیا،
یہاں تک کہ اس نے بھی تسلیم کرلیا۔"

پہلے گزر چکا ہے کہ ولایتِ ائمہ میں شک و اِنکار کفر ہے، گویا حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہما السلام... نعوذ باللہ... پہلے کفر میں مبتلا ہوئے، پھر اس سے تائب ہوئے۔

سترہواں غلوّ: حبِ علیؓ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا:

شیعہ مؤمنین کو گناہوں کی کھلی چھٹی دینے کے لئے یہ روایت بھی تصنیف کی گئی ہے کہ حبِ علیؓ کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں، اور بغضِ علیؓ کے ساتھ کوئی نیکی مفید نہیں۔ روایت کا متن یہ ہے:

"أبو تراب فی الحدائق والخوارزمی فی الأربعین باسنادهما عن أنس، والدیلمیّ فی الفردوس عن معاذ، وجماعة عن ابن عمر قال النبی صلی الله علیه وآله: حبُّ علیّ بن أبی طالب حسنة لا تضرّ معها سیّئة، وبغضه سیّئة لا تنفع معها حسنة."

(بحارالانوار ج:۳۹ ص:۲۵۶)

ترجمہ:... "انسؓ، معاذؓ اور ابنِ عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: "حبِ علی" ایسی نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں، اور "بغضِ علی" ایسا گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ بخش نہیں۔"

"وقال ابن عبّاس: کان یهودیّ یحبّ علیًّا حُبًّا شدیدًا، فمات ولم یسلم، قال ابن عبّاس: فیقول الجبّار

تبارک وتعالیٰ: أمّا جنّتی فلیس له فیها نصیب، ولٰکن یا نار لا تهیدیه - أی لا تزعجیه-.

فضائل أحمد وفردوس الدیلمیّ: قال عمر بن الخطاب: قال النبی صلی الله علیه وآله: حبُّ علیّ براءة من النار، وأنشد:

حبّ علیّ جنّة للوری
احطط به یا ربّ أوزاری
لو أنّ ذمّیًّا نوی حبّه
حصّن فی النار من النار

(بحارالانوار ج:۳۹ ص:۲۵۸)

ترجمہ:... ''ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت علیؓ کے ساتھ شدید محبت رکھتا تھا، وہ اسلام لائے بغیر مرگیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میری جنت میں تو اس کا حصہ نہیں، لیکن اے دوزخ! تو اس کو کچھ نہ کہنا۔

فضائل احمد و فردوس دیلمی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ''حبِ علیؓ'' دوزخ سے آزادی کا پروانہ ہے، اور آپ نے دو شعر پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے:)

علی کی محبت مخلوق کے لئے جنت ہے، اے میرے ربّ! اس کے ذریعے میرے بوجھوں کو ہٹا دیجئے۔ اگر کوئی کافر ''حبِ علی'' کی نیت کرلے تو وہ دوزخ میں دوزخ سے محفوظ رہے۔''

مرجئہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، لیکن علامہ مجلسی کی مندرجہ بالا تصریح کے مطابق ''حبِ علی'' کے بعد کفر بھی مضر نہیں، اور نقلِ بالا سے یہ بھی

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''حبِ علی'' سے پُر دامن تھے۔

اُٹھارواں غلو: اَزواجِ مطہراتؓ کی طلاق علیؓ کے سپرد تھی:

علامہ مجلسی نے حسن بن سلیمان کی ''کتاب المحتضر'' کے حوالے سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

''ألا وانّی قد جعلت أمر نسائی بیده.''

(بحارالانوار ج:۲٦ ص:٦٦)

ترجمہ:... ''سنو! اور بے شک میں نے اپنی بیویوں کا معاملہ علی کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔''

اس روایت کی تصنیف کے مقاصد اور مضمرات اہلِ فہم و دانش سے مخفی نہیں۔

اُنیسواں غلو: کربلا کی تخلیق کعبہ شریف سے پہلے ہوئی:

علامہ مجلسی نے کتاب السماء والعالم کے ''باب حدوث العالم وبدء خلقه' میں ابوسعید عباد العصفری کی کتاب کے حوالے سے امام باقرؒ کی روایت نقل کی ہے:

''۱۴۷ - ومنه: عن عمرو، عن أبیه، عن أبی جعفر علیه السلام قال: خلق الله أرض کربلاء قبل أن یخلق أرض الکعبة بأربعة وعشرین ألف عام، وقدّسها وبارک علیها فما زالت قبل خلق الله الخلق مقدّسة مبارکة، ولا تزال کذٰلک حتّی یجعلها الله أفضل أرض فی الجنّة، وأفضل منزل ومسکن یسکن الله فیه أولیاءه فی الجنّة.'' (بحارالانوار ج:۵۴ ص:۲۰۲ روایت:۱۴۷)

ترجمہ:... ''امام باقرؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی زمین کو پیدا کرنے سے چوبیس ہزار سال پہلے کربلا کی زمین کو پیدا کیا، اور اسے مقدس بنایا اور اس کو بابرکت بنایا، پس یہ مخلوق کی تخلیق

کے پہلے سے مقدس و بابرکت چلی آتی ہے، اور ہمیشہ ایسی ہی رہے
گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں سب سے افضل زمین
بنائیں گے، اور یہ جنت میں سب سے افضل مکان اور مسکن ہوگا،
جس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ٹھہرائیں گے۔''

یہ چند غالیانہ عقائد ''نقلِ کفر، کفر نباشد'' کے طور پر عجلت میں نقل کئے گئے ہیں، اگر مزید تفتیش کی جائے تو اس کی بیسیوں مثالیں اور بھی ملیں گی۔ اور یہ عقائد اَن پڑھ جاہلوں کے نہیں، بلکہ شیعہ مذہب کے اکابر وصنادید کے ہیں، جنھوں نے ان روایات کو بطورِ اِستناد اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور ان پر سرخیاں جمائی ہیں، جیسا کہ اسی بحث کے شروع میں علامہ باقر مجلسی کے باب کی سرخی نقل کرچکا ہوں کہ: ''ائمہ، انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں'' اور یہ کہ: ''اِمامت کا درجہ نبوّت سے بالاتر ہے''۔

ساتویں بحث: اِمامت میں اُلوہیت کی جھلکیاں

شیعہ راویوں کی مبالغہ آرائیوں اور غلو پسندیوں سے صرف یہی نہیں کہ نبوّت و رسالت کا مقامِ رفیع مجروح ہوا، بلکہ ائمہ کی شان میں غالیانہ قصیدہ خوانی کرتے ہوئے انہوں نے بارگاہِ صمدیت کے ادب واحترام کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ مجھے معلوم ہے کہ حضراتِ اِمامیہ بڑی شدت کے ساتھ ائمہ سے صفاتِ اُلوہیت کی نفی کیا کرتے ہیں اور جو فرقے ان حضرات کی اُلوہیت کے قائل ہیں، ان سے سخت بیزاری کا اِظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ مبالغہ آرائی کا مزاج پختہ تر ہو چکا ہے اس لئے ان بزرگوں کو "مافوق البشر" ثابت کرنے میں وہ بھی کسی غالی سے پیچھے نہیں۔

علامہ مجلسی کا یہ فقرہ اُوپر گزر چکا ہے کہ:

"اِمامت کا درجہ نبوّت سے بالاتر ہے۔"

اور آیت اللہ خمینی کا یہ فقرہ بھی گزر چکا ہے کہ:

"یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کے مقام اور مرتبے کو نہ کوئی مقرّب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبیٔ مرسل۔" (الحکومۃ الاسلامیہ ص:۲۵)

علامہ مجلسی اور علامہ خمینی اس عقیدے کے اظہار پر اس لئے مجبور تھے کہ شیعہ راویوں کے مطابق اِمامِ معصوم کی تعلیم یہی تھی، چنانچہ روضہ کافی میں اِمام صادق ؒ کا شیعوں کے نام ایک طویل خط نقل کیا ہے، اس کا ایک فقرہ ملاحظہ فرمایئے:

"انّ فضلهم لا يبلغه ملك مقرّب ولا نبيٌّ مُرسَل." (روضہ کافی ج:۸ ص:۱۰)

ترجمہ:... ''ان کے درجے کو نہ کوئی مقرّب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نبی مرسل۔''

اس سے قطع نظر کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی کیسی توہین وتنقیص ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسالت ونبوّت سے بالاتر مرتبہ تو خدا کا ہے، تو کیا ائمہ، خدائی کے مرتبے میں بھی کچھ عمل دخل رکھتے ہیں؟ حضراتِ امامیہ کی روایت سے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے:

ا:... زمین اللہ کی ہے یا ائمہ کی؟

قرآنِ کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

''اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ''

(الاعراف:۱۲۸)

ترجمہ:... ''بے شک زمین ہے اللہ کی، اس کا وارث کردے جس کو چاہے اپنے بندوں میں۔''

''اُصولِ کافی'' میں ایک باب کا عنوان ہے: ''ان الأرض كلها للامام عليه السلام'' یعنی ''زمین ساری اِمام کی ملکیت ہے'' مطلب یہ کہ زمین اِمام کی جاگیر ہے جس کو چاہے دے، جس سے چاہے لے۔

چنانچہ اسی باب میں ابوبصیر سے روایت ہے کہ میں نے اِمام صادقؒ سے پوچھا:

''أما [illegible] ى الامام زكاة؟ فقال: أحلت يا أبا محمد أما علمت أنّ الدُّنيا والآخرة للامام يضعها حيث يشاء ويدفعها الى من يشاء، جائز له ذلك من الله، انّ الامام يا أبا محمد لا يبيت ليلة أبدًا ولله فى عنقه حقٌّ يسأله عنه.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۴۰۹)

ترجمہ:... ''کیا اِمام پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ: اے

ابومحمد! تو نے محال بات کہی، تجھے معلوم نہیں کہ دُنیا وآخرت اِمام کی ملکیت ہے، جہاں چاہے رکھے اور جس کو چاہے دے، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا پروانہ حاصل ہے۔ اے ابومحمد! اِمام ایک رات بھی ایسی حالت میں نہیں گزارتا کہ اس کی گردن پر اللہ کا حق ہو، جس کے بارے میں وہ اس سے سوال کرے۔"

۲:...جِلانا اور مارنا:

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

"رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ"

ترجمہ:..."میرا ربّ وہ ہے جو زِندہ کرتا ہے اور مارتا ہے"

تو نمرود نے کہا:

"اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ" (البقرۃ:۲۵۸)

ترجمہ:..."میں جِلاتا اور مارتا ہوں"

اب دیکھئے یہی نمرودی فقرہ شیعہ راویوں نے حضرتِ اَمیرؓ سے منسوب کردیا:

"وأنا أحیی وأنا أمیت وأنا حی لا أموت"

(بحارالانوار ج:۳۹ ص:۳۴۷)

ترجمہ:..."میں جِلاتا ہوں، میں مارتا ہوں، میں حی لا یموت ہوں۔"

۳:...اوّل وآخر، ظاہر وباطن:

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی شان میں فرمایا ہے:

"هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" (الحدید:۳)

ترجمہ:... ''وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن، اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔''

اور شیعہ راویوں نے حضرتِ امیرؓ سے نقل کیا ہے:

''أنا الأوّل، وأنا الآخر، وأنا الباطن، وأنا الظاهر، وأنا بكل شيء عليم'' (بحارالانوار ج:۳۹ ص:۳۴۷)

ترجمہ:... ''میں ہی اوّل ہوں، میں ہی آخر ہوں، میں ہی باطن ہوں، میں ہی ظاہر ہوں، اور میں ہر چیز کو جانتا ہوں۔''

۴:...سینوں کے بھید جاننا:

قرآنِ کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:

''وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ''

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید جانتے ہیں''

اُوپر گزر چکا ہے کہ اِمامیہ کے نزدیک ائمہ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔

۵:...روزِ جزا کا مالک:

سورۂ فاتحہ میں فرمایا:

''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ''

ترجمہ:... ''مالک روزِ جزا کا''

شیعہ راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روزِ جزا کا مالک ثابت کرنے کے لئے بہت سی روایات تصنیف کرلیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے:

''۵۴- قال: وروى البرقيّ في كتاب الآيات عن أبي عبدالله عليه السلام أنّ رسول الله صلى الله عليه وآله قال لأمير المؤمنين عليه السلام: يا عليّ! أنت ديّان هٰذه الأُمّة، والمتولّي حسابهم، وأنت ركن الله الأعظم

یوم القیامة، ألا وانّ المآب الیک، والحساب علیک والصراط صراطک، والمیزان میزانک، والموقف موقفک۔" (بحارالانوار ج:۲۴ ص:۲۷۲)

ترجمہ:... "حضرت صادقؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! تم ہی اس اُمت کو بدلہ دینے والے ہو، ان کا حساب تمہارے ہی سپرد ہے، تم قیامت کے دن اللہ کے رُکنِ اعظم ہوگے۔ سنو! بے شک تیری طرف ہی لوگوں کا لوٹنا ہوگا، اور تیرے ذمہ ہی لوگوں کا حساب ہوگا، پل صراط تمہارا ہوگا، میزانِ عدالت تمہاری ہوگی، اور قیامت کا موقف تمہارا ہوگا۔"

۶:... قسیم الجنة والنار:

بہت سی روایات میں حضرتِ اَمیرؓ کا لقب "قسیم الجنة والنار" آیا ہے، یعنی جنت ودوزخ کی تقسیم ان کے سپرد ہے۔ علامہ مجلسی نے بحارالانوار، "کتاب تاریخ أمیر المؤمنین" میں اس پر مستقل باب باندھا ہے:

"انه علیه السلام قسیم الجنّة والنّار"

(بحارالانوار ج:۳۹ ص:۱۹۳)

۷:... کائنات کے ذرّے ذرّے پر تکوینی حکومت:

اگرچہ حضراتِ اِمامیہ ان تمام اُمور کی تاویلات فرماتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضراتِ ائمہ کو خدا بنانے کی اچھی خاصی کوشش کی ہے۔ انہی سے متأثر ہوکر دورِ حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما جناب آیت اللہ خمینی نے اپنی کتاب "الحکومة الاسلامیہ" میں "الولایة التکوینیة" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا:

"فان للامام مقامًا محمودًا ودرجة سامیة

وخلافة تكوينية تخضع لولايتها وسيطرتها جميع
ذرات الكون." (ص:۵۲)

ترجمہ:... "اِمام کو وہ مقامِ محمود اور وہ بلند درجہ اور ایسی
تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے حکم و
اقتدار کے سامنے سرنگوں اور زیرِ فرمان ہوتا ہے۔"

خلاصہ یہ کہ ائمہ کو "چشمِ بددُور" اچھی خاصی خدائی حاصل ہے۔ ایک طرف ائمہ کی شان میں اس غلوّ کی "شوراشوری" دیکھئے اور دُوسری طرف تقیہ کی "بےنمکینی" ملاحظہ فرمایئے کہ تمام تر اِقتدار و اِختیار کے باوجود ائمہ مدة العمر نقابِ تقیہ میں رُوپوش رہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ...!

آٹھویں بحث: کیا عقیدۂ اِمامت دِین وملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''عقیدۂ ختمِ نبوّت بر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ عقیدہ (یعنی عقیدۂ اِمامت) ممزوج ہوکر حفظِ دِین سے متعلق ہوتا ہے..... اِمام کا منصب اِقامتِ دِین اور حفظِ ملت ہے۔''

ختمِ نبوّت پر آپ حضرات کا جیسا کچھ ایمان ہے، اس کی حقیقت تو اُوپر معلوم ہوچکی، رہا آپ حضرات کا یہ کہنا کہ عقیدۂ اِمامت حفظِ دِین کا ضامن ہے اور یہ کہ دِین وملت کی حفاظت اِمام کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اوّل تو یہ دونوں مقدمے غلط ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ گیارہ صدیوں سے آپ کا اِمام غیر حاضر ہے، مگر بفضلِ خداوندی اللہ تعالیٰ کا دِین جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دِین کی حفاظت اِمام پر موقوف نہیں، کیونکہ اگر آج کے دورِ شرور وفتن میں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے چودہ سو سال کا بُعد ہوچکا ہے، باوجود اس کے اللہ کا دِین محفوظ رہ سکتا ہے... اور بحمداللہ محفوظ ہے... تو کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد آپ کے اِصطلاحی ''اِمام'' کے بغیر دِین محفوظ نہ رہتا۔

اگر فرض کیجئے کہ اِمام کی ضرورت حفظِ دِین ہی کے لئے ہے تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ آپ حضرات نے اِماموں کے اِنتخاب میں غلطی کی، جن بزرگوں کو آپ نے ''اِمام'' بنایا، اُصولِ شیعہ کے مطابق ان کے ذریعے دِین کی حفاظت نہیں ہوئی، بلکہ یہ عقیدۂ اِمامت دِین وملت کی تخریب اور بیخ کنی کا سبب بنا۔ البتہ اہلِ سنت جن کو ''اِمام'' (یعنی خلفاء) مانتے ہیں، ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دِین کی ایسی حفاظت ہوئی جس کی

نظیر اِنسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔اس لئے میں ان دونوں نکتوں کو الگ الگ بحثوں میں ذکر کرتا ہوں۔ایک یہ کہ شیعہ، جن اکابر کو ''اِمام'' کہتے ہیں، خود شیعہ اُصول کے مطابق ان سے دِین وملت کی حفاظت نہیں ہوسکی، یا یوں کہئے کہ شیعوں کا عقیدۂ اِمامت خود انہی کے مُسلَّمہ اُصولوں کے مطابق حفظِ دِین وملت کا ذریعہ ثابت نہیں ہوا۔اور دُوسری بحث یہ کہ بحمداللہ اہلِ سنت کے خلفائے راشدین...رضی اللہ عنہم...سے اللہ تعالیٰ نے حفظِ ملت و اقامتِ دِین کا کام لیا۔

شیعہ کے نزدیک ابوالائمہؓ سے بھی دِین وملت کی حفاظت نہ ہوسکی:

شیعوں کے اِمامِ ثانی سے اِمامِ غائب تک گیارہ اِماموں کے قصے کو تو چھوڑیئے، شیعہ اُصول کے مطابق ان کے اِمامِ اوّل ابوالائمہ حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ بھی دِین وملت کی حفاظت نہ کرسکے اور ان کی اِمامت کا عقیدہ بے مقصد ہی رہا۔یقین نہ آئے تو ''روضہ کافی'' کی روایت نمبر:۲۱ بچشمِ عبرت ملاحظہ فرمایئے، جس میں اَمیرالمؤمنین کا طویل خطبہ ذکر کیا گیا ہے، اس خطبے کا اقتباس درج ذیل ہے:

> "قد علمت الولاة قبلي أعمالًا خالفوا فيها رسول الله صلى الله عليه وآله متعمّدين لخلافه، ناقضين لعهده مغيّرين لسنته ولو حملت النّاس علىٰ تركها وحوّلتها الىٰ مواضعها ولىٰ ما كانت في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله لتفرّق عني جندي حتّى أبقى وحدي أو قليل من شيعتي الّذين عرفوا فضلي وفرض امامتي من كتاب الله عزّ وجلّ وسنة رسول الله صلى الله عليه وآله." (روضہ کافی ج:۸ ص:۵۹)
>
> ترجمہ:...''مجھ سے پہلے کے حکمرانوں نے ایسے بہت اعمال کئے جن میں جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی مخالفت

کی، آپ کے عہد کو توڑ ڈالا اور آپ کی سنت کو بدل ڈالا، اب اگر میں لوگوں کو ان کے چھوڑنے پر آمادہ کرنا چاہوں اور ان کو بدل کر اسی نہج پر لانا چاہوں جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے عہدِ مبارک میں تھے تو (مجھے خوف ہے کہ) میری ہی فوج یقیناً مجھ کو چھوڑ دے گی اور میں تنہا رہ جاؤں گا یا تھوڑے بہت میرے وہ شیعہ میرے ساتھ رہ جائیں گے جن پر میری فضیلت اور کتاب وسنت سے میری اِمامت کی فرضیت کی حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔''

اس کے بعد حضرتِ اَمیرؓ نے ان سنگین بدعات کا ذِکر کرتے ہوئے، جو راوی کے بقول حضراتِ شیخینؓ نے ایجاد کی تھیں، یہ فرمایا کہ: اگر میں ان اُمور کی اِصلاح کردوں تو لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں گے۔ اور پھر فرمایا:

''واللہ! لقد أمرت الناس أن لا یجتمعوا فی شھر رمضان الّا فی فریضة وأعلمتھم أنّ اجتماعھم فی النوافل بدعة فتنادی بعض أھل عسکری ممّن یقاتل معی: یا أھل الاسلام غیّرت سنّة عمر ینھانا عن الصلاة فی شھر رمضان تطوّعًا ولقد خفت أن یثوروا فی ناحیة جانب عسکری ما لقیت من ھذہ الأمة من الفرقة وطاعة أئمة الضلالة والدُّعاة الی النّار ....''

(روضہ کافی ج:۸ ص:۶۲،۶۳)

ترجمہ:... ''اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ رمضان میں فرض کے علاوہ کوئی نماز باجماعت ادا نہ کیا کریں (یعنی تراویح کی نماز نہ پڑھیں) اور ان کو یہ بتلایا کہ نوافل کا باجماعت ادا کرنا بدعت ہے، تو میرے ہی لشکر میں ایسے لوگ جو میری معیت میں قتال کرتے ہیں، چلّا اُٹھے کہ اے اہلِ اسلام! سنتِ عمر کو تبدیل

کیا جا رہا ہے، یہ شخص ہمیں رمضان میں نفلی نماز (یعنی تراویح) پڑھنے سے روکنا چاہتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ میرے لشکر کے ایک حصے کو ہی میرے مقابل کھڑا کر دیں گے۔ میں نے ان لوگوں کو بہت ہی فرقہ باز، ائمہ ضلالت کے پیروکار اور جہنم کی جانب دعوت دینے والے پایا......۔"

یہ خطبہ بلاشبہ آلِ سبا کی تصنیف ہے، جس میں خلفائے ثلاثہؓ سے زیادہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی "ہجوِ ملیح" ہے۔ چنانچہ اس خطبے سے چند اُمور بالکل واضح ہو جاتے ہیں:

اوّل:... حضرتِ اَمیرؓ ان سنگین بدعات کی اِصلاح نہ تو خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں کر سکے اور نہ خود اپنے دورِ خلافت میں، گویا دِین وملت کی حفاظت کا انتظام ان سے رائی کے دانے کے برابر بھی نہ ہو سکا، لہٰذا اس روایت کی رُو سے ان کی اِمامت حفظِ دِین وملت کا سبب نہ ہوئی، بلکہ... نعوذ باللہ... تخریبِ دِین وملت کا سبب ہوئی۔

دوم:... حضراتِ ثلاثہؓ نے جو کام کئے وہ تو ان کاموں کو اپنے اِجتہاد کے مطابق ٹھیک ہی سمجھ کر کرتے ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ ان سے اِجتہاد میں چوک ہوگئی، لیکن ... نعوذ باللہ... حضرتِ اَمیرؓ دِین کی اس تحریف وتغییر کو جانتے بوجھتے برداشت کرتے رہے، اس لئے اس تحریفِ دِین کا وبال بھی ... معاذ اللہ... حضرتِ اَمیرؓ کی گردن پر رہا۔

فروعِ کافی، کتاب الجہاد، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں روایت ہے:

"۷- علیّ بن ابراهیم، عن أبیه، عن علیّ بن أسباط، عن أبی اسحاق الخراسانیّ، عن بعض رجاله قال: انّ الله عزّ وجلّ أوحی الٰی داؤد علیه السلام أنّی قد غفرت ذنبک وجعلت عار ذنبک علٰی بنی اسرائیل فقال: کیف یا ربّ وأنت لا تظلم؟ قال: انّهم لم یعاجلوک بالنکرة." (فروعِ کافی ج:۵ ص:۵۸)

ترجمہ:... "اللہ عز وجل نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل

فرمائی کہ میں نے تیرا ''گناہ'' تو معاف کردیا لیکن تیرے ''گناہ'' کا وبال بنی اسرائیل پرڈال دیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے ربّ! یہ کیسے ہوگیا، آپ تو ظلم نہیں فرماتے؟ فرمایا: اس لئے کہ انہوں نے تجھے بُرائی سے بازرکھنے کا فوراً اہتمام نہیں کیا۔''

سوم:... اس خطبے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امیرالمؤمنینؓ اپنی حکومت کی بقا کو دِین وملت کی حفاظت سے مقدم سمجھتے تھے۔ اہلِ عقل کا مُسلَّمہ اُصول ہے کہ بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کو قربان کردیا جاتا ہے۔ حضرتِ اُمیرؓ نے اس خطرے کے پیشِ نظر کہ کہیں ان کا لشکر ان کو چھوڑ کر الگ نہ ہوجائے، خلفائے ثلاثہؓ کے دور کی ''بدعات'' کو (جن میں روایت کے مطابق حرام کو حلال کردیا گیا تھا) جوں کا توں باقی رکھا... معاذ اللہ... دِین و ملت کی تحریف وتغییر کو تو گوارا کیا مگر اپنی حکومت کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔ گویا راوی کے بقول دِین وملت کو اپنی چندروزہ حکومت پر قربان کردیا۔ سوچئے کہ اس سے بدتر حضرتِ اُمیرؓ کی مذمت کیا ہوسکتی ہے...؟ توبہ! اَستغفر اللہ...! اس روایت کے مطابق گویا حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا معیار بھی... نعوذ باللہ... آج کے سیاسی لیڈروں سے کچھ بلند نہیں تھا، جن کو اپنی حکومت کا تحفظ، ترویجِ شریعت، نفاذِ اِسلام اور اِصلاحِ بدعات سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے۔

چہارم:... حضرت امیرالمؤمنینؓ بالاجماع ''یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ'' کا مصداق تھے، کیونکہ جنگِ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''کل میں جھنڈا ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں دُوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں''، لیکن ''صحیفہ ہلالی'' کی یہ روایت کہتی ہے کہ نہیں! بلکہ حضرتِ اُمیرؓ ...نعوذ باللہ... اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور بے دِین تھے، کیونکہ خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں سینکڑوں حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام کردیا گیا، مگر حضرتِ اُمیر ٹس سے مس نہ ہوئے، اور ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسا شخص

عنداللہ مبغوض اور بے دِین ہوتا ہے، چنانچہ ''فروعِ کافی'' کے مذکورہ بالا باب میں ہے:

''۱۵ – وبهٰذا الاسناد قال: قال النبی صلی الله علیه وآله: انّ الله عزّ وجلّ لیبغض المؤمن الضّعیف الّذی لا دین له، فقیل له: وما المؤمن الضعیف الّذی لا دین له؟ قال: الّذی لا ینهی عن المنکر.''

(فروعِ کافی ج:۵ ص:۵۹)

ترجمہ:... ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: اللہ ایسے مؤمنِ ضعیف سے بغض رکھتا ہے، جس کا کہ کوئی دِین ہی نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ: ایسا مؤمن جس کا کوئی دِین ہی نہ ہو، کون ہوگا؟ فرمایا: جو ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا نہیں کرتا۔''

پنجم:... اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امیر المؤمنینؓ ان گھناؤنی بدعات کو (جو اس روایت میں خلفائے ثلاثہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہیں) برداشت کرکے اُمت کی ہلاکت کا سبب بنے۔ چنانچہ فروعِ کافی کے محولہ بالا باب میں خود حضرتِ اَمیرؓ کا خطبہ منقول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا اُمت کی ہلاکت کا موجب ہے:

''٦ – عدّة من أصحابنا عن سهل بن زیاد، عن عبدالرحمٰن بن أبی نجران، عن عاصم ابن حمید، عن أبی حمزة، عن یحیی بن عقیل، عن حسن قال: خطب أمیر المؤمنین علیه السلام فحمد الله وأثنٰی علیه وقال: أمّا بعد فانّه انّما هلک من کان قبلکم حیث ما عملوا من المعاصی ولم ینههم الرّبّانیّون والأحبار عن ذٰلک وانّهم لمّا تمادوا فی المعاصی ولم ینههم الرّبّانیّون والأحبار عن ذٰلک نزلت بهم العقوبات فأمروا بالمعروف وانهوا عن المنکر واعلموا أن الأمر

بـالمعروف والنهي عن المنكر لم يقربا أجـلًا ولم يقطعا رزقًا." (فروعِ کافی ج:۵ ص:۵۷)

ترجمہ:... ''حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ امیرالمؤمنین خطبہ دے رہے تھے، اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے کہ جب وہ معاصی میں مبتلا ہوگئے تو ان کے علماء واَحبار نے بھی ان کو اس سے منع نہ کیا، لہٰذا جب وہ معاصی کی حد سے بڑھ گئے اور علماء واحبار نے بھی ان کو باز رکھنے کی کوشش نہ کی تو ان پر پے درپے عذاب نازل ہونا شروع ہوگئے، اس لئے تم اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو۔ یاد رکھو! اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ تو تمہیں موت سے ہمکنار کردیں گے اور نہ تمہارے رزق کو تم سے روک دیں گے۔''

ششم:... اس خطبے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضراتِ شیخینؓ کیسی مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے، اور صدرِ اوّل کے مسلمانوں (حضراتِ صحابہؓ وتابعینؒ) کے دِلوں میں ان کی کیسی والہانہ محبت راسخ تھی، آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرتِ اَمیرؓ کے اس خطبے کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر بیس پچیّس برس گزر چکے ہیں اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قریباً پندرہ برس ہوچکے ہیں، لیکن اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے دِلوں پر ان کی محبت کا ایسا گہرا نقش ثبت تھا کہ حضرتِ اَمیرؓ جیسی محبوب ومحبّ شخصیت کے کہنے پر بھی وہ شیخینؓ کی سنت سے ایک اِنچ اِدھر اُدھر ہونے کے لئے تیار نہیں، کیوں نہ ہو؟ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے الفاظ ان کے کان میں گونج رہے تھے:

"عـلـيـكـم بسُـنّتي وسُنّة الخلفاء الراشدين من بعدي، تمسّكوا عليها وعضّوا عليها بالنواجذ."

ترجمہ:... ''لازم پکڑو میری سنت کو، اور میرے خلفائے

راشدین کی سنت کو، اس کو مضبوط تھام لو اور دانتوں کی کچلیوں سے پکڑلو۔“

کسی زندہ شخص سے قرب وتعلق تو مادّی نفع ونقصان کی بنا پر بھی ہوسکتا ہے، لیکن جن حضرات کی وفات کو پندرہ بیس سال گزر چکے ہوں، ان کے بعد حکومتوں پر حکومتیں بدل گئی ہوں اور ان کے عزیز واقارب میں کوئی شخص کسی خطے کا بھی حاکم نہ رہا ہو، ظاہر ہے کہ ان سے نہ کسی مادّی نفع کی توقع ہوسکتی ہے اور نہ کسی دُنیوی ضرر کا اندیشہ ہوسکتا ہے، اس کے باوجود شیخینؓ کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ شیفتگی اور ان کے رَگ وریشے میں ان حضرات کی محبت کا پیوست ہونا شیخینؓ کی اعلیٰ ترین کرامت ہے، جو ان حضرات کے کمالِ اِخلاص و للّٰہیت اور غایتِ قربِ عنداللہ کی واضح شہادت اور بیّن دلیل ہے۔

آلِ سبا نے حضراتِ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو... نعوذ باللہ... غاصب وظالم اور جابر و جائر ثابت کرنے کے لئے یہ خطبہ اَمیر المؤمنینؓ کے نام سے تصنیف کیا تھا، لیکن حضراتِ خلفائے راشدینؓ کی اور خود حضرتِ اَمیرؓ کی کرامت کا کرشمہ دیکھئے کہ خود اسی خطبے نے حضراتِ شیخینؓ کی محبوبیت وحقانیت اور اِخلاص وللّٰہیت کا ایسا زندہ جاوید ثبوت فراہم کردیا جو رہتی دُنیا تک قائم رہے گا، گویا حضراتِ شیخینؓ کو یہ کہنے کا بجا طور پر حق ہے کہ:

”ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما“

اور حضرتِ اَمیرؓ کی مزعومہ اِمامت کو (جس کا موجد عبداللہ بن سبا تھا) خود اسی خطبے نے حرفِ غلط ثابت کردیا، وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ...!

خلاصہ یہ کہ حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو بدنام کرنے کے لئے سبائی کمیٹی کے ممبروں نے پہلے ولایتِ علیؓ اور ولایتِ اَئمہ کا عقیدہ تصنیف کیا، اور پھر دھڑ ادھڑ اَئمہ کے نام سے جعلی روایات کے طومار تصنیف ہونے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ ان روایات کے انبار لگادینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دِینِ حق کو کیسا محفوظ رکھا...! حضراتِ خلفائے راشدینؓ کو بدنام کرنے کے لئے جتنی شدت کے ساتھ روایاتی پروپیگنڈا کیا گیا، ان حضرات کی حقانیت وللّٰہیت اتنی ہی زیادہ چمکی، اور یہ ہتھیار اُلٹا ”ولایتِ علیؓ“ کے

عقیدے پر چل گیا۔ کیونکہ شیعہ روایات نے ثابت کر دیا کہ حضرت امیر المؤمنینؓ کی اِمامت سے دِین وملت کو ایک ذرّہ بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان کے سامنے اللہ کے دِین میں تحریف ہوتی رہی، خوفناک قسم کی بدعتیں جاری ہوتی رہیں، حضرتِ امیرؓ تحریفِ دِین اور تخریبِ ملت کا یہ سارا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے، لیکن ان کی رَگِ حمیت کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اور انہیں کلمۂ حق کہنے کی کبھی توفیق نہ ہوئی، بلکہ ہمیشہ نقابِ تقیہ میں رُوپوش رہے۔ غضب یہ کہ اپنے دورِ خلافت میں بھی ایک ذرّہ اِصلاح نہ کر سکے، بلکہ حکومت وشجاعت کے باوصف ''رِدائے تقیہ بر دوش'' رہے، یہاں تک کہ برسرِ منبر فضیلتِ شیخینؓ کے خطبے پڑھتے رہے:

''أفضل هٰذه الأُمّة بعد نبيّها أبوبكر ثم عمر''

ترجمہ:... ''اس اُمت میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر، عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔''

کیا کوئی مسلمان حضرت علیؓ کے بارے میں اس کا تصوّر بھی کر سکتا ہے...؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بالکل صحیح لکھا ہے:

''واگر تقیہ باوجود خلافت وشجاعت وشوکت وقیام بقتال جمیع اہل ارض جائز باشدمی تواں گفت کہ باجمعے کہ باشیخینؓ بذمی بودند درخفیہ بنابر تقیہ انکار شیخینؓ می نمود، پس کلام ''خیر الامۃ'' متحقق است و خلاف اوتقیہ۔

وِمی تواں گفت کہ اظہار اسلام ونماز پنج گانہ خواندن واز دوزخ ترسیدن ہمہ بنابر تقیہ مسلمین بود، وشک نیست کو تنفر قوم بترک اسلام اشد بود از تنفر بسبب انکار شیخینؓ، پس امن از اسلام او برخاست، چہ جائے اِمامت، وایں ہمہ بقباحاتے می کشد کہ ہیچ مسلمانے خیال آن نمی تواند کرد۔'' (ازالۃ الخفا ج:۱ ص:۲۸۲)

ترجمہ:... ''اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور بہادر ہونے اور

صاحبِ شوکت ہونے اور تمام دُنیا کے لوگوں سے لڑ سکنے کے بعد بھی
جائز ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ شیخین رضی اللہ عنہما سے بدگمان تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ
ان سے تنہائی میں تقیہ کر کے شیخین رضی اللہ عنہما کا انکار کر دیتے تھے، لہٰذا انہوں
نے جو مجمع عام میں ”خیر الامة بعد نبیھا أبوبکر ثم عمر“
فرمایا، یہ کلام صحیح ہے اور اس کے خلاف جو تنہائی میں شیعوں سے کہا وہ
تقیہ ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اپنے کو مسلمان کہنا اور پنج
وقتہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈر ظاہر کرنا... نعوذ باللہ... یہ سب باتیں
مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے۔ اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں کو جتنی
نفرت ترکِ اسلام سے تھی، اتنی نفرت شیخین رضی اللہ عنہما کے انکار سے نہ تھی، لہٰذا
ان کے اسلام میں تقیہ کا احتمال بہت قوی ہے، پس اِمامت تو کجا؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام کا بھی یقین نہ رہا۔ اور یہ نتائج مذہبِ شیعہ کے
ایسے بُرے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں لا سکتا۔“

مکرّر عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ ساری گفتگو اُس تصویر پر ہے جو شیعہ روایات نے حضرتِ اَمیر رضی اللہ عنہ کی تیار کی ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مثالب و مطاعن کے یہ سارے طومار سبائی کمیٹی کی ایجاد و اِختراع ہے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور ان کی اولادِ اَمجاد، جن کے نام پر یہ سارا طومار تصنیف کیا گیا ہے، ان کا دامن سبائی راویوں کے اس تصنیف کردہ طومار سے یکسر پاک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے، اور وہ اپنے پیشرو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ شیر و شکر تھے، اسی طرح بعد کے اکابر بھی اہلِ سنت کے پیشوا و مقتدا تھے، اسی بنا پر اس ناکارہ نے عرض کیا تھا کہ شیعہ اُصول پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اِمامت سے دِین و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس لئے اگر آنجناب کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ: ”اِمام کا منصب اِقامتِ دِین و حفظِ ملت ہے“ تو یقین کرنا چاہئے کہ شیعہ اُصول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کے اِصطلاحی اِمام نہیں تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔

دُوسرے ائمہ کی اِمامت:

ابوالائمہؓ کی اِمامت کا حال تو آپ سن چکے، اس کے بعد دیگر ائمہ کی اِمامت کے بارے میں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہ جاتی، تاہم کسی طویل بحث کے بغیر مختصراً ایک نکتہ پیش کرتا ہوں:

آنجناب نے اپنے گرامی نامے میں اِمامت کی جو تعریفیں نقل کی ہیں، ان میں اِمامت کی تعریف "ریاستِ عامہ" کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ "اِمام وہ ہے جو نیابۃً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا رئیسِ عام ہو" اور ریاستِ عامہ کے حصول کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں کے اربابِ حل وعقد کسی شخصیت کو اپنا رئیسِ عام مقرّر کرلیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں۔ دوم یہ کہ کوئی شخص جبر و طاقت سے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط ہوجائے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں مسلمانوں کے رئیسِ عام نہیں تھے، البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اربابِ حل وعقد نے ان کو اپنا رئیس منتخب کرلیا اور وہ مسلمانوں کے "اِمام" بن گئے۔ اس دور میں اہلِ سنت بھی ان کو خلیفۂ برحق اور "اِمام" مانتے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک اپنے والد گرامی قدر کے جانشین رہے، بلاشبہ اس زمانے میں وہ بھی "اِمام" تھے، اور ان کی خلافت، خلافتِ راشدہ کا تتمہ تھی۔ لیکن چھ مہینے کے بعد وہ خلافت سے دست بردار ہوگئے اور خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی، اس طرح ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

"ان ابنی ھٰذا سیّد ولعل اللہ أن یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین."

(مشکوٰۃ شریف ص:۵۶۹ بروایت صحیح بخاری)

ترجمہ:... ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرادیں گے۔''

خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد ان کی ''ریاستِ عامہ'' ختم ہوگئی، لہٰذا وہ بھی اِمام نہ رہے۔ ان کے علاوہ باقی جن اکابر کو آپ ''اِمام'' کہتے ہیں ان کو ''ریاستِ عامہ'' حاصل ہی نہیں ہوئی کہ ان کو ''اِمام'' کہنا صحیح ہو، جب آپ خود مانتے ہیں کہ ''اِمامت'' ریاستِ عامہ کو کہتے ہیں، اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان حضرات کو ریاستِ عامہ کبھی حاصل نہیں ہوئی تو خود سوچئے کہ ان کو ''اِمام'' کہنا کیا خود آپ ہی کے اُصول اور قاعدے سے غلط نہ ہوا...؟ اب آنجناب کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو اَز رُوئے انصاف یہ تسلیم کرلیجئے کہ یہ حضرات، خود شیعہ اُصول اور قاعدے کے مطابق ''اِمام'' نہیں تھے، یہ نہیں تو پھر اِمامت کی تعریف بدل دیجئے اور کوئی ایسی تعریف کیجئے جو ان ''بزرگوں'' پر صادق آئے۔ اور اعلان کردیجئے کہ آپ کے بزرگوں نے ''اِمامت'' کی جو تعریف کی ہے وہ سراسر غلط ہے، کیونکہ یہ تعریف تو ہمارے کسی ایک ''اِمام'' پر بھی صادق نہیں آتی۔ ایک طرف اِمامت کی تعریف ''ریاستِ عامہ'' کے ساتھ کرنا، اور دُوسری طرف ایسے بزرگوں کو ''اِمام'' کہنا، جن کو کبھی ریاستِ عامہ حاصل نہیں ہوئی، اس کی مثال تو بچوں کے کھیل کی سی ہوئی۔ بچے کھیل کھیلا کرتے ہیں تو اپنے میں سے کسی کا نام ''بادشاہ'' رکھ لیتے ہیں، کسی کو ''وزیر'' بنالیتے ہیں، کسی کو ''کوتوال'' نامزد کردیتے ہیں اور کسی کو ''چور'' فرض کرلیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ نہ ان کا بادشاہ، بادشاہ ہے، نہ وزیر، وزیر ـــــ محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔

اگر آپ حضرات بھی ایسے بزرگوں کا نام ''اِمام'' رکھ لیتے ہیں جن کو عالمِ وجود میں ''ریاستِ عامہ'' تو کیا حاصل ہوتی، کبھی ایک چھوٹے سے گاؤں پر بھی ان کی حکومت نہیں رہی تو یہ واقعتاً ''اِمامت'' نہ ہوئی، بلکہ بچوں کا کھیل ہوا:

''اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ''

ترجمہ:... ’’نہیں ہیں یہ مگر نام، جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اُتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔‘‘

اور جب خود آپ حضرات ہی کے اُصول اور قاعدے سے ان اکابر کا ’’اِمام‘‘ ہونا غلط ہوا تو یہ کہنا بھی حرفِ غلط ٹھہرا کہ ان اِماموں کا منصب اِقامتِ دِین اور حفظِ ملت تھا ـــــ ہاں! یہ بھی ’’بچوں کا ایک کھیل‘‘ ہو تو اس میں گفتگو نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیعہ مُسلَّمات کی رُو سے ان کا مزعومہ عقیدۂ اِمامت، اِقامتِ دِین اور حفظِ ملت کا سبب کبھی نہیں بنا۔ یا تو یہ تحریفِ دِین اور تخریبِ ملت کا ذریعہ بنا، یا پھر محض بچوں کا کھیل...!

نویں بحث: خلافتِ راشدہ واقعی اِقامتِ دِین کا ذریعہ ثابت ہوئی:

اگر آنجناب کا یہ اُصول صحیح ہے کہ: ''اِمامت، حفظِ دِین کا ذریعہ ہے'' اور یہ کہ: ''اِمام کا منصب اِقامتِ دِین وحفظِ ملت ہے'' تو میں بصد اَدب عرض کروں گا کہ اِقامتِ دِین وحفظِ دِین کا عظیم الشان کام اہلِ تشیع کے نظریۂ اِمامت سے نہیں بلکہ اہلِ سنت کے ''نظریۂ خلافت'' سے ہوا، اور اہلِ سنت کے ''خلفائے راشدین'' نے اِقامتِ دِین وحفظِ ملت کا وہ شاندار کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان کا یہ کارنامہ جریدۂ عالم پر ایسا ثبت ہے کہ مؤمن تو مؤمن، کسی کافر کو بھی اس سے مجالِ انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو عقل و انصاف کی نعمتِ خداداد سے بہرہ ور فرمایا ہے، اس لئے میں یہ گزارش کرنے میں حق بجانب ہوں کہ اس ناکارہ کی معروضات کو عقل وانصاف کی میزان میں تول کر دیکھئے، دِل کو لگیں تو دادِ اِنصاف دیجئے، ورنہ ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ'' تو فرمودۂ خداوندی ہے۔

مقصود سے پہلے چند تمہیدی نکات پیش کرنا ضروری ہے:

۱:... ''اِمامت'' کے معنی:

لغت میں ''اِمامت'' کے معنی مقتدائیت وپیشوائی کے ہیں، اور جس کی اِقتدا کی جائے اس کو ''اِمام'' کہتے ہیں۔ اِمام راغب اصفہانی ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''الامام المؤتم به انسانًا، كان يقتدى بقوله وفعله، أو كتابًا أو غير ذٰلك، محقا كان أو مبطلا وجمعه أئمة.'' (المفرادت فی غریب القرآن ص:۲۴)

ترجمہ:... ''اِمام -جس کی جمع اَئمہ آتی ہے- وہ ہے جس کی

اِقتدا کی جائے، خواہ اِنسان ہو کہ اس کے قول وفعل کی اِقتدا کی جائے
یا کتاب ہو، یا اس کے سوا، خواہ وہ حق پرست ہو یا باطل پرست۔''
عموماً اس کا اِطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

اوّل:... ''اِمام'' بہ معنی ''خلیفۂ برحق'':

کسی قوم کے ''سربراہ'' اور ''رئیسِ عام'' کو بھی ''اِمام'' اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کے اَحکام کی تعمیل کی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ''اِمام'' کا لفظ ہر جگہ اس کے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، ''اِمام'' بہ معنی ''رئیسِ قوم'' قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ اس کے بجائے ''خلیفہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ''اِمامِ عادل'' اور ''اَئمہ جور'' کے الفاظ حدیث میں بکثرت وارِد ہیں۔ الغرض ''اِمام'' کے ایک معنی ''خلیفۂ برحق'' کے ہیں اور یہاں یہی معنی زیرِ بحث ہیں۔

دوم:... ''اِمام'' بہ معنی ''دِینی مقتدا و پیشوا'':

جو شخص ریاست و اِقتدار تو نہیں رکھتا لیکن دِینی علوم کی کسی شاخ میں مہارت و بصیرت رکھتا ہو، لوگ اس کے علم وفہم اور ماہرانہ بصیرت پر اِعتماد کرتے ہوں اور وہ اپنے فن میں لوگوں کا مرجع اور مقتدا ہو، اس کو اس فن کا ''اِمام'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہ میں اِمام ابوحنیفہؒ و اِمام شافعیؒ، حدیث میں اِمام بخاریؒ و اِمام مسلمؒ، عقائد میں اِمام ابوالحسن اشعریؒ اور اِمام ابومنصور ماتریدیؒ، علمِ کلام میں اِمام رازیؒ و اِمام غزالیؒ، قراءت میں اِمام نافعؒ اور اِمام عاصمؒ، یہاں تک کہ نحو وعربیت میں خلیل اور سیبویہ کو اِمام مانا جاتا ہے۔ آیت شریفہ: ''وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا'' (الفرقان:۷۴) (اور بنا ہم کو متقیوں کا اِمام) میں اِمام کے یہی معنی مراد ہیں۔

حضراتِ شیعہ جن اکابر کو اِمام کہتے ہیں اسی دُوسرے معنی کے لحاظ سے وہ درحقیقت اہلِ سنت کے اِمام ہیں۔ خصوصاً شغلِ باطن، اِصلاح وتزکیہ اور تصوّف وسلوک میں ان کی اِمامت مُسلَّمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ تصوّف وسلوک کے بیشتر سلسلے حضرت علی کرّم

اللہ وجہہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ الغرض یہ اکابر دراصل اہلِ سنت کے اِمام ومقتدا اور دِینی پیشوا ہیں۔ اہلِ تشیع ان کی اِصطلاحی اِمامت کا غلط دعویٰ کرتے ہیں، جس سے ان اکابر کا دامن یکسر بَری ہے۔

سوم:... ''اِمام'' بہ معنی ''صاحبِ اِقتدار'':

جن حکمرانوں کو ریاست و اِقتدار حاصل ہو اور زمین میں ان کے اَحکام نافذ ہوں، لیکن دِینی پیشوائی کا ایسا مقام ان کو حاصل نہ ہو کہ وہ خلفائے راشدینؓ کی طرح مرجعِ ہرخاص وعام ہوں، مجازاً ان کو بھی خلیفہ یا اِمام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اُمورِ دِین مثلاً جہاد، تقسیمِ غنائم، اِقامتِ جمعہ واَعیاد وغیرہ میں وہ فی الجملہ پیشوائی رکھتے ہیں۔ ''اِمام'' کے یہ دُوسرے اور تیسرے معنی ہمارے موضوع سے غیرمتعلق ہیں۔

''اِمامت'' کے ان تین معنوں کو اَلگ اَلگ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے درمیان اِمتیاز نہ کرنے سے بسا اوقات خلطِ مبحث ہوجاتا ہے۔

۲:... ''اِمام'' بہ معنی ''خلیفہ'' کا تقرّر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے:

چونکہ دِین وملت کے بہت سے اَحکام اِجتماعی ہیں اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اِجتماعیت کسی اِمام اور رئیسِ عام کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے لئے کسی اَمیر اور رئیسِ عام کو منتخب کریں۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کا نعرۂ تحکیم ''لا حکم الّا للہ'' سنا تو فرمایا:

''قال علیہ السلام: کلمۃ حق یراد بہا باطل، نعم انہ لا حکم الا للہ، ولٰکن ہؤلاء یقولون: لا امرۃ الا للہ، وانہ لا بد للناس من أمیر بر أو فاجر یعمل فی امرتہ المؤمن، ویستمتع فیہا الکافر، ویبلغ اللہ فیہا الأجل، ویجمع بہ الفیء، ویقاتل بہ العدو، وتأمن بہ السبل، ویؤخذ بہ للضعیف من القوی، حتی یستریح بر،

ویستراح من فاجر." (نہج البلاغہ ص:۸۲، خطبہ:۴۰)

ترجمہ:... "کلمۂ حق ہے مگر مراد باطل ہے، یہ تو صحیح ہے کہ حکم صرف اللہ کا ہے، لیکن یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اِمارت (حکمرانی) تو صرف اللہ کی ہے حالانکہ لوگوں کے لئے کسی اَمیر کا ہونا ضروری ہے، خواہ نیک ہو یا بد، اچھا ہو یا بُرا، تاکہ اس کے زیرِ حکومت مؤمن اپنے دِین پر عمل پیرا ہو، اور کافر تمتع حاصل کرے، اور اللہ تعالیٰ اس میں لوگوں کی دُنیوی میعاد پوری فرمائیں، اس کی سرکردگی میں اموالِ فئے جمع ہوں، دُشمنوں سے جہاد کیا جائے، راستے محفوظ ہوجائیں، قوی سے ضعیف کا حق دِلایا جائے (ہر طرف ایسا امن و امان قائم ہوجائے کہ) شریف آدمی سکھ چین کی زندگی گزارے اور فسادیوں کے شر کا کسی کو خوف نہ رہے۔"

اس خطبے میں حضرتؓ کے الفاظ: "لا بدّ للناس من أمیر بر أو فاجر" سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اَمیر کا اِنتخاب مسلمانوں کی صوابدید پر ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ "بر أو فاجر" کے الفاظ لغو اور بےمعنی ہوں گے۔ جس طرح شریعت نے "اِمامِ نماز" کے اوصاف بیان کردیئے ہیں، اگر مسلمان ان شرائط کے حامل کو "اِمام" بنائیں گے تو ماجور ہوں گے، اور اگر ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ بہرحال یہ ذمہ داری انہی پر ہے کہ وہ حاملِ شرائط کو اِمام بناتے ہیں یا نہیں؟ نماز کی اِمامت "اِمامتِ صغریٰ" اور خلافت "اِمامتِ کبریٰ" کہلاتی ہے۔ اس لئے جو حکم اِمامتِ صغریٰ کا ہے وہی اِمامتِ کبریٰ یعنی خلافت کا سمجھنا چاہئے۔

۳:... خلیفہ کا اِنتخاب اہلِ حل و عقد کی بیعت سے ہوتا ہے:

اُوپر معلوم ہوچکا کہ اِمامت و خلافت کے معنی ریاستِ عامہ کے ہیں، کسی قوم کا رئیس و سربراہ وہی ہوسکتا ہے جس کو اَربابِ حل و عقد اپنا رئیس و اِمام اور خلیفہ تسلیم کرلیں۔ لہٰذا

خلافت کا اِنعقاد اہلِ حل وعقد کی بیعت پر موقوف ہے۔ کسی شخص کو اِمام اور خلیفہ بنانے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ اَربابِ حل وعقد اس کو اپنا اِمام تسلیم کرلیں اور اس کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوجائے۔ البتہ اہلِ حل وعقد کی بیعت کے بعد پھر کسی کو رَدّ وقبول کا اِختیار باقی نہیں رہتا، چنانچہ ''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبے میں فرمایا:

''ایها الناس! انّ أحقّ النّاس بهٰذا الأمر أقواهم عليهم، وأعلمهم بأمر الله فيه، فان شغب شاغب استعتب، فان أبٰى قوتل، ولعمری لئن كانت الامامة لا تنعقد حتّى يحضرها عامة الناس، فما الٰى ذٰلك سبيل، ولٰكن أهلها يحكمون علٰى من غاب عنها، ثم ليس للشاهد أن يرجع، ولا للغائب أن يختار.''

(نہج البلاغہ ص:۲۴۷، ۲۴۸)

ترجمہ:... ''اے لوگو! اس اَمرِ خلافت کا سب سے زیادہ حق دار وہی شخص ہے جو اس معاملے میں سب سے مضبوط ہو، اور اللہ کے اَحکام کو زیادہ جانتا ہو، ایسے خلیفہ کے تقرّر کے بعد اگر کوئی شور و شغب کرے تو اس کو فہمائش کی جائے، اور اگر اس کے باوجود اِنکار کرے تو اس سے قتال کیا جائے۔ مجھے قسم ہے! اگر اِمامت اسی طرح منعقد ہوا کرتی کہ ہر ہر فرد حاضر ہو تو یہ ناممکن الوقوع ہے! بلکہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اہلِ حل وعقد جس کو بھی رئیس مقرّر کرلیں وہ اِمام قرار پائے گا، پھر نہ تو وہ شخص جو موجود تھا، وہ اس سے سرتابی کرسکتا ہے، اور نہ اس شخص کو جو اِنتخابِ خلیفہ کے وقت موجود نہیں تھا، اس کے رَدّ وقبول کا اِختیار حاصل رہتا ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام اپنے گرامی نامے میں تحریر فرمایا:

''انّه بايعنى القوم الذين بايعوا أبابكر وعمر

وعثمان علٰی ما بایعوهم علیه، فلم یکن للشاهد أن یختار، ولا للغائب ان یرد، وانما الشوری للمهاجرین والأنصار، فان اجتمعوا علٰی رجل وسموه امامًا کان ذٰلک لله رضًی، فان خرج عن أمرهم خارج بطعن أو بدعة ردوه الٰی ما خرج منه فان أبٰی قاتلوه علٰی اتباعه غیر سبیل المؤمنین، وولّاه الله ما تولّی."

(نہج البلاغہ ص:۳۶۶، ۳۶۷)

ترجمہ:... ''مجھ سے ان حضرات نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکر وعمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) سے بیعت کی تھی، لہٰذا اب نہ شاہد کو (قبول وعدمِ قبول کا) اِختیار رہا اور نہ غائب اس کو مسترد کرسکتا ہے۔ انتخابِ خلیفہ کے لئے مشورے کا حق صرف مہاجرین وانصار ہی کو حاصل ہے، جس شخص پر یہ حضرات متفق ہوجائیں اور اسے ''اِمام'' مقرّر کرلیں، وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ''اِمام'' ہوگا۔ پھر اگر کوئی شخص ''طعن'' یا ''بدعت'' کی بنا پر ان کے فیصلے سے اِنحراف کرتا ہے تو یہ حضرات اس کو اس چیز کی طرف واپس لائیں گے جس سے وہ اِنحراف کررہا ہے، اور اگر وہ اس کے باوجود آمادۂ اطاعت نہیں ہوگا تو یہ حضرات اس سے قتال کریں گے، کیونکہ وہ ''المؤمنین'' کا راستہ چھوڑ کر دُوسرے راستے پر ہولیا ہے، اور جس طرف اس نے منہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف دھکیل دیں گے۔''

اس نامۂ کرامت شامہ کا بغور مطالعہ کیجئے، اس میں مہاجرین وانصار کو اَربابِ حل و عقد قرار دیا گیا ہے، ان کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب فرمایا ہے، اور اس سے اِنحراف کرنے والوں کو ''متبع غیر سبیل المؤمنین'' فرمایا ہے۔

۴:... اِمامِ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ نہیں:

اہلِ سنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِمامِ اوّل اور خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم، علی الترتیب اِمامِ برحق اور خلیفۂ راشد تھے، کیونکہ اہلِ حل وعقد مہاجرین وانصار نے علی الترتیب انہی چاروں کو اپنا خلیفہ واِمام منتخب کیا تھا۔ خلافت بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منصب تھا، اس لئے ان کو "امیر المؤمنین" نہیں بلکہ "خلیفۂ رسول اللہ" کہا جاتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کے ساتھ ان کو خلیفۂ بلافصل تسلیم کیا اور ان کی موجودگی میں اپنی خلافت کو "قبل از وقت" قرار دیا ہے۔ چنانچہ "نہج البلاغہ" میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعتِ خلافت کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا:

"ایها الناس! شقوا أمواج الفتن بسفن النجاة، وعرّجوا عن طریق المنافرة، وضعوا تیجان المفاخرة، أفلح من نهض بجناح، أو استسلم فأراح، هٰذا ماء آجن، ولقمة یغص بها آکلها، ومجتنی الثمرة لغیر وقت ایناعها کالزّارع بغیر أرضه." (نہج البلاغہ ص:۵۲)

ترجمہ:... "اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہوجاؤ، منافرت کے راستے چھوڑ دو، مفاخرت کے تاج کو اُتار پھینکو، کامیاب رہا وہ شخص جو قوتِ بازو سے اُٹھا، یا جھگڑے سے کنارہ کش رہ کر اس نے لوگوں کو بدامنی سے راحت دی، یہ بارِ خلافت کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ بدمزہ پانی ہے، اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں اٹک کر رہ جائے۔ پکنے سے پہلے پھل

توڑنے والا ایسا ہے کہ دُوسرے کی زمین میں کاشت کرے۔“

آخری جملہ بتاتا ہے کہ آپ خلیفۂ بلافصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے اور اس وقت اپنی خلافت کو قبل از وقت سمجھتے تھے۔

خلفائے راشدینؓ مسلمانوں کے منتخب اِمام اور اللہ تعالیٰ کے موعود خلفاء تھے:

ان تمہیدی مقدمات کے بعد گزارش ہے کہ یہ چاروں حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں جو اَفضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ”خیرِ اُمت“ کے منتخب اِمام اور اللہ تعالیٰ کے موعود خلیفہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت سے پہلے ان کے استخلاف فی الارض کی پیش گوئی فرمائی اور اس پیش گوئی میں ان کی اِقامتِ دِین اور حفظِ ملت کے اوصاف کو بطورِ خاص ذکر فرمایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ان پیش گوئیوں کے ظہور کا وقت آیا تو حضراتِ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو توفیقِ خاص عطا فرمائی کہ ان خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم کو اپنا اِمام اور خلیفہ بنائیں تاکہ ان کے ذریعے موعود پیش گوئیاں پوری ہوں اور اِقامتِ دِین و حفظِ ملت کا عظیم الشان کارنامہ پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو۔

قرآنِ کریم میں اس قسم کی آیات بہت ہیں مگر خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم کے بابرکت عدد کی مناسبت سے یہاں قرآنِ کریم کی چار پیش گوئیوں کے ذکر کرنے پر اِکتفا کرتا ہوں:

پہلی پیش گوئی: مظلوم مہاجرین کو تمکین فی الارض نصیب ہوگی اور وہ اِقامتِ دِین کا فریضہ انجام دیں گے:

سورۃ الحج کی آیتِ تمکین میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

”اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ.“ (الحج:۴۱)

ترجمہ:... ”وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو

وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں
بُرائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔"

اس آیت کی مختصر تشریح یہ ہے کہ اس سے اُوپر کی آیات میں فرمایا تھا کہ جن مظلوم مہاجروں کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کردیا گیا ان کو اِذنِ جہاد دِیا جارہا ہے، چونکہ وہ دِینِ خداوندی کے ناصر و مددگار ہیں اس لئے لامحالہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و مدد فرمائیں گے۔ اس آیت میں بطورِ پیش گوئی ان مظلوم مہاجرین کی شان بیان فرمائی گئی ہے کہ: "اگر ہم ان کو زمین میں اِقتدار عطا فرمائیں (جو اِذنِ جہاد کی علتِ غائیہ، قدرتِ خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ اور نصرتِ اِلٰہی کا ایک ثمرہ و نتیجہ ہے) تو یہ حضرات زمین میں ارکانِ اسلام کو قائم کریں گے، نیکیوں کے پھیلانے اور بدیوں کے مٹانے کا اہتمامِ بلیغ فرمائیں گے۔" اور آخر میں فرمایا: "وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ" "اللہ ہی کے اِختیار میں ہے انجام سارے کاموں کا۔" مطلب یہ کہ مہاجرین کی یہ مٹھی بھر جماعت جو بے بسی و بے چارگی کے عالم میں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی، اور جن کے گرد و پیش خطرات کے ایسے بادل منڈلا رہے ہیں کہ گویا ان کو زمین سے اُچک لیا جائے گا، ان کے بارے میں یہ پیش گوئی بظاہر عجیب و غریب معلوم ہوگی، لیکن دیکھتے رہو ایک وقت آئے گا کہ اسی جماعت کو تمکین فی الارض کی دولت سے سرفراز کیا جائے گا، ایسی کمزور جماعت کو تمکین فی الارض عطا کردینا حق تعالیٰ کے لطف و کرم، اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔

یہ آیت شریفہ دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے، ایک یہ کہ مہاجرین کو زمین میں اِقتدار (تمکین فی الارض) عطا کیا جائے گا، دوم یہ کہ ان کے دورِ اِقتدار میں ان سے جو چیز ظہور پذیر ہوگی وہ ہے اِقامتِ دِین، اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

اس وعدۂ اِلٰہی کے مطابق مہاجرینِ اوّلین میں اُن چار اکابر کو، جنھیں "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے، اِقتدار عطا کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات اس آیت شریفہ کے وعدے کا مصداق تھے، اور انہی کے حق میں مندرجہ بالا پیش گوئیاں پوری ہوئیں اور ان حضرات نے اِقامتِ دِین کا فریضہ انجام دیا۔

دُوسری پیش گوئی: اہلِ ایمان سے اِستخلاف کا وعدہ:

سورۂ نور کی آیتِ اِستخلاف میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

”وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا، یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا، وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ.“ (النور:۵۵)

ترجمہ:... ”وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کردے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان کے اگلوں کو، اور جمادے گا ان کے لئے دِین ان کا جو پسند کردیا ان کے واسطے، اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔“

جو حضرات نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور جن سے لفظ ”مِنْکُمْ“ کے ساتھ خطاب کیا جارہا ہے، ان سے اس آیتِ شریفہ میں چار وعدے فرمائے گئے ہیں:

پہلا وعدہ:... یہ کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت میں سے کچھ لوگوں کو خلیفہ بنائیں گے، جن کی بدولت اہلِ ایمان کی پوری جماعت کو اِستخلاف فی الارض نصیب ہوگا۔ کما قال تعالیٰ: ”وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا“ ان خلفاء کی خلافت، خلافتِ موعودہ اور عطیۂ اِلٰہی ہوگی اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نامزد کردہ موعود خلفاء ہوں گے۔ چونکہ وعدۂ اِلٰہیہ کے خلاف ممکن نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو بہرحال بروئے کار لائیں گے اور اس کے تکوینی انتظامات فرمائیں گے۔

دُوسرا وعدہ:... یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دورِ خلافت میں اپنے پسندیدہ دِین کو ایسا متمکن اور جاگزیں کردیں گے کہ وہ رہتی دُنیا تک قائم و مستحکم رہے گا، آئندہ کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ اس کی بیخ و بن کو ہلا سکے۔ ان ربانی خلفاء کے ہاتھوں جو کچھ ظہور پذیر ہوگا وہ وعدۂ اِلٰہیہ کا مظہر اور حق تعالیٰ شانہٗ کا پسندیدہ دِین ہوگا، توفیقِ الٰہی ان کی دست گیری فرمائے گی اور قدرتِ خداوندی اظہارِ دِین کے لئے ان خلفاء کو اپنا آلۂ کار بنائے گی۔

تیسرا وعدہ:... یہ کہ ان کے خوف کو اَمن سے بدل دیں گے۔ یعنی آج جو خطرے کے بادل ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، جب اس وعدۂ اِلٰہیہ کے ظہور کا وقت آئے گا تو یہ سارا خوف و ہراس جاتا رہے گا، دُنیا کی جبروتی و طاغوتی طاقتیں ان سے لرزہ براندام ہوں گی، مگر ان کو کسی قوم سے خوف و خطر نہیں ہوگا۔

چوتھا وعدہ:... یہ کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے ہوں گے، ان کے شب و روز عبادتِ اِلٰہی میں گزریں گے، کفر و شرک اور فتنہ و فساد کی جڑ اُکھاڑ پھینکیں گے، ان چاروں وعدوں کو ذِکر کرنے کے بعد فرمایا:

"وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ"

یعنی ان حضرات کا اِستخلاف حق تعالیٰ شانہٗ کا عظیم الشان اِنعام ہے، جو لوگ اس جلیل القدر نعمت کی ناقدری و ناشکری کریں گے وہ قطعاً فاسق اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان ٹھہریں گے۔

نزولِ آیت کے وقت تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ قرعۂ فال کس کس کے نام نکلتا ہے؟ خلافتِ اِلٰہیہ موعودہ کا تاج کن کن خوش بختوں کے سر پر سجایا جاتا ہے؟ کون کون خلیفۂ ربانی ہوں گے؟ اور ان کی خلافت کی کیا ترتیب ہوگی؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب یہ وعدۂ اِلٰہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تب معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہ عظیم الشان وعدے انہی چار اَکابر سے متعلق تھے جن کو "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہم۔

گزشتہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم حق تعالیٰ شانہٗ کے "موعود اِمام" تھے، حکمتِ خداوندی نے ان حضرات کو خلافتِ نبوّت کے لئے

پہلے سے نامزد کررکھا تھا، تنزیلِ محکم میں ان کی خلافت کا اعلان فرمارکھا تھا، یہ بھی معلوم ہوا کہ ان خلفائے ربانی اور ائمۂ ہدیٰ کے ذریعے دِین وملت کی حفاظت ہوئی اور وہ تمام اُمور جو اِمامتِ حقہ اور خلافتِ نبویہ سے وابستہ ہیں، ان اکابرؒ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفا'' میں بالکل صحیح لکھا ہے:

''اَیامِ خلافت بقیہ ایامِ نبوّت بودہ است، گویا در اَیامِ نبوّت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان می فرمود ودر اَیامِ خلافت ساکت نشستہ بدست وسر اشارہ می فرماید۔''

(ازالۃ الخفا ج:۱ ص:۲۵)

ترجمہ:... ''خلافتِ راشدہ کا زمانہ، دورِ نبوّت کا بقیہ تھا، بس یوں کہئے کہ دورِ نبوّت میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً زبان سے حکم فرمارہے تھے اور زمانۂ خلافت میں گویا خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر سے اشارہ فرمارہے تھے۔''

ان دونوں آیاتِ شریفہ کے مطابق اِقامتِ دِین اور حفظِ ملت تو خلفائے راشدینؓ کی مشترک میراث تھی، قرآن و حدیث میں ان اکابر کے الگ الگ دور کی خصوصیات اور ان کے منفرد کارناموں کی بھی تصریحات وتلمیحات فرمائی گئی ہیں۔

تیسری پیش گوئی: مرتدین سے قتال:

سورۃ المائدۃ میں ارشادِ خداوندی ہے:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔'' (المائدۃ:۵۴)

ترجمہ:... ''اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دِین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دِل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے اِلزام سے، یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے، اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔''

اس آیت شریفہ میں دِین وملت کی ابدی بقاوحفاظت کے متعلق ایک عظیم الشان پیش گوئی کی گئی ہے کہ اسلام میں جب کبھی فتنۂ اِرتداد سر اُٹھائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے مقابلے میں ایسی قوم کو لے آئے گا جن کو اللہ تعالیٰ سے عشق ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے، مسلمانوں پر شفیق ومہربان اور دُشمنانِ اسلام کے مقابلے میں غالب اور زبردست ہوں گے، اور وہ دِینِ حق کی سربلندی کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہیں کریں گے۔

وصالِ نبوی کے بعد سب سے پہلا اور اِسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا فتنۂ اِرتداد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رُونما ہوا، اور پورے عرب میں اِرتداد جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ ان میں سے بعض جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے پیرو ہوئے، مثلاً اسود عنسی ذوالخمار کی قوم بنو مدلج، مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ، طلیحہ اسدی کی قوم بنواَسد، سجاح بنت منذر کی قوم بنوتمیم کے کچھ لوگ ___ بعض قبائل اپنے قدیم دِینِ جاہلیت کی طرف لوٹ گئے اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ ان مرتدین کی تفصیل حدیث وسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جراءتِ ایمانی، حسنِ تدبر اور آپؓ کے رُفقاء کی سرفروشانہ خدمات نے اِرتداد کی اس آگ کو بجھایا، جس نے پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ازسرِنو شیرازہ بندی کی اور پورے عرب کو نئے سرے سے متحد کرکے ایمان و اِخلاص اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر ڈال دیا، اور ان کے ہاتھ میں علمِ جہاد دے کر ان

کو قیصر و کسریٰ سے بھڑایا۔ لہٰذا اس قرآنی پیش گوئی کا اوّلین مصداق حضرت صدیق اکبر اور ان کے رُفقاء ہیں، رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

یہاں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دِلانا ضروری ہے، وہ یہ کہ غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:... ''میں کل یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دُوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔''

اس ارشاد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخصیت کا نامِ نامی مبہم رکھا تھا، اس لئے ہر شخص کو تمنا تھی کہ یہ سعادت اس کے حصے میں آئے۔ اگلے دن جب جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تو اس پیش گوئی کے مصداق میں کوئی اِلتباس نہیں رہا، اور سب کو معلوم ہوگیا کہ اس بشارت کا مصداق حضرت علی کرّم اللہ وجہہ تھے۔

ٹھیک اسی نہج پر سمجھنا چاہے کہ اس آیت شریفہ میں جس قوم کو مرتدین کے مقابلے میں لائے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے، نزولِ آیت کے وقت ان کے اسمائے گرامی کی تعیین نہیں فرمائی گئی تھی، اس لئے خیال ہوسکتا تھا کہ خدا جانے کون حضرات اس کا مصداق ہیں؟ لیکن جب وصالِ نبوی کے بعد فتنۂ اِرتداد نے سر اُٹھایا اور اس کی سرکوبی کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے رُفقاء کو کھڑا کیا گیا، تب حقیقت آشکارا ہوگئی اور کوئی اِلتباس و اشتباہ باقی نہ رہا کہ اس پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات تھے اور انہی کے درج ذیل سات اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں:

۱:... ''یُحِبُّھُمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ حضرات محبوبِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔

۲:... ''وَیُحِبُّوْنَہٗ'' یعنی یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے سچے عاشق ہیں۔

۳:... ''اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ'' یعنی مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں اور ان کے

سامنے متواضع ہیں۔

۴:... "اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" یعنی دُشمنانِ دِین کے مقابلے میں غالب اور زبردست ہیں۔

۵:... "يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ" یعنی یہ حضرات مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ محض رضائے اِلٰہی کے لئے جہاد کرتے ہیں۔

۶:... "وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ" یعنی یہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔

۷:... "ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" یعنی ان حضرات کو ان صفاتِ کمالیہ کے ساتھ موصوف کردینا اور ان عظیم الشان خدماتِ اسلامیہ کا ان کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہونا محض فضلِ خداوندی اور لطفِ اِلٰہی کا کرشمہ ہے، لہٰذا یہ حضرات فضلِ خداوندی کا مورد ہیں، جو ان حضرات کی اعلیٰ ترین سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ولطف کے لئے جس کو چاہتے ہیں منتخب کرلیتے ہیں، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا لطف وکرم اور فضلِ خاص تھا کہ ان کمالات وخدمات کے لئے خلیفہ اوّل اور ان کے رُفقاء کو چن لیا، رضی اللہ عنہم۔

۸:... اور آخر میں فرمایا: "وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" یہ گویا اُوپر کے بیان کی تعلیل و تذلیل ہے۔ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی وسعت ورحمت وفضل کا کیا ٹھکانا ہے؟ اور کسی کو ان الطافِ کریمانہ اور مراحمِ خسروانہ کا مورد ومصداق بنادینا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے؟ پھر وہ علیم وحکیم یہ بھی جانتا ہے کہ کس شخص میں کیسی صلاحیت و اِستعداد ہے، درجاتِ ایمان میں کون کس مرتبے پر فائز ہے اور کون ان عنایاتِ بے پایاں اور اِفضالِ الٰہیہ کا اہل اور مستحق ہے؟

دادِ اِنصاف دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اِمامِ اوّلؓ اور ان کے رُفقاء ومعاونین کی کیسی مدح وستائش فرمائی اور ان کے اوصاف وکمالات کو کیسے معجزانہ انداز میں بیان فرمایا۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی اُمتی کے اوصاف وکمالات کا بیان کرنا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں...!

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے الفاظ میں:

"دریں آیت مدح کسانیکہ قتال مرتدین کردند باوصاف

کمالے کہ بالائے آن اوصاف در اِصطلاحِ قرآن چیزے نیست مذکور فرمودند۔'' (تحفہ اثناعشریہ ص:۱۸۶)

ترجمہ:... ''اس آیت میں مرتدین سے قتال و جہاد کرنے والے حضرات کی ایسے اوصافِ کمال کے ساتھ مدح فرمائی گئی کہ اِصطلاحِ قرآن میں ان کمالات سے بڑھ کر اور کوئی کمال نہیں۔''

چوتھی پیش گوئی: خلفائے ثلاثہؓ کے حق میں

حق تعالیٰ شانہٗ سورۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

''قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا.'' (الفتح:۱۶)

ترجمہ:... ''کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہ آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر، بڑے سخت لڑنے والے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے، پھر اگر حکم مانو گے تو دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا، اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار تو دے گا تم کو ایک عذاب دردناک۔''

یہ آیت شریفہ ''آیتِ دعوتِ اَعراب'' کہلاتی ہے، اس میں رُوئے سخن ان اَعراب، یعنی عرب کے بادیہ نشین قبائل ـــــ اسلم، جہینہ، مزینہ، غفار اور اَشجع ـــــ کی طرف ہے جنھوں نے سفرِ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پہلوتہی کی تھی، انہیں فرمایا جارہا ہے کہ آئندہ زمانے میں تمہیں ایک سخت جنگجو قوم کے مقابلے میں نکلنے کی دعوت دی جائے گی، تمہیں ان لوگوں سے مسلسل جنگ کرنا ہوگی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں یا جزیہ دے کر اسلام کے زیرِ نگیں آجائیں اور اطاعت قبول کرلیں،

اس دعوت پر لبیک کہو گے تو اَجر پاؤ گے اور اگر پہلے کی طرح پہلوتہی کرو گے تو دردناک سزا ملے گی۔

اس آیتِ شریفہ کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے جہاد کے لئے اَعراب کو کبھی دعوت نہیں دی گئی جس میں جنگ وقتال کی نوبت آئی ہو، لامحالہ دعوتِ اَعراب کی یہ پیش گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانے سے متعلق ہوگی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اَعراب کو قتالِ مرتدین کے لئے نکلنے کی دعوت دی گئی اور خلفائے ثلاثہؓ کے زمانے میں انہیں فارس و رُوم کے مقابلے کی دعوت دی گئی، جس سے چند اُمور ثابت ہوئے:

اوّل:... خلفائے ثلاثہؓ مجاہد فی سبیل اللہ اور داعیٔ جہاد تھے، عرب وعجم سے ان کی معرکہ آرائی محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی، اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے ان حضرات کی طرف سے دی گئی دعوت پر اپنی رضا وتحسین کی مہر ثبت فرمائی۔

دوم:... ان حضرات کے دم قدم سے اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس کو غلبہ ہوا، لقولہٖ تعالیٰ: "تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ"۔

سوم:... ان کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم دیا گیا اور اس پر اَجر کا وعدہ فرمایا گیا، ان کی دعوت سے سرتابی کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس پر عذابِ اَلیم کی دھمکی دی گئی، معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب الاطاعت خلفائے ربانی تھے۔

قرآنِ کریم نے حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اِستخلاف کو پے درپے پیش گوئی کی صورت میں بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور پیش گوئیوں میں تخلف کی گنجائش نہیں۔ یہ پیش گوئیاں اگر ایک طرف قرآنِ کریم کی حقانیت کی دلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّتِ صادقہ کا اِعجاز ہیں، تو دُوسری طرف حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعے ان پیش گوئیوں کا پورا ہونا، ان حضرات کی حقانیت کی دلیل ہے۔ آنجناب اگر بنظرِ اِنصاف ان پر غور فرمائیں گے تو اس اَمر کے تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے کہ اہلِ سنت کے اُصول پر "خلافتِ راشدہ" دِین کی حفاظت واِستحکام

کا ذریعہ ثابت ہوئی، گویا یہ حضرات، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دِین کی دعوت وتبلیغ اور اشاعت کے جارحۂ الٰہیہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

قرآنی پیش گوئیوں کی تائیداَحادیثِ نبویہ سے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات بھی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں جو قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا چار آیتِ کریمہ میں ذکر کی گئی ہیں۔ یہ احادیث فریقین کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں، یہاں اِختصار کے مدِ نظر حضراتِ شیعہ کی کتابوں سے صرف چار اَحادیث ذکر کرنے پر اِکتفا کرتا ہوں۔

پہلی حدیث:...علامہ مجلسی ''حیات القلوب'' جلد دوم میں ''دعوت ذوالعشرۃ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ''حدیثِ صحیح میں حضرت اِمام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیرؑ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کسی نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے خوف زدہ تھے اور کشائش کا انتظار کر رہے تھے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ اعلانیہ دعوتِ دِین دو اور تبلیغ کرو۔ پھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حجرِ اسماعیل کے پاس کھڑے ہوکر بآوازِ بلند ندا کی کہ: اے گروہِ قریش اور عرب کے لوگو! میں تم کو خدا کی وحدانیت کے اقرار اور اپنی پیغمبری کی شہادت کی دعوت دیتا ہوں، اور بت پرستی ترک کرنے کا حکم دیتا ہوں، میری بات مانو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو قبول کرو تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور بہشت میں بھی سلطنت حاصل ہوگی۔'' (اُردو ترجمہ حیات القلوب ص:۴۲۷)

دُوسری حدیث:...اسی کتاب میں آگے یہ روایت نقل کی ہے:

''علی بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: خدا نے مجھ کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ تمام بادشاہانِ باطل کو قتل کر دوں اور اے مسلمانو! ملک و بادشاہی تمہارے لئے قرار دوں۔'' (ایضاً ص:۴۳۰)

یہ دونوں احادیث چند اہم ترین نکات وفوائد پر مشتمل ہیں:

اوّل:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کے لئے عرب وعجم کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا تھا، اور یہ وعدہ خلفائے اربعہؓ کے ذریعے ظہور میں آیا، لہٰذا یہ حضرات اس عظیم الشان پیش گوئی کا مصداق تھے۔

دوم:... یہ وعدہ دینِ حق کے قبول کرنے والوں سے تھا، جس سے واضح ہوا کہ یہ حضرات سچے دِل سے دینِ اسلام کو قبول کرنے والے اور دینِ حق کے داعی تھے۔

سوم:... ان حضرات سے عرب وعجم کی بادشاہت کے ساتھ ''بہشت کی سلطنت'' کا بھی وعدہ فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضراتِ وعدۂ نبوی کے مطابق قطعاً جنتی ہیں۔

چہارم:... پیش گوئی میں ''تمام بادشاہانِ باطل'' کو قتل کرنے کی خوشخبری دی گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات ''بادشاہانِ باطل'' نہیں تھے، بلکہ یہ خلفائے ربانی ''بادشاہانِ باطل کے قاتل'' تھے۔

پنجم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہانِ باطل کے قتل کرنے کو اپنی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ بادشاہانِ باطل کے قتل کا ظہور حضراتِ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب تھے، اس لئے ان حضرات کے ہاتھوں جو کارنامے ظہور پذیر ہوئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

تیسری حدیث:... علامہ مجلسی نے ''بحار الانوار'' میں صدوق کی ''امالی'' اور ''خصال'' کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

''۴- ل، لی: محمد بن أحمد المعاذی

ومحمد بن ابراهيم بن أحمد الليثى عن محمد ابن عبدالله بن الفرج الشروطىّ، عن محمد بن يزيد بن المهلب، عن أبى اسامة، عن عوف، عن ميمون، عن البراء بن عازب قال: لمّا أمر رسول الله صلى الله عليه وآله بحفر الخندق عرضت له صخرة عظيمة شديدة فى عرض الخندق لا تأخذ منها المعاول، فجاء رسول الله صلى الله عليه وآله فلمّا رآها وضع ثوبه وأخذ المعول وقال: "بسم الله" وضرب ضربة فكسر ثلثها، وقال: "الله أكبر أعطيت مفاتيح الشام، والله انّى لأبصر قصورها الحمراء الساعة" ثمّ ضرب الثانية: فقال: "بسم الله" ففلق ثلثا آخر فقال: "الله أكبر أعطيت مفاتيح فارس والله انّى لأبصر قصر المدائن الأبيض" ثمّ ضرب الثالثة ففلق بقية الحجر وقال: "الله أكبر أعطيت مفاتيح اليمن، والله انّى لأبصر أبواب الصنعاء مكانى هذا." (بحارالانوار ج:۲۰ ص:۲۴۱)

نیز علامہ مجلسی کی کتاب "حیاتُ القلوب" جلد دوم میں اس حدیث کا حاصل مضمون یوں ذکر کیا گیا ہے:

"بیالیسواں معجزہ: خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے کہ جنگِ اَحزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے درمیان خندق کھودنا تقسیم فرمایا کہ ہر چالیس ہاتھ دس آدمی کھودیں۔ سلمانؓ اور حذیفہؓ کے حصے میں جو زمین آئی، اس کے نیچے پتھر نکلا، جس پر پھاوڑا اثر نہیں کرتا تھا، سلمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ اَحزاب سے باہر آئے اور

پھاوڑا لے کر تین بار پتھر پر مارا، ہر مرتبہ ایک تیسرا حصہ پتھر سے جدا ہوتا اور برق سی چمکتی، جس سے تمام دُنیا روشن ہوجاتی، اور حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اکبر فرماتے، صحابہؓ بھی اللہ اکبر کہتے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: پہلی روشنی میں یمن کے قصر نظر آئے اور خدا نے ان سب کو مجھے عطا فرمایا۔ دُوسری مرتبہ شام کے قصر دِکھائی دیئے اور خدا نے ان سب کو مجھے کرامت فرمایا۔ اور تیسری بار مدائن کے قصر میں نے دیکھے اور خدا نے بادشاہانِ عجم کے ملک مجھے بخشے۔ اس کے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: "لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" (سورۂ توبہ، آیت:۳۳) خدا اس کے دِین کو تمام دِینوں پر غالب کردے گا اگرچہ مشرکین کراہت کریں۔" (ترجمہ حیات القلوب ص:۳۴۹)

چٹان کی یہ حدیث علامہ کلینی نے بھی "کافی کتاب الروضہ" میں روایت کی ہے، اس کے فاضل محشی جناب علی اکبر الغفاری لکھتے ہیں:

"حدیث الصخرۃ من المتواترات قد رواہ الخاصۃ والعامۃ باسانید کثیرۃ."

ترجمہ:... "خندق میں چٹان نکلنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو اپنے دستِ مبارک سے توڑنے کی حدیث متواتر اَحادیث میں سے ہے، اس کو فریقین نے بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے۔"

چوتھی حدیث:... علامہ مجلسی نے "حیاتُ القلوب" جلد دوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"پچاسواں معجزہ:... ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن مالک

کے ہاتھوں کو دیکھا جو پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ اپنے ہاتھوں میں بادشاہِ عجم کے ہاتھوں کے کڑے پہنوگے۔ چنانچہ عمر کے زمانے میں مدائن فتح ہوا، عمر نے اس کو بلاکر بادشاہِ عجم کے کڑے پہنائے۔ پھر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: جب مدائن کو فتح کرنا تو قبطیوں کو قتل مت کرنا کیونکہ ماریہ ابراہیم کی ماں اسی قبیلے سے ہے۔ پھر فرمایا کہ: رُوم کو فتح کروگے، جب فتح کرنا تو اس کلیسا کو جو شرقی جانب ہے مسجد بنادینا۔'' (حیاث القلوب ج:۲ ص:۴۱۶)

ان احادیثِ نبویہ سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان سے عرب وعجم کی حکومت کا وعدہ فرمایا تھا، اور یہ وعدہ حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعے پورا ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فارس و رُوم اور شاہانِ عجم کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی تھیں، یہ کنجیاں آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدینؓ کو مرحمت ہوئیں، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے ان ممالک کو فتح فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کے کارنامے قرآنِ کریم کی پیش گوئی: ''تا کہ غالب کردے دِینِ حق کو تمام اَدیانِ باطلہ پر'' کی عملی تشکیل تھی۔ یہ حضرات دِینِ حق کے علم بردار تھے اور ان کے ذریعے دِینِ حق کو اَدیانِ باطلہ پر غالب کیا گیا۔

ان پیش گوئیوں کی تائید میں جنابِ اَمیرؓ کے اِرشادات:

حضرت شیرِ خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد موقعوں پر اپنے پیشرو خلفائے راشدینؓ کی خلافت کو خلافتِ موعودہ قرار دیا اور ان کے کارناموں کی مدح فرمائی، یہاں آپ کے چار اَقوال شریفہ نقل کرتا ہوں:

۱:... ''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے جنگِ فارس میں بنفسِ نفیس

شرکت کے بارے میں حضراتِ صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرتِ اَمیرؓ نے فرمایا:

"انّ هٰذا الأمر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا بقلة، وهو دين الله الذى أظهره، وجنده الذى أعده وأمده، حتى بلغ ما بلغ، وطلع حيث طلع، ونحن علٰى موعود من الله، والله منجز وعده وناصر جنده، ومكان القيم بالأمر مكان النظام من الخرز يجمعه ويقسمه، فان انقطع النظام تفرق الخرز وذهب، ثم لم يجتمع بحذافيره أبدًا، والعرب اليوم، وان كانوا قليلا، فهم كثيرون بالاسلام، عزيزون بالاجتماع، فكن قطبًا، واستدر الرحا بالعرب، وأصلهم دونک نار الحرب، فانک ان شخصت من هٰذه الأرض انتقضت عليک العرب من أطرافها وأقطارها، حتّى يكون ما تدع وراءک من العورات أهم اليک مما بين يديک.

ان الأعاجم ان ينظروا اليک غدًا يقولوا: هٰذا أصل العرب، فاذا اقتطعتموه استرحتم، فيكون ذٰلک أشد لكَلَبِهم عليک، وطمعهم فيک، فأما ما ذكرت من مسير القوم الى قتال المسلمين، فان الله سبحانه هو أكره لمسيرهم منک، وهو أقدر علٰى تغيير ما يكره، وأما ما ذكرت من عددهم، فانا لم تكن نقاتل فيما مضى بالكثرة، وانّما كنا نقاتل بالنصر والمعونة!"

ترجمہ:... "جہاد میں مسلمانوں کی کامیابی و ناکامی کا مدار ان کی قلّت و کثرت پر کبھی نہیں ہوا، یہ تو اللہ کا وہ دِین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود غالب (کرنے کا فیصلہ) فرمایا ہے، اور مسلمانوں کی

جماعت اللہ تعالیٰ کا وہ لشکر ہے جس کو اس نے خود تیار کیا ہے اور اس کی مدد فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ یہ دِین پہنچا جہاں تک پہنچا، اور پھیلا جہاں تک پھیلا۔ اور ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو بہر حال پورا فرمائیں گے اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیں گے۔

اور اُمورِ سلطنت کے منتظم اور حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو کسی ہار یا تسبیح کے دھاگے کی ہوا کرتی ہے، کہ وہ تمام دانوں کو ملا کر جمع رکھتا ہے، اگر وہ دھاگا ٹوٹ جائے تو دانے بکھر کر ضائع ہو جائیں گے، اور جو ایک بار بکھر گئے تو پورے دانے دوبارہ کبھی جمع نہیں ہوں گے۔ آج اہلِ عرب اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن اسلام کی بدولت کثیر ہیں، اور آپس کے اِتحاد و اِجتماع کی بدولت معزز و سربلند ہیں، اس لئے آپ (حضرت عمرؓ) چکی کے قطب (درمیان کی کھونٹی) کی حیثیت اختیار کیجئے اور عربوں کے ذریعے اس (جہاد کی) چکی کو گردش دیجئے، جنگ کی بھٹی میں خود کود جانے کے بجائے دُوسروں کو جھونکئے، کیونکہ اگر آپ بنفسِ نفیس زمین عرب سے نکل کر (میدانِ جہاد میں) چلے گئے تو عرب (آپ کی معیت کے لئے) چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑیں گے، (ملک خالی رہ جائے گا اور اندرونِ ملک کی دفاعی حیثیت خطرناک حد تک کمزور ہو جائے گی) یہاں تک کہ آگے کے حالات کی بہ نسبت، ان علاقوں کے انتظامات کی فکر، جن کو آپ غیر محفوظ چھوڑ کر جائیں گے، زیادہ اہم مسئلہ بن جائے گا (تو آپ کی تشریف بَری کا ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ عرب علاقے خطرناک حد تک غیر محفوظ ہو جائیں گے اور دُوسرا نقصان یہ ہوگا کہ) کل (جب آپ خود میدانِ جنگ میں جائیں گے

تو) اہلِ عجم آپ کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ یہی شخص عرب کی اصل (قوت کا مرکز) ہے، اگر تم (اہلِ عجم) اس جڑ کو کاٹ ڈالو تو (عرب کی قوت کا تناور درخت دھڑام سے زمین پر گر جائے گا) اس طرح تم جنگ و قتال سے آسودہ ہو جاؤ گے (اور اس کے بعد عربوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی) ان کا یہ خیال ان کی توجہ کو آپ پر شدت کے ساتھ حملہ کرنے اور آپ کو نشانہ بنانے پر مرکوز کر دے گا۔ رہی وہ بات جو آپ نے ذِکر فرمائی ہے کہ پوری قومِ عجم مسلمانوں کے مقابلے میں نکل آئی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس نکلنے کو آپ سے زیادہ ناپسند فرماتے ہیں، اور جس چیز کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کے بدلنے پر قادر بھی ہیں (تو ہم لوگ زیادہ پریشان کیوں ہوں؟) اور آپ نے جو ان کی کثرتِ تعداد کو ذِکر فرمایا ہے تو (یہ بھی فکر کی بات نہیں، کیونکہ) ہم گزشتہ زمانے میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے تھے بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی مدد و نصرت کے سہارے لڑتے تھے (چنانچہ اب بھی اِن شاء اللہ یہی ہوگا)۔''

حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کے ارشاد: ''ونحن موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ'' (اور ہم سے اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے) میں سورۃ النور کی اسی آیتِ اِستخلاف کے وعدے کی طرف اشارہ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آپ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافتِ موعودہ سمجھتے تھے اور ان کو ''اِمامِ موعود'' جانتے تھے، جس دِین کی وہ نشر و اِشاعت فرما رہے تھے اس کو ''اللہ کا دِین'' تصوّر فرماتے تھے، اور ان کی قیادت میں جو لشکر مصروفِ جہاد تھے ان کو ''اللہ کا لشکر'' یقین کرتے تھے، گویا آیتِ اِستخلاف میں اللہ تعالیٰ نے جو چار وعدے فرمائے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ان چاروں وعدوں کا مصداق سمجھتے تھے۔

اس خطبے سے یہ بھی روشن ہوا کہ حضرتِ اَمیر رضی اللہ عنہ ان خلفائے راشدینؓ اور خلفائے ربانی کے ساتھ دِل و جان سے اِخلاص رکھتے تھے، اور ان کے بہترین مشیر و وزیر تھے، چنانچہ ''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ جب حضرت عثمان ذُوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ حضرتِ اَمیرؓ سے بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ان سے فرمایا کہ: مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بناؤ، کیونکہ امیر ہونے کی بہ نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے:

''دعونی والتمسوا غیری، فانا مستقبلون أمرًا له وجوه وألوان، لا تقوم له القلوب، ولا تثبت علیه العقول، وان الآفاق قد أغامت، والمحجة قد تنکرت، واعلموا أنّی ان أجبتکم وکبت بکم ما أعلم، ولم أصغ الٰی قول القائل وعتب العاتب، وان ترکتمونی فأنا کأحدکم، ولعلّی أسمعکم وأطوعکم لمن ولیتموه أمرکم، وأنا لکم وزیرًا، خیر لکم منّی أمیرًا!''

(نہج البلاغہ ص:۱۳۶)

ترجمہ:... ''مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بناؤ۔ ہم لوگوں کو ایسے اُمور سے سابقہ ہے جن کے کئی رُخ اور کئی رنگ ہیں، جن کے سامنے نہ دِل ٹھہر سکتے ہیں اور نہ عقلیں ان کے مقابلے کی تاب رکھتی ہیں، دِین کے اُفق پر گھٹائیں چھا رہی ہیں، راستہ بے پہچان ہو رہا ہے۔ یاد رکھو! اگر میں تمہاری بات مان لیتا ہوں (یعنی خلیفہ بن جاتا ہوں) تو میں اپنے علم کے مطابق تم سے عمل کراؤں گا، نہ کسی کہنے والے کی بات پر کان دھروں گا اور نہ کسی ناراض ہونے والے کی ناراضی کی پروا کروں گا، اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں جیسا ایک فرد ہوں گا، اور اُمید رکھتا ہوں کہ جس کو بھی تم اپنا اَمیر منتخب کروگے

میں تم سے زیادہ اس کی سمع وطاعت کرنے والا ہوں گے، اور میرے اَمیر بننے کی نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔“

اگر ان کے دِل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذرا بھی میل ہوتا تو یہ اچھا موقع تھا کہ ان کو جنگِ فارس میں شرکت کا مشورہ دیتے تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام آتے اور ”خس کم جہاں پاک“ کا مضمون صادق آتا۔ اس کے بجائے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وجود کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ خدانا کردہ ان کو کچھ ہوگیا تو ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ ایسا بکھر کر رہ جائے گا کہ پھر مسلمانوں کو ایسی اجتماعیت کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ الغرض! اس خطبۂ مرتضوی کا ایک ایک لفظ اہلِ عقل و ایمان کے لئے سرمۂ چشمِ بصیرت ہے، **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ...!**

۲:... ”نہج البلاغۃ“ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قتالِ رُوم کے بارے میں مشورہ لیا تو فرمایا:

”وقد توكل الله لأهل هٰذا الدِّين باعزاز الحوزة، وستر العورة، والذى نصرهم، وهم قليل لا ينتصرون، ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون، حي لا يموت.

انك متٰى تسر الٰى هٰذا العدو بنفسك، فتلقهم فتنكب، لا تكن للمسلمين كانفة دون أقصٰى بلادهم، ليس بعدك مرجع يرجعون اليه، فابعث اليهم رجلا محربًا، واحفز معه أهل البلاء والنصيحة، فان أظهر الله فذاك ما تحب، وان تكن الأخرىٰ، كنت ردأً للناس ومثابة للمسلمين.“ (نہج البلاغہ ص:۱۹۲، ۱۹۳)

ترجمہ:... ”(جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ رُوم میں بنفسِ نفیس جانے کے بارے میں آپ سے مشورہ کیا تو فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے اس دِین کے ماننے والوں کے لئے اسلامی

سرحدوں کی حفاظت اوران کی غیر محفوظ جگہوں کے دُشمن کی نظر سے بچائے رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے، جس ذات نے ان کی اس وقت مدد کی جبکہ وہ اتنے قلیل تھے کہ اپنا بدلہ نہیں لے سکتے تھے، اوران کی اس وقت حفاظت کی جبکہ وہ خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتے تھے، وہ حی لا یموت ہے (جس طرح ان کی اس وقت مدد کی تھی، اسی طرح اب بھی کرے گا) اگر آپ اس دُشمن کے مقابلے میں بنفسِ نفیس تشریف لے گئے، اور خود ان سے جا کر ٹکر لی پھر خدانخواستہ معاملہ دگرگوں ہوگیا تو اِسلامی مملکت کے آخری شہروں تک مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ اور آپ کے بعد ان کا کوئی مرجع اور مرکز نہیں رہے گا جس کی طرف وہ لوٹ کر آسکیں۔ لہٰذا (میرا مشورہ یہ ہے کہ) ان کے مقابلے میں خود جانے کے بجائے کسی تجربہ کار آدمی کو بھیجئے، اور اس کے ساتھ سرد وگرم چشیدہ مخلص لوگوں کو کیجئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تو آپ کا مدعا حاصل ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی دُوسری صورت ہوئی تو آپ، لوگوں کے لئے مددگار اور مسلمانوں کے لئے جائے پناہ رہیں گے (اور مسلمان آپ کے پاس جمع ہوکر دوبارہ حملے کے لئے تیاری کرسکیں گے)۔‘‘

اس ارشاد میں بھی اسی آیتِ اِستخلاف اور آیتِ تمکین کی طرف اشارہ ہے۔

۳:... ’’نہج البلاغہ‘‘ میں حضرتِ اَمیر رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے:

’’لله بلاء فلان، فلقد قوّم الأود، وداوَی العمد، وأقام السُّنّة، وخلَّف الفتنة! ذهب نقي الثوب، قليل العيب، أصاب خيرها، وسبق شرّها، أدّى الى الله طاعته، واتّقاه بحقّه، رحل وتركهم في طرق متشعبة، لا يهتدي بها الضّالّ، ولا يستيقن المهتدي.‘‘ (نہج البلاغہ ص:۳۵۰)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ ''فلاں'' شخص کو جزائے خیر دے کہ
ا:...کجی کو سیدھا کردیا، ۲:...اندرونی مرض کی اصلاح کردی،
۳:...سنت کو قائم کردیا، ۴:...بدعت کو پیچھے ڈال دیا، ۵:...پاک
دامن اور کم عیب دُنیا سے گیا، ۶:...خلافت کی خوبی اور بھلائی کو پالیا،
۷:...اور فسادِ خلافت سے پہلے چلا گیا، ۸:...اللہ کی بارگاہ میں اس
کی طاعت ادا کردی، ۹:...اور حق کے موافق پرہیزگاری اختیار کی،
۱۰:...(اس کی موجودگی میں اس کی برکت سے تمام اُمت متفق و متحد
تھی، لیکن اس کی موت سے اُمت کا شیرازہ بکھر گیا، چنانچہ وہ اپنے
بعد) لوگوں کو شاخ در شاخ راستوں میں چھوڑ گیا، جن میں نہ گمراہ
ہدایت پاتا ہے، نہ ہدایت یافتہ یقین پاتا ہے۔''

جناب رضی نے ''نہج البلاغہ'' کو مرتب کرتے ہوئے حضرتِ اَمیرؓ کے خطبے سے اصل نام حذف کرکے اس کی جگہ ''فلاں'' کا لفظ لکھ دیا۔ اس لئے شارحینِ ''نہج البلاغہ'' کو لفظ ''فلاں'' کی تعیین میں دِقت پیش آئی۔ بعض نے خلیفہ اوّل اور بعض نے خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ بہرحال حضرتِ اَمیرؓ نے اپنے پیش رُو خلیفہ کی ایسی دس صفات ذکر فرمائی ہیں جو خلافت و اِمامت سے منتہائے مقصود ہیں، اور اس سے بڑھ کر کسی خلیفۂ ربانی کی مدح ممکن نہیں۔

۴:... ''نہج البلاغہ'' میں حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

''۴۶۷- وقال علیہ السلام فی کلام لہ:

وولیھم وال فأقام واستقام، حتی ضرب الدین بجرانہ.''

(نہج البلاغہ ص:۵۵۷)

ترجمہ:... ''پھر حاکم ہوا ان کا ایک والی، پس اس نے قائم کیا دِین کو، اور وہ ٹھیک سیدھا چلا، یہاں تک کہ رکھ دیا دِین نے زمین پر اپنا سینہ۔''

مُلاَّ فتح اللہ کاشانی شارحِ ''نہج البلاغہ'' نے پہلے فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''والیٔ ایشاں شدوالی کہ آن عمر خطاب است''

یعنی ''ان کا حاکم ہوا ایک حاکم کہ اس سے مراد حضرت عمرؓ ہیں''

اور آخری فقرے کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

''تا آنکہ بزد دین پیش سینۂ خودرا بر زمین، وایں کنایت است از استقرار وتمکین اہل اسلام۔''

ترجمہ:... ''یہاں تک کہ دِین نے اپنے سینے کا اگلا حصہ زمین پر رکھ دیا۔ اور یہ اس سے کنایہ ہے کہ اہلِ اسلام کو خوب اِستقرار اور تمکین حاصل ہوئی۔''

جنابِ امیرؓ کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ وہ اپنے پیش رو خلفاء کی خلافت کو خلافتِ راشدہ سمجھتے تھے، قرآنِ کریم کے وعدوں کا مصداق جانتے تھے اور ان اکابر کے مشیر اور وزیر با تدبیر تھے، کیونکہ ان کی خلافتوں سے دِین کو تمکین حاصل ہوئی، اسلام کا پرچم بلند ہوا اور دِینِ اسلام تمام اَدیان پر غالب آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ایک ارشاد تبرکاً حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نقل کرتا ہوں:

علامہ مجلسی نے بحار الانوار ''تاریخ اِمام حسنؓ'' کے اُنیسویں باب میں اردبیلی کی ''کشف الغمہ'' کے حوالے سے حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے صلح نامے کا متن نقل کیا ہے، اس کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، هٰذا ما صالح علیه الحسن بن علیّ بن أبی طالب، معاویة بن أبی سفیان: صالحه علٰی أن یسلّم الیه ولایة أمر المسلمین، علٰی أن یعمل فیهم بکتاب اللہ وسُنَّة رسوله صلی اللہ علیه وآل وسیرة الخلفاء الصّالحین.'' (بحار الانوار ج:۴۴ ص:۶۵)

ترجمہ:... ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جس پر حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے صلح کی۔ یہ طے ہوا کہ حسنؓ مسلمانوں کی ولایتِ اَمر (خلافت) معاویہؓ کے سپرد کردیں گے، اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں میں کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔''

علامہ مجلسی نے یہاں ''خلفائے راشدین'' کے بجائے ''خلفائے صالحین'' کا لفظ نقل کیا ہے، لیکن ''بحارالانوار'' کے حاشیہ میں ہے کہ اصل کتاب (یعنی ''کشف الغمہ'') میں ''خلفائے راشدین'' کا لفظ ہے:

''وفی المصدر ج:۲ ص:۱۴۵ الخلفاء الراشدين [الصالحين].''

حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ کی اس تحریر سے چند اُمور مستفاد ہوئے:

اوّل:... یہ کہ اہلِ سنت جو خلفائے اَربعہ (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ''خلفائے راشدین'' تھے، یہی عقیدہ حضرت اِمام حسنؓ کا تھا، الحمدللہ! کہ اہلِ سنت کو اس عقیدے میں حضرت اِمامِ موصوف کی اِقتدا و اِتباع نصیب ہے۔

دوم:... یہ کہ اہلِ سنت کی کتابوں میں جو یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

''وعن العرباض بن سارية رضی الله عنه قال: صلّى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه، فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب، فقال رجل: يا رسول الله! كأن هٰذه موعظة مودع، فماذا تعهد الينا؟ قال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وان كان عبدًا

حبشيًا، فانه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسُنّتى وسُنّة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسّكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وایاکم ومحدثات الأمور، فان کل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة.'' (مشکوٰۃ ص:۲۹،۳۰)

ترجمہ:...''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر ہمیں ایک نہایت بلیغ اور موٴثر وعظ فرمایا جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دِل کانپ گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ گویا یہ رُخصت کرنے والے کی نصیحتیں تھیں، پس ہمیں کوئی وصیت فرمایئے! ارشاد فرمایا کہ: میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور (اپنے حاکم کی) سمع وطاعت بجا لانے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، اس لئے میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین، جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو لازم پکڑو! اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑلو، اور دیکھو! جو نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں ان سے احتراز کیجیو! کیونکہ ہر وہ چیز (جو دِین کے نام پر) نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، اور چونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے خلفاء کو ''خلفائے راشدین'' فرمایا گیا ہے اس لئے حضرت اِمام حسنؓ اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔

سوم:...یہ کہ حضرت اِمام حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے کتاب وسنت پر عمل کرنے

کے علاوہ حضراتِ خلفائے راشدینؓ کی سنت وسیرت کی پیروی کا بھی عہد لیا، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت اِمام حسنؓ کے نزدیک کتاب وسنت کے ساتھ خلفائے راشدینؓ کی سنت بھی حجتِ شرعیہ ہے اور اس کی اِقتدا لازم ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی سنت کے ساتھ تمسک کرنے اور اس کو مضبوط پکڑنے کی تاکیدِ بلیغ فرمائی ہے۔

خلافتِ راشدہ کی پیش گوئیاں کتبِ سابقہ میں:

سورۂ فتح کی آخری آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ" اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتبِ سابقہ میں بھی حضراتِ صحابہ کرامؓ خصوصاً حضراتِ خلفائے راشدینؓ کے بارے میں پیش گوئیاں کی گئی تھیں، اس سلسلے میں یہاں تین واقعات ذکر کرتا ہوں۔

ا:... حضرت صدیقؓ کے بارے میں پیش گوئی:

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" (ج:۱ ص:۲۹) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب نقل کیا ہے، اصل متن وہاں ملاحظہ کرلیا جائے، یہاں اس کا ترجمہ نقل کرتا ہوں:

> "ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب اَحبار سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب ایک وحیٔ آسمانی تھی، وہ ملکِ شام میں تجارت کیا کرتے تھے، انہوں نے وہاں ایک خواب دیکھا جس کو بحیرا راہب سے بیان کیا، اس نے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ حضرت صدیقؓ نے فرمایا: مکہ۔ اس نے پوچھا: کس قبیلے کے؟ آپ نے فرمایا: قریش۔ اس نے پیشہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: تاجر۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچا خواب دِکھلایا، آپ کی قوم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے، ان کی زندگی میں آپ ان کے وزیر

ہوں گے، اور ان کی وفات کے بعد آپ ان کے خلیفہ ہوں گے۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم مبعوث ہوئے، تو ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے
اور پوچھا کہ: اے محمد! آپ کے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ خواب جو تم نے ملکِ شام میں دیکھا۔ یہ سن
کر حضرت ابوبکرؓ نے معانقہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کا
بوسہ لیا اور کہا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

(تحفۂ خلافت ص:۵۰۱، ۵۰۲)

۲:...فتح بیت المقدس کا واقعہ:

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ: تم لوگ بے فائدہ تکلیف اُٹھاتے ہو، تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے، فاتح بیت المقدس کا حلیہ، اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں، اگر تمہارے اِمام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے حوالے کر دیں گے۔ اس واقعے کی خبر حضرت فاروقِ اعظمؓ کو دی گئی اور آپ صحابہ کرامؓ سے مشورے کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفا'' میں تاریخ یافعی کے حوالے سے اس کا حسبِ ذیل واقعہ بیان فرمایا ہے:

ترجمہ:... ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف
لے گئے، وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہرِ مقدس مبارک کا محاصرہ
کیا اور محاصرے کو بہت طول ہوا، تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں
سے کہا کہ تم لوگ تکلیف مت اُٹھاؤ، بیت المقدس کو سوائے اس شخص
کے جس کو ہم پہچانتے ہیں، اور اس کی پہچان ہمارے پاس ہے، کوئی

فتح نہیں کرسکتا۔ اگر تمہارے اِمام میں وہ علامت موجود ہوتو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالے کردیں گے۔ مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی، پس آنجناب اپنے اُونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوگئے، آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بنوبت آپ کے اُونٹ پر سوار ہوتا تھا، زادِراہ آپ کا جَو اور چھوہارے اور روغنِ زیتون تھا، لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے، رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے، جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ: زیبا نہیں ہے کہ کفار، اَمیر المؤمنین کو اس حالت میں دیکھیں، اور بہت اِصرار کیا کہ یہاں تک کہ آپ کو ایک دُوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا، جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دِل میں کچھ عُجب داخل ہوا، لہٰذا آپ گھوڑے سے اُتر پڑے اور وہ لباس بھی اُتار دیا اور فرمایا کہ: مجھے میرا لباس واپس دو۔ چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا، اور اسی ہیئت میں چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے، جب کفار اہلِ کتاب نے آپ کو دیکھا تو کہا: ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لئے دروازہ کھول دیا۔'' (ازالۃ الخفا ج:۲ ص:۶۰)

۳:... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ:

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، یہاں اِختصار کے پیشِ نظر اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں:

''جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک

تحریر دی، جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ: ''یہ مال نہ عمر کا ہے، نہ عمر کے بیٹے کا۔'' حاضرین کی سمجھ میں یہ جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے پورا واقعہ ان کو سنایا۔ فرمایا کہ: زمانۂ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ میں ملکِ شام گیا تھا، میں اپنی کوئی چیز بھول گیا، اس کے لینے کے لئے واپس ہوا، پھر جو گیا تو قافلے کو نہ پایا، ایک پادری نے مجھے ایک پھاوڑا دیا اور ایک ٹوکری دی اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اُٹھا کر وہاں ڈال دو، یہ کہہ کر گرجا کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا اور میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کام نہیں کیا، تو اس نے ایک گھونسا میرے سر میں مار دیا۔ میں نے بھی اُٹھ کر پھاوڑا اس کے سر پر دے مارا۔ جس سے اس کا بھیجا نکل آیا اور میں وہاں سے چل دیا۔ بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گرجا کے سامنے اس کے سائے میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ یہ شخص اس گرجا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ: تم یہاں کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ: میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں۔ پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا، اور کہا کہ: تمام اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتبِ سابقہ کا رُوئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گرجا سے ہمیں نکالے گا، اور اس شہر پر قابض ہوگا۔ میں نے کہا: اے شخص! تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ: تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: عمر بن خطاب! تو یہ کہنے لگا کہ: اللہ کی قسم! آپ ہی وہ شخص ہیں، اس میں

کچھ شک نہیں، لہٰذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے، اس گرجا کو میرے نام واگزار کر دیجئے۔ میں نے کہا: اے شخص! تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے، اس کو مسخرا پن کر کے ضائع مت کر۔ مگر اس نے نہ مانا، آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی اور مہر کر دی۔ آج یہ اسی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ: یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے بیٹے کا، میں کیسے دے سکتا ہوں؟'' (خصائص کبریٰ ج:۱ ص:۳۰، تحفۂ خلافت ص:۴۹۹)

دسویں بحث: اِمامِ غائب کے نظریے پر ایک نظر

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''صفحہ۲۱ پر بارہویں اِمام علیہ السلام پر جو خامہ فرسائی فرمائی ہے اس کا لہجہ ہی ہمارے نزدیک غیر عالمانہ بلکہ عامیانہ ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سطریں آپ جیسا عالم نہیں لکھ سکتا، یہ تو کسی جاہل کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔''

آنجناب کے اس تبصرے کا بہت بہت شکریہ، اس ناکارہ کی جس تحریر کو آنجناب نے ''کسی جاہل کی تحریر'' فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

''شیعہ مذہب کا نظریۂ اِمامت فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اُٹھاسکا، بلکہ اس نے ''اِماموں'' کا سلسلہ ''بارہویں اِمام'' پر ختم کرکے اسے ۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غار (سرمن رائی کے غار) میں ہمیشہ کے لئے غائب کردیا۔ آج ان کو ساڑھے گیارہ صدیاں گزرچکی ہیں مگر کسی کو کچھ خبر نہیں کہ ''بارہویں اِمام'' کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟''

میں نے اس فقرے میں دراصل ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا تھا جو عقیدۂ اِمامت کے مصنّفین کو پیش آتی تھیں، اور جن کا بوجھ اُٹھانے سے بالآخر وہ عاجز آگئے، اور چاروناچار سلسلۂ اِمامت کے خاتمے کا اعلان کرنا پڑا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی پارٹی نے عقیدۂ اِمامت تو تصنیف کرلیا اور کچھ ایسے راسخ العقیدہ شاگرد بھی پیدا کرلئے جو آئندہ بھی اس کی تبلیغ کو جاری رکھ سکیں، لیکن ان مبلغوں کو قدم قدم پر مشکلات

کا سامنا پیش آتا تھا۔

اوّل:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا طرزِ عمل ان کے اس عقیدے کی جڑ کاٹتا تھا، کیونکہ:

الف:... خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں آپؓ نے کبھی دعویٰ اِمامت نہیں فرمایا، بلکہ اگر کسی نے انگیخت بھی کی تو اس کو "فتنہ پرداز" کہہ کر جھڑک دیا، جیسا کہ اُوپر گزر چکا ہے۔

ب:... حضرت علیؓ، خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں ان کے دست راست بنے رہے، ان کے وزیر و مشیر رہے، انہوں نے مرتدین سے اور فارس و رُوم سے جو لڑائیاں کیں، ان کو شرعی جہاد سمجھا، فیئے اور مالِ غنیمت میں سے حصہ لیتے رہے، چنانچہ آپ کے صاحب زادے حضرت محمد بن حنفیہ کی والدہ کو، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگِ یمامہ میں گرفتار ہوکر آئی تھیں، اپنے حرم میں داخل کیا، اور شاہِ اِیران کی بیٹی شہر بانو کو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کے مالِ غنیمت میں آئی تھیں، اپنے صاحب زادے حضرت حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ کے حرم میں داخل کیا، جن سے حضرت زین العابدین تولد ہوئے، اور شیعوں کا سلسلۂ اِمامت آگے چلا۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ اکابر خلفائے حقانی نہیں تھے تو ان کی لڑائیاں شرعی جہاد نہ ہوئیں، اور ان لڑائیوں میں گرفتار ہوکر آنے والی خواتین شرعی باندیاں نہ ہوئیں، اور ان سے تمتع حلال نہ ہوا۔

ج:... اس سے بڑھ کر حضرتِ اَمیر رضی اللہ عنہ یہ ستم ڈھاتے تھے کہ وقتاً فوقتاً خلفائے ثلاثہؓ کی، خصوصاً حضراتِ شیخینؓ کی مدحِ بلیغ فرماتے تھے، حضرتؓ کے ان کلماتِ طیبات کی شرح و تاویل میں حضراتِ اِمامیہ آج تک ہلکان ہو رہے ہیں۔

د:... اور خلیفہ سوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے بعد بھی آپ خلافت کے لئے آمادہ نہیں تھے، بلکہ جب آپ سے اس کی درخواست کی گئی، تو جیسا کہ "نہج البلاغہ" میں ہے، فرمایا:

"دعونی والتمسوا غیر ...... وان ترکتمونی فأنا کأحدکم، ولعلّی أسمعکم وأطوعکم لمن ولّیتموہ أمرکم، وأنا لکم وزیرًا، خیر لکم منّی أمیرًا!"

(نہج البلاغہ ص:۱۳۶)

ترجمہ:... "مجھے چھوڑ دو، خلافت کے لئے کسی اور کو تلاش کرو......اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں اور ہوسکتا ہے کہ جس کو تم اپنا اَمیر بنالو میں تم سے بڑھ کر اس کی اطاعت کروں، اور میرا وزیر بن کر رہنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا حاکم بنوں۔"

ہ:...اور لوگوں کے سامنے حلفاً فرماتے تھے:

"واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ، ولا فی الولایۃ اربۃ، ولٰکنکم دعوتمونی الیھا، وحملتمونی علیھا."

(نہج البلاغہ ص:۳۲۲)

ترجمہ:... "اللہ کی قسم! مجھے خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی، اور نہ حکومت کی کوئی خواہش تھی، لیکن تم لوگوں نے خود مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس پر آمادہ کیا۔"

و:...اور جب آپؓ، خارجی ملعون کی تیغِ جفا سے زخمی ہوئے تو حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا أمیر المؤمنین! ان مت نبایع الحسن؟ فقال: لا آمرکم ولا أنھاکم، أنتم أبصر."

(البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۲۷)

ترجمہ:... "امیرالمؤمنین! اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا ہم آپ کے صاحب زادے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت

کرلیں؟ فرمایا: میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں، نہ منع کرتا ہوں، تم لوگ بہتر جانتے ہو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے بہت سے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رُفقاء کے فرشتوں کو بھی یہ عقیدۂ اِمامت کی خبر نہ تھی، جبکہ اس کے علی الرغم اِمامیہ پارٹی خفیہ طور پر اس کی تبلیغ میں مصروف تھی۔

دوم:... حضرت حسن رضی اللہ عنہ (سبطِ اکبر و ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے عقیدۂ اِمامت کی جڑوں پر اس وقت تیشہ چلایا جب چھ مہینے کے بعد خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی۔ ان کے اس طرزِ عمل سے عقیدۂ اِمامت کا گھروندا زمین بوس ہوکر رہ گیا مگر عقیدۂ اِمامت کے مصنّفین کی طرف سے ان کو یہ سزا دی گئی کہ آئندہ اِمامت سے ان کی اولاد کو معزول کردیا گیا۔

سوم:... حضرت حسینؓ شہیدِ کربلا کے بعد شیعوں میں ہولناک اختلافات برپا ہوئے اور ہر اِمام کی وفات کے بعد ایک نئے اختلاف کا سلسلہ شروع ہوجاتا، چنانچہ:

پہلا اِختلاف:... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد رُونما ہوا اور جو لوگ خفیہ طور پر عقیدۂ اِمامت کی تبلیغ کرتے تھے، ان کے چند فرقے ہوگئے، ایک گروہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی اِمامت کا منکر ہوگیا، ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت حسنؓ کی مصالحت حضرت معاویہؓ کے ساتھ جائز تھی تو یزید بن معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت حسینؓ کا خروج ناجائز تھا، اور اگر حضرت حسینؓ کا خروج جائز تھا تو حضرت حسنؓ کی مصالحت حضرت معاویہؓ کے ساتھ ناجائز تھی، نوبختی اپنے رسالے "فرق الشیعہ" میں لکھتے ہیں:

"پس در کار آن دو در گمان شدند، واز امامت آناں باز گشتند، ودر گفتار با تودۂ مردم ہم داستان گردیدند۔"

(فرق الشیعہ ص:۴۷)

ترجمہ:... "یہ لوگ ان دونوں بزرگوں کے متضاد طرزِ عمل سے بدگمان ہوگئے، اور ان دونوں کی اِمامت سے پھر گئے، اور

عقیدے میں عام لوگوں کے ساتھ ہم داستان ہو گئے۔"

دُوسرا گروہ:... ان لوگوں کا تھا جو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کی اِمامت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ مختاریہ اور کیسانیہ نے محمد بن علیؒ (ابن حنفیہ) کی اِمامت کا علَم بلند کیا، اور قاتلینِ حسینؓ کا انتقام لینا شروع کیا۔ اس فرقے کا عظیم ترین قائد مختار بن ابی عبید کذّاب تھا، رجال کشی میں ہے:

"والمختار هو الذی دعا الناس الٰی محمد بن علی بن أبی طالب ابن الحنفية، وسمّوا الكيسانيَّة وهم المختاريَّة وكان لقبه كيسان ...... وكان لا يبلغه عن رجل من أعداء الحسين (ع) انه فی دار أو فی موضع الا قصده فهدم الدار بأسرها وقتل كل من فيها من ذی روح، وكل دار بالكوفة خراب فهی ممّا هدمها."

(رجال کشی ص:۱۲۷)

ترجمہ:... "اور مختار وہ شخص ہے جس نے لوگوں کو محمد بن علی بن ابی طالب ابن الحنفیہ کی اِمامت کی دعوت دی، اس کی پارٹی کو "کیسانیہ" اور "مختاریہ" کہا جاتا ہے، کیسان خود اسی کا لقب تھا....... اور حضرت حسینؓ کے دُشمنوں میں سے کسی شخص کے بارے میں جب اس کو یہ خبر پہنچتی کہ وہ فلاں مکاں میں یا فلاں جگہ میں ہے، یہ فوراً وہاں پہنچ جاتا، پورے مکان کو منہدم کر دیتا اور اس میں جتنی ذِی رُوح چیزیں موجود ہوتیں سب کو قتل کر دیتا، کوفہ میں جتنے مکان ویران ہیں، یہ سب اسی کے ڈھائے ہوئے ہیں۔"

مختار کذّاب تھا، حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتا تھا، چنانچہ رجال کشی میں ہے کہ:

"۱۹۸ – محمد بن الحسن وعثمان بن حامد،
قالا حدثنا محمد بن یزداد الرازی، عن محمد بن
الحسن بن ابی الخطّاب، عن عبداللہ المزخرف، عن
حبیب الخثعمی، عن أبی عبداللہ (ع) قال کان المختار
یکذب علٰی علیّ بن الحسین (علیهما السلام)."

(رجال کشی ص:۱۲۵)

ترجمہ:... "اِمام صادق ؒ فرماتے ہیں کہ: مختار، حضرت
اِمام زین العابدین کے نام پر جھوٹ بکتا تھا۔"

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، لیکن عجائبات میں سے ہے کہ اِمام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما اس کذّاب کے حق میں "جزاہ اللہ خیرًا" فرماتے تھے، کیونکہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا تھا۔

(رجال کشی ص:۱۲۷)

اور ان کے صاحب زادے اِمام محمد باقر ؒ اس بدبخت کے لئے دُعائے رحمت فرماتے تھے۔ (ایضاً ص:۱۲۶)

نوراللہ شوشتری "مجالس المؤمنین" میں لکھتے ہیں:

"مختار بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ حلی اوراز جملہ مقبولاں شمردہ۔"

(مجالس المؤمنین، مطبوعہ تہران ص:۱۵ بحوالہ نصیحت الشیعہ ص:۱۳۲)

ترجمہ:... "مختار بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ حلی نے اس کو مقبولانِ بارگاہِ الٰہی میں شمار کیا ہے۔"

یہیں سے حضراتِ اِمامیہ کی انصاف پسندی و دانش مندی اور اہلِ بیت اَطہار سے ان کی محبت کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ اِمامِ معصوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ جس شخصیت سے صلح کرتے ہیں اور اِمامینِ معصومین حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما جس کے ہاتھ پر بیعت

کرتے ہیں، یعنی حضرت اَمیرمعاویہ رضی اللہ عنہ، وہ تو ان کے نزدیک "لعنة الله عليه" ہے، چنانچہ حسنینؓ کی بیعت کا واقعہ "رجال کشی" میں اِمام صادقؒ سے اس طرح نقل کیا ہے:

"حدثنا محمد بن عبدالحميد العطّار الكوفي، عن يونس بن يعقوب، عن فضيل غلام محمد بن راشد، قال سمعت أبا عبدالله (ع) يقول ان معاوية كتب الى الحسن بن علي (صلوات الله عليهما) ان اقدم انت والحسين وأصحاب علي فخرج معهم قيس بن سعد بن عبادة الأنصاري وقدموا الشام، فاذن لهم معاوية واعدّ لهم الخطباء، فقال: يا حسن! قم فبايع فقام فبايع ثم قال للحسين (ع) قم فبايع فقام فبايع." (رجال کشی ص:۱۱۰)

ترجمہ:... "حضرت معاویہؓ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ آپ اور آپ کے ساتھ حضرت حسینؓ اور اَصحابِ علیؓ تشریف لائیں، چنانچہ دونوں کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری شام گئے، حضرت معاویہ نے ان کو اِجازت دی اور ان کے لئے خطباء تیار کئے، پھر کہا: اے حسن! اُٹھ کر بیعت کیجئے، آپ اُٹھے اور بیعت کی، پھر کہا: اے حسین! اُٹھ کر بیعت کیجئے، چنانچہ وہ بھی اُٹھے اور بیعت کی۔"

الغرض! حضراتِ اِمامینِ ہمامین الحسن والحسین رضی اللہ عنہما نے جس شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی، شیعہ صاحبان اس کو تو "لعنت اللہ علیہ" سے یاد کرتے ہیں، اور جس ملعون نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور وہ ائمہ پر جھوٹ طوفان باندھتا تھا، یعنی مختار کذّاب، وہ ان کے نزدیک "رحمۃ اللہ علیہ" ہے اور اسے مقبولانِ بارگاہِ اِلٰہی میں شمار کرتے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

تیسرا گروہ:... ان لوگوں کا تھا جو اِمام زین العابدینؒ کی اِمامت کے قائل تھے، اور

یہ چند اَشخاص تھے، ''رجال کشی'' میں اِمام صادقؒ سے نقل کیا ہے:

''۱۹۴ – محمد بن نصیر، قال حدثنی محمد بن عیسٰی، عن جعفر بن عیسٰی، عن صفوان عمّن سمعه، عن أبی عبدالله (ع) قال: ارتدّ الناس بعد قتل الحسین (ع) الا ثلاثة أبو خالد الکابلی ویحیی بن ام الطویل وجبیر بن مطعم، ثم ان الناس لحقوا وکثروا.''

(رجال کشی ص:۱۲۳، ترجمہ یحییٰ بن ام الطّویل)

ترجمہ:... ''قتلِ حسینؓ کے بعد سب لوگ مرتد ہوگئے تھے، سوائے تین آدمیوں کے، یعنی ابوخالد کابلی، یحییٰ بن ام الطّویل اور جبیر بن مطعم، بعد میں لوگ آملے اور زیادہ ہوگئے۔''

الغرض! ان دنوں محمد بن حنفیہؒ کی اِمامت کا غلغلہ تھا، اور اِمام زین العابدینؒ کی اِمامت کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا، خود اِمام زین العابدینؒ دعوائے اِمامت سے کوسوں دُور تھے۔ کربلا کے مناظران کے چشم دید تھے، شیعہ راویوں نے تو ان سے یہاں تک منسوب کیا ہے کہ وہ یزید کی غلامی کا اقرار کرتے تھے، روضۂ کافی میں ان کے صاحب زادے اِمام باقرؒ سے نقل کیا ہے کہ یزید بن معاویہ حج کو جاتے ہوئے مدینہ آیا، اس نے ایک قریشی کو بلایا اور کہا: کیا تم اقرار کرتے ہو کہ تم میرے غلام ہو؟ اس نے انکار کیا تو اسے قتل کردیا:

''ثم ارسل الی علیّ بن الحسین علیهما السلام فقال له مثل مقالته للقرشیّ فقال له علیّ بن الحسین علیهما السلام: أرأیت ان لم أقرّ لک ألیس تقتلنی کما قتلت الرجّل بالأمس؟ فقال له یزید لعنه الله: بلٰی، فقال له علیّ بن الحسین علیهما السلام: قد أقررت لک بما سألت أنا عبد مکره فان شئت فأمسک وان شئت فبع.''

(روضۂ کافی ج:۸ ص:۲۳۵)

ترجمہ:... ''پھر اس نے حضرت علی بن حسین علیہما السلام کو بلا بھیجا، ان سے بھی وہی بات کہی جو قریشی سے کہی تھی، حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا کہ: اگر میں تیری غلامی کا اقرار نہ کروں تو کیا تو مجھے اسی طرح قتل نہ کردے گا جیسے کل قریشی کو قتل کیا تھا؟ یزید نے کہا: یقیناً! حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا: تو نے جو پوچھا ہے میں اس کا اِقرار کرتا ہوں، میں بے بس غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے تو مجھے فروخت کردے۔''

چوتھا گروہ:... وہ تھا جو اس کے قائل تھے کہ حسینؓ کے بعد اِمامت ختم ہوگئی، اِمام بس یہی تین تھے: حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ، یہ لوگ حضرت حسینؓ کے بعد کسی کی اِمامت کے قائل نہیں تھے۔ (فرق الشیعہ ص:۸۴)

پانچواں گروہ:... ان لوگوں کا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اِمامت صرف اولادِ حسینؓ کا حق نہیں، بلکہ حسنؓ و حسینؓ دونوں کی اولاد میں جو بھی اِمامت کے لئے کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو اپنی طرف اعلانیہ دعوت دے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اِمام واجب الطاعت ہے، جو شخص اس سے سرتابی کرے یا اس کے مقابلے میں لوگوں کو اپنی اِمامت کی دعوت دے، وہ کافر ہے۔ اسی طرح حسنؓ اور حسینؓ کی اولاد میں جو شخص اِمامت کا دعویٰ کرے، مگر دروازہ بند کرکے گھر میں بیٹھ رہے، وہ اور اس کے تمام پیروکار مشرک و کافر ہیں۔ (ایضاً ص:۸۵)

دُوسرا اِختلاف:... حضرت علی بن حسین زین العابدینؒ کا انتقال محرم ۹۴ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر اِمامت کے مسئلے پر طوفان کھڑا ہوا، ان کے صاحب زادے حضرت زید بن علی (جو ''زید شہید'' کے لقب سے معروف ہیں) اِمامت کے مدعی ہوئے، انہوں نے چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ والیٔ عراق کے خلاف خروج کیا، شیعہ سبّیہ میں سے تیس ہزار اَفراد نے عین موقع پر ان سے بے وفائی کی اور حضرت حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ کی سنت پھر تازہ ہوئی، حضرت زیدؒ نے جامِ شہادت نوش کیا، ان کی اِمامت کے قائلین

''زیدیہ'' کہلائے، اوران میں سے بہت سے ان کے مہدی ہونے کے قائل ہیں۔
کچھ لوگ حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ کی اِمامت کے قائل ہوئے، ان کے بعد ان کے صاحب زادے عبداللہ محض کی اور ان کے بعد صاحب زادے محمد نفس زکیہ کی اِمامت کے قائل ہوئے، یہ لوگ ان کو اِمام مہدی سمجھتے ہیں۔
کچھ لوگ حضرت علی بن حسینؓ کے دُوسرے صاحب زادے حضرت محمد باقر بن علی بن حسینؒ کی اِمامت کے قائل ہوئے، ان میں چار اَفراد نامور تھے، ''رجال کشی'' میں اِمام صادقؒ کا قول نقل کیا ہے:

''۲۱۹ – حدثنی حمدویه: قال حدثنی یعقوب بن یزید، عن ابن ابی عمیر، عن هشام بن سالم، عن سلیمان بن خالد الأقطع، قال سمعت أبا عبدالله (ع) یقول: ما أحد أحیی ذکرنا واحادیث ابی (ع) الا زرارة وابو بصیر لیث المرادی ومحمد بن مسلم وبرید بن معاویة العجلی ولو لا هؤلاء ما کان أحد یستنبط هٰذا، هؤلاء حفاظ الدین وامناء ابی (ع) علٰی حلال الله وحرامه، وهم السابقون الینا فی الدنیا والسابقون الینا فی الآخرة.'' (رجال کشی ص:۱۳۶)

ترجمہ:... ''نہیں ہے کوئی جس نے زندہ کیا ہو ہمارے ذِکر کو، اور میرے والد (اِمام باقرؒ) کی احادیث کو سوائے چار شخصوں کے، زرارہ، ابوبصیر لیث مرادی، محمد بن مسلم، برید بن معاویہ عجلی، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو کسی کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس (عقیدۂ اِمامت) کا اِستنباط کرسکتا، یہ چار آدمی دین کے محافظ اور اللہ کے حلال وحرام پر میرے باپ کے امین ہیں، یہی لوگ سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف دُنیا میں اور یہی سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف

آخرت میں۔“

اِمام صادقؒ نے واقعی سچ فرمایا، یہی چار آدمی (دُوسرے چار۔کے ساتھ مل کر) شیعہ مذہب کے مصنف ہیں، یہ لوگ نہایت بدعقیدہ تھے، محض اپنی مطلب براری کے لئے ائمہ کا نام لیتے تھے، ورنہ درحقیقت وہ ائمہ کے قائل ہی نہیں تھے، وہ ائمہ پر نکتہ چینیاں کرتے تھے، ائمہ ان پر سو سو لعنتیں بھیجتے تھے اور ان کو جھوٹا بتاتے تھے۔ جب ان چالاک اور مکار لوگوں کو بتایا جاتا کہ اِمام تو تمہیں جھوٹا کہتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے: ”اِمام تقیہ کرتے ہیں!“ رجال کشی اور دیگر شیعہ کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، اس کے لئے ”نصیحت الشیعہ“ کا مطالعہ کیا جائے۔

تیسرا اِختلاف:... اِمام محمد باقرؒ کا انتقال ربیع الثانی ۱۱۴ھ میں ہوا، ان کے وصال کے بعد پھر اِمامت کے مسئلے میں اختلاف کھڑا ہوا، جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱:...ایک گروہ ان کو ”حی لا یموت“ سمجھتا تھا، یعنی وہ زندہ ہیں مرے نہیں، وہی اِمام مہدی ہیں، ان کے بعد کوئی اِمام نہیں۔

۲:...ایک گروہ ان کے صاحب زادے زکریا کو آخری اِمام، اِمام مہدی مانتا تھا۔

۳:...ایک گروہ اِمام محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو (جو ”نفس زکیہ“ کے لقب سے ملقب ہیں) کی اِمامت کا قائل تھا۔ یہ لوگ ان کو ”مہدی آخر الزماں“ جانتے تھے، تاریخ میں منصور عباسی کے خلاف ان کا خروج معروف و مشہور ہے۔

۴:...ایک گروہ اِمام جعفرؒ کی اِمامت کا قائل ہوا، اس گروہ کے کرتا دھرتا وہی لوگ تھے جن کا ذِکر اُوپر آچکا ہے۔

چوتھا اِختلاف:... اِمام جعفرؒ (متوفی ۱۴۸ھ) کے بعد پھر اِختلاف رُونما ہوا، اور شیعوں کی بہت سی جماعتیں وجود میں آئیں:

۱:...ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ وہ اِمام مہدی ہیں، ان کے بعد کوئی اِمام نہیں، ان کا اِنتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ رُوپوش ہوگئے ہیں، دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ یہ فرقہ نادوسیہ کہلاتا تھا۔

۲:...بعض لوگ ان کے بعد ان کے صاحب زادے موسیٰ بن جعفر کی اِمامت کے

قائل ہوئے۔

۳:...ایک گروہ امام جعفر کے صاحب زادے اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا، یہ لوگ ان کو ''امام مہدی'' جانتے تھے، یہ اسماعیلی فرقہ کہلاتا ہے۔

۴:...ایک گروہ امام جعفرؒ کے پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا، یہ فرقہ مبارکیہ ہے جو اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے، اس کے بعد اسماعیلیوں کے بہت سے فرقے ہوئے، جن کی ایک طویل تاریخ ہے۔

۵:...ایک گروہ امام جعفرؒ کے تیسرے صاحب زادے امام محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا، یہ سمیطیہ کہلاتے تھے۔

۶:...ایک گروہ امام جعفرؒ کے چوتھے صاحب زادے عبداللہ بن جعفر الافطح کی امامت کا قائل ہوا۔ ''رجال کشی'' میں ہے:

''والذین قالوا بامامته عامة مشایخ العصابة، وفقهاؤها مالوا الٰی هٰذه المقالة، فدخلت علیهم الشبهة لما روی عنهم (علیهم السلام) انهم قالوا الامامة فی الأکبر من ولد الامام اذا مضی.'' (رجال کشی ص:۲۵۴)

ترجمہ:...''جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہوئے وہ شیعہ گروہ کے عام مشائخ تھے، اور ان کے فقہاء بھی اسی عقیدے کی طرف مائل ہوئے، ان کو شبہ اس بنا پر ہوا تھا کہ ائمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: ''امام کے انتقال کے بعد امامت، امام کے بڑے صاحب زادے کو پہنچتی ہے'' (چونکہ اسماعیل کے بعد سب سے بڑے صاحب زادے عبداللہ الافطح ہیں، لہٰذا وہی امام ہیں)۔''

نوبختی لکھتے ہیں:

''چونکہ عبداللہ اپنے والد (امام جعفرؒ) کے انتقال کے وقت ان کے تمام فرزندوں کے سردار تھے اور اپنے والد کی جگہ بیٹھتے

تھے، اس لئے انہوں نے اپنے والد کے بعد اِمامت و جانشینی کا دعویٰ کردیا، ان کے پیرو اِمام جعفرؒ کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: ''اِمامت، فرزندانِ اِمام میں سب سے بڑے کی ہے'' اس بنا پر بہت سے لوگ جو اِمام جعفرؒ کو اِمام مانتے تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کی اِمامت کے معتقد ہوئے، سوائے چند گنے چنے آدمیوں کے، جنھوں نے سچے اِمام کو پہچانا، باوجودیکہ عبداللہ حلال وحرام کے مسائل کا صحیح جواب نہ دے سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود زیادہ تر بزرگانِ شیعہ اور ان کے فقہاء اس عقیدے کے معتقد رہے، اور عبداللہ کی اِمامت سے بدگمان نہ ہوئے۔''

(فرق الشیعہ ص:۱۱۳)

پانچواں اِختلاف:... اِمام موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؒ کا اِنتقال ۱۸۳ھ میں ہوا، اور ان کے بعد ان کے شیعوں کے چند گروہ ہوگئے:

۱:... ایک گروہ ان کے صاحب زادے علی رضا کی اِمامت کا قائل ہوا۔

۲:... دُوسرے گروہ نے کہا کہ اِمام موسیٰ بن جعفر مرے نہیں، زندہ ہیں، وہی مہدی قائم ہیں۔

۳:... ایک گروہ نے کہا کہ وہ اِمام مہدی ہیں، مرگئے، مگر مرنے کے فوراً بعد زندہ ہوکر کہیں رُوپوش ہوگئے، ان کے خاص لوگ ان کی زیارت بھی کرتے ہیں، اور وہ ان کو اَمر و نہی بھی فرماتے ہیں، بہرحال وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل و اِنصاف سے پُر کریں گے۔

۴:... ایک گروہ نے کہا کہ وہ مرگئے ہیں، لیکن آخری زمانے میں دوبارہ زندہ ہوں گے، اور وہی مہدی آخرالزماں ہوں گے۔

۵:... ایک گروہ نے کہا کہ ان کا اِنتقال ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر بلالیا ہے، آخری زمانے میں دوبارہ ان کو بھیجیں گے۔

نوبختی لکھتے ہیں:

"ہمگی آناں واقفہ نامیدہ شوند، زیرا کہ بر موسیٰ بن جعفر درنگ کردہ گفتند او اِمام قائم است، وپس از وے چشم براہ اِمامی نبودہ وباِمام دیگرے نگرویدند۔" (فرق الشیعہ ص:۱۱۹)

ترجمہ:... "یہ تمام فرقے (جن کا ذکر نمبر۲ سے نمبر۵ تک ہوا ہے) "واقفہ" کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ سلسلۂ اِمامت موسیٰ بن جعفر پر ختم کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی "اِمام مہدی" ہیں، ان کے بعد کسی اور اِمام کا اِنتظار نہیں، اور وہ ان کے بعد کسی اِمام کے قائل نہیں۔"

۶:... ایک فرقہ اس کا قائل تھا کہ معلوم نہیں کہ موسیٰ بن جعفر زندہ ہیں یا فوت ہوگئے ہیں؟ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ وہ مہدی قائم ہیں، ان خبروں کو جھوٹ بھی نہیں کہہ سکتے، چونکہ موت برحق ہے اس لئے ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کئے بغیر ہم ان کی اِمامت پر قائم ہیں۔ (فرق الشیعہ ص:۱۲۱)

۷:... ایک گروہ نے محمد بن بشیر نامی ایک شخص کو ان کا جانشین مانا، ان کا دعویٰ تھا کہ موسیٰ بن جعفرؒ زندہ ہیں، وہی مہدی قائم ہیں، فی الحال رُوپوش ہیں، اور محمد بن بشیر کو آپ نے اپنا جانشین بنا رکھا ہے۔ (ایضاً ص:۱۲۲)

چھٹا اِختلاف:... اِمام علی رضاؒ بن موسیٰ کاظمؒ بن جعفر صادقؒ کا اِنتقال ۲۰۳ھ میں ہوا، اس وقت ان کے صاحب زادے محمد بن علی (المعروف بہ "اِمام جوادؒ") کی عمر سات سال کی تھی، (ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی) اس لئے اِمام علی رضاؒ کے بعد پھر اِختلاف ہوا۔

۱:... ایک گروہ نے کہا کہ محمد بن علی نابالغ ہی سہی، آخر اِمام زادہ ہے، اسی کو اِمام بناؤ۔

۲:... ایک گروہ نے کہا کہ اِمام علی رضاؒ کے بعد ان کے بھائی احمد بن موسیٰ بن جعفرؒ اِمام ہیں، کیونکہ اِمام رضاؒ نے اپنے بعد ان کے حق میں وصیت فرمائی تھی۔

۳:...ایک گروہ جو اِمام علی رضاؒ کی اِمامت کا قائل تھا، وہ ان کے بعد ان کی اِمامت سے منحرف ہوگیا، اور کہا کہ اِمامت ان کے والد موسیٰ کاظمؒ پر ختم ہوگئی تھی، اگر اِمامت کا سلسلہ آگے چلنا ہوتا تو اِمام علی رضاؒ نابالغ بیٹا چھوڑ کر کیوں مرتے؟

۴:...کچھ لوگوں نے اِمام علی رضاؒ کی وفات کے بعد عقیدۂ اِمامت ہی کو خیر باد کہہ دیا، اور انہوں نے مرجئی مذہب اِختیار کرلیا۔

۵:...کچھ لوگوں نے موسوی سلسلے سے منحرف ہوکر زیدی مذہب اِختیار کرلیا۔

نوبختی لکھتے ہیں:

> ''دو گروہوں کے احمد بن موسیٰ کی اِمامت کے قائل ہونے اور باقی گروہوں کے اِمامت سے منحرف ہوجانے کی وجہ یہ تھی کہ اِمام علی رضاؒ کے وصال کے وقت ان کے صاحب زادے سات سال کے تھے، ان لوگوں نے کہا کہ: اِمام بالغ ہونا چاہئے، نابالغ کی اِمامت کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ اگر نابالغ کو اِمام مانا جائے تو لازم آئے گا کہ نابالغ بچہ مکلّف ہو، حالانکہ نابالغ بچہ نہ مکلّف ہوسکتا ہے، نہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرسکتا ہے، نہ شریعت کو پورا سمجھ سکتا ہے، نہ اس کی تعلیم دے سکتا ہے۔'' (فرق الشیعہ ص:۱۲۸)

ساتواں اِختلاف:... اِمام محمد بن جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظمؒ کا وصال ۲۲۰ھ میں ہوا، نوبختی لکھتے ہیں کہ ان کے بعد اِمامت کا کوئی بڑا جھگڑا کھڑا نہیں ہوا، بلکہ جو لوگ ان کی اِمامت کے قائل تھے، ان کے بعد ان کے صاحب زادے علی ہادی بن محمد جواد بن علی رضاؒ کے حلقہ بگوش ہوگئے (حضرتؒ کی ولادت ۲۱۴ھ میں ہوئی تھی اور والد بزرگوار کی وفات کے وقت شش سالہ تھے) البتہ چند لوگ ان کے بھائی موسیٰ بن محمد کی اِمامت کے قائل ہوئے، تاہم کچھ عرصے کے بعد (غالباً جب حضرت علی بن محمد سنِ بلوغ کو پہنچے ہوں گے) موسیٰ بن محمد کی اِمامت سے منحرف ہوکر ان کی اِمامت کے گرویدہ ہوگئے، یہ دُوسرا موقع تھا کہ شیعہ (بامرِ مجبوری) چھ سال کے نابالغ بچے کی اِمامت کے قائل ہوئے۔

آٹھواں اِختلاف:... اِمام علی ہادیؒ کا وصال ۲۵۴ھ میں ہوا، ان کے بعد پھر اِمامت میں اختلاف ہوا۔

ا:... ان کے مریدوں کا ایک گروہ محمد بن بشیر نمیری نامی ایک شخص کی نبوّت پر اِیمان لے آیا، یہ ایک ملحد شخص تھا اور اس نے محارِم کے ساتھ نکاح اور مردوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کو حلال قرار دے دیا تھا۔

۲:... ایک گروہ اِمام علی ہادی کے صاحب زادے محمد بن علی کی اِمامت کا قائل ہوا، جن کا اِنتقال والد بزرگوار کی زندگی میں ہوگیا تھا، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ محمد بن علی مرے نہیں، کیونکہ ان کے والد بزرگوار نے ان کو اِمامت کے لئے نامزد کیا تھا، اور اپنے مریدوں کو بتادیا تھا کہ ان کے بعد اِمام، محمد بن علی ہوں گے۔ اِمام جھوٹ تو نہیں بولتے، لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے دُشمنوں کے اندیشے کی بنا پر ان کو غائب کردیا اور وہی اِمام مہدی ہیں۔ (فرق الشیعہ ص:۱۳۷)

۳:... ایک گروہ نے اِمام علی بن محمد کے بعد ان کے صاحب زادے اِمام حسن عسکری کو اِمام قرار دیا۔

۴:... اور کچھ لوگ اِمام حسن کے بھائی جعفر بن علی کی اِمامت کے قائل ہوئے، ان کا کہنا تھا کہ اِمام علی نے اپنے صاحب زادے محمد کی وفات کے بعد اپنے دُوسرے صاحب زادے جعفر کو اِمامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ (فرق الشیعہ ص:۱۳۸)

نواں اِختلاف:... سب سے زیادہ ہولناک اِختلاف اِمام حسن بن علی عسکری کی وفات پر رُونما ہوا، اِمام موصوف کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی تھی اور وفات شبِ جمعہ ۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں ہوئی۔

نوبختی لکھتے ہیں:

''بمرد واز وے نشانے باز نہ ماند، چوں در ظاہر فرزندے از و نیافتند میراث او در میان برادرش جعفر و مادرش تقسیم کردند۔''

(فرق الشیعہ، ص:۱۳۹)

ترجمہ:... ''امام حسن عسکریؒ کا انتقال ہوا تو ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا، جب لوگوں نے ظاہر میں ان کا کوئی لڑکا نہ پایا تو ناچاران کی وراثت ان کی والدہ اوران کے بھائی جعفر کے درمیان تقسیم کردی۔''

بہرحال امام حسن عسکری کے بعدان کے مریدوں میں شدید اختلاف رُونما ہوا، نوبختی لکھتے ہیں کہ ان کے مرید: ''برچہاردہ دستہ شدند'' (فرق الشیعہ ص:۱۳۹) یعنی ان کے چودہ فرقے ہوگئے۔ ان کی تفصیل نوبختی کے رسالے میں دیکھ لی جائے۔ خلاصہ یہ کہ ایک فرقے نے ان کے بھائی امام جعفر کو امام مانا، ایک فرقے نے کہا کہ امام حسن عسکری مرے نہیں، بلکہ رُوپوش ہوگئے ہیں، وہ دوبارہ آئیں گے، کیونکہ وہی مہدی قائم ہیں، بعض نے کہا مرتو گئے مگر دوبارہ زندہ ہوں گے، کیونکہ وہی مہدی قائم ہیں، بعض نے کہا حسن اور جعفر دونوں بھائیوں کا دعویٰ غلط تھا، امامت ان کے باپ پر ختم ہوگئی، وغیرہ وغیرہ۔

ان چودہ فرقوں میں سب سے زیادہ دِلچسپ موقف ان لوگوں کا تھا جو اس اَمر کے قائل ہوئے کہ امام حسن عسکری کا ایک بیٹا تھا، جو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوا تھا، ان کی ولادت کو لوگوں سے مخفی رکھا گیا تھا، یہ صاحب زادے چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کے انتقال سے دس دن پہلے اپنے شہر (سرمن رائی) کے ایک غار میں جاچھپے، اور وہ تمام چیزیں جو اِمامت کے لوازم ہیں اور حضرت علیؓ سے لے کر ہر امام کے پاس رہا کرتی تھیں، اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھیں (مثلاً حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن، قدیم آسمانی کتابیں، توریت، اِنجیل، زَبور اور دیگر اَنبیاء کے صحائف، مصحفِ فاطمہ، جفر احمر، جفر ابیض، ستر گز کا ''الجامعہ'' نامی صحیفہ، انبیائے سابقین کے معجزانہ تبرکات مثلاً عصائے موسیٰ، قمیصِ آدم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری وغیرہ وغیرہ) ان تمام چیزوں کا پشتارہ بھی ساتھ لے گئے۔

یہ تھا مشکلات کا وہ پہاڑ جس کو عبور کرنا اِمامیہ کے لئے ناممکن ہوگیا اور انہیں امام کے غائب ہوجانے کا اِعلان کرنا پڑا، انہی مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے

لکھا تھا:

''شیعہ مذہب کا ''نظریۂ اِمامت'' چونکہ فطری طور پر غلط تھا، اس لئے شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اُٹھا سکا، بلکہ اس نے اِماموں کا سلسلہ بارہویں اِمام پر ختم کر کے اسے ۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غار (سرمن رائی کے غار) میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔''

نظر بازگشت:

اب یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر مسئلۂ اِمامت اور عقیدۂ مہدی پر غور کیجئے تو مندرجہ بالا تفصیل سے ہم چند اہم نتائج پر پہنچتے ہیں۔

اوّل:... اِمامیہ کا دعویٰ ہے کہ اِمامت نص پر موقوف ہے، اور بڑی بلند آہنگی سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنینؓ پر اور آپ کی نسل میں سے گیارہ اِماموں پر یکے بعد دیگرے نص فرمائی تھی، لیکن شروع سے آخر تک مسئلۂ اِمامت میں جو اِختلافات رہے (اور جن کی طرف اُوپر مختصر اِشارہ کیا گیا ہے) ان کو سامنے رکھ کر اِنصاف کیجئے کہ اگر بارہ اِماموں پر نام بنام نص ہوتی تو کیا یہ اِختلافات رُونما ہوتے؟ کیا ہر اِمام کی وفات پر نئے اِمام پر نئے سرے سے ہنگامہ برپا ہوتا؟ حضراتِ صحابہ کرامؓ کو تو جو جی چاہے کہہ لیجئے، لیکن بعد کے اِختلافات تو خود شیعوں میں نہیں بلکہ خود اہلِ بیت کے درمیان اور اولادِ ائمہ میں پیدا ہوئے تھے، سوال یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں یہ اِختلافات کیوں ہوئے؟ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و اِنصاف عطا فرمایا ہو تو مندرجہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ بارہ اِماموں کا تصوّر اور ہر اِمام کے بارے میں نصِ صریح کا دعویٰ محض ایک خودتراشیدہ کہانی ہے، جسے خودغرض لوگوں نے گھڑ کر ان بزرگوں سے اسے منسوب کر دیا ہے، اس کا دِینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ''عقیدۂ اِمامت'' سے آشنا تھے اور نہ ان کی ذُرّیاتِ طیبات کو اس کی خبر تھی، یہ

خودغرض لوگ خود ہی جس کو چاہتے تھے اِمام بنالیتے تھے، اور جس کو چاہتے تھے اِمامت سے برطرف کردیتے تھے۔

دوم:... آخری زمانے میں حضرت مہدی علیہ الرضوان کا پیدا ہونا برحق ہے، لیکن بھولے بھالے لوگوں کو ہمیشہ "مہدی" کے نام پر مبتلائے فریب کیا گیا، اور ان کو اُعجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا خوگر بنایا گیا، گزشتہ تفصیل سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ:

اوّلاً:... مختار بن عبید ثقفی کذّاب نے حضرت محمد بن حنفیہ کو مہدیٔ آخرالزماں قرار دیا، اور ہزاروں شیعہ اس کے دامِ فریب کا شکار ہوئے۔

ثانیاً:... حضرت زید شہیدؒ (شہادت ۱۲۳ھ) نے سب کے سامنے جامِ شہادت نوش فرمایا، لیکن بے شمار لوگوں کو ان کے مہدی قائم ہونے کا یقین دِلایا گیا کہ وہ دوبارہ آئیں گے اور دُنیا کو عدل و اِنصاف سے پُر کریں گے۔

ثالثاً:... اِمام محمد نفس زکیہ شہیدؒ (شہادت ۱۴۵ھ) کو ان کی شہادت کے باوجود مہدی قرار دیا گیا اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کا یقین دِلایا گیا۔

رابعاً:... اِمام محمد باقرؒ کا سب کے سامنے انتقال ہوا، سب کے سامنے ان کی تکفین وتدفین ہوئی، لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے باوجود ان کو "حی لایموت" سمجھا اور ان کے مہدی قائم ہونے کا دعویٰ کیا۔

خامساً:... بہت سے لوگوں نے ان کے صاحب زادے حضرت اِمام جعفر صادقؒ کو (سب کے سامنے ان کی وفات ہوجانے کے باوجود) مہدی قائم سمجھا۔

سادساً:... بہت سے لوگوں نے اِمام صادقؒ کے صاحب زادے اِمام اِسماعیل کی نسل میں مہدی تلاش کیا۔

سابعاً:... ایک گروہ نے اِمام صادقؒ کے دُوسرے صاحب زادے اِمام زکریا کو مہدی قائم تصوّر کیا۔

ثامناً:... ایک گروہ نے اِمام موسیٰ کاظمؒ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ (مرنے کے باوجود) مرے نہیں، بلکہ رُوپوش ہوگئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

تاسعاً:...ایک گروہ نے اِمام حسن عسکریؒ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ رُوپوش ہوگئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

عاشراً:...ایک گروہ نے اِمام حسن عسکریؒ کی طرف ایک بے نام و نشان بیٹا منسوب کر کے دعویٰ کیا کہ یہ صاحب زادہ صاحب لوگوں سے نظریں بچا کر رُوپوش ہوگئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

الغرض! اوّل سے آخر تک غور کرو، شیعوں کے یہاں مہدی کے بارے میں اُعجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا عجیب طرفہ تماشا نظر آئے گا، گویا ہمیشہ سے ''اِمامِ غائب'' کا تصوّر قائم رہا، اور شیعہ کے مزاج میں یہ بات پختہ تر ہوتی چلی گئی کہ ''اِمامِ غائب'' کے بارے میں خواہ کیسی ہی خلافِ مشاہدہ اور خلافِ عقل بات کہی جائے، وہ اس کو ماننے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ بارہویں اِمام کی غَیبت کا اَفسانہ بھی اسی خلافِ عقل و خلافِ مشاہدہ توہم پرستی کی ایک مثال ہے۔

سوم:...تاریخی شہادتیں یہ ہیں کہ اِمام حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے، ان کی وراثت کا مقدمہ باقاعدہ عدالت میں گیا، عدالت نے ان کے وارثوں کی تحقیق و تفتیش کی اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ ان کا کوئی صاحب زادہ نہیں تو عدالت نے ان کی وراثت ان کی والدہ اور بھائی کے درمیان تقسیم کردی، ''اُصولِ کافی'' میں ہے:

> ''فانّ الأمر عند السلطان، أنّ أبا محمد مضی ولم یخلف ولدًا وقسم میراثه.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۳۰)
>
> ترجمہ:...''جو چیز حکومت کو محقق ہوئی وہ یہ ہے کہ اِمام حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے اور اس بنا پر ان کی میراث ان کے وارثوں پر تقسیم کردی گئی۔''

بہت سیدھی سی بات ہے کہ دو مرْدوں کی، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی عدالت میں پیش کردی جاتی کہ اِمام حسن عسکریؒ لاولد فوت نہیں ہوئے، بلکہ ان کے صاحب زادے موجود ہیں تو عدالت کے لئے یہ فیصلہ ممکن نہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ

دعویٰ کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؒ کے "بے نام ونشان" صاحب زادے موجود تھے، انہوں نے عدالت میں یہ شہادت کیوں پیش نہیں کی؟ کیا ان حضرات کو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بھی شہادت کے لئے نہیں مل سکیں؟ کیا یہ بات دُنیا کے عجائبات میں سے نہیں ہے کہ تحقیقاتی عدالت میں امام حسن عسکریؒ کے بیٹے کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دو آدمی بھی میسر نہیں آسکے، لیکن دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ جس شخصیت کو یومِ پیدائش سے غائب ہونے کے وقت تک عام نظروں نے دیکھا تک نہیں، اور جس کے وجود کی کوئی شہادت عدالت میں پیش نہیں کی جاسکی، وہی پوری دُنیا پر قیامت تک کے لئے "اللہ کی حجت" ہیں۔ انصاف کیجئے! کیا "اللہ کی حجت" اس طرح قائم ہوا کرتی ہے...؟

یاد رہے کہ میں نے شیعوں کے "اِمامِ غائب" کے لئے "بے نام ونشان صاحب زادے" کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان صاحب زادے کا نام لینا "اثناعشری قانون" میں ممنوع اور حرام ہے، بلکہ ان کا نام لینے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ "اُصولِ کافی" میں ایک مستقل باب ہے: "باب النهی عن الاسم" یعنی اِمام حسن عسکریؒ کے صاحب زادے کا نام لینا ممنوع ہے، اس باب میں اِمام حسن عسکریؒ کے والدِ بزرگوار کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: "ان صاحب زادے کا جو شخص بھی نام لے گا، وہ کافر ہوجائے گا" (لا یسمیه باسمه کافر)۔

ابوعبداللہ الصالحی کہتے ہیں کہ: میں نے ابومحمد (اِمام حسن عسکریؒ) کے گزرنے کے بعد اپنے بعض اَصحاب سے اس صاحب زادے کا نام اور جگہ پوچھی تو جواب ملا کہ: اگر تم نام بتادوگے تو لوگ اس کا راز فاش کردیں گے، اور اگر جگہ بتادی تب تو پورا پتا ہی بتادیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"۲- علیّ بن محمد، عن أبی عبدالله الصالحیّ قال: سألنی أصحابنا بعد مضی أبی محمد علیه السلام أن أسأل عن الاسم والمکان، فخرج الجواب: ان دللتهم علی الاسم أذاعوه، وان عرفوا

المکان دلّوا علیہ." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۳۳)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ائمہ کی طرف سے ان صاحب زادے کو "بے نام ونشان" رکھنے کی پوری تاکید کی گئی تھی، ان کا نام لینے کو حرام بلکہ کفر فرمایا گیا تھا، لیکن عجائبات میں سے ہے کہ شیعہ مصنّفین ائمہ کی تعلیم وتلقین کے علی الرغم اِمام حسن عسکریؒ کی کنیت "ابومحمد" (محمد کا باپ) رکھ کر ان کے صاحب زادے کا نام لیتے ہیں، گناہ کی پروانہیں کرتے، نہ ائمہ کے فتویٔ کفر سے ڈرتے ہیں، چنانچہ "اُصولِ کافی" میں بھی اِمام حسن عسکریؒ کو جگہ جگہ "ابومحمد" لکھا ہے۔

چہارم:... ظہورِ مہدی کے مسئلے میں ایک مشکل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ظہورِ مہدی کی ایک تاریخ مقرّر کردیتے، لیکن لوگ اس موقع پر کوئی نہ کوئی گڑبڑ کردیتے، لامحالہ اللہ تعالیٰ کو تاریخ بدلنی پڑتی، جب چند بار ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہوکر غیرمعین عرصے کے لئے ظہورِ مہدی کی نعمت لوگوں سے چھین لی، چنانچہ شیعہ روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کا وقت ۷۰ھ مقرّر کیا تھا، ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگئے، دوبارہ ان کے ظہور کا وقت ۱۴۰ھ مقرّر کیا، اَب اِماموں سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے یہ بات اپنے مخلص شیعوں کو بتادی اور شیعوں نے خوش ہوکر اس راز کو فاش کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہوکر اس کو غیرمعین عرصے کے لئے ملتوی کردیا۔ "اُصولِ کافی" کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"۱ - علی بن محمد ومحمد بن الحسن، عن سهل بن زیاد، ومحمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد بن عیسیٰ جمیعًا، عن الحسن بن محبوب، عن أبی حمزة الثمالیّ قال: سمعت أبا جعفر علیه السلام یقول: یا ثابت! انّ الله تبارک وتعالیٰ قد کان وقّت هٰذا الأمر فی السبعین، فلمّا أن قتل الحسین صلوات الله علیه اشتدّ غضب الله تعالٰی علٰی أهل الأرض، فأخّره الٰی

أربعين ومائة، فحدّثناكم فأذعتم الحديث فكشفتم قناع الستر ولم يجعل الله له بعد ذلک وقتًا عندنا ويمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده أُمّ الكتاب."

(اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۶۸)

ترجمہ:... "ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ: میں نے اِمام باقرؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ: اے ثابت! اللہ تعالیٰ نے ظہورِ مہدی کا وقت ۷۰ھ مقرّر کیا تھا، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اہلِ زمین پر سخت ہوا، پس اس نے اس اَمر کو ۱۴۰ھ تک مؤخر کردیا، ہم نے تم کو بتادیا، اور تم نے بات پھیلادی، پردہ فاش کردیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت مقرّر نہیں کیا، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹادیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے، اسی کے پاس اُمّ الکتاب ہے۔"

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱:... شیعوں کے اِمامِ قائم (اِمام مہدی) کی تشریف آوری کسی اور کے حق میں رحمت ہو کہ نہ ہو، مگر شیعوں کے حق میں تو یقیناً رحمت ہی ہوگی، پھر نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے ان کی تشریف آوری کا طے شدہ وقت کیوں بدل دیا؟ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا ہوتا تو اِمامِ قائم کو ۷۰ھ کی جگہ ۶۱ھ میں بھیج کر حضرت حسین کا اِنتقام لینا چاہئے تھا، نہ یہ کہ قائم آلِ محمد کے ظہور کو مزید ملتوی کردیا جاتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ کوفہ کے بے وفا شیعوں نے خطوط کے بورے بھیج کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ طلب کیا اور جب حضرتِ اِمامؓ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا، اور وہ بے کسی و بے بسی کے عالم میں اپنے کنبے سمیت شہید ہوگئے، ایسے غدار، طوطا چشم اور بے وفا شیعوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لائق نہ سمجھا کہ انہیں اِمامِ قائم کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔

۲:...اللہ تعالیٰ کو اِمامِ قائم کے بارے میں دو مرتبہ ''بدا'' ہوا، اور اس کو بھیجنے کا دوبار وعدہ کرکے اس کے خلاف کیا، حالانکہ وعدہ خلافی ایک ایسا عیب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عقلاً وشرعاً پاک ہے۔ قرآن مجید میں: ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد'' کئی جگہ وارِد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ نیز وعدہ خلافی جھوٹ ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ شیعوں کا مذہب عجیب ہے کہ اِمام کو معصوم کہتے ہیں اور خدا کو جھوٹ میں ملوّث کرتے ہیں، نعوذ باللہ، اَستغفر اللہ...!

۳:...پھر خدا کو کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی کہ خواہی نخواہی اس کو وعدہ خلافی کرنا پڑتی، اللہ تعالیٰ پہلے ہی اِماموں کو ''قائم آلِ محمد'' کے ظہور کا وقت نہ بتاتا، تاکہ وعدے کی خلاف ورزی نہ کرنا پڑتی، اور اگر وعدہ کرہی لیا تھا تو شیعوں سے غصہ ہوکر اس کو ٹالنا اس کے لطف کے خلاف تھا، اور لطف علی اللہ، اِمامیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے واجب کا بھی لحاظ نہ رکھا۔

۴:...اور جو وعدہ دوبار ٹالا جاچکا اس کا کیا اِعتبار کہ وہ ضرور پورا ہی ہوگا؟ روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو مٹا ہی دیا۔ چنانچہ اِمامؒ نے جو آیت پڑھی اس کا یہی مطلب ہے۔ اور اس وعدے کو مٹادینے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہویں اِمام کو لاولد اُٹھالیا اور اِمامِ قائم کا نام لینے کی بھی ممانعت فرمادی، تاکہ لوگ اِنتظار میں نہ رہیں۔ بہرحال یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے ... معلوم ایسا ہوتا ہے کہ... منسوخ ہی کردیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ جب اکابر ائمہ کے شیعوں کی غداری و بے وفائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے سبطِ رسولؐ و جگر گوشۂ بتولؓ کو شہید ہوتا دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے، تو شرّ القرون کے شیعوں کا کیا اعتبار؟ لہٰذا قرینِ مصلحت یہی ہے کہ ظہورِ مہدی کے قصے کو ہمیشہ کے لئے ختم ہی کردیا جائے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ اِمام حسینؓ کی طرح اِمام مہدی بھی ان کی بے وفائی کا نشانہ بن جائیں۔ بہرحال اُوپر کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آیت شریفہ (اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹادیتا ہے، اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے) کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ظہورِ مہدی کو منسوخ ہی کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ

اب تک نہیں آئے۔ اور میری پیش گوئی یاد رکھئے! کہ شیعہ حضرات جس نامعلوم شخصیت کو ''قائم آلِ محمد'' کہتے ہیں وہ قیامت تک نہیں آئے گی۔ ہاں! اہلِ سنت کے مُسلَّمہ اِمام مہدیؒ اِن شاء اللہ اپنے وقت پر تشریف لائیں گے۔

۵:...اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ عقیدے کے مطابق اَئمہ کو تو ''ما کان وما یکون'' کی ہر لحظہ خبر رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو... نعوذ باللہ... واقعات کی ترتیب بھی یاد نہیں رہتی، اور واقعات کا قبل از وقت علم بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ میں شہید ہوں گے اور ان کی شہادت کی وجہ سے ظہورِ قائم کا وقت بدلنا پڑے گا، یا اسے یہ معلوم ہوتا کہ اَئمہ یہ راز اپنے شیعوں کے پاس اُگل دیں گے اور شیعہ اس راز کو ساری دُنیا میں مشہور کردیں گے، تو اللہ تعالیٰ ظہورِ قائم آلِ محمد کا وقت ہی مقرّر نہ کرتا، اَستغفر اللہ!

۶:...اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارہ اِماموں کی تجویز خدا و رسول کی طرف سے نہیں، ورنہ یہ کیسے ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قائم آلِ محمد کا وقتِ ظہور ۷۰ھ یا ۱۴۰ھ مقرّر فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ ۷۰ھ کا زمانہ اِمام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما (متوفی ۹۴ھ) کی اِمامت کا زمانہ ہے، اور ۱۴۰ھ اِمام جعفرؒ کی اِمامت کا دور ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی تجویز کے مطابق قائم آلِ محمد کو ۷۰ھ یا ۱۴۰ھ میں بھیج دیتا تو بارہ اِماموں کا سلسلہ دھرے کا دھرارہ جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارہ اِماموں کا سلسلہ من جانب اللہ نہیں، بلکہ لوگوں کی اپنی تصنیف ہے۔

پنجم:...سلسلۂ اِمامت میں ایک اُلجھن یہ پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اِمام زادے کو اِمامت کے لئے نامزد کیا جاتا تھا، لیکن قضا و قدر کے فیصلے مطابق اس کی موت اِمام کے سامنے ہوجاتی، ناچار اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑتا اور اس کی جگہ دُوسرے اِمام زادے کو اِمامت کے لئے نامزد کیا جاتا۔ اس قسم کا حادثہ دو مرتبہ پیش آیا۔ پہلی مرتبہ حضرت اِمام جعفرؒ کے زمانے میں کہ ان کے بڑے صاحب زادے اِسماعیل کو اِمامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان صاحب زادے کا اِنتقال اِمام جعفرؒ کی زندگی میں

ہوگیا، لامحالہ اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑا، اوران کی جگہ دُوسرے صاحب زادے کو اِمامت کے لئے نامزد کیا گیا۔

دُوسری مرتبہ حضرت حسن عسکریؒ کے والد بزرگوار اِمام علی نقیؒ کے زمانے میں یہ حادثہ پیش آیا، پہلے ان کے بڑے صاحب زادے محمد کو اِمامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا کہ ناگاہ ان کا اِنتقال والد کی زندگی میں ہوگیا۔ ناچار ان کی جگہ دُوسرے صاحب زادے اِمام حسن عسکریؒ کو اِمامت کے لئے نامزد کرنا پڑا، ''اُصولِ کافی'' میں ہے:

"۱۰ - علی بن محمد، عن اسحاق بن محمد، عن أبی هاشم الجعفریّ قال: كنت عند أبی الحسن عليه السلام بعد ما مضی ابن أبو جعفر وانّی لأفكّر فی نفسی أريد أن أقول: كأنّهما أعنی أبا جعفر وأبا محمد فی هٰذا الوقت كأبی الحسن موسٰی واسماعيل ابنی جعفر ابن محمد عليهم السلام وانّ قصّتها كقصّتهما، اذ كان أبو محمد المرجی بعد أبی جعفر عليه السلام فأقبل علیَّ أبو الحسن قبل أن أنطق فقال: نعم يا أبا هاشم! بدا لله فی أبی محمد بعد أبی جعفر عليه السلام ما لم يكن يعرف له، كما بدا له فی موسٰی بعد مضیّ اسماعيل ما كشف به عن حاله وهو كما حدّثتك نفسك وان كره المبطلون، وأبو محمد ابنی الخلف من بعدی، عنده علم ما يحتاج اليه ومعه آلة الامام." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۲۷)

ترجمہ:... ''ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں اِمام ابوالحسن (علی نقی) کے پاس تھا، جب ان کے لڑکے ابوجعفر (محمد) کا اِنتقال ہوا، میں اپنے دِل میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت (اِمام علی نقی کے

دونوں صاحب زادوں) ابوجعفر اور ابومحمد کا وہی قصہ ہوا جو اِمام جعفر کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور اِسماعیل کا ہوا تھا، کیونکہ (اِسماعیل کے بجائے موسیٰ کو اِمام بنانا پڑا، اسی طرح) اب ابوجعفر کے بجائے ابومحمد کو اِمام تجویز کیا گیا۔ اِمام ابوالحسن (علی نقی) میرے بولنے سے پہلے ہی میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں اے ابوہاشم! ابوجعفر کے فوت ہونے کے بعد اَب ابومحمد کے بارے میں اللہ کی رائے وہ ہوگئی ہے جو پہلے اس کے لئے معروف نہیں تھی۔ جیسا کہ اِسماعیل کے فوت ہونے کے بعد اللہ کی رائے موسیٰ کے بارے میں ہوگئی، جس کی وجہ سے اس کا حال کھل گیا۔ قصہ وہی ہے جیسا کہ تمہارے دِل میں خیال آیا، خواہ باطل پرستوں کو ناگوار ہو، میرا بیٹا ابومحمد میرا جانشین ہوگا، اس کے پاس بقدرِ ضرورت علم بھی ہے اور آلاتِ اِمامت بھی۔"

دُوسری روایت میں ہے:

"۷- غط: سعد عن أبی هاشم الجعفریّ قال: کنت عند أبی الحسن العسکری علیه السلام وقت وفاة ابنه: أبی جعفر، وقد کان أشار الیه ودلّ علیه، وانّی لأفکّر فی نفسی، وأقول هٰذه قصة أبی ابراهیم وقصّة اسماعیل فأقبل علیّ أبو الحسن علیه السلام وقال: نعم یا أبا هاشم! بدا لله فی أبی جعفر وصیّر مکانه أبا محمد کما بدا له فی اسماعیل بعد ما دلّ علیه أبو عبدالله علیه السلام ونصبه، وهو کما حدّثتک نفسک وان کره المبطلون." (بحارالانوار ج:۵۰ ص:۲۴۱)

ترجمہ:... "اِمام علی نقی" نے اپنے بیٹے ابوجعفر کو اپنے بعد اِمام بنایا تھا، اور لوگوں کو ان کی طرف رہنمائی کی تھی، لیکن ابوجعفر (کا

انتقال باپ کی زندگی میں ہوگیا، میں ان) کے انتقال کے وقت اِمام علی نقیؒ کے پاس بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ تو وہی قصہ ہوا کہ پہلے اِسماعیل کو اِمام بنایا گیا تھا، پھر اس کی جگہ موسیٰ کاظم کو اِمام بنایا گیا۔ اِمام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں ابو ہاشم! اللہ تعالیٰ کو ابوجعفر کے بارے میں بدا ہوگیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی اور ان کی جگہ ابو محمد کو اِمام بنادیا، جیسا کہ اِسماعیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی تھی، حالانکہ اِمام صادقؒ نے اِسماعیل کو اپنا جانشین مقرّر کردیا تھا، بات وہی ہے جو تمہارے دِل میں گزری، اگرچہ باطل پرستوں کو ناگوار ہو۔“

حضراتِ اِمامیہ بارگاہِ اِمامی میں یہ گستاخی نہیں کرسکتے تھے کہ حضرتِ اِمام نے پہلے ایک صاحب زادے کے بارے میں یہ توقع کی تھی کہ وہ ان کے بعد تک جئیں گے، اس لئے ان کو اَپنا جانشین مقرّر کردیا، لیکن قضا و قدر کے فیصلے کے تحت ان صاحب زادے کا اِنتقال والد کی زندگی میں ہوگیا تو مجبوراً حضرتِ اِمام کو اپنا دُوسرا بیٹا نامزد کرنا پڑا۔

اگر ایسا گستاخانہ خیال کیا جاتا تو ایک تو اِمام کے منصوص من اللہ ہونے کے عقیدے کی جڑ کٹ جاتی۔ دُوسرے یہ لازم آتا کہ اِمام ”ما کان وما یکون“ کے عالم نہیں ہوتے۔ تیسرے، اِمام کی طرف خطا کی نسبت لازم آتی، جبکہ اِمام ہر خطا سے معصوم ہوتے ہیں، اس لئے حضراتِ اِمامیہ کو یہ بات سہل نظر آئی کہ اِمام کے بجائے اس تبدیلی کا ذمہ دار خدا کو ٹھہرایا جائے... نعوذ باللہ... لیکن اس میں یہ مشکل ضرور پیش آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر اِمام کے نام کی ایک تختی بھی تو نازل کی گئی تھی، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھی، اور جس کا پورا متن ”اُصولِ کافی“ ج:۱ ص:۵۲۷ میں نقل کیا گیا ہے، اس تختی کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رائے کیسے بدل گئی؟ غالباً اس تختی کی دوبارہ تصحیح کی گئی ہوگی...!

ششم:... سلسلۂ اِمامت میں ایک مشکل یہ پیش آتی تھی کہ جس اِمام زادے کو

اِمامت کے لئے نامزد کیا جاتا، اس کے والد کا اِنتقال اس کی نابالغی کے زمانے میں ہوجاتا، اس قسم کا حادثہ تین مرتبہ پیش آیا:

۱:... پہلے گزر چکا ہے کہ جب ۲۰۳ھ میں اِمام علی رضا بن موسیٰ کاظمؒ کا اِنتقال ہوا توان کے صاحب زادے اِمام محمد بن علی (المعروف بہ "اِمام جوادؒ") کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، اُن کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی تھی۔

۲:... پھر اِمام جوادؒ کا ۲۲۰ھ میں اِنتقال ہوا تو ان کے صاحب زادے اِمام علی نقی کی عمر چھ سال کی تھی، ان کی ولادت رجب ۲۱۴ھ کی ہے۔

۳:... تاریخی شواہد کے خلاف حضراتِ اِمامیہ کا دعویٰ ہے کہ اِمام حسن عسکریؒ کی وفات (۲۶۰ھ) کے وقت ان کا ایک بے نام ونشان صاحب زادہ چار پانچ سال کا تھا جو ان کی وفات سے چند دن پہلے رُوپوش ہوگیا تھا، اب قیامت تک کے لئے وہی اِمام ہے۔

اہلِ عقل جانتے ہیں کہ بچہ مکلّف نہیں، شریعت نے اس کو مرفوع القلم ٹھہرایا ہے، اور دُنیا کی کسی عدالت میں بچے کی شہادت معتبر نہیں۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر یہ سلسلۂ اِمامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی اِنتظام فرماتے کہ جب تک اِمام کا بیٹا بالغ نہ ہوجائے تب تک اِمام کو دُنیا سے نہ اُٹھایا جائے، تاکہ اِمام کا جانشین بالغ ہو، نابالغ بچہ نہ ہو۔ لیکن عقل وشرع کے خلاف حضراتِ اِمامیہ نابالغ بچوں کی اِمامت کے قائل ہیں، اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں ...نعوذ باللہ... بہرحال جب حضراتِ اِمامیہ کے بقول اللہ تعالیٰ کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ ایک شخص کو اِمام بناکر اسے موت سے نہیں بچاتے، بلکہ دُوسرے کو اِمام بنادیتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ...نعوذ باللہ... نابالغوں کو ساری دُنیا کا اِمام بنانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تو بہت ممکن تھا کہ بارہویں اِمام کے بعد بھی خدا کی رائے بدل جاتی، اور اِمام کا اِنتقال نابالغی میں ہوجاتا تو بڑی پریشانی لاحق ہوتی کہ اس نابالغ کے بعد اَب اِمامت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟ اس لئے قرینِ مصلحت یہی تھا کہ اِمام کو غائب کردیا جائے، اور اس کا زمانہ قیامت تک پھیلادیا جائے تاکہ نہ کسی کو اِمام کے بارے میں کچھ خبر ہو، نہ لب کشائی کرسکے کہ آیا وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں...؟

ہفتم:.... اِمامت کا سلسلہ ۲۶۰ھ تک تو ظاہری طور پر چلتا رہا، ۲۶۰ھ کے بعد بارہویں اِمام رُوپوش ہوگئے، پہلے غَیبتِ صغریٰ رہی، جس میں اِمام کے خصوصی سفیروں کو بارگاہِ اِمامی میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۳۲۹ھ تک جاری رہا، بعد میں لوگوں کو خبر ہوگئی، حکومت کی طرف سے تحقیق وتفتیش شروع ہوئی تو ''غَیبتِ کبریٰ'' کا اعلان کردیا گیا۔ یعنی اب کوئی شخص اِمام الزماں سے رابطہ قائم نہیں کرسکتا۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ''اِیرانی اِنقلاب'' میں اِمام قائم الزماں کی ان دونوں غَیبتوں کا بہت اچھا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس کو ان ہی کے الفاظ میں پڑھ لیا جائے:

''اِمام آخرالزماں کی غَیبتِ صغریٰ اور کبریٰ

اِختصار اور اِجمال کے ساتھ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جاچکی ہے کہ بارہویں اِمام صاحب الزماں (اِمامِ غائب) کی اس غیبت کے بعد بعض ''باکمال'' شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو بتلایا اور باور کرایا کہ ''صاحب الزماں'' کے پاس رازدارانہ طور پر ان کی آمد ورفت ہے، اور وہ گویا ان کے سفیر اور خصوصی ایجنٹ ہیں (یکے بعد دیگرے چار حضرات نے یہ دعویٰ کیا، ان میں آخری علی بن محمد سمیری تھے، جن کا اِنتقال ۳۲۹ھ میں ہوا) سادہ دِل شیعہ صاحبان، صاحب الزماں (اِمامِ غائب) تک پہنچانے کے لئے ان حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدیے تحفے دیتے تھے اور یہ اِمام صاحب الزماں کی طرف سے ان کے جوابات لاکر دیتے تھے، جن پر اِمام صاحب کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کاروبار اِنتہائی رازداری سے ہوتا تھا۔

رہا یہ سوال کہ اصلیت اور حقیقت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اللہ نے فراست اور بصیرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے، یہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چالاک لوگوں کا کاروبار تھا

جو اپنے کو اِمامِ غائب کا سفیر بتلاتے تھے ــــ لیکن شیعہ صاحبان اور ان کے حضراتِ علماء و مجتہدین کے نزدیک بھی وہ خطوط و مراسلات جو ان سفیروں نے صاحب الزماں (اِمامِ غائب) کے بتلا کر لوگوں کو دیئے، وہ اِمامِ معصوم کے ارشادات اور دِینی حجت ہیں، اور ان کی کتبِ حدیث و روایات میں اسی حیثیت سے جمع کئے گئے ہیں۔ ان کا اچھا خاصا ذخیرہ ''احتجاج طبرسی'' کے آخری صفحات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جناب خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیہ'' میں دِینی حجت ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے، اور اپنے خاص نظریے ''ولایتِ فقیہ'' پر ان سے اِستدلال بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو: ''الحکومۃ الاسلامیہ'' ص:۷٦، ۷۷)۔ یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ شیعہ حضرات کی روایات اور کتابوں میں اس زمانے کو جب (ان کے عقیدے کے مطابق) سفارت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا ''غَیبتِ صغریٰ'' کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفارتی کاروبار جو اِنتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت ختم ہوا جب حکامِ وقت کو اس کی اِطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا فریب دے کر رِعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹ رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا اور مشہور کردیا گیا کہ اب '' غَیبتِ صغریٰ'' کا دور ختم ہوکر '' غَیبتِ کبریٰ'' کا دور شروع ہوگیا، اور اَب صاحب الزماں کے ظہور تک کسی کا ان سے رابطہ قائم نہ ہوسکے گا اور کسی کی رسائی نہ ہوسکے گی، اب بس ان کے ظہور کا اِنتظار کیا جائے۔'' (ایرانی اِنقلاب ص:۱۷٦،۱۷۷)

یہاں جو بات ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اِمام کے غائب ہوجانے کے بعد

اَب حضراتِ اِمامیہ بھی اِمام کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کو ''خیر القرون'' فرمایا ہے، یعنی صحابہ کرامؓ کا زمانہ، ان کے بعد تابعینؒ کا دور، ان کے بعد تبع تابعینؒ کا دور۔ حضراتِ اِمامیہ نے ''خیر القرون'' کے زمانے میں تو اِمام کے وجود کو ضروری قرار دیا، لیکن جب ''شر القرون'' کا دور شروع ہوا تو اِمام کو یکا یک غائب کردیا۔ اہلِ عقل کو غور کرنا چاہئے کہ اگر خیر القرون میں اِمام کا وجود ضروری تھا تو شر القرون میں اس سے زیادہ ضروری ہونا چاہئے تھا، یہ کیسے ممکن ہے کہ خیر القرون میں تو اللہ تعالیٰ پے در پے اِمام بھیجتا چلا جائے، اور جونہی خیر القرون کا دور ختم ہو، اور شر القرون کا دور شروع ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اِمام کو یکا یک غائب کردے اور دُنیا اِمام کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے۔ سوچئے اور سو بار سوچئے! کہ کیا یہ اِمامت کا ڈھونگ محض صدرِ اوّل کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے تو نہیں رچایا گیا...؟

ہشتم:... مسئلۂ اِمامت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان کی خانہ جنگیوں کا جو خلاصہ اُوپر درج کیا گیا ہے، اس کا ایک اور پہلو بھی لائقِ توجہ ہے، وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی اولاد کی اکثریت ہمیں شیعوں کے عقیدۂ اِمامت کی منکر نظر آتی ہے، چنانچہ:

۱:... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اِمام زین العابدینؒ کی اِمامت کا دور آیا تو ان کے چچا حضرت محمد بن حنفیہؒ نے خود اپنی اِمامت کا دعویٰ کیا اور وہ اِمام زین العابدینؒ کی اِمامت کے منکر ہوئے۔ چنانچہ اصولِ کافی، **کتاب الامامۃ "باب ما یفصل بہ بین دعوی المحق والمبطل فی الامامۃ"** میں چچا بھتیجے کا مناظرہ منقول ہے جس میں بالآخر حجرِ اَسود سے فیصلہ طلب کیا گیا (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۴۸ روایت:۵) لیکن اس فیصلے کے بعد بھی محمد بن حنفیہؒ کی اِمامت کا ڈنکا بدستور بجتا رہا، اور اِمام زین العابدینؒ کو کوئی نہ پوچھتا تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے۔

۲:... اِمام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری اولاد اثنا عشری عقیدۂ اِمامت کی منکر تھی، چنانچہ عبداللہ بن حسن المحض، اِمام باقرؒ اور اِمام جعفرؒ کی اِمامت کے منکر تھے، اور وہ اپنے بیٹے ''محمد بن زکیہ'' کے حق میں ان سے بیعت لینا چاہتے تھے، جیسا کہ ''اُصولِ کافی'' کے بابِ

مذکور، روایت نمبر:۱۷اور نمبر:۱۹ میں مذکور ہے (دیکھئے: اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۶۶-۳۸۵)۔

۳:... اِمام زین العابدینؒ کے بعد جب اِمام باقرؒ کا دور آیا تو ان کے بھائی حضرت زید بن علیؒ نے، جو "زید شہید" کے لقب سے معروف ہیں، اِمام باقرؒ کی اِمامت سے اِنکار کیا اور خود اپنی اِمامت کا دعویٰ کیا، جیسا کہ "اُصولِ کافی" کے اسی باب کی روایت نمبر:۱۶ میں ان کا مناظرہ اِمام باقرؒ کے ساتھ منقول ہے (دیکھئے: اُصولِ کافی ص:۳۵۶)۔ نیز اُصولِ کافی کتاب الامامة "باب الاضطرار الی الحجة" کی روایت نمبر:۵ میں ہشام احول کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے (دیکھئے: اُصولِ کافی ج:۱ ص:۱۷۴)۔

۴:... اِمام جعفر صادقؒ کے پانچ فرزند تھے: محمد، اِسماعیل، عبداللہ افطح، موسیٰ، علی۔ ان پانچوں نے اپنی اپنی اِمامت کا دعویٰ کیا اور شیعوں کے علیحدہ علیحدہ فرقے بنے، جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ بہرحال اِمام جعفرؒ کی اولاد میں موسیٰ کاظمؒ کی اِمامت کا کوئی بھی قائل نہ تھا، بلکہ اِمام صادقؒ نے اپنے بڑے بیٹے اِسماعیل کی اِمامت کا تو خود اِعلان بھی فرمایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو... نعوذ باللہ... بدا ہوگیا اور اس کی رائے بدل گئی اور غریب اِسماعیل کی اِمامت حرفِ غلط کی طرح مٹادی گئی۔

۵:... اسی طرح ہر اِمام کے دورِ اِمامت میں اس کے بھائی بھتیجے اور دیگر اَقارب اس کی اِمامت کے منکر رہا کرتے تھے، حتیٰ کہ اِمام حسن عسکریؒ کے بھائی جعفر، ان کی اور ان کے بیٹے "بے نام مہدی" کی اِمامت کے بھی منکر تھے، اسی بنا پر شیعہ ان کو "جعفر کذّاب" کے "مقدس" لقب سے یاد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر اِمام کی اِمامت کو (سوائے اس کے اہلِ خانہ کے اور دو چار شیعوں کے) خاندانِ سادات میں سے بھی کسی نے قبول نہیں کیا، بلکہ معدودے چند اَفراد کے سوا ڈھائی صدیوں میں تمام سادات اور پورا خاندانِ نبوّت مسئلۂ اِمامت کا منکر تھا۔

اب منکرینِ اِمامت کے بارے میں شیعوں کا فتویٰ سنئے...!

میں مسئلۂ اِمامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدے میں ذکر کرچکا ہوں کہ

اِمامیہ کے نزدیک اِمامت کا منکر کافر اور ناری ہے، یہاں ''اُصولِ کافی'' کی دو رِوایتیں مزید پڑھ لیجئے:

''۲- محمد بن یحییٰ، عن عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، عن علیّ بن الحکم، عن أبان، عن الفضیل، عن أبی عبداللہ علیہ السلام قال: من ادّعی الامامة ولیس من أهلها فهو کافر.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۷۲)

ترجمہ:... ''فضیل کہتے ہیں کہ اِمام صادقؒ نے فرمایا کہ: جس شخص نے اِمامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہیں تھا، وہ کافر ہے۔''

''۳- الحسین بن محمد، عن معلّی بن محمد، عن محمد بن جمهور، عن عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عن الحسین بن المختار قال: قلت لأبی عبداللہ علیہ السلام: جعلت فداک ''ویوم القیامة تری الذین کذبوا علی اللہ''؟ قال: کلّ من زعم أنّه اِمام ولیس باِمام، قلت: وان کان فاطمیًّا علویًّا؟ قال: وان کان فاطمیًّا علویًّا.'' (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۳۷۲)

ترجمہ:... ''حسین بن مختار کہتا ہے کہ: میں نے اِمام صادقؒ سے پوچھا کہ: اس آیت کا مصداق کون ہے: ''اور تم قیامت کے دن دیکھوگے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، ان کے منہ کالے ہوں گے'' اِمام نے فرمایا کہ: آیت کا مصداق ہر وہ شخص ہے جس نے اِمامت کا دعویٰ کیا، حالانکہ وہ اِمام نہیں۔ میں نے کہا: خواہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہو؟ فرمایا: خواہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد ہو۔''

گویا شیعہ عقیدے کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی وہ تمام اولاد جو

شیعوں کے خودساختہ عقیدۂ اِمامت کی منکر تھی، وہ کافر ہے، اور قیامت کے دن ان کے
کالے ہوں گے۔

اسی پر اِکتفا نہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک منکرینِ اِمامت حرام زادے ہیں۔

کلینی نے ''روضۂ کافی'' کی روایت نمبر:۴۳۱ میں اِمام باقرؒ کی ''حدیث''
نقل کی ہے:

''۴۳۱- عليّ بن محمد، عن علي بن العبّاس، عن الحسن بن عبدالرحمٰن، عن عاصم بن حميد، عن أبي حمزة، عن أبي جعفر عليه السلام قال: ...... والله يا أبا حمزة! ان الناس كلّهم أولاد بغايا ما خلا شيعتنا.''

(روضۂ کافی ص:۲۸۵)

ترجمہ:... ''اللہ کی قسم! اے ابوحمزہ! لوگ سب کے سب بدکار عورتوں کی اولاد ہیں، سوائے ہمارے شیعوں کے۔''

علامہ مجلسی کی ''بحارالانوار'' میں ایک باب کا عنوان ہے:

''ان حبهم عليهم السلام علامة طيب الولادة، وبغضهم علامة خبث الولادة''

ترجمہ:... ''ائمہ سے محبت رکھنا ولادت کے پاک ہونے کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا ولادت کے ناپاک ہونے کی علامت ہے۔''

اس باب میں ۳۱ رِوایتیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ شیعوں کا نسب صحیح ہے، اور جو لوگ اِمامت کے منکر ہیں ان کا نسب ناپاک ہے۔

اس سے شیعوں کی اہلِ بیت سے محبت کا اندازہ ہوجاتا ہے، مسئلۂ اِمامت کی بنا پر تمام صحابہؓ کو تو (سوائے دو چار کے) کافر و ظالم کہتے ہی تھے، لیکن اس نظریے کی وجہ سے اِماموں کی اولاد کو بھی... نعوذ باللہ... ولدالحرام قرار دیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ذرا بھی عقل

نصیب فرمائی ہوتو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شیعہ اہلِ بیت کے کتنے بڑے دُشمن ہیں...!

اِمام مہدیؒ کے بارے میں اسلامی تصوّر:

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''ہمیں یقین ہے کہ کتبِ اسلامی پر وسیع اطلاع رکھنے والا کوئی شخص ''بارہویں اِمام'' (اِمام مہدی) کے اسلامی تصوّر کا اِنکار نہیں کرسکتا۔ جبکہ بہت سے علمائے اہلِ سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اب عقلی صورت ان کے موجود ہونے کے ساتھ ان کی غیبت کی، جس کی سمجھ میں جو تعبیر آئی لکھ دی گئی، ماننا صرف اتنا ہی واجب ہے کہ وہ ہیں اور بس۔''

اِمام مہدی علیہ الرضوان کے اسلامی تصوّر کا اِنکار کون کرتا ہے؟ لیکن شیعوں کے اِمامِ غائب کو مہدی کے اسلامی تصوّر کا مصداق سمجھنا آنجناب کی خوش فہمی یا مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ اسلام جس مہدی کے آنے کا قائل ہے اس کی چند صفات یہ ہیں:

ا:...اس کا نام ''محمد بن عبداللہ'' ہوگا (ابوداؤد ص:۵۸۸) جبکہ شیعوں کے مہدی کا نام لینا ہی کفر ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کرچکا ہوں۔ اور شیعہ اس ''بے نام'' بچے کے باپ کا نام ''حسن عسکری'' بتاتے ہیں، پس شیعوں کے مہدی کا نام اور ولدیت اِمام مہدی کے نام اور ولدیت سے مختلف ہے۔

۲:... اِمام محمد بن عبداللہ المہدی حسنی سیّد ہوں گے (ابوداؤد ص:۵۸۹) جبکہ شیعوں کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل منصبِ اِمامت ہی سے معزول ہے۔

۳:... اِمام مہدیؒ کی عمر شریف ان کے ظہور کے وقت چالیس برس کی ہوگی (الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۶۶) جبکہ شیعوں کے دعوے کے مطابق بے نام مہدی کی خفیہ پیدائش ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی، گویا ''۱۱۵۷'' کی عمر تو ان کی آج کی تاریخ سے ہے، اور علامہ خمینی کے بقول ابھی ہزاروں سال اور بھی گزر سکتے ہیں۔

الغرض! جب اسلام کے مہدی سے اس بے نام بچے کا نام و نسب بھی نہیں ملتا تو ان کو مہدی کہہ کر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسے مرزائی، مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ کو ''مہدی'' کہہ کر خوش ہوا کرتے ہیں، اور مرزا کے منکر کو ''مہدی کا منکر'' کہتے ہیں۔

رہا آنجناب کا یہ ارشاد کہ:

''بہت سے علمائے اہلِ سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔''

مجھے معلوم نہیں کہ کون علمائے اہلِ سنت اس کے قائل ہیں؟ ایسا نہ ہو کہ کسی بزرگ نے حضراتِ اِمامیہ کا قول نقل کیا ہو، اور آپ نے اس کا اپنا قول سمجھ لیا ہو، بہرحال جس ''بے نام'' مہدی کا آپ نام لے رہے ہیں اس کی کبھی پیدائش نہیں ہوئی، زندہ ہونے کا کیا سوال...؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''واگر کسے فرقۂ خود را عنقائیہ لقب کند و بامامت عنقاء قائل شوند بکدام وجہ ابطال مذہب ایشاں تواں نمود۔''

(تحفہ اثنا عشریہ ص:۱۲۴)

ترجمہ:... ''اور اگر کچھ لوگ اپنے فرقے کا نام ''عنقائیہ'' رکھ لیں اور ''عنقاء'' کی اِمامت کے قائل ہوجائیں (جس کا کوئی نام و نشان ہی نہیں) تو ان کے مذہب کے اِبطال کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔''

گیارہویں بحث: عقیدۂ اِمامت پر تقیہ کا شامیانہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

""صفحہ:۲۲ پر آپ نے (راقم الحروف نے) جس تقیہ کا شامیانہ شیعوں کے سر پر تانا ہے، اس میں آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوئی، یہ اتنا غیر اہم معاملہ ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ان صفحات میں نہیں۔""

مؤدّبانہ گزارش ہے کہ یہ ناکارہ شامیانہ کہاں سے لاتا؟ اور شیعوں کے سر پر تاننے کی گستاخی کیسے کرسکتا تھا؟ یہ شامیانہ تو خوداً کابر شیعہ نے اِمامت اور ائمہ پر تانا ہے، چنانچہ شیخ الطائفہ کی ""تہذیب"" اور ""الاستبصار"" اُٹھا کر دیکھ لیجئے، ہر دُوسرے تیسرے صفحے پر "محمول على التقية" کے الفاظ ملیں گے۔

رہا یہ کہ یہ معاملہ اہم ہے یا غیر اہم؟ غالباً جناب نے ""اُصولِ کافی"" کتاب الکفر والایمان میں باب التقیۃ کو ملاحظہ نہیں فرمایا، ورنہ آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا، مثلاً اِمام صادقؒ کا یہ ارشاد:

""۲- ابن أبی عمیر: عن هشام بن سالم، عن أبی عمر الأعجمی قال: قال لی أبو عبدالله علیه السلام: یا أبا عمر انّ تسعة أعشار الدین فی التقیّة ولا دین لمن لا تقیّة له والتقیّة فی کلّ شیء الّا فی النبیذ والمسح علی الخفّین."" (اُصولِ کافی ج:۲ ص:۲۱۷)

ترجمہ:... ""اے ابوعمر! دِین کے کل دس حصے ہیں، ان میں

سے نو حصے تقیہ میں ہیں، اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دِین ہے، اور ہر
چیز میں تقیہ ہے سوائے نبیذ کے اور مسح علی الخفین کے۔''

اس حدیث سے جہاں تقیہ کی اہمیت واضح ہوئی، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ دِین کی ہر بات میں تقیہ ہے، تقیہ کے طور پر اِسلام کی بات کفر اور کفر کی بات کو اِسلام کہنا دُرست ہے، البتہ دو چیزوں میں تقیہ نہیں۔ مگر ''الاستبصار'' ج:۱ ص:۷۶ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے موزوں پر مسح کیا تھا اور اِمام باقرؒ نے فرمایا کہ: تقیہ کے طور پر مسح علی الخفین جائز ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں میں بھی تقیہ ہوسکتا ہے، گویا اِمام نے جو فرمایا تھا کہ ان دو باتوں میں تقیہ نہیں، یہ بھی تقیہ یعنی جھوٹ تھا۔ اور مثلاً اِمام ابوجعفرؒ کا یہ ارشاد:

''۱۲ – عنه عن أحمد بن محمد عن معمر بن خلّاد قال: سألت أبا الحسن عليه السلام عن القيام للولاة، فقال: قال أبو جعفر عليه السلام: التقيّة من ديني ودين آبائي ولا ايمان لمن لا تقيّة له.''

(اُصولِ کافی ج:۲ ص:۲۱۹)

ترجمہ:... ''تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دِین ہے، اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دِین ہے۔''

ان دونوں احادیث سے ''تقیہ'' کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ صرف مباح و مستحب نہیں، بلکہ نماز روزے کی طرح فرض ہے۔ اور فرض بھی ایسا کہ ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے، کیونکہ دِین کے نو حصے تنہا تقیہ میں ہیں اور دِین کے باقی تمام ارکان مل کر تقیہ کے مقابلے میں دِین کے دسویں حصے کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے اس کا تارک دِین کا تارک اور بے دِین ہے۔ آنجناب کو اس کا ''غیر اہم'' چیز کہنا ائمہ معصومین کے ارشاد سے اِنحراف اور ایک طرح سے ائمہ معصومین کی تکذیب ہے۔

الغرض! شیعہ مذہب میں تقیہ اتنی بڑی اور ایسی مقدس عبادت ہے کہ دِین کے تمام ارکان: نماز، روزہ، حج، قربانی، جہاد وغیرہ وغیرہ ''عبادتِ تقیہ'' کے مقابلے میں عشرِ عشیر

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صفحات کی تنگ دامانی اس پر طویل بحث کی اجازت نہیں دیتی، تاہم تقیہ کی تشریح وتفسیر اور مواقعِ تقیہ کی توضیح کے لئے ائمہ معصومین کی چند اَحادیث نقل کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

"۳- عدّة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن خالد، عن عثمان بن عيسٰى، عن سماعة، عن أبى بصير قال: قال أبو عبدالله عليه السلام: التقيّة من دين الله، قلت: من دين الله؟ قال: اى والله من دين الله ولقد قال يوسف: "أيّتها العير انّكم لسارقون" والله ما كانوا سرقوا شيئًا، ولقد قال ابراهيم: "انّى سقيم" والله! ما كان سقيمًا." (اُصولِ کافی، باب التقیہ ج:۲ ص:۲۱۷)

ترجمہ:..."ابوبصیر کہتے ہیں کہ: اِمام صادقؒ نے فرمایا کہ: تقیہ، اللہ کے دِین میں سے ہے۔ میں نے کہا: اللہ کے دِین میں سے؟ فرمایا: ہاں! اللہ کی قسم! اللہ کے دِین میں سے ہے، بے شک یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ: "اے قافلے والو! تم چور ہو" واللہ! انہوں نے کچھ نہیں چرایا تھا۔ اور اِبراہیم علیہ السلام نے کہا کہ: "میں بیمار ہوں" واللہ! وہ ہرگز بیمار نہ تھے۔"

اس حدیث سے تقیہ کا مفہوم معلوم ہوا کہ محض بربنائے مصلحت جھوٹ بول دینا تقیہ ہے، کیونکہ اِمام کے بقول برادرانِ یوسف نے کچھ نہیں چرایا تھا، لیکن یوسف علیہ السلام نے ان کو چور کہا، جو صریح جھوٹ ہے، اور اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور اِبراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: "میں بیمار ہوں" حالانکہ اِمام کے بقول وہ قطعاً بیمار نہ تھے، یہ بھی صریح جھوٹ تھا، اسی کا نام تقیہ ہے، اور یہ اِمام کے بقول دِین کے دس حصوں میں سے نو حصوں پر مشتمل ہے۔

اس حدیث سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی، وہ یہ کہ تقیہ کے لئے اِضطرار شرط نہیں، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا، اس کے باوجود انہوں نے بطورِ تقیہ ان لوگوں کو چور کہا۔ اور حضرت اِبراہیم علیہ السلام کو بھی جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا، اس کے باوجود انہوں نے بطورِ تقیہ اپنے کو بیمار کہا۔ یہ مضمون دُوسری حدیث میں اِمام سے صراحتاً بھی منقول ہے۔

دُوسری حدیث:

اُصولِ کافی، باب التقیہ میں ہے:

”۱۳ – علیّ بن ابراهیم، عن أبیه، عن حمّاد، عن ربعی، عن زرارة، عن أبی جعفر علیه السلام قال: التقیّة فی کلّ ضرورة وصاحبها أعلم بها حین تنزل به.“

(اُصولِ کافی ج:۲ ص:۲۱۹)

ترجمہ:... ”زرارہ اِمام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تقیہ ہر ضرورت میں ہے، اور جس کو ضرورت لاحق ہو وہی اس کو بہتر جانتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے کوئی ضابطہ مقرّر نہیں، بلکہ صاحبِ ضرورت ہی اس کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

یاد رہے کہ شیعہ مذہب میں ”تقیہ“ اور ”کتمان“ دو الگ الگ چیزیں ہیں، کتمان کے معنی اپنے دِین کو چھپانے کے ہیں، چونکہ شیعہ مذہب اس لائق نہیں کہ اس کو ظاہر کیا جائے اس لئے اِمام نے مذہب کے چھپانے کا حکم فرمایا، چنانچہ ”اُصولِ کافی“ میں ”باب التقیہ“ کے بعد ”باب الکتمان“ ہے، اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے:

تیسری حدیث:

”۳– علیّ بن ابراهیم، عن أبیه، عن ابن أبی

عمیر، عن یونس بن عمّار، عن سلیمان ابن خالد قال:
قال أبو عبداللہ علیہ السلام: یا سلیمان! انّکم علیٰ دین
من کتمہ أعزّہ اللہ ومن أذاعہ أذلّہ اللہ۔"

(اُصولِ کافی ج:۲ ص:۲۲۲)

ترجمہ:... "سلیمان بن خالد اِمام صادق کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے سلیمان! تم ایسے دِین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیں گے، اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریں گے۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب لائقِ ستر ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب، اِسلام کے علاوہ کوئی اور دِین ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اِظہار کا تو حکم فرمایا ہے، اور خود اس کے اِظہار کا وعدہ فرمایا ہے: "لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" اس کے برعکس شیعہ مذہب کے اِظہار کی من جانب اللہ ممانعت ہے، اس کے چھپانے پر عزت کا، اور اس کے اِظہار پر ذِلت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

الغرض! "کتمان" کے معنی تو ہیں اپنے دِین کو چھپانا، اور "تقیہ" کے معنی اپنے مذہب کے خلاف کرنا یا کہنا۔

چوتھی حدیث:

"اُصولِ کافی" میں ہے:

"۱ - عدّة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن عیسیٰ، عن علیّ بن الحکم، عن معاویة ابن وهب، عن سعید السمّان قال: کنت عند أبی عبداللہ علیہ السلام اذ دخل علیہ رجلان من الزیدیّة فقالا لہ: أفیکم امام مفترض الطاعة؟ قال: فقال: لا، قال: فقالا لہ: قد أخبرنا عنک الثقات أنّک تفتی وتقر وتقول بہ

وتسمّيهم لک، فلان وفلان، وهم أصحاب ورع وتشمير، وهم ممّن لا يكذب فغضب أبو عبدالله عليه السلام فقال: ما أمرتهم بهٰذا فلمّا رأيا الغضب في وجهه خرجا." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۳۱ روایت:۱)

ترجمہ:... "سعید سمان کہتے ہیں کہ میں اِمام صادقؒ کے پاس تھا، اتنے میں زیدیہ فرقے کے دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ: کیا تم میں کوئی اِمام مفترض الطاعۃ موجود ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! کہنے لگے: ہمیں آپ کے بارے میں لائقِ اعتماد ثقہ لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ اس کا فتویٰ دیتے ہیں اور اِقرار کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں، اور ہم آپ کے سامنے ان لوگوں کا نام لئے دیتے ہیں، وہ فلاں فلاں آدمی ہیں، بڑے تقویٰ و طہارت کے مالک ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اِمام صادقؒ ان کی بات سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ: میں نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا۔ پس جب انہوں نے اِمام کے چہرے پر غیظ وغضب دیکھا تو اُٹھ کر چلے گئے۔"

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل:... یہ کہ زیدیہ فرقے کے لوگوں سے اِمام کو جان و مال کا خوف نہیں تھا، اس کے باوجود اس نے تقیہ فرمایا، اور صاف کہہ دیا کہ ہم میں کوئی "اِمام" نہیں۔ معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے جان و مال کے خوف کی کوئی شرط نہیں۔

دوم:... یہ کہ حضراتِ اِمامیہ کے نزدیک اِنکارِ اِمامت کفر ہے، مگر اِمام نے تقیہ کی بنا پر اس کفر کے اِرتکاب سے دریغ نہیں فرمایا۔

سوم:... یہ کہ ائمہ نے کسی کو مسئلۂ اِمامت کی تعلیم نہیں دی، لوگوں نے خواہ مخواہ بے پَر کی اُڑادی۔

پانچویں حدیث:

اُصولِ کافی، کتاب العلم" باب اختلاف الحدیث" میں ہے:

"۵- أحمد بن ادريس، عن محمد بن عبدالجبّار، عن الحسن بن عليّ، عن ثعلبة بن ميمون، عن زرارة بن أعين، عن أبي جعفر عليه السلام قال: سألته عن مسألة فأجابني ثم جاءه رجل فسأله عنها فأجابه بخلاف ما أجابني، ثم جاء رجل آخر فأجابه بخلاف ما أجابني وأجاب صاحبي، فلمّا خرج الرجلان قلت: يا ابن رسول الله! رجلان من أهل العراق من شيعتكم قدما يسألان فأجبت كل واحد منهما بغير ما أجبت به صاحبه؟ فقال: يا زرارة! انّ هٰذا خير لنا وأبقى لنا ولم ولا اجتمعتم علىٰ أمر واحد لصدّقكم الناس علينا ولكان أقلّ لبقائنا وبقائكم.

قال: ثمّ قلت لأبي عبدالله عليه السلام: شيعتكم لو حملتموهم على الأسنّة أو على النار لمضوا وهم يخرجون من عندكم مختلفين، قال: فأجابني بمثل جواب أبيه." (اُصولِ کافی ج:۱ ص:۶۵ روایت:۵)

ترجمہ:... "جناب زرارہ، اِمام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا، اِمام نے مجھے ایک جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا، اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کو دُوسرا جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا، اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، اس کو آپ نے ہم دونوں سے مختلف جواب دیا۔ وہ

دونوں صاحب چلے گئے تو میں نے امام سے عرض کیا کہ: اے رسول اللہ کے بیٹے! اہلِ عراق کے یہ دونوں آدمی تمہارے قدیم شیعوں میں سے ہیں، آپ نے ان دونوں کے سوال کا مختلف جواب دیا۔ امام نے فرمایا: زرارہ! بے شک ہمارے لئے یہی بہتر ہے اور اسی میں ہماری اور تمہاری بقا ہے۔ اگر تم لوگ کسی ایک چیز پر متفق ہو جاؤ تو لوگ ہمارے بارے میں تمہیں سچا سمجھنے لگیں گے، اس سے ہماری اور تمہاری بقا کم ہو جائے گی۔ زرارہ کہتے ہیں کہ: میں نے امام صادقؒ سے عرض کیا کہ: آپ کے شیعہ تو اتنے پکے ہیں کہ اگر ان کو نیزوں پر ٹانگ دیا جائے یا آگ میں جھونک دیا جائے تب بھی وہ کرگزریں گے، اس کے باوجود وہ آپ حضرات (ائمہ) کے یہاں سے نکلتے ہیں تو بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ اس پر امام صادقؒ نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ان کے والد ماجد امام باقرؒ نے دیا تھا (کہ ہم قصداً شیعوں میں اختلاف ڈالتے ہیں تاکہ وہ کسی بات پر متفق نہ ہوں)۔''

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ائمہ صحیح مسئلہ بتانے کے پابند نہیں تھے، بلکہ غلط سلط مسئلے بیان کرنے کی بھی ان کو اجازت تھی۔ دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ، تقیہ کی ایسی پابندی اور ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ اپنے خاص رازداروں سے بھی تقیہ فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اپنے اَصحاب کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا بڑا اِہتمام رہتا تھا، اور ان کی یہ کوشش رہا کرتی تھی کہ ان کے شیعہ کسی بات پر متفق نہ ہو جائیں، خدانخواستہ اگر وہ کسی ایک بات پر بھی متفق ہو گئے تو ائمہ کی خیر نہیں، نہ ان کے شیعوں کی۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کے زمانے میں لوگ شیعوں کو جھوٹا سمجھا کرتے تھے، اور ائمہ کو بھی اس کا اِہتمام رہتا تھا کہ لوگ ان کے شیعوں کو جھوٹا سمجھا کریں، خدانخواستہ کسی دن لوگوں نے شیعوں کو سچا سمجھ لیا تو بس یوں سمجھو کہ قیامت آگئی۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی

کہ شیعہ مذہب کی بقااور نشو ونما کا راز تقیہ میں مضمر تھا، اگر شیعہ مذہب کے چہرے پر تقیہ کی سیاہ نقاب نہ ڈالی جاتی تو اِمام کے بقول شیعہ مذہب کی بقا ممکن ہی نہیں تھی۔ اِمامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے الفاظ میں:

''اگر تقیہ کا سلسلہ نہ ہوتو مذہبِ شیعہ کا ائمہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کرنا قطعاً ناممکن ہوجائے۔ مذہبِ شیعہ کو تقیہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ریل گاڑی کو تارِ برقی کے ساتھ ہے، اگر تار کاٹ دیئے جائیں تو ریل گاڑی ایک قدم نہیں چل سکتی۔''

(یازدہ نجوم ص:۹۸)

چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اس کی کوئی پروانہیں تھی کہ تقیہ کی بدولت سچ اور جھوٹ رَل مل جائے گا، حق و باطل گڈمڈ ہوجائے گا اور دِینِ خداوندی (جو شیعوں کے نزدیک صرف ائمہ ہی سے معلوم ہوسکتا ہے) مشتبہ ہوکر رہ جائے گا، اور ائمہ پر وہی فتویٰ لوٹ پڑے گا جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں دیا تھا:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔'' (البقرۃ:۱۵۹)

ترجمہ:...''بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اُتارا صاف حکم اور ہدایت کی باتیں، بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں، ان پر لعنت کرتا ہے اللہ، اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

تقیہ کے ہولناک نتائج:

ائمہ کے تقیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بیان کردہ مسائل میں شدید اِختلاف وتضاد پیدا ہوگیا، جس کی وجہ سے ائمہ کے زمانے میں ائمہ کے اَصحاب کے درمیان ایسے ہولناک

اِختلافات پیدا ہوئے کہ ایک دُوسرے کی تردید میں کتابیں لکھنے اور ایک دُوسرے کی تضلیل وتفسیق اور مقاطعہ تک نوبت آئی، اور بعد کے علماء و مجتہدین شیعہ میں بھی اِختلافات پیدا ہوئے، اُصول میں بھی اور فروع میں بھی۔ الغرض! ائمہ کے تقیہ کی بنا پر شیعہ مذہب عجیب تضادات کا ملغوبہ اور شدید تدلیس و تلبیس کا مرقع بن کر رہ گیا۔ اور یہ معلوم کرلینا قریباً ناممکن ہوگیا کہ ائمہ کی مختلف روایات کی روشنی میں کون سا مسئلہ قطعی طور پر حق وصواب ہے اور کون سا قطعی باطل اور غلط؟

یہاں ان اُمور پر مفصل گفتگو کی گنجائش نہیں، اِمامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے شیعہ مذہب کے دوسو مسائل پر رسائل لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا، ان دوسو مسائل میں سے دُوسرا مسئلہ تقیہ تھا، جس پر حضرتؒ نے "الثانی من المائتین" کے عنوان سے تین رسائل قلم بند فرمائے جو "یازدہ نجوم" کے ضمن میں چھپ چکے ہیں۔ طلبہ کو مشورہ دُوں گا کہ ان رسائل کا مطالعہ فرمائیں۔ البتہ اِفادۂ عام کے لئے دُوسرے نمبر کا آخری حصہ اور تیسرے نمبر کا اِبتدائی حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ اس میں اس مسئلے کا پورا خلاصہ آگیا ہے۔

دُوسرے نمبر کے آخر میں لکھتے ہیں:

> "یہ ایک ہلکا سا نمونہ شیعوں کے ائمہ معصومین کے تقیہ کا تھا جس سے کچھ اندازہ تقیہ کے مواقع کا ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تقیہ کے لئے نہ ہرگز کسی قسم کے خوف کی شرط ہے، نہ کسی اور ضرورت کی، بلکہ ائمہ شیعہ نے ہر موقع پر تقیہ کیا ہے، موافقین سے بھی، مخالفین سے بھی، دُنیاوی اُمور میں بھی اور دِینی مسائل میں فتویٰ دینے میں بھی، عقائد کے متعلق بھی اور اَعمال کے متعلق بھی۔ کتبِ شیعہ خاص کر کافی، اِستبصار، تہذیب کے دیکھنے سے بڑے بڑے عمدہ لطائف تقیہ کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔
>
> ائمہ شیعہ کی ان اختلاف بیانیوں یا تقیہ پردازیوں کے سبب سے ان کے اَصحاب میں مذہبی اختلاف بکثرت پیدا ہوئے اور

اَصحاب کے بعد علماء اور اَئمہ مجتہدین میں وہی اختلاف رُونما ہوئے، اور یہ اِختلاف صرف اعمال میں نہیں، بلکہ عقائد میں، اور عقائد میں بھی جو مسئلہ مذہبِ شیعہ میں سب سے زیادہ مہتم بالشان ہے، جس کو ان کے عقائد کا گلِ سرسبد کہنا چاہئے، یعنی مسئلۂ اِمامت اس میں بھی اِختلاف ہوا۔ اَئمہ کے بعض اَصحاب اَئمہ کو معصوم کہتے تھے، اور بعض لوگ مثل اہلِ سنت کے ان کے معصوم ہونے کا اِنکار کرتے تھے اور ان کو علمائے نیکوکار جانتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی کتاب ''حق الیقین'' کے صفحہ:۶۹۶ پر لکھتے ہیں:

''از اَحادیث ظاہر می شود کہ جمعے از راویان کہ در اعصار اَئمہ علیہم السلام بودہ اند از شیعان اعتقاد بہ عصمت ایشاں نداشتہ اند، بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار میدانستہ اند، چنانکہ از رجال کشی ظاہر میشود، ومع ذالک اَئمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں می کردند۔''

ترجمہ:...''احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ راویوں کی ایک جماعت جو اَئمہ علیہم السلام کی ہم عصر تھی، اَئمہ کے معصوم ہونے کا اِعتقاد نہ رکھتی تھی بلکہ اَئمہ کو نیکوکار عالم جانتی تھی، چنانچہ رجال کشی سے معلوم ہوتا ہے، اور باوجود اس کے اَئمہ علیہم السلام نے ان کے مؤمن بلکہ عادل ہونے کا حکم لگایا ہے۔''

اس اختلاف کا سبب یہی ہے کہ اَئمہ نے اپنی اِمامت اور عصمت کا اِنکار بھی کیا ہے، اب چاہے یہ انکار واقعی ہو یا از راہِ تقیہ۔

اَصحابِ اَئمہ کا اِختلاف اعمال میں اس حد کو پہنچا کہ علمائے شیعہ کو بادِلِ نخواستہ اِقرار کرنا پڑا کہ ان کا اِختلاف اہلِ سنت کے اَئمہ اَربعہ یعنی اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ کے باہمی اِختلاف سے بدرجہا زائد ہے، چنانچہ شیعوں کے

مجتہدِ اعظم مولوی دلدار علی صاحب اپنی کتاب ''اساس الاصول''
مطبوعہ لکھنؤ، عہد شاہی صفحہ:۹۱ پر لکھتے ہیں:

''وقد ذکرت ما ورد منهم من الأحادیث المختلفة التی یختص الفقه فی الکتاب المعروف بالاستبصار وفی کتاب تهذیب الأحکام ما یزید علیٰ خمسة آلاف حدیث، وذکرت فی أکثرها اختلاف الطائفة فی العمل بها، وذٰلک أشهر من أن یخفی حتّی انک لو تأملت اختلافهم فی هٰذه الأحکام وجدته یزید علیٰ اختلاف أبی حنیفة والشافعی ومالک، ووجدتهم مع هٰذا الاختلاف العظیم لم یقطع أحد منهم موالاة صاحبه ولم ینته الیٰ تضلیله وتفسیقه والبرائة من مخالفه.'' (اساس الاصول ص:۹۱)

ترجمہ:... ''ائمہ سے جو مختلف حدیثیں خاص کر فقہ کے متعلق منقول ہیں وہ کتاب مشہور اِستبصار اور تہذیب الاحکام میں پانچ ہزار اَحادیث سے زائد بیان کی گی ہیں، اور اکثر ان حدیثوں میں شیعوں کے اختلافِ عمل کا بھی ذکر ہے (یعنی کسی عالم شیعہ نے کسی حدیث پر عمل کیا، اور کسی نے کسی پر) یہ بات بہت مشہور ہے چھپ نہیں سکتی، یہاں تک کہ اگر تم ان کے اختلاف کو ان اَحکام میں غور سے دیکھو تو ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کے اختلاف سے زائد پاؤگے۔ اور یہ بھی دیکھوگے کہ باوجود اس عظیم اختلاف کے ایک، دُوسرے سے ترکِ موالات نہیں کرتا، ایک، دُوسرے کو گمراہ اور فاسق نہیں کہتا، اور اپنے مخالف سے بیزاری نہیں ظاہر کرتا۔''

اپنے مجتہدِ اعظم کی اس عبارت کو شیعہ غور سے دیکھیں جو

بعض اوقات ناواقف کو یہ کہہ کر بہکاتے ہیں کہ تمہارے ائمہ اَربعہ میں دیکھو ایسا اِختلاف ہے، کیونکر یہ جادۂ حق پر ہوسکتے ہیں؟

ھٰذا آخر الکلام والحمد للّٰہ ربّ العالمین۔"

اور تیسرے نمبر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

امابعد! واضح ہو کہ "الثانی من المأتین" کا یہ تیسرا نمبر ہے، جس میں اِن شاء اللہ تعالیٰ تقیہ کے نتائج بیان کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بیان کو ذریعہ ہدایت بنائے، آمین۔

پہلے دونوں نمبروں میں حسبِ ذیل اُمور شیعوں کی اعلیٰ ترین معتبر کتابوں سے ثابت کئے جاچکے ہیں:

۱:... تقیہ کے معنی خلافِ واقع کے یا خلاف اپنے اِعتقاد کے کوئی بات کہنا (جس کو جھوٹ بولنا کہتے ہیں) یا کوئی کام کرنا۔

ف:... تقیہ اور نفاق بالکل ایک چیز ہے، اگرچہ شیعہ تقیہ اور نفاق میں بڑا فرق بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ تقیہ دِین کے چھپانے اور بے دِینی ظاہر کرنے کا نام ہے، اور نفاق بالکل اس کے برعکس ہے، لیکن یہ فرق شیعوں کی ایک اِصطلاح کی بنیاد پر ہے، مسلمانوں کے نزدیک اپنی جن مذہبی باتوں کو شیعہ چھپاتے ہیں وہ خالص بے دِینی کی ہیں، اور جن باتوں کو وہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں، وہ یقیناً دِینی ہیں، لہٰذا اس کے نفاق ہونے میں کچھ شک نہیں۔

۲:... تقیہ اعلیٰ درجے کا فرض، اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، دِین کے دس میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں، اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دِین و بے ایمان ہے۔

۳:... ائمہ وانبیاء کا بلکہ خدا کا دِین تقیہ کرنا ہے۔

۴:... تقیہ کے لئے نہ خوفِ جان وغیرہ کی شرط ہے، نہ اور کسی معذوری ومجبوری کی تحدید ہے، بلکہ ہر ضرورت پر تقیہ کا حکم ہے، اور ضرورت کی تشخیص خود صاحبِ ضرورت کی رائے پر محوّل ہے۔

۵:... ائمہ شیعہ نے عقائد میں بھی تقیہ کیا ہے، اور اَعمال میں بھی، تقیہ میں اپنے اِمامِ معصوم ہونے کا بھی انکار کیا ہے، فرائض بھی ترک کئے ہیں، فعلِ حرام کا بھی اِرتکاب کیا ہے، جھوٹے فتوے دیئے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، ظالموں، بدکاروں کی تعریف بھی کی ہے اور تعریف بھی اِنتہائی مبالغے کے ساتھ۔

۶:... ائمہ اپنے مخلص شیعوں کو اَز رَاہِ تقیہ غلط مسائل بتادیا کرتے تھے، اور کبھی یہ راز کھل جاتا تھا تو اِرشاد فرماتے تھے کہ: ہم نے تم کو فلاں نقصان سے بچانے کے لئے ایسا کیا، یا اس لئے ایسا کیا کہ تم میں باہم اختلاف رہے گا تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا نہ سمجھیں گے، اور اسی میں ہمارے اور تمہارے لئے خیریت ہے۔

۷:... ائمہ اعلانیہ ہمیشہ عقائد واعمال میں اپنے کو اہلِ سنت والجماعت ظاہر کرتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی مذہبِ اہلِ سنت والجماعت ہی کی تعلیم دیتے تھے، مذہبِ شیعہ کی تعلیمات جس قدر ان سے شیعوں نے نقل کی ہیں، ان کی بابت شیعہ راویوں کا یہ بیان ہے کہ ائمہ نے خلوَت میں، تنہائی میں ہم سے بیان فرمائی تھیں۔

۸:... بسا اوقات ائمہ نے ایسے مواقع میں تقیہ کیا ہے کہ وہاں ہرگز کسی قسم کی ضرورت کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا، مثلاً ان فروعی اِجتہادی اعمال میں جن میں خود اہلِ سنت کے مجتہدین باہم مختلف

ہیں، ایسے فروعی اعمال میں جس شخص کا جی چاہے جو پہلو اِختیار کرے، کسی قسم کے خطرے کا اِحتمال نہیں، مگر ائمہ نے ایسے مواقع میں بھی اپنا اصلی مذہب چھپایا اور اس کے خلاف عمل کیا۔

یہ آٹھ باتیں تو گزشتہ دو نمبروں میں ثابت ہوچکی ہیں، ان کے علاوہ دو باتیں اور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں:

۹:... ائمہ سے جو حدیثیں منقول ہیں، ان میں اختلاف بے حد و بے نہایت ہے، اور خود علمائے شیعہ اِقرار کرچکے ہیں کہ ہر موقع میں یہ معلوم کرلینا کہ یہ اختلاف کس سبب سے ہے آیا تقیہ کے باعث سے ہے یا کسی اور وجہ سے؟ طاقتِ انسانی سے بالاتر ہے۔

مولوی دلدار علی مجتہدِ اَعظم شیعہ ''اساس الاصول'' صفحہ:۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

''الأحـاديـث المأثورة من الأئمة مختلفة جدًّا، لا يـكاد يوجد حديث الا وفي مقابلته ما ينافيه، ولا يتفق خبرًا لا وبازائه ما يضاده، حتّى صار ذٰلک سببًا لرجوع بعض الناقصين عن اعتقاد الحق، كما صرّح به شيخ الطائفة في أوائل التهذيب والاستبصار، ومناشي هٰذا الاختلاف كثيرة جدًّا من التقية والوضع واشتباه السامع والنسخ والتخصيص والتقييد وغير هٰذه المذكورات من الأمور الكثيرة، كما وقع التصريح علٰى أكثرها في الأخبار المأثورة عنهم، وامتياز المناشي بعضها عن بعض في باب كل حديثين مختلفين بحيث يحصل العلم واليقين بتعيين المنشاء عسير جدًّا وفوق الطاقة كما لا يخفي.'' (اساس الاصول ص:۵۱)

ترجمہ:... ''جو حدیثیں کہ ائمہ سے منقول ہیں ان میں بہت سخت اختلاف ہے، ایسی کوئی حدیث نہ ملے گی جس کے مقابل میں اس کی مخالف خبر نہ ہو، یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے لئے مذہبِ شیعہ سے پھر جانے کا سبب بن گیا، جیسا کہ شیخ الطائفہ نے تہذیب اور اِستبصار کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان اختلافات کے اسباب بہت ہیں، مثلاً تقیہ، اور وضعِ حدیثوں کا بنایا جانا، اور سننے والے سے غلط فہمی کا ہونا، اور[1] منسوخ یا مخصوص ہوجانا یا مقید ہوجانا، اور ان کے علاوہ بہت سے اُمور ہیں، چنانچہ ان میں سے اکثر اُمور کی تصریح ائمہ کی احادیث میں موجود ہے، اور ہر دو مختلف حدیثوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہاں اختلاف کا سبب کیا ہے؟ اس طور پر کہ اس سبب کا علم و یقین ہوجائے، بہت دُشوار اور اِنسانی طاقت سے بالاتر ہے، جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔''

۱۰:... ائمہ کے اَصحاب نے ائمہ سے نہ اُصولِ دِین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا، نہ فروعِ دِین کو۔ علامہ شیخ مرتضیٰ فرائد الاصول، مطبوعہ ایران، صفحہ:۸۶ میں لکھتے ہیں:

''ثم ان ما ذكره من تمكن أصحاب الأئمة من أخذ الأصول والفروع بطريق اليقين دعوى ممنوعة واضحة المنع، وأقل ما يشهد عليها ما علم بالعين والأثر من اختلاف أصحابهم صلوات الله عليهم في الأصول والفروع، ولذا شكى غير واحد من أصحاب

---

(۱) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے زمانے میں بھی اَحکامِ شرعیہ منسوخ ہوئے ہیں، ائمہ کو اِختیار کہ رسول کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کردیں، اس سے زیادہ ختمِ نبوّت کا اِنکار اور کیا ہوگا...؟ منہ

الأئـمة اليهـم اختلاف أصحابه، فأجابوهم تارة بأنهم قد القـوا الاختـلاف حـقـنـا لدمائهم، كما فى رواية حريز وزرارة وأبى أيوب الجزار، وأخرى أجابوهم بأن ذٰلک مـن جهة الـكـذّابيـن كـما فى رواية الفيض بن المختار قـال: قـلـت لأبـى عبـدالله: جـعـلـنـى الله فداک ما هٰذا الاختـلاف الـذى بيـن شيـعتـكم؟ قال: وأى اختلاف يا فيـض؟ فـقلت له: انى أجلس فى حلقهم بالكوفة وأكاد أشک فى اختلافهم فى حديثهم حتّى أرجع الى الفضل بـن عـمـر فيوقفنى من ذٰلک علٰى ما تستريح به نفسى، فقال عليه السلام: أجل! كما ذكرت يا فيض، أن الناس قـد أولـعـوا بـالـكذب علينا، كان الله افترض عليهم ولا يـريد منهم غيره، أنى أحدث أحدهم بحديث فلا يخرج مـن عندى حتّى يتأوله علٰى غير تأويله، وذٰلک لأنهم لا يـطلبون بحديثنا وبحسبنا ما عند الله تعالٰى، وكل يحب أن يـدعـى رأسـا. وقـريـب منها رواية داود بن سرحان، واستثـنـاء الـقـميين كثيـرا مـن رجـال نوادر الحكمة مـعـروف، وقـصـة ابـن أبى العوجاء أنه قال عند قتله: قد دسـسـت فـى كتبـكـم أربـعة آلاف حديث مذكورة فى الـرجـال، وكـذا مـا ذكره يونس بن عبدالرحمٰن من أنه أخـذ أحاديث كثيرة، من أصحاب الصادقين ثم عرضها علٰى أبى الحسن الرضا عليه السلام فأنكر منها أحاديث كثيرة الٰى غير ذٰلک مما يشهد بخلاف ما ذكره.“

(فرائد الاصول، مطبوعہ ایران ص:۸۶)

ترجمہ:... ''پھر یہ جو اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ اَصحابِ اَئمہ اُصول وفروع کو یقین کے ساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے، یہ ایک دعویٰ ہے جو تسلیم کرنے کے لائق نہیں، کم از کم اس کی شہادت وہ ہے جو آنکھ سے دیکھی گئی اور اثر سے معلوم ہوئی کہ اَئمہ صلوات اللہ علیہم کے اَصحاب اُصول وفروع میں باہم مختلف تھے، اور اسی سبب سے بہت سے لوگوں نے اَئمہ سے شکایت کی کہ آپ کے اَصحاب میں اختلاف بہت ہے، تو اَئمہ نے ان کو کبھی یہ جواب دیا کہ: یہ اختلاف ان میں خود ہم نے ڈالا ہے، ان کے جان بچانے کے لئے، جیسا کہ حریز اور زرارہ اور ابوایوب جزار کی روایتوں میں ہے۔ اور کبھی یہ جواب دیا کہ: یہ اختلاف جھوٹ بولنے والوں کے سبب سے پیدا ہوگیا ہے، جیسا کہ فیض بن مختار کی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے اِمام جعفر صادق سے کہا کہ: اللہ مجھے آپ پر فدا کردے، یہ کیسا اختلاف ہے جو آپ کے شیعہ کا آپس میں ہے؟ اِمام نے فرمایا کہ: اے فیض! کون سا اِختلاف؟ میں نے عرض کیا کہ: میں کوفہ میں ان کے حلقۂ درس میں بیٹھا ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف کی وجہ سے قریب ہوتا ہے کہ میں شک میں پڑجاؤں، یہاں تک کہ میں فضل بن عمر کی طرف رُجوع کرتا ہوں تو وہ مجھے ایسی بات بتلادیتے ہیں جس سے میرے دِل کو تسکین ہوتی ہے۔ اِمام نے فرمایا کہ: ''اے فیض! یہ بات سچ ہے، لوگوں نے ہم پر اِفترا پردازی بہت کی، گویا کہ خدا نے ان پر جھوٹ بولنا فرض کردیا ہے، اور ان سے سوا جھوٹ بولنے کے اور کچھ نہیں چاہتا، میں ان میں سے ایک سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے اُٹھ کر جانے سے پہلے ہی اس کے مطلب میں تحریف شروع کردیتا ہے، یہ لوگ ہماری

حدیث اور ہماری محبت سے آخرت کی نعمت نہیں چاہتے، بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سردار بن جائے۔'' اور اسی کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے، اور اہلِ قلم کا ''نوادر الحکمہ'' کے بہت سے راویوں کو مستثنیٰ کر دینا مشہور ہے، اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتبِ رجال میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے قتل کے وقت کہا کہ: میں نے تمہاری کتابوں میں چار ہزار حدیثیں بنا کر درج کر دی ہیں[1]۔ اسی طرح وہ واقعہ جو یونس بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں ائمہ کے اَصحاب سے حاصل کیں، پھر ان کو اِمام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا اِنکار کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعوے کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔''

شیعوں کے مجتہدِ اَعظم مولوی دلدار علی نے تو اس سے بھی زیادہ نفیس بات لکھی کہ اَصحابِ ائمہ پر یقین کا حاصل کرنا واجب بھی نہ تھا، چنانچہ ''اساس الاصول'' صفحہ:۱۲۴ میں لکھتے ہیں:

''لا نسلم أنهم كانوا مكلفين بتحصيل القطع واليقين كما يظهر من سجية أصحاب الأئمة، بل أنهم كانوا مأمورين بأخذ الأحكام من الثقاة ومن غيرهم أيضا مع قيام قرينة تفيد الظن، كما عرفت مرارا بأنحاء مختلفة، كيف ولو لم يكن الأمر كذٰلك لزم أن يكون أصحاب أبي جعفر والصادق الذين أخذ يونس كتبهم وسمع أحاديثهم مثلا هالكين مستوجبين النار، وهكذا

(۱) علمائے شیعہ سے یہ بھی صاف تصریح ہے کہ ان جعلی روایتوں کا ہماری کتابوں سے نکال دیا جانا ثابت نہیں ہوا (دیکھو: توضیح المقال ص:۴۰)۔ منہ

حال جميع أصحاب الأئمة، فانهم كانوا مختلفين فی كثير من المسائل الجزئية الفرعية، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره وقد عرفته، ولم يكن أحد منهم قاطعًا لما يرويه الآخر فی متمسكه، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره، ولنذكر فی هٰذا المقام رواية رواها محمد بن يعقوب الكلينی فی الكافی فانها مفيدة لما نحن بصدده ونرجو من الله أن يطمئن بها قلوب المؤمنين يحصل لهم الجزم بحقية ما ذكرنا فنقول:

قال ثقة الاسلام فی الكافی: علی ابن ابراهيم عن السریّ بن الربيع قال: لم يكن ابن أبی عمير يعدل بهشام بن الحكم شيئًا وكان لا يغبّ اتيانه، ثم انقطع عنه وخالفه، وكان سبب ذٰلک ان أبا مالک الحضرمی كان أحد رجال هشام، ووقع بينه وبين ابن أبی عمير ملاحاة فی شیء من الإمامة، قال ابن أبی عمير: الدنيا كلها للامام علیٰ جهة الملک وانه أولیٰ بها من الذين هی فی أيديهم، وقال أبو مالک: ليس كذٰلک أملاک الناس لهم الا ما حكم الله به للامام الفیء والخمس والمغنم فذٰلک له، وذٰلک أيضًا قد بين الله للامام أن يضعه وكيف يصنع به، فتراضيا بهشام بن الحكم وصارا اليه، فحكم هشام لأبی مالک علی ابن أبی عمير، فغضب ابن أبی عمير وهجر هشاما بعد ذٰلک. فانظروا يا أولی الألباب واعتبروا يا أولی الأبصار، فان هٰذه الأشخاص الثلاثة كلهم كانوا من

ثقات أصحابنا، وكانوا من أصحاب الصادق والكاظم والرضا عليهم السلام، كيف وقع النزاع بينهم حتّى وقعت المهاجرة فيما بينهم مع كونهم متمكنين من تحصيل العلم واليقين عن جناب الأئمة.“

(اساس الاصول ص:۱۲۴)

ترجمہ:... ”ہم نہیں مانتے کہ اَصحابِ اَئمہ پر لازم تھا کہ یقین حاصل کریں، چنانچہ اَئمہ کی رَوِش سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، بلکہ اَصحابِ اَئمہ کو حکم تھا کہ اَحکامِ دِین معتبر اور غیرمعتبر ہر قسم کے لوگوں سے حاصل کرلیا کریں، بشرطیکہ کوئی قرینہ مفیدِ ظن موجود ہو، جیسا کہ بارہا تم کو مختلف طریقوں سے معلوم ہوچکا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ اِمام باقر اور اِمام صادق کے اَصحاب، جن کی کتابوں کو یونس نے لے لیا اور ان کی حدیثوں کو سنا، ہلاک ہونے والے اور مستحقِ دوزخ ہوں۔[1] اور یہی حال تمام اَصحابِ اَئمہ کا ہوگا، کیونکہ وہ بہت سے مسائلِ جزئیہ فرعیہ میں باہم مختلف تھے، چنانچہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور تم اس کو معلوم کرچکے ہو اور ان میں سے کوئی شخص اپنے مخالف کی روایت کی تکذیب نہ کرتا تھا، جیسا کہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور ہم اس مقام پر ایک روایت کو ذِکر کرتے ہیں جس کو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ذکر کیا ہے، وہ روایت ہمارے مقصود کے لئے مفید ہے، اور ہم اللہ سے اُمید کرتے ہیں کہ اس روایت سے ایمان والوں کے قلوب کو اِطمینان حاصل ہوگا، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کے حق ہونے کا

(۱) اجی حضرت! ہوش کی باتیں کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحابؓ دوزخی ہوگئے تو باقر و صادق کس شمار میں ہیں...؟

یقین ان کو ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ ثقۃ الاسلام نے کافی میں بیان کیا ہے کہ: ''علی بن ابراہیم نے شریح بن ربیع سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ابن ابی عمیر، ہشام بن حکم کی بہت عزت کرتے تھے، ان کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، اور بلاناغہ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے، پھر ان سے قطع تعلق کرلیا اور ان کے مخالف ہو گئے۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ابو مالک حضرمی جو ہشام کے راویوں میں سے ایک شخص ہیں، ان کے اور ابن ابی عمیر کے درمیان مسئلۂ اِمامت کے متعلق کچھ بحث ہوگئی۔ ابن ابی عمیر کہتے تھے کہ دُنیا سب کی سب اِمام کی ملک ہے، اور اِمام کو تمام اشیاء میں تصرف کا حق ان لوگوں سے زیادہ ہے جن کے قبضے میں وہ اشیاء ہیں۔ ابو مالک کہتے تھے کہ: لوگوں کی املاک انہیں لوگوں کی ہیں، اِمام کو صرف اسی قدر ملے گا جو اللہ نے مقرّر کیا ہے، یعنی فیئ اور خمس اور غنیمت، اور اس کے متعلق بھی اللہ نے اِمام کو بتادیا ہے کہ کہاں کہاں صَرف کرنا چاہئے؟ اور کس طرح صَرف کرنا چاہئے؟ آخر ان دونوں نے ہشام بن حکم کو پنچ بنایا اور دونوں ان کے پاس گئے، ہشام نے (اپنے شاگرد) ابو مالک کے موافق اور ابن ابی عمیر کے خلاف فیصلہ کیا، اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آگیا، اور اس کے بعد انہوں نے ہشام سے قطع تعلق کردیا۔'' پس اے صاحبانِ عقل دیکھو! اور اے صاحبانِ بصیرت عبرت حاصل کرو! یہ تینوں اَشخاص ہمارے معتبر اَصحاب میں سے ہیں، اور اِمام صادق، اِمام کاظم اور اِمام رضا کے اَصحاب میں سے ہیں، ان میں باہم کس طرح جھگڑا ہوا، یہاں تک کہ باہم قطع تعلق ہوگیا، باوجودیکہ ان کو قدرت حاصل تھی کہ جناب ائمہ سے (اپنی نزاع کا فیصلہ کراکر) علم و یقین حاصل کرلیتے۔''

ان دونوں عبارتوں کے چند قابلِ قدر فوائد حسبِ ذیل ہیں:

ف ۱:... اَصحابِ ائمہ پر باوجود قدرت کے علم و یقین حاصل کرنے کا فرض نہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ غالباً مذہبِ شیعہ کے عجائبات میں بہت عزت کی نظر سے دیکھی جائے گی، کیا کوئی شیعہ صاحب اس کی کوئی وجہ بتاسکتے ہیں کہ باوجود قدرت کے علم و یقین کا حاصل کرنا ان پر کیوں فرض نہ تھا...؟

اصل یہ ہے کہ شیعوں کو بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ اگر اَصحابِ ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کو فرض کہتے ہیں تو ان کے باہمی اختلافات کا کیا جواب دیں؟ اِمام زندہ موجود ہیں، لوگوں کی آمدورفت ان کے پاس جاری ہے، مگر ان کے اَصحاب مسائلِ دینیہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں، نوبت ترکِ کلام وسلام تک آجاتی ہے، کوئی اِمام سے جاکر اس مسئلے کا تصفیہ نہیں کراتا، بلکہ اِمام کو چھوڑ کر ایرے غیرے پنچ بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس مشکل کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تجویز کیا گیا کہ اَصحابِ ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کی فرضیت ہی سے انکار کردیا جائے۔

ف ۲:... ائمہ کے اَصحاب بلاواسطہ اِمام سے علوم حاصل نہ کرتے تھے، بلکہ ثقہ، غیرثقہ جو کوئی بھی ان کو مل جاتا، اس سے اَحکامِ دِین سیکھ لیتے تھے، اور ان کے لئے اس کا حکم بھی تھا۔

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ اِمامِ معصوم زندہ موجود ہیں، لوگ ان سے اِستفادہ کرسکتے ہیں، مگر اَصحابِ اِمام اس طرف رُخ بھی نہیں کرتے، اور ہر فاسق و فاجر سے جو انہیں مل جاتا ہے، علمِ دِین حاصل کرلیتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحابؓ میں بھی، کوئی شیعہ ایسی مثال دِکھاسکتا ہے کہ انہوں نے باوجود

قدرت کے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور سے علمِ دِین حاصل کیا ہو، اور وہ بھی فاسق وفاجر سے؟

شیعہ ایسا کہنے پر مجبور ہیں، اگر ایسا نہ کہیں تو اَصحابِ اَئمہ کے باہمی اِختلاف کا کیا جواب دے سکتے ہیں؟ اگر اَصحابِ اَئمہ کے جمیع علوم کا اَئمہ سے مأخوذ ہونا تسلیم کرلیں تو پھر یہ عقدہ لاینحل ہوگا کہ اَئمہ کی زندگی ہی میں ان میں باہم اس قدر شدید اور کثیر اِختلاف کیوں تھا...؟

ف۳:...ایک نفیس بات:

اَصحابِ اَئمہ میں باہم لڑائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی، اور اس کی بنا محض نفسانیت پر ہوتی تھی، اور آخری نوبت یہاں تک پہنچتی تھی کہ تمام عمر کے لئے آپس میں سلام وکلام ترک ہوجاتا تھا، تین تین اِمانوں کی صحبت سے مشرف ہوتے اور اس نزاعی مسئلے کا تصفیہ نہ ہوتا تھا، نہ آپس میں صلح ہوتی تھی۔ خیر یہ تو سب کچھ ہوتا تھا، لائقِ عبرت بات یہ ہے کہ شیعہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ کسی ایک کی طرف ہوکر دُوسرے کو بُرا نہیں کہتے، بخلاف اس کے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحابِ کرامؓ میں اگر باہم اس قسم کی کوئی بات پیش آئی ہے تو اس موقع پر شیعوں نے بات کا بتنگڑ بنانے میں اپنی ساری طاقت ختم کردی ہے، اور ایک فریق کا طرف دار بن کر دُوسرے کو بُرا بھلا کہنا نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص دونوں لڑنے والوں سے تعلق رکھ سکے، یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں کی نظر میں اپنے خانہ ساز اَئمہ کی صحبت کی تو عزت ہے، مگر رسول کی صحبت کی کچھ

بھی عزت نہیں، کیا اِیمان اسی کا نام ہے...؟

ف۴:...دُوسری نفیس بات:

اَستغفراللہ! مولوی دلدار علی اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ: اگر ہم علم و یقین کا حاصل کرنا فرض قرار دیں تو لازم آئے گا کہ اِمام باقر و اِمام صادق کے اَصحاب نابکار اور دوزخی ہوجائیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک اِمام باقر و اِمام صادق کے اَصحاب کا دوزخی ہونا ایسا اَمرِ محال ہے کہ کسی طرح اس کو فرض بھی نہیں کرسکتے، مگر سیّد الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحابؓ کا دوزخی ہونا محال کیا معنی؟ مستبعد بھی نہیں، بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ اے اہلِ اسلام! خدا کے لئے اِنصاف کرو کہ کیا اِیمان و اِسلام کا تقاضا یہی ہے؟ مقامِ عبرت ہے کہ علم و یقین کے تحصیل کے باوجود قدرت کے فرض نہ ہونا کیسی خلافِ عقل بات ہے، جس کا نتیجہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اَئمہ کا وجود ہی عبث اور بیکار ہوجائے، مگر شیعوں نے اپنے خانہ ساز اَئمہ کے اَصحاب کے دوزخی مان لینے کے مقابلے میں اس خلافِ عقل بات کو کس طرح قبول کرلیا ہے؟ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار...!''

باب دوم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں آنجناب نے دو جگہ گفتگو فرمائی ہے، پہلی جگہ آپ نے میرے تمہیدی نکات پر بحث کرتے ہوئے ''اِتباعِ صحابہ'' پر تنقید کی ہے، اور دُوسری جگہ صحابہؓ کے مقام ومرتبے کے بارے میں اہلِ تشیع کے آٹھ نکات ذکر کئے ہیں۔ اس لئے اس باب کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں، پہلے حصے میں ''اِتباعِ صحابہ'' کے بارے میں آنجناب کی تنقیدات کا جائزہ لوں گا۔ اور دُوسرے حصے میں آپ کے آٹھ نکاتی نظریات پر تبصرہ کروں گا، وَاللهُ الْمُوَفِّقُ!

بحثِ اوّل: اِتباعِ صحابہؓ

تمہیدی نکات کا خلاصہ:

''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' کی تمہید میں اس ناکارہ نے سائل کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ ''صراطِ مستقیم'' کی تشخیص و تعیین کردی جائے، اس مقصد کے لئے میں نے ایک آیت شریفہ اور چند اِرشاداتِ نبویہ سے اِستدلال کرتے ہوئے ان کی روشنی میں سات نکاتی نتیجہ اخذ کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا:

> ''خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، جس پر صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ چلے اور جس کی پیروی ہمیشہ سلف صالحینؒ اور اَولیائے اُمتؒ کرتے آئے۔ اس ایک راستے کے سوا باقی سب شیطان کے ایجاد کئے ہوئے راستے ہیں۔ جو لوگ ان میں سے کسی راستے کی دعوت دیتے ہیں، وہ شیطان کے ایجنٹ بلکہ مجسم شیطان ہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے مقرّر کردہ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ان پگڈنڈیوں پر نکل پڑے گا، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کسی اندھیرے غار میں کسی اژدہے کے منہ میں جائے گا یا کسی لق ودق صحرا میں بھٹک کر کسی بھیڑیے کا تر نوالہ بن کر رہ جائے گا.....'' (ص:۱۸ حصہ اوّل)

آنجناب اس ناکارہ کے تمہیدی نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

> ''علمائے اہلِ سنت کے نزدیک اِحترامِ صحابہؓ تو ضروری ہے، لیکن ان کی خطاؤں کے پیشِ نظر اور گناہوں کی پاداش میں محدود

ہونے کے باعث، نیز اپنے اِجتہادات میں متفاوت ہونے کے باعث من حیث القوم ان کی اِتباع کا حکمِ مطلق نہیں دیا جاسکتا۔

امامِ ابنِ حزم نے اپنی کتاب الاحکام جلد:۶ میں "أصحابی کالنجوم" کی تحقیق میں جو باتیں لکھی ہیں، آپ یقیناً ان سے بے خبر نہ ہوں گے....."

محترما! حافظ ابنِ حزمؒ کی ان عبارات کا تعلق تقلیدِ صحابی کے مسئلے سے ہے، جبکہ اس ناکارہ کے تمہیدی نکات میں تقلیدِ صحابی کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں، بلکہ جو چیز زیرِ غور ہے وہ یہ ہے کہ نظریاتی اختلاف کے طوفانِ بلاخیز میں، صراطِ مستقیم کی تعیین و تشخیص کیسے کی جائے؟ اس ناکارہ نے محولہ بالا آیت و احادیث کی روشنی میں صراطِ مستقیم کی وہ تشخیص کی جو اُوپر نقل کرچکا ہوں۔ اس میں کسی صحابی کی تقلید کا مسئلہ... جیسا کہ واضح ہے... سرے سے زیرِ بحث ہی نہیں آیا۔ جس صورت میں کہ حافظ ابنِ حزمؒ کی یہ عبارتیں، جن کے نقل کرنے کی آپ نے زحمت فرمائی ہے، میرے زیرِ بحث مسئلے سے متعلق ہی نہیں تو غیر متعلق عبارتوں کو نقل کرکے میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اس ناکارہ پر کیا تنقید فرمائی اور اس کی کس غلطی کی اصلاح فرمائی...؟

حافظ ابنِ حزمؒ اور صراطِ مستقیم:

آپ اطمینان رکھیں کہ جو مسئلہ اس ناکارہ کے زیرِ بحث ہے، یعنی صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اور اس پر چلنے والے اہلِ حق کون ہیں؟ اس مسئلے میں حافظ ابنِ حزمؒ میرے مخالف نہیں، بلکہ میرے ہم نوا ہیں، چنانچہ وہ اپنی کتاب "الفصل فی الملل والأھواء والنحل" میں لکھتے ہیں:

"وأھل السُّنّة الذین نذکرھم أھل الحق ومن عداھم فأھل البدعة، فانھم الصحابة رضی الله عنھم، وکل من سلک نھجھم من خیار التابعین رحمة الله

علیھم، ثم أصحاب الحدیث ومن اتبعھم من الفقھاء جیلا فجیلا الیٰ یومنا ھٰذا ومن اقتدی بھم من العوام فی شرق الأرض وغربھا رحمة اللہ علیھم۔"

(کتاب الفصل ج:۲ ص:۱۱۳)

ترجمہ:... "اور اہل السنۃ، جن کو ہم بیان کریں گے، وہی اہلِ حق ہیں اور ان کے سوا جتنے ہیں سب اہلِ بدعت ہیں۔ چنانچہ اہلِ حق وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم ہیں، پھر اَصحابِ حدیث اور ان کے متبعین فقہاء ہیں جو طبقہ در طبقہ ہمارے زمانے تک پہنچے ہیں اور مشرق ومغرب کے وہ عوام جنھوں نے ان حضرات کی اقتدا و پیروی کی، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔"

آپ حافظ ابنِ حزمؒ کی اس عبارت کو اس ناکارہ کی مندرجہ بالا عبارت سے ملاکر پڑھیں، آپ کو دونوں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آئے گا، الحمدللہ کہ:

"متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!"

"صراطِ مستقیم" صحابہؓ کا راستہ ہے، اس کے مزید دلائل:

الغرض اصل گفتگو تو اس میں تھی کہ صراطِ مستقیم وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور جس پر حضراتِ صحابہؓ قائم تھے، اور ان کے بعد حضرات اکابر تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور اَولیائے اُمت طبقہ در طبقہ اس پر گامزن رہے۔ اس مسئلے کے ثبوت میں جو آیت اور اَحادیث اپنے رسالے "اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم" میں نقل کرچکا ہوں، ایک منصف کے لئے تو وہ بھی کافی وشافی ہیں۔ تاہم جناب کے مزید اِطمینان کے لئے چند آیات و احادیث مزید پیش کرتا ہوں:

پہلی آیت:

حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ فاتحہ میں ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" اور "صراطِ مستقیم" کی تعیین و تشخیص کے لئے فرمایا:

"صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" (الفاتحہ)

ترجمہ:... "راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا، جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اور سورۃ النساء آیت: ۶۹ میں (ان حضرات کے، جن پر اِنعام ہوا) چار گروہ ذکر فرمائے ہیں: نبیینؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین، چنانچہ ارشاد ہے:

"وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا" (النساء: ۶۹، ۷۰)

ترجمہ:... "اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے اِنعام کیا کہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں، اور اچھی ہے ان کی رفاقت، یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

معلوم ہوا کہ یہ چار گروہ بارگاہِ الٰہی کے اِنعام یافتہ ہیں، اور ان کا راستہ "صراطِ مستقیم" ہے، جس کی درخواست سورۂ فاتحہ میں کی گئی ہے۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ نبی نہیں، لیکن صدیقین، شہداء اور صالحین کا اوّلین مصداق ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیے:

"وعن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول

الله صلى الله عليه وسلم صعد أُحدًا، وأبوبكر وعمر وعثمان، فرجف بهم، فقال: اثبت أُحد، أراه ضربه برجله، فانما عليك نبى وصديق وشهيدان."

(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ:... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (مدینہ کے مشہور پہاڑ) اُحد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک اس پر مارا اور فرمایا: اے اُحد! تھم جا، تیرے اُوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔''

''وعن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان علىٰ جبل حراء فتحرك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اسكن حراء فما عليك الّا نبى أو صديق أو شهيد. وعليه النبى صلى الله عليه وسلم وأبوبكر وعمر وعثمان وعلى وطلحة والزبير وسعد بن أبى وقاص." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۸۲)

ترجمہ:... ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حرا پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ ہلنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حرا! تھم جا، تجھ پر تو صرف نبی، صدیق اور شہید تشریف فرما ہیں۔''

''وعن سهل بن سعد رضى الله عنه أن أُحدًا

ارتج وعليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر وعمر وعثمان، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اثبت أُحد! فما عليك الّا نبی أو صديق أو شهيدان.“

قال الهيثمي رواه أبو يعلىٰ ورجاله رجال الصحيح.

(مجمع الزوائد ج:۹ ص:۵۵)

ترجمہ:... ”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) اُحد تھرتھرانے لگا، اس وقت اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ تشریف فرما تھے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُحد! تھم جا، تجھ پر تو ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید تشریف فرما ہیں۔“ (امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ابویعلیٰؒ نے روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں)

”عن بريدة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان جالسًا علىٰ حراء ومعه أبوبكر وعمر وعثمان فتحرك الجبل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اثبت حراء! فانه ليس عليك الّا نبی أو صديق أو شهيد.“ (مجمع الزوائد ج:۹ ص:۵۵)

ترجمہ:... ”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء (پہاڑ) پر تشریف فرما تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تشریف فرما تھے، پہاڑ ہلنے لگا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حرا! تھم جا، تجھ پر نبی، صدیق اور شہید تشریف فرما ہیں۔“

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے راستے کا نام ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت علیٰ حسبِ مراتب مؤخر الذکر تین جماعتوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے بعض اکابر صدیقین کی صف میں شامل ہیں، بعض شہداء کی جماعت کے سرگروہ ہیں، اور باقی دیگر حضرات صالحین کی جماعت کے اِمام ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا اور حضراتِ عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کا شہید ہونا نص سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرامؓ کا راستہ ''صراطِ مستقیم'' ہے جس کو مانگنے کی ہر نماز کی ہر رکعت میں اہلِ ایمان کو تلقین کی گئی ہے۔ اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ما أنا علیه و أصحابی'' سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی ''وہ طریقہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔''

ان دونوں آیتوں سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا راستہ ـــ ''ما أنا علیه و أصحابی'' ـــ صراطِ مستقیم ہے، وہاں دو فائدے اور بھی حاصل ہوئے:

اوّل:... یہ کہ کسی مسلمان کی نماز ـــ جواُمّ العباداتُ ہے ـــ صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ وہ نہایت اِخلاص وخشوع اور غایت محبت کے ساتھ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے کی دُعا نہ مانگے، الحمدللہ! کہ اہلِ سنت ''اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' کی راہ پر چلنے کی دُعا مانگتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو قیامت میں ''اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَیْهِمْ'' کی رفاقت ومعیت کی خوشخبری دی گئی ہے، اور اس رفاقت ومعیت پر ''حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا'' کی مہرِ تحسین ثبت کی گئی ہے، وللہ الحمد! کہ اس خوشخبری کا مصداق بھی اہلِ سنت ہیں، جو ان حضرات سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور ان کی معیت ورفاقت کے حصول کی حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعائیں کرتے ہیں۔

دُوسری آیت:

"قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ."

(یوسف:۱۰۸)

ترجمہ:... "کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہیں، اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں۔"

اس کے ساتھ درج ذیل آیت شریفہ بھی ملا لیجئے:

"وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ." (الشوریٰ:۵۲، ۵۳)

ترجمہ:... "اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنی طرف سے، تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور ایمان، ولیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں، اور بے شک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ۔ راہ اللہ کی، اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، سنتا ہے! اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔"

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین داعی الی اللہ تھے، اور دُوسری آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "صراطِ مستقیم" کے داعی تھے، یہی "صراط اللہ" (اللہ کا راستہ) ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔

دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع تھے) وہ نہ صرف صراطِ مستقیم پر قائم تھے، بلکہ صراطِ مستقیم کے داعی بھی تھے۔

تیسری آیت:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ، كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا." (الفتح:۲۹)

ترجمہ:... "محمد، اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رُکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں، اور اِنجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، تاکہ ان سے کافروں کو جلادے، اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اَجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

"قال علی بن ابراهیم القمی فی تفسیره:
وحدثنی أبی عن ابن أبی عمیر عن حماد عن حریز عن أبی عبدالله قال: هٰذه الآیة (یعنی آیة البقرة: ٦) "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ" نزلت فی الیهود والنصارىٰ یقول الله تبارک وتعالىٰ: "اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ (یعنی التوارة والانجیل) یَعْرِفُوْنَهٗ (یعنی رسول الله صلی الله علیه وسلم) کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" لأن الله عزّ وجلّ قد أنزل علیهم فی التوراة والزّبور والانجیل صفة محمد صلی الله علیه وسلم وصفة أصحابه ومبعثه وهجرته وهو قوله: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا، سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ" هٰذهِ صفة رسول الله صلی الله علیه وسلم وأصحابه فی التوراة والانجیل فلما بعثه الله عرفه أهل الکتاب کما قال جل جلالهٗ: فَلَمَّا جَآئَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ." (تفسیر قمی ج:۱ ص:۳۲،۳۳)

ترجمہ:... "مشہور شیعہ عالم علی بن ابراہیم قمی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ: مجھ سے میرے والد نے بواسطہ ابن ابی عمیر بیان کیا اور انہوں نے حماد سے اور حماد نے بواسطہ حریز ابوعبداللہ جعفر سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت (یعنی سورۂ بقرہ کی آیت:٦ جس کا ترجمہ ہے: "بے شک جو لوگ کافر ہوچکے، برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے") یہود و نصاریٰ کے

بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یعنی تورات و اِنجیل) وہ ان کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہنچاتے ہیں۔'' کیونکہ اللہ عز وجل نے توراۃ، زَبور اور اِنجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اَصحاب کی صفات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے بعثت اور جائے ہجرت کو نازل فرمادیا تھا، اور وہ (صفات یہ) ہیں: ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رُکوع کررہے ہیں، کبھی سجدہ کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں، اور اِنجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے، اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ اِیمان لائے ہیں اور نیک کام کررہے ہیں مغفرت اور اَجرِ عظیم کا وعدہ کررکھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اَصحاب کے یہ اوصاف توراۃ و اِنجیل میں بیان کئے گئے ہیں، لیکن جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمادیا تو اہلِ کتاب نے آپ کو پہچان لیا، جیسا کہ جل جلالہٗ کا فرمان ہے: پھر جب وہ آگیا جس کو وہ پہچانتے تھے تو اس (کو ماننے اور پہچاننے) سے انکار کردیا۔''

یہ آیت شریفہ چند اہم ترین فوائد پر مشتمل ہے:

اوّل:...آیت شریفہ میں کلمہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" ایک دعویٰ ہے، اور اس کے ثبوت میں "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کو بطورِ دلیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت و نبوّت کے گواہ کے طور پر پیش کیا ہے اور ان گواہوں کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے، پس جو شخص ان حضرات پر جرح کرتا ہے وہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت پر جرح کرتا ہے بلکہ قرآنِ کریم کے دعوے کی تکذیب کرتا ہے۔

دوم:...حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کے عنوان سے ذِکر فرما کر ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کو ثابت فرمایا گیا ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صراطِ مستقیم پر ہونا قطعی و یقینی ہے، اس لئے جن اکابر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت بہ نصِ قرآن حاصل ہے، ان کا صراطِ مستقیم پر ہونا بھی قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ زہے سعادت کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کو دُنیا میں بھی رفاقتِ نبوی میسر رہی، روضۂ مطہرہ میں بھی قیامت تک شرفِ رفاقت حاصل ہے، اور دُخولِ جنت کے بعد بھی اس دولتِ کبریٰ سے دائماً اَبداً سرفراز رہیں گے۔

سوم:...حق تعالیٰ شانہٗ نے صحابہ کرامؓ کے لئے "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کے عنوان سے جو منقبت و فضیلت ثابت فرمائی تھی، اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فضیلت ذکر نہ کی جاتی، تب بھی یہی ایک دولت دُنیا و آخرت کی تمام دولتوں سے بڑھ کر تھی، چہ جائیکہ اسی پر اِکتفا نہیں فرمایا گیا، بلکہ ان کی صفاتِ کمالیہ کو بطورِ مدح بیان فرمایا: "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ"، جس میں ان کے تمام علمی و عملی، اخلاقی و نفسیاتی کمالات کا اِحاطہ کرلیا گیا۔

پس یہ اکابر مدحِ خداوندی ہیں، اور وحیٔ اِلٰہی ان کے کمالات سے رطب اللسان ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص ان اکابر کے نقائص و مطاعن تلاش کرتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے اِختلاف ہے۔

چہارم:... یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان اکابر کی مدح و ستائش صرف قرآنِ کریم ہی

میں نہیں، بلکہ سابقہ توراۃ و انجیل میں بھی ان کی اعلیٰ و اَرفع شان بیان فرمائی گئی ہے: "ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ" گویا ان جاں نثارانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کا ڈنکا دُنیا میں ہمیشہ بجتا رہا ہے، انبیائے سابقین علیہم السلام ان کے کمالات سے آگاہ و معترف رہے ہیں، اور اُمم سابقہ بھی ان کے اوصافِ مدح و کمال کا تذکرہ کرکے اپنے ایمان کو تازہ کرتی رہی ہیں۔

پنجم:... یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے گواہوں اور آپ کے جاں نثاروں سے اگر کسی کو غیظ اور جلاپا ہوسکتا ہے تو صرف کافروں کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی مقصد کے لئے ایسا باکمال بنایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے کافروں اور بے ایمانوں کو غیظ و بغض کی آگ میں ہمیشہ جلاتا رہے: "لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ" گویا قرآن نے حضراتِ صحابہ کرامؓ کی مدح و ستائش پر اِکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان اکابر سے کینہ و بغض رکھنے والوں کے حق میں "کفر کا فتویٰ" بھی صادر فرمادیا، کیونکہ جس شخص کے دِل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی محبت ہو، اور جو شخص ادنیٰ سے ادنیٰ ذرّہٴ ایمان سے بہرہ ور ہو، اس سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں سے بغض و کینہ رکھے جن کی مدح و ستائش اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جن کی عظمت و شان انبیائے گزشتہ (علیہم السلام) تک نے بیان فرمائی ہے، اور جو اُممِ سابقہ کے بھی ممدوح و محبوب رہے ہیں۔

ششم:... آخر میں ان حضرات کے ایمان و عملِ صالح کی بنا پر ان سے مغفرت اور اَجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، یہ ان اکابر کے حسنِ حال کے ساتھ ان کے حسنِ مآل کا، آغاز کے ساتھ ان کے انجام کا، ان کی "العاجلہ" کے ساتھ ان کی "الآخرہ" کا اور ان پر عنایاتِ ربانی کے خلاصے کا ذکر فرمایا ہے، فَطُوْبٰی لَهُمْ ثُمَّ طُوْبٰی لَهُمْ...!

ان چھ نکات میں سے ہر نکتہ مستقل طور پر بآوازِ بلند پکار رہا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صراطِ مستقیم پر تھے، اور یہ کہ صرف انہی کا راستہ "صراطِ مستقیم" کہلانے کا مستحق ہے، جس پر بعد کے لوگوں کو چلنا چاہئے۔

چوتھی آیت

"وَاعْلَمُوْآ اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ. فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ." (الحجرات:۷-۸)

ترجمہ:... "اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا، اگر وہ تمہاری بات مان لیا کریں بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے، پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دِل میں ایمان کی اور کھبادیا (مرغوب کردیا) اس کو تمہارے دِلوں میں، اور نفرت ڈال دی تمہارے دِل میں کفر اور گناہ نافرمانی کی، وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور اِحسان سے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ میں متعدد وجوہ سے صحابہ کرامؓ کی فضیلت ومنقبت بیان کی گئی ہے:

اوّل:... ان پر اس اِنعامِ عظیم کا ذکر ہے کہ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود رونق اَفروز ہے، اور یہ وہ دولتِ کبریٰ ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے (اُوپر کی آیت شریفہ میں اسی کو "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کے بلیغ الفاظ میں بیان فرمایا گیا تھا)۔

دوم:... حق تعالیٰ شانہٗ نے نہ صرف ان کے ایمانِ کامل کی شہادت دی ہے، بلکہ یہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان ان کے دِلوں میں جان ومال اور اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہے، اور اس اِیمان سے ان کے قلوب معمور اور منوّر ومزین ہیں۔ کفر وفسوق اور عصیان کی

کراہت و نفرت ان کے قلوب میں من جانب اللہ اِلقاء کی گئی ہے، ممکن نہیں کہ اِلقائے ربانی کے بعد یہ آلودگیاں ان کے دامنِ ایمان کو داغ دار کرسکیں۔

سوم:... ان حضرات کو "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ" کا زرّیں تمغہ عنایت فرمایا گیا، اور اس کو کلمۂ حصر کے ساتھ ذکر کر کے تنبیہ فرمادی گئی کہ رُشد و ہدایت انہی کے طریقے میں منحصر ہے، جو شخص ان کی راہ پر چلے گا، آئندہ ہدایت اسی کو نصیب ہوگی۔

چہارم:... یہ نعمتِ کبریٰ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اَرزانی فرمائی گئی اس کو "فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَنِعْمَةً" فرما کر تصریح کردی گئی کہ یہ حضرات حق تعالیٰ شانہٗ کے فضلِ خاص اور اِنعامِ عظیم کا مورَد ہیں، ان کو عام مسلمانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔

پنجم:... "وَاللهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ" میں اس اَمر کی وضاحت ہے کہ اُوپر صحابہ کرامؓ کی جس عظیم منقبت و فضیلت کا ذکر ہے، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کے علمِ محیط اور حکمتِ بالغہ پر مبنی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کو ان حضرات کے ظاہری و باطنی تمام حالات سے آگاہی ہے، اور ان کے انہی حالات و کمالات کے پیشِ نظر حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ حکیمانہ فیصلہ ہے۔

قرآنِ کریم میں اور بھی بہت سے مقامات پر ان حضرات کے صراطِ مستقیم پر فائز ہونے کی طرف اشارات و تلویحات ہیں، مگر میں بنظرِ اختصار اِنہی چار آیات پر اِکتفا کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ تمام اہلِ اسلام کو صحابہ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائیں، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کی رفاقت و معیت کی دولت سے مشرف فرمائیں۔

"ایں دُعا اَز من، و اَز جملہ جہاں آمین باد"

صحابہ کرامؓ من حیث القوم:

آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ:

"علمائے اہلِ سنت کے نزدیک اِحترامِ صحابہ تو ضروری ہے، لیکن من حیث القوم ان کی اِتباع کا مطلق حکم نہیں دیا جاسکتا۔"

اور اس پر آپ نے حافظ ابنِ حزمؒ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ یہ ناکارہ آپ کی عبارت میں ''من حیث القوم'' کا مطلب نہیں سمجھ سکا، یہ الفاظ عام محاورات میں پوری کی پوری قوم کو بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے آپ کے فقرے کا مدعا یہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت من حیث القوم اگر کسی مسئلے پر متفق ہو، تب بھی اہلِ سنت کے نزدیک ان کی اِقتدا و اِتباع لازم نہیں۔ حالانکہ دیگر اہلِ سنت سے قطع نظر خود حافظ ابنِ حزمؒ کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

حافظ ابنِ حزمؒ کو اس مسئلے میں تو کلام ہے کہ بغیر نص کے کسی مسئلے پر صحابہؓ کا اتفاق ممکن ہے یا نہیں؟ لیکن جس مسئلے پر ان کا اتفاق من حیث القوم ہو جائے وہ حافظ ابنِ حزمؒ کے نزدیک بھی واجب الاتباع ہے، اور اس سے اِنحراف کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ یہاں حافظ ابنِ حزمؒ کے چند حوالے نقل کرتا ہوں:

''مراتب الاجماع'' حافظ ابنِ حزمؒ کا مشہور رسالہ ہے، اس کی اِبتدا ہی میں لکھتے ہیں:

> ''فان الاجماع قاعدة من قواعد الملّة الحنيفية يرجع اليه ويفزع نحوه ويكفر من خالفه اذا قامت عليه الحجة بانه اجماع.'' (مراتب الاجماع ص:۷)
>
> ترجمہ:... ''اِجماع ایک قاعدہ (بنیاد) ہے، ملتِ حنیفیہ کے (چار بنیادی) قواعد (دلائل) میں سے، جس کی طرف (اِستنباطِ مسائل میں) رُجوع کیا جاتا ہے اور جس کی پناہ لی جاتی ہے، کسی مسئلے میں اگر اِجماع کا اِنعقاد ثابت ہو جائے تو اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔''

حافظ ابنِ حزمؒ کے نزدیک اِجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جبکہ یہ اَمر یقینی طور پر معلوم ہو کہ تمام صحابہؓ اس پر متفق تھے، چنانچہ وہ ''المحلی'' میں لکھتے ہیں:

> ''مسألة: والاجماع هو ما تيقن أن جميع

أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عرفوه وقالوا به ولم يختلف منهم أحد ..... وهٰذا ما لا يختلف أحد في أنه اجماع، وهم كانوا حينئذ جميع المؤمنين، لا مؤمن في الأرض غيرهم، ومن ادعى أن غير هٰذا هو اجماع كلف البرهان علىٰ ما يدعي ولا سبيل اليه."

(المحلی ج:۱ ص:۵۴)

ترجمہ:... "اور اِجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جب یہ اَمر یقینی طور پر معلوم ہو کہ تمام اَصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متفق تھے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی ......اور اہلِ علم میں سے کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ اِجماع ہے، اور وہ (صحابہ کرامؓ) اس وقت "جمیع المؤمنین" کا مصداق تھے، کیونکہ ان کے سوا کرۂ اَرض پر کوئی مؤمن نہ تھا، اور جو شخص مدعی ہو کہ اس شرط کے بغیر بھی اِجماع ہوتا ہے، اس کو اپنے اس دعوے پر دلیل پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی اور یہ اس کے لئے ممکن نہیں۔"

اور جب ان کی شرائط کے مطابق صحابہؓ کا اِجماع منعقد ہوجائے تو اس اِجماع کی مخالفت ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ ایسے اِجماع کے خلاف کو وہ محال اور ممتنع سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص نہ ہونے پر انہوں نے اسی اِجماع سے اِستدلال کیا ہے، چنانچہ کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:

"وبرهان آخر ضروري وهو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مات وجمهور الصحابة رضي الله عنهم حاشا من كان منهم في النواحي يعلم الناس الدين فما منهم أحد أشار الىٰ عليّ بكلمة يذكر فيها أن رسول

الله صلى الله عليه وسلم نصّ عليه، ولا ادعى ذٰلک علیّ قطّ، لا فی ذٰلک الوقت ولا بعده، ولا ادعاه له أحد فی ذٰلک الوقت ولا بعده، ومن المحال الممتنع الذی لا یمکن البتة ولا یجوز اتفاق أکثر من عشرین ألف انسان متنابذی الهمم والنیات والأنساب أکثرهم موتون فی صاحبه فی الدماء من الجاهلیة علی طی عهد عاهده رسول الله صلی الله علیه وسلم الیهم."

(الفصل ج:۴ ص:۹٦)

ترجمہ:... ''ایک اور برہان بدیہی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم -سوائے ان کے جو اَطراف وجوانب میں لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول تھے- مدینہ میں موجود تھے، مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کی طرف کسی ایسے کلمے سے اشارہ نہ فرمایا جس سے یہ ذکر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی اِمامت پر نص فرمائی ہے، اور نہ حضرت علیؓ نے ہی اس کا کبھی دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ نہ کسی اور نے ان کے لئے اس کا دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ اور یہ بات محال اور ممتنع اور قطعاً غیرممکن اور ناجائز ہے کہ ایسے بیس ہزار سے زائد اِنسان جن کے مقاصد بھی جداگانہ ہوں، نیتیں بھی الگ الگ ہوں، نسب وخاندان بھی مختلف ہوں، اور ان میں اکثر ایسے ہوں جنھیں زمانۂ جاہلیت کے اپنے عزیز کے خون کا اِنتقام نہ ملا ہو، یہ لوگ کسی ایسے عہد کے ترک کرنے اور اسے لپیٹ کر چھپادینے پر اِتفاق کرلیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لیا ہو۔''

نیز لکھتے ہیں:

”فمن المحال الممتنع أن يرهبوا أبابكر ....

فمن المحال اتفاق أهواء هٰذا العدد العظيم علٰى ما يعرفون أنه باطل دون خوف يضطرهم الٰى ذٰلک ودون طمع يتعجلونه من مال أو جاه، بل فيما فيه ترک العز والدنيا والرياسة، وتسليم كل ذٰلک الٰى رجل لا عشيرة له ولا منعة ولا حاجب ولا حرس علٰى بابه ولا قصر ممتنع فيه ولا موالى ولا مال، فأين كان علىّ وهو الذى لا نظير له فى الشجاعة ومعه جماعة من بنى هاشم وبنى المطّلب من قتل هٰذا الشيخ الذى لا دافع دونه لو كان عنده ظالمًا وعن منعه وزجره؟ بل قد علم والله على رضى الله عنه أن أبابكر رضى الله عنه على الحق، وأن من خالفه على الباطل، فأذعن للحق .....

ومن المحال أن تتفق آراءهم كلهم علٰى معونة من ظلمهم وغصبهم حقهم، الا أن تدعى الروافض أنهم كلهم اتفق لهم نسيان ذٰلک العهد، فهٰذه أعجوبة من المحال غير ممكنة، ثم لو أمكنت لجاز لكل أحد أن يدعى فيما شاء من المحال أنه قد كان وان الناس كلهم نسوه، وفى هٰذا ابطال الحقائق كلها، وأيضًا فان كان جميع أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اتفقوا علٰى جحد ذٰلک النصّ وكتمانه واتفقت طبائعهم كلهم علٰى نسيانه فمن أين وقع الى الرّوافض أمره؟ ومن بلغه اليهم؟ وكل هٰذا عن هوس ومحال، فبطل أمر

النص على عليّ رضي الله عنه بيقين لا اِشكال فيه، والحمد لله رب العالمين." (کتاب الفصل ج:۴ ص:۹۸)

ترجمہ:... "پس یہ اَمر محال اور ممتنع ہے کہ یہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ڈر جائیں..... پس یہ اَمر محال ہے کہ اتنی بڑی تعداد کے خیالات ایسی چیز پر متفق ہوجائیں جس کو وہ باطل سمجھتے ہوں، حالانکہ نہ تو کوئی ایسا خوف ہو جو انہیں اس پر مجبور کرے، اور نہ کوئی جاہ و مال کی طمع ہو جو انہیں فوراً ملنے والا ہے، بلکہ یہ انصار و مہاجرین ایک ایسی چیز کو اِختیار کر رہے تھے جس میں دُنیا اور عزت و ریاست کا ترک تھا اور یہ چیزیں ایک ایسے شخص کے حوالے کر رہے تھے جس کا نہ تو کوئی قبیلہ تھا، نہ حفاظت، نہ چوبدار، نہ اس کے دروازے پر کوئی دربان تھا، نہ کوئی محفوظ محل، نہ موالی تھے اور نہ مال، پس اس وقت علیؓ کہاں تھے؟ حالانکہ وہ ایسے شخص تھے کہ شجاعت میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا، پھر ان کے ساتھ بنی ہاشم و بنی المطلب کی جماعت بھی تھی، انہوں نے اس بوڑھے کو، جس کا کوئی بچانے والا نہیں تھا، اگر وہ آپ کے نزدیک ظالم تھا، قتل کیوں نہ کردیا؟ جس کی کوئی مدافعت کرنے والا بھی نہیں تھا، اور بزورِ قوت اس کو کیوں نہ روک دیا؟ واللہ! علی رضی اللہ عنہ نے جان لیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور ان کا مخالف باطل پر ہے، اس لئے انہوں نے حق کو تسلیم کرلیا..... اور یہ اَمر خود محال ہے کہ مہاجرین و انصار کی رائیں اس شخص کی اعانت پر متفق ہوجائیں جس نے ان پر ظلم کیا ہو اور ان کا حق غصب کرلیا ہو، سوائے اس کے کہ روافض یہ دعویٰ کریں کہ اتفاق سے وہ سب لوگ اس عہد کو بھول گئے تھے، تو یہ خود ایک اُعجوبہ ہوگا جو محال و ناممکن ہے۔ پھر اگر یہ ممکن ہو تو پھر ہر شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اس

کے بارے میں اسی قسم کے محال کا دعویٰ کرے کہ فلاں واقعہ ایسا ہوا تھا اور یہ کہ سب لوگ اس کو بھول گئے تھے، اس صورت میں تو تمام حقائق کا اِبطال لازم آئے گا، نیز اگر تمام اَصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نص کے نہ ماننے اور اسے چھپانے پر اِتفاق کرلیا تھا اور ان سب کی طبیعتیں اس کے بھول جانے پر متفق ہوگئی تھیں تو پھر روافض کو اس کا حال کہاں سے معلوم ہوا؟ اور کس نے اس واقعے کو ان تک پہنچایا؟ یہ محض نفس پرستی، خام خیالی اور محال ہے، لہٰذا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کا دعویٰ تو یقیناً اس طرح باطل ہوگیا کہ اس میں کوئی اِشکال نہ رہا، والحمد للہ ربّ العالمین۔"

اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں:

"افترى لو كان لعليّ رضي الله عنه حق ظاهر يختص به من نص عليه من رسول الله صلى الله عليه وسلم أو من فضل بائن على من معه ينفرد به عنهم أما كان الواجب علىٰ عليّ أن يقول أيها الناس! كم هذا الظلم لي؟ وكم هٰذا الكتمان بحقي؟ وكم هٰذا الجحد لنص رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ وكم هٰذا الاعراض عن فضلي البائن علىٰ هؤلاء المقرونين لي؟ فاذ لم يفعل لا يدرى لماذا أما كان في بني هاشم أحد له دين يقول هٰذا الكلام؟ أما العباس عمه؟ وجميع العالمين علىٰ توقيره وتعظيمه حتّى أن عمر توسل به الى الله تعالىٰ بحضرة الناس في الاستسقاء وأما أحد بنيه؟ وأما عقيل أخوه؟ وأما أحد بني جعفر أخيه أو غيرهم؟ فاذا لم يكن في بني هاشم أحد يتقي الله عزّ

وجلّ ولا يأخذه في قوله الحق مداهنة أما كان في جميع
أهل الاسلام من المهاجرين والأنصار وغيرهم واحد
يقول يا معشر المسلمين ...... وهذا عليّ له حق
واجب بالنصّ وله فضل بائن ظاهر لا يمترى فيه،
فبايعوه، فأمره بين أن أصفاق جميع الأمة أولها عن
آخرها من برقة الٰى أول خراسان ومن الجزيرة الٰى
أقصى اليمن اذ بلغهم الخبر على السكوت عن حق هذا
الرجل واتفاقهم علٰى ظلمه ومنعه عن حقه وليس
هناك شيء يخافونه لا حدى عجائب المحال
الممتنع۔" (کتاب الفصل ج:۴ ص:۱۰۱)

ترجمہ:... "کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کا کوئی کھلا ہوا حق ہوتا جس میں وہ مخصوص ہوتے، خواہ وہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص ہوتی یا کوئی ایسی فضیلت ہوتی جس سے وہ اپنے ساتھیوں میں فائق ہوتے اور جس کی وجہ سے وہ ان سب میں ممتاز و منفرد ہوتے، تو کیا علیؓ پر واجب نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے کہ: "اے لوگو! مجھ پر یہ ظلم کب تک؟ میرے حق کا یہ اِخفاء کب تک؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کا یہ انکار کب تک؟ اور کب تک میری اس فضیلت سے انکار کیا جائے گا جو ان سب معاصرین سے فائق ہے؟" جب علیؓ نے یہ نہیں کیا، نہیں معلوم ہوسکتا کہ کیوں نہیں کیا، تو کیا بنی ہاشم میں ایک بھی دِین دار موجود نہ تھا جو یہی کلام کرتا؟ کیا ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے، جن کی تعظیم و توقیر پر تمام عالم متفق تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے نمازِ اِستسقاء کے موقع پر سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں وسیلہ

بنایا تھا؟ کیا ان کے لڑکوں میں بھی کوئی موجود نہ تھا؟ کیا حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ نہ تھے؟ کیا ان کے بھائی جعفرؓ کے بیٹوں میں سے کوئی بھی نہ تھا؟ جب بنی ہاشم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور قولِ حق کہنے میں مداہنت نہ کرتا، تو کیا تمام اہلِ اسلام یعنی مہاجرین وانصار اور ان کے علاوہ دیگر حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ اے گروہ مسلمین!...... یہ علیؓ ہیں نص کی وجہ سے جن کا حق واجب ہے...... اوّل سے آخر تک تمام اُمت کا، برقہ سے سرحدِ خراسان تک اور جزیرہ سے انتہائے یمن تک جبکہ انہیں خبر پہنچ جاتی، سب کا اس شخص کے حق سے سکوت کرنے پر متفق ہوجانا اور ان سب کا اس کے ساتھ ظلم پر اور اس کو حق سے محروم کرنے پر متفق ہوجانا، درآنحالیکہ ایسی چیز بھی وہاں کوئی موجود نہ ہو جس سے لوگ (اظہارِ حق سے) ڈرتے ہوں، ایک عجیب اَمرِ محال اور ناممکن ہے۔''

حافظ ابنِ حزمؒ کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اِجماع ان کے نزدیک حجتِ قطعیہ ہے اور اس کا خلاف محال و ممتنع ہے۔

جہاں تک حافظ ابنِ حزمؒ کے اس نظریے کا تعلق ہے کہ اِجماعِ صحابہ نص کے بغیر نہیں ہوتا، اس ناکارہ کے خیال میں ابنِ حزمؒ اور دیگر اہلِ علم کے درمیان صرف تعبیر کی شدت اور نرمی کا فرق ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ''سندِ اِجماع'' کے تمام اہلِ علم قائل ہیں۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ وہ سند کبھی بعد والوں سے مخفی رہ جائے، چنانچہ علامہ آمدیؒ ''الاحکام فی اُصول الاحکام'' میں لکھتے ہیں:

''المسألة السابعة عشرة: اتفق الکل أن الأمة لا تجتمع علی الحکم الّا عن مأخذ ومستند یوجب اجتماعها خلافا لطائفة شاذة، فانهم قالوا بجواز انعقاد الاجماع عن توفیق لا توقیف بأن یوفقهم الله تعالیٰ

لاختيار الصواب من غير مستند."

(الاحکام فی اصول الاحکام ج:۱ ص:۳۷۴)

ترجمہ... "مسئلہ نمبر ۱۷:... تمام اہلِ علم اس پر متفق ہیں کہ اِجماعِ اُمت کسی ایسے مأخذ وسند پر ہی منعقد ہوسکتا ہے جو اِجماع کو واجب کردے، ایک گروہ اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ اِنعقادِ اِجماع صرف توفیق کے ذریعے بھی جائز ہے، توقیفاً (یعنی مأخذ وسند پر مطلع ہونا) ضروری نہیں، اور توفیق سے ان کی مراد یہ ہے کہ بلاسند ہی اللہ تعالیٰ ان کو "صحیح" کو اِختیار کرنے کی توفیق عطا کردے۔"

خلفائے راشدینؓ کا اِجماع:

اگر کسی مسئلے پر چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم متفق ہوں تو اہلِ علم کے نزدیک وہ بھی اِجماع واجب الاتباع ہے، شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"وفي السُّنن عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: اقتدوا بالَّذَين من بعدي أبي بكر وعمر، ولهٰذا كان أحد قولي العلماء وهو احدى الروايتين عن أحمد أن قولهما اذا اتفقا حجة لا يجوز العدول عنهما، وهٰذا أظهر القولين كما أن الأظهر أن اتفاق الخلفاء الأربعة أيضًا حجة لا يجوز خلافها، لأمر النبي صلى الله عليه وسلم باتباع سنتهم."

(منہاج السنہ ج:۳ ص:۱۶۲)

ترجمہ:... "سنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ: "میرے بعد ابوبکر و عمر کی اِقتدا کرنا" لہٰذا علمائے اُمت کا ایک قول یہ ہے اور یہی اِمام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ جب ان دونوں حضرات کا کسی بات میں اتفاق ہوجاتا ہے تو وہ حجت

قرار پاتا ہے، اس سے عدول جائز نہیں۔ اور یہ ایسا ہی بین قول ہے جیسا کہ یہ بین قول کہ جب ان چاروں خلفاء کا کسی معاملے میں اتفاق ہو جائے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، کیونکہ فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی سنت کے اِتباع کا حکم دیا گیا ہے۔''

خلفائے راشدینؓ کے فیصلے بھی اِجماع ہیں:

اِجماع کی ایک صورت یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ میں سے کوئی خلیفہ راشد کوئی فیصلہ صادر فرمائے اور صحابہ کرامؓ اس کو بلانکیر قبول کرلیں، یہاں تک کہ اکناف واَطرافِ عالم میں وہ فیصلہ نافذ ہو جائے، اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''معنی اجماع کہ بر زبان علمائے دین شنیدہ باشی این نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند، زیرا کہ این صورتی ست غیر واقع بل غیر ممکن عادی، بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بچیزی بعد مشاورۂ ذوے الرای یا بغیر آن، ونفاذ آن حکم تا آنکہ شائع شدہ در عالم ممکن گشت، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی۔ الحدیث۔'' (ازالۃ الخفا ص:۲۶)

ترجمہ:... ''اِجماع کا لفظ جو آپ نے علمائے دِین سے سنا ہوگا، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ایک زمانے کے تمام مجتہدین کسی مسئلے پر اس طرح متفق ہو جائیں کہ کوئی ایک فرد بھی اختلاف نہ کرے، کیونکہ یہ صورت تو غیر واقع بلکہ عادۃً ناممکن ہے۔ بلکہ اِجماع کا مطلب کسی مسئلے میں خلیفہ راشد کا ایسا حکم کرنا ہے- خواہ اہلِ مشورہ سے مشاورت کر کے ہو یا بلامشورہ کے- جس کو وہ نافذ

کردے، نفاذِ حکم کے بعد وہ مشہور ہوجائے اور دُنیا میں اس پر عمل درآمد ہونے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: تم لوگ میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑلو (اور اس کی پیروی میں ثابت قدم رہو)۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو بیس تراویح پر جمع کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ کی اَذانِ اوّل مقرّر کرنا، اسی اِجماع کی مثالیں ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''وما فعله عثمان من النداء الأوّل اتفق عليه الناس بعده أهل المذاهب الأربعة وغيرهم كما اتفقوا علٰى ما سنّه أيضًا عمر من جمع الناس فى رمضان علٰى امام واحد.'' (منہاج السنہ ج:۳ ص:۲۰۴)

ترجمہ:... ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (جمعہ کی) اَذانِ اوّل مقرّر کی تو تمام لوگ اس پر متفق ہوگئے، اس کے بعد بھی چاروں مذاہب کے فقہاء اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم اس پر متفق رہے، یہ بالکل ایسا ہی اتفاق ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رمضان میں تراویح باجماعت مقرّر کرنے پر سب میں پایا گیا۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلفائے راشدینؓ کا بیس تراویح پر عمل رہا۔

الف:... ''عن السائب بن يزيد قال: كان القيام علٰى عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة، قال ابن عبدالبر: هٰذا محمول علٰى أن الثلاث للوتر.'' (عمدة القاری ج:۱۱ ص:۱۲۷)

ترجمہ:... ''حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں (تراویح میں) تیئس رکعات

پڑھی جاتی تھیں، ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ: ان میں تین رکعات وتر کی شمار کی گئی ہیں۔"

ب:... "عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة، قال: وكانوا يقرءون بالمئين وكانوا يتوكئون علىٰ عصيّهم فى عهد عثمان بن عفان رضى الله عنه من شدة القيام." (سنن کبریٰ بیہقی ج:۲ ص:۴۹۶)

ترجمہ:... "حضرت سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح میں پڑھتے تھے اور وہ مئین کی قراءت کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیام طویل ہونے کے باعث لوگ اپنی لاٹھیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔"

ج:... "عن أبى عبدالرحمٰن السلمى عن علىّ رضى الله عنه أنه دعا القراء فى رمضان فأمر منهم رجلا يصلى بالنّاس عشرين ركعة وكان علىّ يوتر بهم."

(سنن کبریٰ بیہقی ج:۲ ص:۴۹۶)

ترجمہ:... "ابوعبدالرحمٰن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ نے قراء حضرات کو رمضان میں طلب کیا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف وتر پڑھایا کرتے تھے۔"

د:... "عن عمرو بن قيس عن أبى الحسناء أن عليًّا أمر رجلا يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة."

(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲ ص:۳۹۳)

ترجمہ:... ''عمرو بن قیس ابی الحسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔''

۵:... ''عن شتير بن شكل وكان من أصحاب عليّ رضي الله عنه أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث.''

(سنن کبریٰ ج:۲ ص:۴۹۶، قیام اللیل ص:۹۱، طبع جدید ص:۱۵۷)

ترجمہ:... ''شتیر بن شکل سے، جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں، مروی ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر میں اِمامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔''

خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کے برحق ہونے کا قرآنی ثبوت:

حضرت شاہ صاحبؒ نے مندرجہ بالا عبارت میں حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو اِجماع فرمایا ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ نے ان کو بلانکیر قبول کرلیا ہو، اور وہ عالم میں ممکّن اور راسخ ہوگئے ہوں، ان فیصلوں کے صحیح اور برحق ہونے پر حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیثِ نبوی:''عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين'' سے اِستدلال فرمایا ہے، جیسا کہ ان سے پہلے حافظ ابنِ تیمیہؒ نے خلفائے راشدینؓ کے اِجماع پر اسی حدیث سے اِستدلال فرمایا ہے۔ اس حدیثِ نبوی کی تائید قرآنِ کریم سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ سورۃ النور کی آیتِ اِستخلاف میں حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ

بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا، يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ." (النور:۵۵)

ترجمہ:... "وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کردے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان کے اگلوں کو، اور جمادے گا ان کے لئے دِین ان کا جو پسند کردیا ان کے واسطے، اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔"

اس آیت شریفہ سے جہاں حضراتِ خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ موعود ہونا ثابت ہوتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جو اَحکام نافذ ہوئے وہ حق تعالیٰ شانہٗ کا پسندیدہ دِین تھا۔

نیز حق تعالیٰ شانہٗ سورۃ الحج میں فرماتے ہیں:

"اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا، وَاِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ. اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللهُ، وَلَوْ لَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللهِ كَثِيْرًا، وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ، اِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ. اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ." (الحج:۳۹ تا ۴۱)

ترجمہ:... "حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں، اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، وہ لوگ

جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا ربّ اللہ ہے، اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دُوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت، اور اللہ مقرّر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی، بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو قائم رکھیں نماز، اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا، اور منع کریں بُرائی سے اور اللہ کے اِختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔"

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر ان مظلوم مہاجرین کو، جن کی صفات اُوپر بیان کی گئی ہیں، ہم تمکین فی الارض عطا فرمائیں تو وہ ارکانِ اسلام کو قائم کریں گے، اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان حضرات کی مساعیٔ جمیلہ سے جو کچھ ظہور پذیر ہوا وہ ہے اِقامتِ دین، اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں:

اِجماع کے مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اَب میں پھر آپ کی عبارت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آنجناب نے اسی بحث میں یہ فرمایا ہے:

"اِحترامِ صحابہؓ سے، اِتباعِ صحابہؓ مطلقاً نہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے، اور نہ عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"

اس ناکارہ کے نزدیک آپ کی یہ عبارت صحیح نہیں، کیونکہ اس میں تین دعوے ہیں، اور تینوں غلط ہیں۔ لہٰذا میں اس کو تین مباحث میں تقسیم کرتا ہوں:

پہلی بحث:... اِتباعِ صحابہؓ میں اہلِ علم کا مسلک۔

دُوسری بحث:... اِتباعِ صحابہؓ کا واجب ہونا دلائلِ نقلیہ سے۔

تیسری بحث:... اِتباعِ صحابہؓ کا ضروری ہونا دلیلِ عقل سے۔

پہلی بحث: اِتباعِ صحابہؓ واجب ہے، اہلِ علم کا مسلک:

صحابہ کرامؓ کے اقوال جمہور اہلِ علم کے نزدیک حجت ہیں، مگر ان کا درجہ کتاب و سنت اور اِجماع کے بعد کا ہے۔ ایک ایسا مسئلہ جس میں کتاب و سنت کی نصِ صریح غیرِ منسوخ موجود نہ ہو، اور اس پر اِجماع بھی نہ ہو، اس میں اگر بعض صحابہ کرامؓ کا قول منقول ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس قول کے خلاف کسی صحابی کا قول منقول نہیں، دوم یہ کہ اس کے خلاف بھی بعض صحابہؓ کا قول منقول ہے۔ پہلی صورت کی پھر دو صورتیں ہوں گی: ایک یہ کہ صحابی کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور ہو گیا ہو، دوم یہ کہ اس دور میں اس کو شہرت نہ ہوئی ہو۔ گویا یہ کل تین صورتیں ہوئیں، ذیل میں تینوں کا حکم الگ الگ لکھتا ہوں۔

اِجماعِ سکوتی:

پہلی صورت کہ صحابی کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور و معروف ہو گیا تھا، اس کے باوجود کسی صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ صورت ''اِجماعِ سکوتی'' کہلاتی ہے، لہٰذا اس صحابی کا قول اس مسئلے میں حجت ہوگا جس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''وان لم يخالف الصحابی صحابيًّا آخر فأما أن يشتهر قوله فی الصحابة أو لا يشتهر، فان اشتهر فالذی عليه جماهير الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة، وقالت طائفة منهم: هو حجّة وليس باجماع، وقالت شرذمة من المتكلمين وبعض الفقهاء المتأخرين: لا يكون اجماعًا ولا حجّة.''

(اعلام الموقعین ج:۴ ص:۱۲۰)

ترجمہ:... ''اور اگر کسی صحابی (کے قول) سے دُوسرے

صحابی نے اِختلاف نہیں کیا (تو اس کی دو صورتیں ہیں) یا تو اس صحابی کا قول صحابہ کرامؓ میں مشہور ہوگیا یا مشہور نہیں ہوا، اور اگر وہ مشہور ہوگیا تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ اِجماع کے حکم میں ہوگا اور وہ حجت ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ حجت تو ہے مگر اِجماع نہیں کہلائے گا، اور متکلمین کے ایک مختصر طبقے اور بعض فقہاء کے نزدیک نہ وہ اِجماع ہوگا نہ حجت۔''

اِمام حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی ''کشف الاسرار شرح المنار'' میں لکھتے ہیں:

''فأما اذا نقل عن الصحابی قول ولم یظهر عن غیره خلاف ذلک فان درجته درجة الاجماع اذا کانت الحادثة مما لا یحتمل الخفاء علیهم وتشتهر عادة.'' (کشف الاسرار ج:۲ ص:۱۰۲)

ترجمہ:... ''ایک صحابی سے ایک قول منقول ہوا اور اس کے خلاف کسی (اور صحابی) کا قول سامنے نہیں آیا تو اس کا درجہ حکم میں اِجماع کا ہے، بشرطیکہ معاملہ ایسا ہو کہ ان حضرات سے مخفی ہونے کا اِحتمال نہ ہو، اور عادۃً اس کی شہرت ہوجاتی ہو۔''

دُوسری صورت کہ صحابی کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور نہ ہوا ہو، لیکن اس کے خلاف بھی کسی صحابی کا قول منقول نہ ہو، اس کے اِجماع ہونے میں تو کلام ہے لیکن اکثر اہلِ علم کے نزدیک صحابی کا یہ قول حجتِ شرعیہ ہے، اور ائمہ اَربعہ: اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ اسی کے قائل ہیں، حافظ ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں:

''وان لم یشتهر قوله أو لم یعلم هل اشتهر أم لا؟ فاختلف الناس، هل یکون حجّة أم لا؟ فالذی علیه جمهور الأُمّة أنه حجّة، هٰذا قول جمهور الحنفیة،

صرح به محمد بن الحسن، وذكر عن أبي حنيفة نصًا وهو مذهب مالك وأصحابه وتصرفه في موطئه دليل عليه، وهو قول اسحاق ابن راهوية وأبي عبيد، وهو منصوص الامام أحمد في غير موضع منه واختيار جمهور أصحابه، وهو منصوص الشافعي في القديم والجديد." (اعلام الموقعین ج:۴ ص:۱۲۰)

ترجمہ:... ''اور اگر صحابی کا قول مشہور نہ ہوا، یا اس کا مشہور ہونا معلوم نہ ہوسکا تو اہلِ علم میں اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے کہ وہ حجت ہے، جمہور فقہائے اَحناف کا یہی قول ہے، اِمام محمد بن حسنؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اِمام ابوحنیفہؒ سے یہی مذہب نقل کیا ہے۔ اور یہی اِمام مالکؒ اور ان کے اَصحاب کا قول ہے، موٴطا میں اِمام مالکؒ کا طرزِ عمل اس کی بڑی دلیل ہے۔ اور یہی اسحاق بن راہویہؒ اور ابوعبیدؒ کا مسلک ہے۔ اور یہی قول بیشتر موقع پر اِمام احمدؒ سے منصوص ہے جس کو ان کے اَصحاب نے اِختیار کیا ہے۔ اور اِمام شافعیؒ کے قدیم وجدید قول میں بھی یہی منصوص ہے (کہ صحابی کا قول مذکورہ صورت میں حجت ہے)۔''

اِجماعِ مرکب

تیسری صورت کہ صحابہؓ کے اقوال کسی مسئلے میں مختلف ہوں، وہاں اَئمہ مجتہدینؒ اپنے اپنے اِجتہاد کے مطابق ان اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس پر جمہور اَئمہ کا اتفاق ہے کہ ایسے مختلف فیہ مسائل میں صحابہؓ کے اقوال سے خروج جائز نہیں، مثلاً کسی مسئلے میں صحابہؓ کے دو قول ہوں، اس مسئلے میں ان دونوں اقوال کو چھوڑ کر تیسرا قول

اِختیار کرنا جائز نہیں۔ اور یہ فقہاء کی اِصطلاح میں ''اِجماعِ مرکب'' کہلاتا ہے۔

علامہ نسفیؒ ''شرح المنار'' میں لکھتے ہیں:

''وکذا اذا اختلفوا فی شیء فان الحق فی أقوالھم لا یعدوھم علٰی ما یجیء فی باب الاجماع ان شاء اللہ تعالٰی.'' (کشف المنار ج:۲ ص:۱۰۲)

ترجمہ:... ''اور ایسے ہی اگر کسی مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوں تو بہرحال حق انہی کے اقوال میں موجود ہے اور صحابہ کے اقوال سے عدول جائز نہیں، جیسا کہ اِجماع کے باب میں اِن شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔''

اور ''نورالانوار'' شرح المنار میں ہے:

''وان خالفه کان ذٰلک بمنزلة خلاف المجتھدین فللمقلد أن یعمل بأیھما شاء ولا یتعدی الی الشق الثالث لأنه صار باطلًا بالاجماع المرکب من ھٰذین الخلافین علٰی بطلان القول الثالث ھٰکذا ینبغی أن یفھم ھٰذا المقام.'' (نورالانوار ج:۲ ص:۱۰۲)

ترجمہ:... ''اور اگر (کسی مسئلے میں قول) صحابی سے کسی صحابی نے اختلاف کیا ہو تو درحقیقت یہ اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی مانند ہے، پس مقلد کو جائز ہے کہ کسی ایک بھی قول پر عمل پیرا ہوجائے اور صحابہؓ کے اقوال سے تجاوز کرکے تیسرا راستہ اِختیار نہ کرے، کیونکہ صحابہؓ کے دو اقوال سے ''اِجماعِ مرکب'' وجود میں آگیا، لہٰذا ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ اِختیار کرنا باطل ٹھہرا، اس مقام کو غور سے سمجھنا ضروری ہے۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کے اقوال حجتِ شرعیہ ہیں، اور جمہور

سلف خصوصاً أئمہ أربعہ (إمام ابوحنیفہؒ، إمام مالکؒ، إمام شافعیؒ اور إمام احمد بن حنبلؒ) مسائلِ شرعیہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں، اور ان سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے۔

دورِ حاضر کے محقق شیخ محمد ابوزہرہ نے ''أصول الفقہ'' میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، مناسب ہوگا کہ یہاں ان کی عبارت کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے، وہ لکھتے ہیں:

''هٰذا وأن المأثور من الأئمة الأربعة أنهم كانوا يتبعون أقوال الصحابة ولا يخرجون عنها، فأبو حنيفة يقول: ان لم أجد في كتاب الله تعالٰى وسُنّة رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذت بقول أصحابه، آخذ بقول من شئت، وادع من شئت منهم، ولا أخرج من قولهم الٰى قول غيرهم.

ولقد قاله الشافعي في الرسالة برواية الربيع، وهي من كتابه الجديد: لقد وجدنا أهل العلم يأخذون بقول واحد (أي الصحابة) مرة ويتركونه أخرىٰ، ويتفرقون في بعض ما أخذ منهم، قال: (أي مناظره) فالى أي شيء صرت من هٰذا؟ قلت: اتباع قول واحدهم اذا لم أجد كتابًا ولا سنّة ولا اجماعًا ولا شيئًا في معناه يحكم.

ويقول في الأُمّ برواية الربيع أيضًا وهو كتابه الجديد: ان لم يكن في الكتاب والسُّنّة صرنا الٰى أقاويل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو واحد منهم، ثم كان قول أبي بكر أو عمر أو عثمان اذا صرنا فيه الى التقليد أحب الينا، وذٰلك اذا لم نجد

دلالة في الاختلاف تدل علىٰ أقرب الاختلاف من الكتاب والسُّنّة، لنتبع القول الذى معه الدلالة.

وان هٰذا يدل علىٰ أنه يأخذ بالكتاب والسُّنّة، ثم ما يجمع عليه الصحابة، وما يختلفون فيه يقدم من أقوالهم أقواها اتصالًا بالكتاب والسُّنّة، فان لم يستبن له أقواها اتصالًا بهما اتبع ما عمل به الأئمة الراشدون رضوان الله تبارك وتعالىٰ عنهم، لأن قول الأئمة مشهورة وتكون أقوالهم ممحصة عادة.

وكذٰلك الامام مالك رضى الله عنه، فان المؤطا كثير من أحكامه يعتمد علىٰ فتاوى الصحابة، ومثله الامام أحمد.

ومع أنه روى عن أولٰئك الأئمة تلك الأقوال الصريحة، فقد وجد من الكتاب الأصوليين بعد ذٰلك من ادعى أن الشافعى رضى الله عنه فى مذهبه الجديد كان لا يأخذ بقول الصحابى، وقد نقلنا لك من الرسالة والأُمّ برواية الربيع لابن سليمان الذى نقل مذهبه الجديد ما يفيد بالنّصّ القاطع انه كان يأخذ بأقوال الصحابة اذا اجتمعوا، واذا اختلفوا اختار من أقوالهم ما يكون أقرب الى الكتاب والسُّنّة.

وكذٰلك ادعى بعض الحنفية، أن أبا حنيفة رضى الله عنه كان لا يأخذ بقول الصحابى الّا اذا كان لا يمكن أن يعرف الا بالنّقل، وبذٰلك يؤخذ بقوله علىٰ أنه سنّة لا علىٰ أنه اجتهاد، أما ما يكون من اجتهاد

الصحابی فانه لا یؤخذ به، والحق عن أبی حنیفة هو ما نقلنا من أقواله لا من تخریج أحد."

(أصول الفقہ ص:۲۰۵، ۲۰۶)

ترجمہ:... "ائمہ اربعہؒ سے یہی طریقہ منقول ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے اقوال کا اِتباع کرتے تھے اور ان کے اقوال سے نہیں نکلتے تھے۔ چنانچہ اِمام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: "جب کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھے کسی مسئلے کی تصریح نہیں ملتی تو صحابہؓ کے اقوال میں سے اپنی صوابدید پر کسی ایک قول کو اِختیار کرلیتا ہوں، ان کے قول کو چھوڑ کر کسی دُوسرے کے قول کو اِختیار نہیں کرتا۔"

اور اِمام شافعیؒ سے "الرسالہ" میں ربیعؒ کی روایت سے یہ قول موجود ہے، اور یہی ان کا قولِ جدید ہے کہ: "ہم نے اہلِ علم کا یہ طرزِ عمل دیکھا کہ وہ ایک جگہ ایک صحابی کے قول کو اِختیار کرتے ہیں تو دُوسرے مقام پر اس کے قول کو ترک کردیتے ہیں، اس طرح اَخذِ اَقوال میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (تو ان سے مناظرہ کرنے والے نے ان سے) سوال کیا کہ: پھر آپ نے کون سا راستہ اِختیار کیا ہے؟ فرمایا: ان میں سے کسی ایک کے قول کا اِتباع کرتا ہوں، اور یہ جبھی ہوتا ہے کہ کتاب وسنت اور اِجماع یا اس کے ہم معنی "اِجماعِ سکوتی" میں مسئلے کا حل نہیں پاتا۔"

اور کتاب الاُمّ میں ربیعؒ کی ہی روایت سے منقول ہے اور یہ بھی ان کی کتابِ جدید ہے کہ: "اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہیں ملتا تو ہم تمام صحابہ کرامؓ یا کسی ایک صحابی کے اقوال پر نگاہ ڈالتے ہیں، پھر اگر ابوبکرؓ، عمرؓ یا عثمانؓ کا قول موجود ہوتا ہے تو اسی کی تقلید ہمیں محبوب ہوتی ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اِمام شافعیؒ کتاب و سنت سے اِستدلال کرتے تھے، پھر اجماعِ صحابہؓ سے، پھر صحابہؓ کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں اس قول کو اِختیار کر لیتے جو قرآن و سنت کے ساتھ اِتصال میں قوی تر ہوتا۔ اور اگر کتاب و سنت کے ساتھ اِتصال میں کسی قول کا قوی ہونا ان پر ظاہر نہ ہوتا تو خلفائے راشدینؓ کے عمل کو مدار بناتے، اس لئے کہ خلفاء کا قول عموماً مشہور ہو جاتا ہے، نیز ان کے اقوال عادۃً مضبوط و قوی شمار ہوتے ہیں۔

اور یہی مسلک اِمام مالکؒ کا ہے، چنانچہ موطا میں انہوں نے بیشتر اَحکام میں صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ پر ہی اِعتماد کیا ہے۔ اور یہی کیفیت اِمام احمدؒ کی ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان ائمہ کرامؒ سے تو اس طرح کے صریح اقوال منقول ہوں، مگر اس کے برخلاف اُصولیین کا اِمام شافعیؒ کے مذہبِ جدید کے بارے میں یہ دعویٰ مذکور ہے کہ وہ قولِ صحابی کو حجت نہیں مانتے۔ اور ہم آپ کے سامنے ''الرسالۃ'' اور ''الاُمّ'' سے ان کے مذہبِ جدید کے ناقل ربیع بن سلیمانؒ کی روایت سے ان کا قولِ جدید نقل کر چکے ہیں جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اِمام شافعیؒ، صحابہ کرامؓ کے اقوال میں عدمِ اختلاف کی صورت میں مطلقاً اور اِختلاف کی صورت میں اَقرب الی الکتاب والسنۃ قول کو اِختیار کرتے اور حجت سمجھتے تھے۔

اسی طرح بعض اَحناف کا یہ دعویٰ ہے کہ اِمام ابوحنیفہؒ صحابی کے قول کو اس وقت نہیں لیتے تھے جب تک کہ وہ مسئلہ ایسا نہ ہو جو صرف نقل ہی سے معلوم ہو سکتا ہو، اِجتہاد سے نہیں۔ اور اس کو بحیثیت سنت کے اِختیار کرتے ہیں، اِجتہادی قول کے طور پر نہیں۔

کیونکہ صحابی کے اِجتہاد کو وہ حجت قرار نہ دیتے تھے۔

اور حق بات وہی ہے جو ہم نے اِمام ابوحنیفہؒ کے اقوال سے نقل کی ہے، بعد والوں کی تخریج سے نہیں۔"

ایک شکایت:

گزشتہ سطور میں اہلِ علم کا مسلک واضح طور پر سامنے آچکا ہے، اس بحث کو ختم کرتے ہوئے یہ ناکارہ آنجناب سے یہ شکایت کرنے میں حق بجانب ہے کہ آنجناب نے اہلِ علم کے راجح مسلک کو نظر اَنداز کرتے ہوئے، اس مسئلے میں ابنِ حزمؒ کے قول کو نقل کرنے پر اِکتفا کیا، اور چونکہ یہ قول آنجناب کے مسلکی ذوق سے اَقرب تھا، اس لئے ساتھ کے ساتھ آپ نے اپنا فیصلہ بھی سنادیا کہ:

"حق وہی ہے جو اِبنِ حزمؒ نے کہا، یعنی اِجتہاداتِ صحابہؓ کو قرآن وحدیث کی طرف پلٹایا جائے گا، موافق کی اِتباع اور مخالف کی رَدّ کی جائے گی۔ ہاں! نقلِ روایت میں ان کا ثقہ ہونا علمائے اہلِ سنت کے نزدیک مُسلَّم ہے، یہ وہ نظریہ ہے کہ آپ (یعنی یہ ناکارہ) اس کی تردید کی شاید ہی جرأت کرسکیں۔"

اوّل تو آپ کو یہ بحث چھیڑنی ہی نہیں چاہئے تھی، کیونکہ میری گفتگو تقلیدِ صحابی کے مسئلے سے متعلق تھی ہی نہیں، میری گفتگو تو اس میں تھی کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ صراطِ مستقیم پر قائم تھے اور یہ مضمون میں نے... جیسا کہ پہلے عرض کرچکا ہوں... قرآنِ کریم اور اَحادیثِ طیبہ کی روشنی میں لکھا تھا۔ میں نہیں سمجھا کہ اصل مسئلے سے ہٹ کر آپ نے ایک غیرمتعلق بحث کیوں چھیڑ دی؟ علاوہ ازیں اگر آپ نے یہ بحث چھیڑی ہی تھی تو اہلِ علم کے صحیح مسلک کو پیشِ نظر رکھ کر گفتگو کرنی چاہئے تھی۔ لیکن آپ نے تنہا ابنِ حزمؒ کا قول نقل کرکے اس پر حقانیت کی مہر بھی ثبت کردی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ابنِ حزمؒ کی عبارت میں: "قوم یخطئون ویصیبون"، "ان أبابکر قد أخطأ"، "کذب عمر فی تأویل تأوله" اور

"خطأ ابا السنابل" جیسے ثقیل الفاظ آ گئے تھے، اوران سے آنجناب کے "ذوقِ قدحِ صحابہ" کی تسکین ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے اصل مبحث کو چھوڑ کر گفتگو کی بسم اللہ اپنے ذوق کی تسکین سے کرنا ضروری سمجھا، اور غریب ابنِ حزمؒ کے کندھے پر خواہ مخواہ بندوق رکھ دی تاکہ آپ کا قاری یہ سمجھے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرما رہے، بلکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ابنِ حزمؒ کے حوالے سے کہہ رہے ہیں۔

ابنِ حزمؒ کے نظریۂ تقلیدِ صحابی پر تنقید:

حالانکہ اگر آپ نے حق وانصاف کی روشنی میں دو نکتوں پر غور کیا ہوتا تو آپ کو صاف نظر آتا کہ ائمہ اربعہؒ اور جماہیرِ سلفؒ کے مقابلے میں ابنِ حزمؒ کا نظریہ لائقِ پذیرائی نہیں اور عقل ودانش کے بازار میں اس کی قیمت دوکوڑی بھی نہیں۔

پہلا نکتہ:... تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ کسی عالم سے شاذ ونادر کسی مسئلے میں بھول چوک کا ہوجانا، اس کے علم وفضل میں قادح نہیں، اور نہ اس کے اِتباع سے مانع ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام، جو بالاتفاق معصوم ہیں، اَحیاناً بھول چوک سے خلافِ اَولیٰ کا صدور ان سے بھی ممکن ہے۔ (تاہم ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو ایسی خطا پر بھی قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ وحیٔ اِلٰہی فوراً انہیں اس پر متنبہ کردیتی ہے، اور ان کی خطا کا، فی الفور تدارک کردیا جاتا ہے)۔ قرآنِ کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں کا ذِکر کرتے ہوئے جو "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ" فرمایا گیا ہے، اور اس کے ساتھ "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" کا ارشاد آنجناب کی نظر سے اوجھل نہیں ہوگا۔

> "وقال الامام البخاری (ج:۲ ص:۱۰۶۱): باب متٰی یستوجب الرجل القضاء، وقال الحسن: أخذ الله علی الحکام ان لا یتبعوا الهویٰ ولا یخشوا الناس ولا یشتروا بآیاته ثمنًا قلیلًا ثم قرأ: "وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ

يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ. فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ، وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" (الأنبیاء:۷۸، ۷۹) فحمد الله سليمان ولم يلم داوٗد ولو لا ما ذكر الله من أمر هٰذين لرأيت أن القضاة هلكوا، فانه اثنى هٰذا بعلمه وعذر هٰذا باجتهاده."

(بخاری ج:۲ ص:۱۰۶۲، مسلم ج:۲ ص:۷۴)

ترجمہ:... اِمام بخاریؒ (ج:۲ ص:۱۰۶۱) فرماتے ہیں:
باب اس بارے میں کہ کوئی شخص عہدۂ قضا کا کب مستحق ہوتا ہے۔
حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکام کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ (فیصلوں میں) خواہشِ نفس کے تابع نہیں ہوں گے، لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے، اور اس کی آیات کو ثمنِ قلیل کے بدلے فروخت نہیں کریں گے، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: (ترجمہ) "اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھگڑا، جب روند گئیں اس کو رات میں ایک قوم کی بکریاں، اور سامنے تھا ہمارے ان کا فیصلہ، پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو، اور دونوں کو دِیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ" (الانبیاء:۷۸، ۷۹) تو یہاں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی تعریف تو فرمائی مگر داؤد علیہ السلام کو ملامت نہیں کی، اور اگر اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملے میں مذکورہ بات نہ فرماتا تو یقیناً تمام قاضی ہلاکت کے مقام پر نظر آتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعریف اس کے علم پر فرمائی اور دُوسرے کو اس کے اِجتہاد پر معذور قرار دیا۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بھی جناب کے پیشِ نظر ہوگا:

"انما أنا بشر وانه يأتيني الخصم، فلعل

بعضهم أن يكون أبلغ من بعض، فأحسب أنه صادق، فأقضي له، فمن قضيت له بحق مسلم فانما هي قطعة من النار، فليحملها أو يذرها."

(بخاری ج:۲ ص:۱۰۹۲، مسلم ج:۲ ص:۷۶)

ترجمہ:... "میں بھی ایک انسان ہی ہوں، میرے پاس لوگ مقدمات لے کر آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ایک فریق دُوسرے سے چرب زبان ہو، میں اس کو سچا سمجھ کر فیصلہ اس کے حق میں کردیتا ہوں، تو غور سے سنو! کہ اس طرح جس کو میں نے کسی دُوسرے کا حق دِلادیا تو یاد رکھو! یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے، اب چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے چھوڑ دے۔"

"وعند أبي داؤد (ج:۲ ص:۱۴۷): انّي انما أقضي بينكم برأي فيما لم ينزل عليّ فيه."

ترجمہ:... "اور ابوداؤد (ج:۲ ص:۱۴۷) میں یہ الفاظ مذکور ہیں: جب کسی معاملے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی تو تمہارے درمیان فیصلہ اپنی رائے سے ہی کرتا ہوں۔"

اور یہ ارشادِ نبوی بھی آپ کے علم میں ہوگا:

"اذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، واذا حكم فاجتهد فأخطأ فله أجر."

(بخاری ج:۲ ص:۱۰۹۲، مسلم ج:۲ ص:۷۶)

ترجمہ:... "جب حاکم نے اپنے اِجتہاد سے فیصلہ کیا اور دُرست فیصلہ کیا تو اس کے لئے دو اَجر ہیں، اور اگر اس نے فیصلہ تو اپنے اِجتہاد سے کیا مگر اس میں غلطی ہوگئی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔"

نیز متعدد مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "لا أدري" فرمانا، اور چند مواقع

پر "أخبرني به جبريل انفًا" فرمانا بھی جناب کو معلوم ہوگا۔ الغرض! کسی مسئلے میں کسی عالم کا "لا أدري" کہنا، یا جواب میں چوک جانا اہلِ عقل کے نزدیک اس کے علم و فضل کے منافی نہیں، نہ اس کے علم وفہم سے یکسر اِعتماد اُٹھ جانے کی دلیل ہے۔ اس لئے ابنِ حزمؒ کا یہ کہنا کہ ایسے لوگوں کی اتباع کیسے کی جائے جن سے ایک آدھ مواقع پر خطا کا صدور ہوا، محض مشاغبہ ہے۔ مجھے آنجناب جیسے کسی عاقل سے توقع نہیں تھی کہ وہ ابنِ حزمؒ کے اس مغالطے کو لے اُڑے گا اور صحابہ کرامؓ کے خلاف اسے اپنے دلائل کی فہرست میں ٹانک لے گا...!

دُوسرا نکتہ:... یہ اَمر بھی کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں کہ ایک طالبِ علم اپنے زمانۂ طالب علمی میں بسا اوقات بہت سے امتحانی پرچوں میں چوک جاتا ہے، اور ممتحن اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے، تا آنکہ یہ طالبِ علم اپنے تعلیمی مراحل طے کرلیتا ہے اور اپنے نصاب کے اعلیٰ ترین امتحانات میں کامیاب ہوجاتا ہے، اور بطورِ مثال ایران و عراق سے "سندِ اِجتہاد" حاصل کرلیتا ہے، اور علم و فضل کی بناپر اسے "آیت اللہ العظمیٰ" کے خطاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص ان "آیت اللہ" صاحب کی زمانۂ طالب علمی کی غلطیوں کا حوالہ دے کر لوگوں کو یہ باور کراتا پھرے کہ اس شخص کا علم وفہم لائقِ اعتماد نہیں، دیکھو! اس نے فلاں فلاں موقعوں پر غلطیاں کی تھیں، اور اس کے اساتذہ نے اس کی فلاں فلاں غلطیوں کی نشاندہی کی تھی، اور اس پر "قد أخطأ" کا فتویٰ صادر کیا تھا، پس یہ صاحب جو "آیت اللہ" بنے پھرتے ہیں، جب ان کے ماہر اساتذہ ان پر "قد أخطأ" کا فتویٰ صادر کرچکے ہیں تو ان کے علم وفہم کا کیا اعتبار؟ ان کی اِتباع و اِقتدا کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟ اور علمی مسائل میں ان کا قول اور ان کی رائے کس طرح لائقِ اعتماد قرار دی جاسکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا یہ پروپیگنڈا ہر عاقل کے نزدیک ایک اَحمقانہ طرزِ عمل کہلائے گا، اس لئے کہ اہلِ عقل کے نزدیک زمانۂ طالب علمی کی بھول چوک اور غلطیوں کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اس کے فارغ التحصیل ہونے پر اس کے نامور اساتذہ نے اسے جو سندِ فضیلت عطا فرمائی اور اس کو جو خطابات دیئے ان پر اِعتماد کیا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جاننا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ مدرسۂ نبوی کے طالبِ علم تھے،

مُعلّمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم وتربیت اور اِصلاح وتدریب پر من جانب اللہ مأمور فرمایا گیا تھا، زمانۂ طالب علمی میں ان حضرات سے اِمتحانی پرچوں میں یہ بھول چوک بھی ہوتی رہی ہوگی، ان کے اُستاذِ مقدس ومحترم سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اِصلاح وتربیت بھی فرمائی ہوگی، اوران کی خطاؤں اور لغزشوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہوگی، لیکن یہ سب ان کی طالب علمی کے واقعات ہیں، مگر مدرسۂ نبوّت کے یہ باکمال طالبِ علم جب فارغ التحصیل ہوکر نکلے تو ''خیرِ اُمت'' کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا، ''رضی اللہ عنہم'' کا تمغہ ان کو عطا کیا گیا، ''اُخرجت للناس'' کی مسندِ اِرشاد ان کے لئے آراستہ کی گئی، اور مدرسۂ نبوّت کے ان باکمال شاگردوں کو پوری اِنسانیت کے مرشد ومربی اور معلّم کے منصب پر فائز کیا گیا، یہ حضرات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردِ رشید اور تمام دُنیا کے اُستاذ اور مُعلّم تھے۔ ان حضرات کو نبوّت کے دارالعلوم کی طرف سے جو سندِ فضیلت عطا کی گئی، اس کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں:

''عن حذيفة بن اليمان رضى الله عنه قال: كنا جلوسًا عند النبى صلى الله عليه وسلم فقال: انى لا أدرى ما قدر بقائى فيكم، فاقتدوا بالّذين من بعدى، وأشار الى أبى بكر وعمر، واهتدوا بهدى عمّار، وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه.''

(اخرجہ الترمذی، جامع الاصول ج:۸ ص:۵۷۲)

ترجمہ:... ''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ اب میں کتنا عرصہ تم لوگوں میں رہوں گا، تو میرے بعد تم دو صاحبوں کی اِتباع کرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور عمار کی راہ سے ہدایت پانا، اور جو کچھ عبداللہ

ابن مسعود (میری طرف سے) بیان کریں اس کی تصدیق کرنا۔"

عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقتدوا بالَّذين من بعدى من أصحابى: أبى بكر وعمر، واهتدوا بهدى عمّار، وتمسّكوا بعهد ابن مسعود." (رواه الترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۷۸)

ترجمہ:... "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد میرے اَصحاب میں سے دو صاحبوں یعنی ابوبکر اور عمر کی اِقتدا کرنا، عمار کی راہ سے ہدایت پانا، اور ابنِ مسعود کے طریقے کو تھامے رکھنا۔"

"عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهما، ذكر عنده عبدالله بن مسعود فقال: لا أزال أحبه، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خذوا القرآن من أربعة: من عبدالله، وسالم، ومعاذ، وأُبيّ بن كعب. وفى رواية: استقرءوا القرآن من أربعة: من ابن مسعود، فبدأ به، وسالم مولىٰ أبى حذيفة ومعاذ، وأُبيّ." (جامع الاصول ج:۸ ص:۵۶۸)

ترجمہ:... "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ایک مرتبہ ان کے سامنے عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے: میں تو ہمیشہ سے ان کو محبوب رکھتا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قرآنِ کریم کو چار حضرات سے حاصل کرو، اور وہ عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ بن جبل اور اُبیّ بن کعب ہیں۔

اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ: قرآن پڑھنا چار

سے سیکھو: ابنِ مسعود سے، انہی کے نام سے آپ نے اِبتدا فرمائی،
ابوحذیفہ کے غلام سالم سے، اور معاذ سے اور اُبیّ سے۔"

اب ان کی اس تکمیل اور سندِ فضیلت کے بعد اگر کوئی شخص ان کی زمانۂ طالب علمی کی بھول چوک کا حوالہ دے کر ان کی اِتباع سے اِنسانیت کو برگشتہ کرنا چاہتا ہے تو اہلِ عقل کے نزدیک اس کا طرزِ عمل یا تو اس کی حد سے بڑھی ہوئی عقلیت کا مظہر ہے، یا اس کے بغض وعناد کا آئینہ دار۔ بہرحال مدرسۂ نبوّت کے باکمال فضلاء کے بارے میں اس کی یہ رائے اہلِ عقل کے نزدیک لائقِ اِلتفات نہیں۔

حافظ ابنِ حزمؒ بہت بڑے آدمی ہیں، علم وفضل کی بلند چوٹی پر فائز ہیں، اور یہ ناکارہ ان کے سامنے طفلِ مکتب اور کودکِ نادان کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ لیکن حافظ ابنِ حزمؒ ـــ اپنے علم وفضل کے باوصف ـــ جہاں اکابرِ اُمت سے الگ راستہ اِختیار کرتے ہیں، وہاں اکثر وبیشتر، اپنی بڑھی ہوئی عقلیت وذہانت کی بنا پر، ٹھوکر کھاتے ہیں۔ زیرِ بحث مسئلے میں ان کا ٹھوکر کھانا بھی ان کے شذوذ کی نحوست ہے، اس لئے ان کے اِستدلال کا تیر ٹھیک نشانے پر نہیں لگ سکا۔ اور اس ناکارہ نے اپنی نادانی وکم عقلی اور بے علمی وہیچ میرزی کے باوجود اس مسئلے میں ابنِ حزمؒ کی چوک پر جو متنبہ کیا، اس کی مثال وہی ہے جو بزرگوں نے فرمایا ہے:

گاہ باشد کہ کودکِ ناداں
بغلط بر ہدف زند تیرے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطا کا واقعہ:

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں اس واقعے کی وضاحت کردی جائے جس کے بارے میں ابنِ حزمؒ نے کہا ہے کہ: "ان أبا بکر قد أخطأ فی تفسیر فسرہ" یہ واقعہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ میں مروی ہے:

"ان رجلًا أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقال: يا رسول الله! انى أرى الليلة فى المنام ظلّة تنطف السمن والعسل فأرى الناس يتكففون منها بأيديهم فالمستكثر والمستقل وأرى سببا واصلا من السماء الى الأرض فأراك أخذت به فعلوت ثم أخذ به رجل من بعدک فعلا ثم أخذ به رجل آخر فعلا ثم أخذ به رجل فانقطع به ثم وصل له فعلا. قال أبوبكر: يا رسول الله! بأبى وأمى أنت والله لتدعنى فلأعبرنها، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعبرها! قال أبوبكر: أما الظلّة فظلة الاسلام وأما الذى ينطف من السمن والعسل فالقرآنِ حلاوته ولينه وأما ما يتكفف الناس من ذٰلک فالمستكثر من القرآن والمستقل وأما السبب الواصل من السماء الى الأرض فالحق الذى أنت عليه تأخذ به فيعليک الله به ثم يأخذ به رجل من بعدک فيعلو به ثم يأخذ به رجل آخر فيعلو به ثم يأخذ به رجل آخر فينقطع به ثم يوصل له فيعلو به، فأخبرنى يا رسول الله! بأبى أنت وأمى! أصبت أم أخطأت؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أصبت بعضًا وأخطأت بعضًا، قال: فوالله يا رسول الله! لتحدثنى ما الذى أخطأت، قال: لا تقسم!" (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۳، صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۴۳)

ترجمہ:... "(حضرت ابنِ عباسؓ کا بیان ہے کہ) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ: یا رسول اللہ! میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، اور لوگ اپنے ہاتھوں سے اس

کو لے رہے ہیں، کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اور میں نے ایک رسّی آسمان سے زمین تک ملی ہوئی دیکھی اور میں نے آپ کو دیکھا کہ اس کو پکڑ کر اُوپر چڑھ گئے، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسّی ٹوٹ گئی، اور پھر جڑ گئی اور وہ بھی چڑھ گیا۔

ابوبکرؓ نے یہ سن کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! مجھے اِجازت دیجئے کہ میں اس خواب کی تعبیر دُوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا بیان کرو! انہوں نے کہا: وہ سائبان تو اِسلام ہے، اور اس میں سے جو گھی اور شہد ٹپکتا ہے وہ قرآن اور اس کی حلاوت ہے، اور اس کے اُٹھانے والے قرآن کے کم زیادہ حاصل کرنے والے ہیں، اور جو رسّی آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے وہ حق ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، اسی کو تھامے رکھنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو اُوپر چڑھائے گا، اور پھر آپ کے بعد ایک شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اُوپر چڑھ جائے گا، پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا، اور وہ بھی اُوپر چڑھ جائے گا، پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا تو وہ رسّی ٹوٹ جائے گی، مگر پھر جڑ جائے گی اور وہ بھی اُوپر چڑھ جائے گا۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، فرمائیے کہ میں نے ٹھیک تعبیر دی یا غلط؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ ٹھیک دی، کچھ غلط! حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو خدا کی قسم ہے جو میں نے غلط کہا ہے وہ مجھے بتادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ دو۔''

اس واقعے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا خطا ہوئی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تصریح نہیں فرمائی، اور شارحینِ حدیث نے اس سلسلے میں متعدد اِحتمالات لکھے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس خواب میں خلفائے راشدینؓ کی خلافتِ حقہ کی طرف جو اِشارہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعیین نہیں فرمائی۔ یہ تھی وہ خطا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"قوله اخطأت بعضًا علماء در وجہ خطا سخنہا گفتہ اند، لیکن آنچہ بذہن ایں فقیر مقرر شدہ آنست کہ مراد از خطا ترکِ تسمیہ ایں خلفاء است بوجہی از استعارہ بلفظ خطا تعبیر کردہ شدہ ست۔"

(ازالۃ الخفا ج:۱ ص:۲۸)

ترجمہ:... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اخطأت بعضًا" کی علماء نے کئی ایک وجوہ بیان کی ہیں، مگر اس فقیر کے نزدیک صرف یہی خطا اس میں ہوئی کہ خلفاء کے نام ذکر نہیں کئے، اس کو بطورِ اِستعارہ خطا سے تعبیر فرمادیا۔"

اوّل تو یہ واقعہ ـــــ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ـــــ ایک خواب کی تعبیر سے متعلق تھا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اَسمائے خلفاء کو ذِکر نہ کرنا تادّباً مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوسکتا ہے، اس کے باوجود حافظ ابنِ حزمؒ کی نازک مزاجی کی داد دیجئے کہ وہ اس واقعے سے یہ اِستدلال فرمارہے ہیں کہ کسی صحابی کی تقلید رَوا نہیں۔ ذرا اِنصاف کیجئے کہ اگر کسی عالم سے کسی خواب کی تعبیر میں کچھ بھول چوک ہوجائے تو کیا اہلِ عقل کے نزدیک یہ اس اَمر کی دلیل ہے کہ یہ عالم شریعت کے کسی مسئلے میں بھی لائقِ اعتماد نہیں رہا؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ...!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تأویل کا واقعہ:

حافظ ابن حزمؒ نے "وکذب عمر فی تأویل تأوله فی الهجرة" کے مہیب الفاظ سے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی حقیقت بھی سن لیجئے:

یہ واقعہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مہاجرینِ حبشہ، حضرت جعفرؓ اور ان کے رُفقاء کی حبشہ سے واپسی فتحِ خیبر کے موقع پر ہوئی تھی، انہی مہاجرین میں حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ایک دن حضرت اسماءؓ، اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی) سے ملنے ان کے گھر آئی ہوئی تھیں، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی صاحب زادی کے گھر آئے، پوچھا: یہ کون خاتون ہیں؟ بتایا گیا کہ: اسماء بنتِ عمیس ہیں، حضرت عمرؓ نے ان سے مزاحاً فرمایا:

"سبقناکم بالهجرة فنحن أحق برسول الله صلى الله عليه وسلم منكم."

ترجمہ:... "ہم ہجرت میں تم پر سبقت لے گئے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق تم لوگوں سے زیادہ ہے۔"

اس پر حضرت اَسماءؓ بگڑ گئیں اور کہا کہ: ہرگز نہیں! تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، ناواقفوں کو تعلیم فرماتے تھے، اور ہم دُور دراز کی پرائی سرزمین میں تھے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے تھا۔ اور بخدا! میں کھانا نہیں کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ تمہاری اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ نہ کرلوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ کی بات ذکر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ليس بأحق بي منكم وله ولأصحابه هجرة واحدة ولكم أنتم أهل السفينة هجرتان."

(بخاری ج:۲ ص:۶۰۷، مسلم ج:۲ ص:۳۰۴)

ترجمہ:... ''ان کا تعلق مجھ سے تم لوگوں کی نسبت زیادہ نہیں، کیونکہ ان لوگوں کو ایک ہجرت نصیب ہوئی اور اے اہلِ سفینہ! تم لوگوں کو دو ہجرتیں نصیب ہوئیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ''ہمیں ہجرت میں سبقت نصیب ہوئی، اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے'' از راہِ مزاح تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اس خاتون نے شکایت فرمائی تو ان کی دِلجوئی کے لئے فرمایا کہ عمر غلط کہتے ہیں، کیونکہ جن حضرات نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، ان کو ایک ہجرت کا ثواب ملا، لیکن تم لوگوں کو دُہری ہجرت کا ثواب ملا کہ تم لوگوں نے ایک بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دُوسری بار وہاں سے مدینہ کی طرف۔ اس لحاظ سے تمہیں ان پر فضیلت حاصل ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:

"ظاهره تفضيلهم على غيرهم من المهاجرين، لـٰكن لا يلزم منه تفضيلهم على الاطلاق بل من الحيثية المذكورة." (فتح الباری ج:۷ ص:۴۸۶)

ترجمہ:... ''بظاہر اس سے ان کی فضیلت باقی مہاجرین پر معلوم ہوتی ہے، لیکن اس سے ان کی فضیلت ہر لحاظ سے لازم نہیں آتی بلکہ صرف مذکورہ حیثیت سے یہ فضیلت ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت ورفاقت کا زیادہ موقع ملا، اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرینِ حبشہ کی دِلجوئی کے لئے فرمایا کہ تمہیں دُہری ہجرت کا ثواب ملا، اس لئے تمہارا تعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم نہیں۔

لیجئے! اتنی سی بات تھی جس کو بتنگڑ بنا کر پیش کیا گیا، اور اس سے یہ ''کلیہ'' اَخذ

کرلیا گیا کہ کسی مسئلے میں کسی صحابی کے قول کو نہ لیا جائے، اس عقل و دانش کی داد کون نہیں دے گا...؟

ابوالسنابل رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حافظ ابنِ حزمؒ نے ابوالسنابل رضی اللہ عنہ کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سبیعہؓ بنتِ حارث، سعد بن خولہؓ کے نکاح میں تھیں۔ حجۃ الوداع میں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا، جبکہ یہ حاملہ تھیں، شوہر کی وفات کے چند دن بعد ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ چونکہ وضعِ حمل سے ان کی عدّت پوری ہوگئی تھی اس لئے انہوں نے عقد کا اِرادہ کیا۔ حضرت ابوالسنابل بن بعککؓ نے ان سے کہا کہ: شاید تم نکاح کا ارادہ کر رہی ہو؟ جب تک چار مہینے دس دن نہیں گزر جاتے تم عقد نہیں کرسکتیں۔ سبیعہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضعِ حمل سے تمہاری عدّت پوری ہوچکی ہے، تم چاہو تو عقد کرسکتی ہو۔

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۸۰۲، صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۸۶)

سورۂ بقرہ آیت:۲۳۴ میں متوفی عنہا الزوج کی عدّت چار مہینے دس دن بیان کی گئی ہے، اور سورۃ الطّلاق آیت:۴ میں حاملہ عورتوں کی عدّت وضعِ حمل ذکر کی گئی ہے۔ مؤخر الذکر آیت میں چونکہ مطلقہ عورتوں کا ذکر چل رہا تھا، جبکہ اوّل الذکر آیت متوفی عنہا الزوج کے بارے میں ہے، اس لئے حضرت ابوالسنابلؓ کے فتویٰ کی بنیاد یہ تھی کہ انہوں نے اوّل الذکر آیت کو حاملہ اور غیرحاملہ کے لئے عام رکھا اور مؤخر الذکر آیت کو مطلقہ عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ سورۃ الطّلاق کی آیت:۴ ("وَاُولٰتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ") تمام حاملہ عورتوں کو عام ہے، خواہ مطلقہ ہوں یا متوفی عنہا الزوج ہوں، اور سورۂ بقرہ کی محولہ بالا آیت غیرحاملہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابوالسنابلؓ نے جو فتویٰ دیا تھا اس کی قوی بنیاد موجود

تھی، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سبیعہؓ کے قصے میں چار مہینے دس دن سے قبل حاملہ متوفی عنہا الزوج کی عدّت کے پورا ہوجانے کی تصریح نہ ہوتی تو شاید اکثر اہلِ علم وہی فتویٰ دینے پر مجبور ہوتے جو ابوالسنابلؓ نے دیا تھا۔

الغرض ابوالسنابلؓ کے قصے میں زیادہ سے زیادہ اِجتہادی خطا ہوئی، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِصلاح فرمادی۔ اور جیسا کہ اُوپر ذکر کرچکا ہوں، مجتہد اگر اِجتہاد میں خطا کرے تو اس کو بھی ایک اَجر ملتا ہے، اس لئے اس واقعے سے یہ اِستدلال کرنا کہ صحابی کی تقلید صحیح نہیں، یہ بات حافظ ابنِ حزمؒ کی عقل میں ہی آسکتی ہے...!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

یہاں آنجناب کی توجہ ایک اور نکتے کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ جس حاملہ عورت کا شوہر اِنتقال کرجائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالسنابلؓ کے فتویٰ کے خلاف اس کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ وضعِ حمل سے اس کی عدّت پوری ہوجاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتویٰ کے بعد جمہور علمائے سلف اور ائمۂ فتویٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ وہی رہا جو ابوالسنابلؓ نے دیا تھا، اور جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِصلاح فرمائی تھی۔ حافظ ابنِ حجرؒ ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

''وقد قال جمهور العلماء من السلف وأئمة الفتویٰ في الأمصار: ان الحامل اذا مات عنها زوجها تحل بوضع الحمل وتنقضي عدة الوفاة، وخالف في ذٰلک عليٌّ فقال: تعتد آخر الأجلين، ومعناه أنها ان وضعت قبل مضي أربعة أشهر وعشر تربصت الى انقضائها ولا تحل بمجرد الوضع، وان انقضت المدة قبل الوضع تربصت الى الوضع. أخرجه سعيد بن

منصور وعبد بن حميد عن عليّ بسند صحيح، وبه قال ابن عباس كما في هٰذه القصة، ويقال انه رجع عنه، ويقويه أن المنقول عن اتباعه وفاق الجماعة في ذٰلك." (فتح الباری ج:۹ ص:۴۷۴)

ترجمہ:... ''جمہور علمائے سلف اور ائمہ فتویٰ کا قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو وضعِ حمل کے ساتھ ہی وہ آزاد ہوجائے گی، اور اسی کے ساتھ اس کی عدّت پوری ہوجائے گی۔ حضرت علیؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ایسی عورت دونوں مدتوں میں سے بعد والی مدّت تک عدّت گزارے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو وضعِ حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہوگیا تو وہ چار ماہ دس دن تک عدّت گزارے گی، صرف وضعِ حمل سے وہ آزاد نہ ہوگی، اور اگر مدّتِ مذکورہ وضعِ حمل سے پہلے پوری ہوگئی تو وضعِ حمل تک انتظار کرے گی۔

حضرت علیؓ سے یہ فتویٰ سعید بن منصور اور عبد بن حمید نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جیسا کہ اس واقعے میں مذکور ہے۔ ابنِ عباسؓ کا قول بھی یہی تھا، پھر انہوں نے اس قول سے رُجوع کرلیا اور ان سے اِجماعِ اُمت کے اِتباع کا منقول ہونا اس (رُجوع) پر قوی دلیل ہے۔''

حافظ ابنِ حجرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو فتویٰ نقل کیا ہے، شیعہ مذہب کی مستند کتابوں میں اسی کے مطابق فتویٰ ہے، چنانچہ ''فروعِ کافی'' میں اس سلسلے کی متعدد روایات نقل کی ہیں، یہاں دو رِوایتیں نقل کرتا ہوں:

''۴- محمد بن يحيٰى، عن أحمد بن محمد، عن عليّ بن الحكم، عن موسى بن بكر، عن زرارة، عن

أبي جعفر عليه السلام قال: عدّة المتوفّى عنها زوجها آخر الأجلين لأنّ عليها أن تحدّ أربعة أشهر وعشرًا وليس عليها في الطّلاق أن تحد."

"٥- عليّ بن ابراهيم، عن أبيه، وعدّة من أصحابنا، عن سهل بن عباد، عن ابن أبي نجران، عن عاصم بن حميد، عن محمد بن قيس، عن أبي جعفر عليه السلام قال: قضى أمير المؤمنين عليه السلام في امرأة توفي عنها زوجها وهي حبلى فولدت قبل أن تنقضي أربعة أشهر وعشر فتزوّجت فقضى أن يخلّي عنها ثمّ لا يخطبها حتّى ينقضي آخر الأجلين فان شاء أولياء المرأة أنكحوها وان شاؤا أمسكوها فان أمسكوها ردّوا عليه ماله." (الفروع من الکافی ج:۶ ص:۱۱۴، مطبوعہ تہران)

ترجمہ:... "۴- زرارہ نے ابوجعفر سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ: متوفی عنہا زوجہا کی عدّت دونوں مدتوں میں سے آخر میں پوری ہونے والی ہوگی۔ کیونکہ وہ چار ماہ دس دن تو (بہرحال) سوگ منائے گی، جبکہ طلاق کی صورت میں اس سوگ کا سوال ہی نہیں۔"

ترجمہ:... "۵- محمد بن قیس ابوجعفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت کا مقدمہ آیا جس کا شوہر وفات پاچکا تھا اور وہ حاملہ تھی، اس کے ہاں چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہوگئی تو اس نے (کسی سے) نکاح کرلیا۔ مگر آپؓ نے حکم فرمایا کہ شوہر اس کو اپنے سے علیحدہ کردے اور آخری مدّت پوری ہونے تک اس کو پیغامِ نکاح نہ بھیجے، اس کے بعد اگر عورت کے اولیاء چاہیں تو اس کا نکاح

کر دیں، اور روکنا (منع کرنا) چاہیں تو روک لیں۔ البتہ روکنے (منع کرنے) کی صورت میں اس مرد سے (مہر وغیرہ میں) لیا ہوا مال واپس لوٹا دیں۔"

ان روایات کی روشنی میں "تہذیب الاحکام" اور "من لا یحضرہ الفقیہ" میں بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے:

"اذا كانت المتوفى عنها زوجها حاملًا فعدتها أبعد الأجلين، ان انقضت أربعة أشهر وعشرًا ولم تضع حملها فعدتها أن تضع حملها، وان وضعت حملها قبل انقضاء الأربعة أعشر وعشرًا كان عليها العدّة أربعة أشهر وعشرًا." (تہذیب الاحکام ج:۸ ص:۱۵۰)

ترجمہ:... "اور اگر متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہو تو اس کی عدّت دونوں میں سے بعد والی مدّت شمار ہوگی، یعنی اگر اس نے چار ماہ دس پورے کر لئے مگر وضعِ حمل نہ ہوا تو اس کی عدّت وضعِ حمل ہوگی، اور اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہوگئی تو بھی اس کو چار ماہ دس دن تک عدّت میں ہی رہنا ہوگا۔"

"۱ - روى زرارة عن أبى جعفر عليه السلام قال: والحبلى المتوفى عنها زوجها تعتد بأبعد الأجلين، ان وضعت قبل أن تمضى أربعة أشهر وعشرة أيام لم تنقض عدتها حتّى تمضى أربعة أشهر وعشرة أيام، وان مضت لها أربعة أشهر وعشرة أيام قبل أن تضع لم تنقض عدتها حتّى تضع." (من لا يحضره الفقيه ج:۳ ص:۳۲۹)

ترجمہ:... "حاملہ جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو، وہ دونوں میں سے بعد والی مدّت تک عدّت میں رہے گی۔ اگر اس کے ہاں چار ماہ

دس دن سے قبل ہی ولادت ہوگئی تو اس سے اس کی عدّت پوری نہیں
ہوگی، بلکہ وہ چار ماہ دس دن عدّت میں رہے گی۔ اور اگر وضعِ حمل
سے پہلے ہی چار ماہ دس دن پورے ہوگئے تو بھی اس کی عدّت اس
وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ وضعِ حمل نہ ہوجائے۔''

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ابوالسنابلؓ اس لئے لائقِ اعتماد نہیں رہے کہ انہوں نے اپنے اِجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمادی تھی، تو آنجناب کے نزدیک وہ بزرگ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کیسے لائقِ اعتماد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ صادر ہوجانے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں؟ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اگر ایک صحابی کے اِجتہادی فتوے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِصلاح فرمادیں تو وہ صحابی آنجناب کے نزدیک ناقابلِ اعتماد ٹھہرتے ہیں، اور دُوسرے صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فتوے کے خلاف فتویٰ صادر فرماتے ہیں، وہ آپ کے نزدیک معصوم عن الخطا قرار پاتے ہیں:

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی، کہنا یہ ہے کہ جمہور ائمہ کے فتویٰ کے خلاف ابنِ حزمؒ کا موقف غلط اور ان کا اِستدلال بے جان ہے۔

دُوسری بحث: صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں، اس کے نقلی دلائل:

آنجناب نے تحریر فرمایا تھا کہ عقلی و نقلی دلائل اِتباعِ صحابہؓ کے ثبوت کا ساتھ نہیں دیتے۔ نقلی دلائل کی فہرست میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ اور اکابرِ اُمت کے ارشادات آتے ہیں، آیئے قرآن و سنت اور اِرشاداتِ اکابر کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیں۔

اِتباعِ صحابہؓ قرآنِ کریم کی نظر میں:

سب سے پہلے قرآن مجید کو لیجئے! قرآنِ کریم کی بہت سی آیات سے تصریحاً و تلویحاً صحابہ کرامؓ کا دُوسرے لوگوں کے لئے واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان میں

سے ایک آیت میں ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں نقل کر چکا ہوں، جس میں صحابہ کرامؓ کے راستے کو ''سبیل المؤمنین'' فرما کر اس سے اِنحراف کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ چار آیتیں اُوپر ذِکر کر چکا ہوں، جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہؓ صراطِ مستقیم پر تھے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ''صراطِ مستقیم'' پر چلنے کا خواہش مند ہو، اسے صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنی ہوگی، اور ان کے راستے پر چلنا ہوگا۔ یہاں مزید چند آیات نقل کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اِتباع کا صراحتاً یا اِشارۃً حکم فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت:

قولہ تعالیٰ: ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ، اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ'' (البقرۃ:۱۳)

''وأسند ابن جرير (ج:۱ ص:۱۲۸) عن ابن عباس وابن مسعود وناس من أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم والربيع بن أنس وعبدالرحمٰن بن زيد بن السلم، فی قوله: "قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ" يعنون أصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم، ويقول الحافظ ابن كثير فی تفسيره (ج:۱ ص:۵۰) "قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ" يعنون – لعنهم اللہ – أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم – رضی اللہ عنهم – قاله أبو العالية والسدی فی تفسيره عن ابن عباس وابن مسعود وغير واحد من الصحابة، وبه يقول ابن أنس وعبدالرحمٰن بن زيد بن أسلم وغيرهم، وأخرج ابن عساكر فی تاريخه بسند واه عن ابن عباس فی قوله "اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ"

قال أبوبكر وعمر وعثمان وعلی کما فی الدر (ج:۱ ص:۳۰)۔"

ترجمہ:... "اور جب کہا جاتا ہے ان کو: ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ، تو کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔ جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن جانتے نہیں۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

"ابنِ جریر طبری (ج:۱ ص:۱۲۸) نے اپنی سند کے ساتھ ابنِ عباسؓ، ابنِ مسعودؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اَصحابؓ (کے علاوہ) ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے فرمانِ باری تعالیٰ: "اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ" کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ: "وہ اس سے اَصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے تھے۔" اور حافظ ابنِ کثیرؒ (ج:۱ ص:۵۰) کہتے ہیں کہ: "اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ" سے ان ملعونوں کی مراد اَصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ابوالعالیہ اور سدی نے بھی ابنِ عباسؓ، ابنِ مسعودؓ اور بہت سے صحابہؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے، اور یہی قول ابنِ انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ حضرات کا ہے۔ ابنِ عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں ابنِ عباسؓ سے ایک کمزور سند کے ساتھ ان کا یہ قول درج کیا ہے کہ: "اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ" یعنی جیسے ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم ایمان لائے)۔"

اس آیت شریفہ میں منافقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جیسا ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور اس کے جواب میں منافقین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ کیا ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ منافق خود ہی احمق اور بیوقوف ہیں، مگر ان کو علم ہی نہیں کہ عقل و خرد کسے کہتے ہیں اور حماقت و بیوقوفی کیا چیز ہے؟

اس آیت شریفہ سے چند اُمور مستفاد ہوئے:

اوّل:... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان کامل اور معیاری تھا، جس کے مطابق ایمان لانے کی منافقین کو دعوت دی گئی، اگر ان کا ایمان ناقص یا مشتبہ ہوتا تو منافقین کو یہ دعوت ہرگز نہ دی جاتی کہ وہ اَصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم کے جیسا ایمان لائیں۔

دوم:... ایمان اور ایمانیات میں صحابہ کرامؓ کی اِتباع واجب ہے، اور وہ تمام لوگ جو اِیمان کے مدعی ہیں، ان کا فرض ہے کہ اپنے ایمان کا صحابہ کرامؓ کے ایمان کی کسوٹی پر اِمتحان کریں۔

سوم:... صحابہ کرامؓ کے حق میں گستاخیاں کرنا، ان کو اَحمق و بے عقل کہنا اور ان کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کرنا منافقوں کا وطیرہ ہے۔

چہارم:... جو شخص صحابہ کرامؓ کے حق میں زبان درازی کرے حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے اس کو اسی طرح کا جواب دیا جاتا ہے، جو شخص ان کو اَحمق کہے، وہ عنداللہ خود اَحمق ہے، اور جو شخص ان کو بے ایمان یا منافق کہے، وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں خود بے اِیمان اور منافق ہے۔

پنجم:... جو لوگ صحابہ کرامؓ پر طعن کرتے ہیں، ان کی یاوہ گوئی، ان کی بے علمی، حقیقت ناشناسی اور جہلِ مرکب کا نتیجہ ہے۔

دُوسری آیت:

"قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ، لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ. فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ." (البقرة:۱۳۶، ۱۳۷)

ترجمہ:... "تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اُترا ہم پر اور جو اُترا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دُوسرے پیغمبروں کو ان کے ربّ کی طرف سے، ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی، اور ہم اسی پروردگار کے فرماں بردار ہیں۔ سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح تم ایمان لائے تو ہدایت پائی انہوں نے بھی، اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر، سو اَب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔"

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

پہلی آیت میں صحابہ کرامؓ کو ایمانیات کے ایک حصے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور دُوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ کتاب اگر تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت کو پالیں گے، ورنہ وہ شقاق و نفاق میں مبتلا رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے شر سے آپ کی کفایت فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمانیات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان معیاری ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کو ان کے جیسا ایمان لانے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، لہٰذا ایمان اور ایمانیات میں بھی صحابہ کرامؓ کی اِتباع شرطِ ہدایت ہے۔

تیسری آیت:

"وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا

ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. وَمِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ.'' (التوبة:۱۰۰،۱۰۱)

ترجمہ:... ''اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے، اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں انہی میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے، اَڑ رہے ہیں نفاق پر، تو ان کو نہیں جانتا، ہم کو وہ معلوم ہیں، ان کو ہم عذاب دیں گے دو بار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ میں چند اِفادات ہیں:

اوّل:... حضراتِ مہاجرین و اَنصار میں سے جو السابقون الاوّلون ہیں ان سے غیر مشروط طور پر چار وعدے فرمائے گئے:

۱:... اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے راضی ہوا۔

۲:... وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳:... ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔

۴:... وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ان چار وعدوں کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصوّر ناممکن ہے۔

دوم:... مہاجرین و اَنصار کے علاوہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بھی یہی چار وعدے ہیں، مگر اس شرط پر کہ یہ لوگ حسن وخوبی اور اِخلاص کے ساتھ مہاجرین و

اَنصار کی پیروی کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ بعد کی پوری اُمت پر مہاجرین واَنصار کی اِتباع بالاِحسان لازم ہے اور یہ ان کی قبولیت عنداللہ کے لئے شرطِ اَعظم ہے۔

سوم:... دُوسری آیت میں مہاجرین واَنصار کو مخاطب کرکے فرمایا گیا کہ تمہارے گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہلِ مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے نفاق میں پختہ کار ہیں۔ حضراتِ مہاجرین واَنصار کو مخاطب کرکے منافقین کی اِطلاع دینا اس اَمر کی دلیل ہے کہ السابقون الاوّلون مہاجرین واَنصار میں سے کوئی شخص منافق نہیں تھا۔

الغرض! اس آیت شریفہ میں آنے والی تمام اُمت پر مہاجرین واَنصار کی پیروی لازم کی گئی ہے، جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں۔

چوتھی آیت:

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ"

(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ:... "تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے، اور اِیمان لاتے ہو اللہ پر۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ میں خطاب اوّلاً و بالذات ان صحابہ کرامؓ سے ہے، جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے، اور ان کی چار صفات ذکر فرمائی گئی ہیں:

۱:... ان کا سب سے بہتر جماعت ہونا۔

۲:... تمام انسانیت کی تعلیم و تربیت اور اِصلاح و اِرشاد کے لئے ان کا بروئے کار لایا جانا۔

۳:... ان کا آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہونا۔

۴:... اور ان کا قطعی و یقینی مؤمن ہونا۔

چونکہ آیت شریفہ میں صحابہ کرامؓ کو ''خیرِ اُمت'' کا تاج پہنا کر انہیں پوری انسانیت کا مرشد و مربی قرار دیا گیا ہے، اس لئے ان کے بعد کے تمام لوگوں پر ان کے ارشاد کی تعمیل واجب ہوگی۔

نیز ان حضرات کو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر فرمایا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات نے جس چیز کا حکم دیا وہ عنداللہ ''معروف'' ہے، اس لئے اس کی تعمیل واجب ہے۔ اور جس چیز سے ان حضرات نے منع فرمایا وہ عنداللہ ''منکر'' ہے، اس لئے اس سے اِجتناب واجب ہے۔

سرِدست انہی چار آیات پر اِکتفا کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اِقتدا و اِتباع پوری اُمت کے لئے واجب کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعد کی اُمت کا کوئی عقیدہ و عمل صحابہ کرامؓ کی اِتباع کے بغیر لائقِ اِعتبار نہیں۔

اِتباعِ صحابہؓ اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں:

احادیث شریفہ میں بھی صراحتاً و اِشارۃً حضراتِ صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے تمسک کا حکم فرمایا گیا ہے، یہاں چار اَحادیث ذِکر کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

''عن عليّ قال: قلت: يا رسول الله! ان نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرني؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة.

(رواه الطبراني في الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحيح، مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۷۸)

ترجمہ:... ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر (آپ کے بعد) ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جائے کہ اس میں اَمر و نہی کا کوئی بیان

پہلے سے موجود نہ ہو، تو آپ کا ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس وقت فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو، اور کسی ایک خاص شخص کی رائے پر عمل پیرا مت ہونا۔“

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اِجماع حجت ہے، چنانچہ حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے اس حدیث کو ”باب الاجماع“ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اِجماع صرف فقہاء و عابدین کا معتبر ہے، غیر فقہاء اور اہلِ اہواء کے اقوال لائقِ اِلتفات نہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فقہاء و عابدین کے مشورے کے محتاج تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطورِ خاص اس کی وصیت فرمائی تھی۔

دُوسری حدیث:

”وعن أبی بردة عن أبیه قال: رفع یعنی النبی صلی الله علیه وسلم رأسه الی السماء وکان کثیرًا ممن یرفع رأسه الی السماء فقال: النجوم أمنة للسماء فاذا ذهبت النجوم أتی السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابی فاذا ذهبت أنا أتی أصحابی ما یوعدون، وأصحابی أمنة لأُمتی فاذا ذهبت أصحابی أتی أُمتی ما یوعدون.“

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۵۵۳)

ترجمہ:... ”حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اُٹھایا جیسا کہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اِنتظارِ وحی میں) اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اُٹھالیا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ: ستارے آسمان کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں، جس وقت یہ ستارے

جاتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور میں اپنے صحابہ کے لئے امن وسلامتی ہوں، جب میں اُٹھ جاؤں گا تو صحابہ اس چیز میں مبتلا ہوجائیں گے جو موعود مقدر ہے۔ اور میرے صحابہ میری اُمت کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں، جب یہ دُنیا سے اُٹھ جائیں گے تو میری اُمت پر وہ چیز آپڑے گی جو موعود مقدر ہے۔"

"قال في جامع الأصول (ج:۸ ص:۵۵۵): (أتى أصحابي ما يوعدون) اشارة الٰى وقوع الفتن، ومجئ الشر عند ذهاب أهل الخير، فانه لما كان صلى الله عليه وسلم بين أظهرهم كان يبين لهم ما يختلفون فيه، فلما قد جالت الآراء واختلفت فكان الصحابة يسندون الأمر الٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قول أو فعل أو دلالة حال، فلما فقد الصحابة قل النّور وقويت الظلمة."

ترجمہ:... "صاحبِ جامع الاصول (ج:۸ ص:۵۵۵) لکھتے ہیں کہ: "أتى أصحابي ما يوعدون" میں فتنوں کے ظہور اور اہلِ خیر کے اُٹھ جانے کے باعث شر پھیلنے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے درمیان موجود تھے تو ان کے باہمی کسی اختلاف کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صحیح راہ بتاتے رہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مخالف آراء سامنے آئیں اور اِختلاف رُونما ہوا، البتہ صحابہ کرامؓ کسی بھی پیش آمدہ مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا دلالتِ حال (تقریر) سے راہ نمائی حاصل کرتے رہے، اور جب

صحابہؓ اُٹھ گئے تو نورِ (علم) مدہم ہوگیا اور ظلمت قوی تر ہوگئی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت اَہواء و بدعات سے پاک تھی، اس لئے اُمت کو عقائد و اعمال میں ان حضرات کے نقشِ قدم کی پیروی لازم ہے۔

تیسری حدیث:

"وعن عمران بن حصين رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: خير الناس قرنى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم. قال عمران: فلا أدرى أذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة؟ ثم انّ بعدهم قوم يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، وينذرون ولا يوفون، ويظهر فيهم السمن."

(بخاری ج:۱ ص:۵۱۵، مسلم ج:۲ ص:۳۰۹)

ترجمہ:... "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر لوگ، میرے دور کے ہیں، پھر جو ان سے متصل ہوں گے، پھر وہ جو ان سے متصل ہوں گے۔ حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ: مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کے بعد دو اَدوار کا ذِکر فرمایا یا تین کا؟۔ پھر اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے کہ وہ (خواہ مخواہ) قسمیں کھائیں گے، حالانکہ ان سے قسم طلب نہ کی جائے گی۔ خائن ہوں گے، امانت دار نہ ہوں گے۔ نذریں مانیں گے، مگر پوری نہ کریں گے، ان پر موٹاپا چڑھا ہوگا۔"

یہ حدیث متواتر ہے اور متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، ان میں سے چند اَسمائے گرامی یہ ہیں:

۱:...عبداللہ بن مسعود	(بخاری ج:۱ ص:۵۱۵، مسلم ج:۲ ص:۳۰۹)
۲:...عمر بن خطاب	(ترمذی ج:۱ ص:۵۴، عبدالرزّاق ج:۱۱ ص:۳۷۱، مسندحمیدی ج:۱ ص:۱۹، مجمع الزوائد ص:۱۹)
۳:...ابو ہریرہ	(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۰۹)
۴:...عائشہ	(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۱۰)
۵:...بریدہ اسلمی	(مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۹)
۶:...نعمان بن بشیر	(ایضاً)
۷:...انس	(ایضاً)
۸:...سمرہ بن جندب	(ایضاً)
۹:...ابو برزہ اسلمی	(مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۲۰)
۱۰:...جعد بن ہبیرہ	(ایضاً)
۱۱:...جمیلہ بنت ابی جہل	(ایضاً)

رضی اللہ عنہم اجمعین

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الترتیب تین زمانوں کو ''خیرالقرون'' فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا بہترین حصہ حضراتِ صحابہ کرامؓ تھے۔ یہ حدیث گویا قرآنِ کریم کی آیت ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ'' کی تفسیر ہے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے افضل حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے، اس لئے اس آیت وحدیث کی روشنی میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان حضرت ابوبکر صدیق ہیں، ان کے بعد حضرت عمر، ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ صحابہ کرامؓ کے دور کو ''خیرالقرون'' قرار دینے سے مدعا یہ ہے کہ بعد کی اُمت کے لئے وہ مثالی نمونہ ہیں، لہٰذا جو شخص صحابہ کرامؓ کی جس قدر پیروی کرے گا، وہ اسی قدر موصوف بالخیر ہوگا۔

چوتھی حدیث:

”وعن معاذ بن جبل أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه الى اليمن قال: كيف تقضى اذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضى بكتاب الله. قال: فان لم تجد فى كتاب الله؟ قال: فبسُنّة رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: فان لم تجد فى سُنّة رسول الله؟ قال: أجتهد رأيى ولا آلو. قال: فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ صدره وقال: الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله.“

(رواه الترمذی وابوداؤد والدارمی، مشکوٰۃ ص:۳۲۴)

ترجمہ:... ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن (کا والی بناکر) بھیجا تو پوچھا کہ: جب تجھے کسی معاملے کا فیصلہ کرنا پڑے تو کس طرح کروگے؟ انہوں نے عرض کیا: کتابُ اللہ سے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ: اگر اس کا حل کتابُ اللہ میں نہ پاؤ (تو کیا کروگے)؟ عرض کیا: سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے فرمایا: اگر سنتِ رسول اللہ میں نہ پاؤ (تو کیا کروگے)؟ عرض کیا: اپنی رائے سے اِجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر تھپکی دی اور فرمایا: اس اللہ ہی کے لئے حمد ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس نے رسول اللہ کو خوش کردیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتابُ اللہ وسنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

صحابہ کرامؓ کے اِجتہادی فیصلے بھی حجتِ شرعیہ ہیں، اوران پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ رضامندی ثبت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

"وسيهلك فيَّ صنفان: محبٌّ مفرط يذهب به الحبُّ الٰى غير الحق، ومبغضٌ مفرط يذهب به البغض الٰى غير الحق، وخير الناسْ فيَّ حالا النمط الأوسط فألزموه، وألزموا السواد الأعظم فان يد الله مع الجماعة، وايـاكم والفرقة! فان الشاذ من الناس للشيطان، كما أن الشاذ من الغنم للذئب. ألا من دعا الٰى هٰذا الشعار فاقتلوه، ولو كان تحت عمامتي هٰذا."

(نہج البلاغہ ص:۱۸۴، خطبہ نمبر:۱۲۷)

ترجمہ:... "مجھ سے متعلق دو گروہ ہلاکت میں مبتلا ہوں گے، ایک میری محبت میں حد سے بڑھ جانے والا گروہ کہ میری محبت ان کو گمراہی میں پہنچادے گی، اور دُوسرا گروہ مجھ سے شدید بغض رکھنے والا کہ ان کو میرا بغض گمراہی میں مبتلا کردے گا۔ اور بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے متعلق اِعتدال کی راہ پر ہیں (کہ نہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں، نہ محبت میں غلوّ)، لہٰذا تم اس رَوِش کو لازم پکڑو اور سوادِ اَعظم کے ساتھ منسلک رہو، اللہ کی نصرت یقیناً جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ باہمی اِفتراق سے بچتے رہو، کیونکہ ریوڑ سے بچھڑنے والی بکری بھیڑیے کی ہی خوراک بنتی ہے، خبردار! جو شخص بھی اس (افتراق کی) سمت بلائے اس کو قتل کرڈالو، خواہ وہ میرے اس عمامے کے زیرِ سایہ ہی کیوں نہ ہو۔"

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے زمانے میں فتنۂ ابنِ سبا اور فتنۂ خوارج کی وجہ سے تین فریق بن گئے تھے:

اوّل:... جو حبِ علیؓ میں غلوّ کرکے ان کو شیخینؓ سے افضل اور خلیفہ بلافصل قرار دیتا تھا۔

دوم:... جو بغضِ علیؓ کی بنا پر ان کو نہ صرف مقبولانِ الٰہی کی فہرست سے، بلکہ دائرۂ اسلام سے ہی خارج قرار دیتا تھا۔

سوم:... جو ان کو اَفاضل و اَکابر صحابہؓ میں شمار کرتا تھا، اور انہیں رابع الخلفاء الراشدین قرار دیتا تھا۔ یہی مسلمانوں کا سوادِ اَعظم تھا جس کو لازم پکڑنے کی حضرتؐ نے تاکید فرمائی، اور اَوّل الذکر دونوں فریقوں کی تفرقہ پسندی سے مسلمانوں کو بچنے کی تاکید فرمائی۔

اس ارشادِ گرامی سے صحابہؓ و تابعینؒ کا ــــ جو حضرتؐ کے زمانے میں سوادِ اَعظم کا مصداق تھے ــــ لائقِ اقتدا ہونا واضح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد:

"وعن ابن مسعود قال: من کان مستنًا فلیستنّ بمن قد مات، فان الحیّ لا تؤمن علیه الفتنة أولٰئک أصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا أفضل هٰذه الأُمّة، أبرها قلوبًا، وأعمقها علمًا، وأقلّها تکلّفًا، اختارهم الله لصحبة نبیّه، ولاقامة دینه، فأعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم علٰی أثرهم، وتمسّکوا بما استطعتم من أخلاقهم وسیرهم، فانهم کانوا علی الهدی المستقیم." (رواہ رزین، مشکوٰۃ ص:۳۲)

ترجمہ:... "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد

ہے کہ: جس شخص کو کسی کی اِقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اِقتدا کرے جو وفات پاچکے ہیں، کیونکہ زندہ شخص فتنے سے مأمون نہیں، یہ (لائقِ اِقتدا حضرات) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، جو اس اُمت میں سب سے افضل تھے، ان کے دِل سب سے زیادہ پاکیزہ تھے، ان کا علم سب سے گہرا تھا، اور وہ سب سے بڑھ کر تکلف سے بچنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کے لئے اور اپنے دِین کو قائم کرنے کے لئے چن لیا تھا، ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کے نقشِ قدم پر ان کے پیچھے چلو، جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت واخلاق کو اَپناؤ، کیونکہ یہ حضرات ہدایت اور صراطِ مستقیم پر تھے۔''

"وعن ابن مسعود قال: انّ الله نظر فی قلوب العباد فاختار محمدًا صلی الله علیه وسلم فبعثه برسالة وانتخبه بعلمه، ثم نظر فی قلوب الناس بعده، فاختار له أصحابًا، فجعلهم أنصار دینه ووزراء نبیّه، وما رآه المؤمنون حسنًا فهو عند الله حسن، وما رآه المؤمنون قبیحًا فهو عند الله قبیح." (مسندِ ابی داؤد طیالسی ص:۳۳)

ترجمہ:... ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اِرشاد ہے کہ: حق تعالیٰ شانہ نے بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اَطہر کو چن لیا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرام کو چن لیا، اور ان کو دِین کے مددگار اور اَپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

وزیر بنایا۔ اور جس چیز کو اہلِ ایمان (بالاتفاق) اچھا سمجھیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے، اور جس چیز کو اہلِ ایمان بُرا جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُری ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد:

"قال: کتب رجل الٰی عمر بن عبدالعزیز یسأله عن القدر فکتب: أمّا بعد، أوصیک بتقوی الله والاقتصاد فی أمره واتباع سُنّة نبیّه صلی الله علیه وسلم، وترک ما أحدث المحدثون بعد ما جرت به سُنّته وکفوا مؤنته، فعلیک بلزوم السُّنّة، فانها لک باذن الله عصمة، ثم اعلم أنه لم یبتدع الناس بدعة الّا قد مضی قبلها ما هو دلیل علیها أو عبرة فیها، فان السُّنّة انما سنها من قد علم ما فی خلافها – ولم یقل ابن کثیر من قد علم– من الخطأ والزلل والحمق والتعمق، فارض لنفسک ما رضی به القوم لأنفسهم، فانهم علٰی علم وقفوا، أو ببصر نافذ کفوا، ولهم علٰی کشف الأمور کانوا أقوی، بفضل ما کانوا فیه أولی، فان کان الهدی ما أنتم علیه لقد سبقتموهم الیه، ولئن قلتم انما حدث بعدهم ما أحدثه الا من اتبع غیر سبیلهم، ورغب بنفسه عنهم، فانهم هم السابقون، فقد تکلموا فیه بما یکفی، ووصفوا منه ما یشفی، فما دونهم من مقصر، وما فوقهم من محسر، وقد قصر قوم دونهم فجفوا، وطمع عنهم أقوام فغلوا، وأنهم بین ذٰلک لعلی هدی

مستقیم۔" (ابوداؤد ج:۲ ص:۶۳۳)

ترجمہ:... "ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں خط لکھا، جس میں ان سے مسئلہ تقدیر کے بارے میں سوال کیا تھا، آپ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا:

میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کے معاملے میں اِعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کی، اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے کی، اور ان بدعات کو ترک کرنے کی جن کو اہلِ بدعت نے ایجاد کیا ہے، بعد اس کے کہ اس مسئلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاری ہوچکی ہے، اور لوگوں کو اس کی ذمہ داری اُٹھانے سے سبکدوش کردیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی جان لو کہ لوگوں نے جو بدعت بھی ایجاد کی ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس بدعت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے) اس بدعت (کے باطل ہونے) پر دلیل قائم ہوچکی ہے، یا اس کے بطلان کی مثال موجود ہے، کیونکہ جس ذات نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے) سنت کو جاری کیا ہے اس کو علم تھا کہ اس سنت کی خلاف ورزی میں کیا غلطی، کیا لغزش، کیا حماقت اور کیا بے جا تکلف ہے؟ لہٰذا تم بھی اپنی ذات کے لئے اسی طریق کو پسند کرو جو سلف صالحینؒ نے اپنے لئے پسند کیا، کیونکہ یہ حضرات صحیح علم پر مطلع تھے، اور وہ گہری بصیرت کی بنا پر ان بدعات سے باز رہے۔ بلاشبہ یہ حضرات معاملات کی تہہ تک پہنچنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے، اور اس علم و بصیرت کی بنا پر جو ان کو حاصل تھی اس کے زیادہ مستحق بھی تھے، پس اگر ہدایت کا راستہ وہ ہے جو سلف صالحین کے برخلاف تم نے اختیار

کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم لوگ ہدایت کی طرف ان حضرات سے ...نعوذ باللہ... سبقت لے گئے (اور یہ ناممکن اور باطل ہے)، اور اگر تم کہو کہ یہ چیز تو سلف صالحینؒ کے بعد پیدا ہوئی ہے، تو خوب سمجھ لو کہ اس چیز کو انہی لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو سلف صالحینؒ کے راستے سے ہٹ کر دُوسرے راستے پر چل پڑے، اور انہوں نے سلف صالحینؒ سے کٹ جانے کو اپنے لئے پسند کیا (اور یہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہے)، کیونکہ یہ حضرات (خیر و ہدایت کی طرف) سبقت کرنے والے تھے۔ انہوں نے زیرِ بحث مسئلے میں اتنا کلام کر دیا جو کافی ہے، اور انہوں نے اس کی اتنی تشریح فرمادی جو وافی وشافی ہے۔ پس انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں تفریط اور کمی کرنا کوتاہی ہے، اور اس سے بڑھنا اور اِفراط سے کام لینا بلاوجہ اپنے کو عاجز و ہلکان کرنا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے سلف صالحینؒ کی تشریح و وضاحت میں تفریط اور کوتاہی سے کام لیا تو جفا کے مرتکب ہوئے، اور کچھ لوگوں نے تشریح و وضاحت میں سلف صالحینؒ سے آگے نکلنا چاہا تو غلوّ میں مبتلا ہوگئے، اور یہ حضرات اِفراط و تفریط کے درمیان رہتے ہوئے صراطِ مستقیم پر قائم تھے۔"

تیسری بحث: اِتباعِ صحابہؓ کے وجوب پر عقلی دلائل:

نقلی دلائل کے بعد اَب عقلِ سلیم کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح مندرجہ بالا آیات واَحادیث اور آثار سے صحابہ کرامؓ کی اِتباع کا ضروری ہونا ثابت ہے، اسی طرح اِتباعِ صحابہؓ عقلاً بھی ضروری ولازم ہے۔ اس سلسلے میں شیخ ابوزہرہ نے تین عقلی دلائل ذکر فرمائے ہیں، یہ ناکارہ ان کے ذکر کردہ دلائل کو انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہے، اس کے بعد چوتھی دلیل اپنی طرف سے عرض کرے گا، وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ!

"الصحابة شاهدوا النبی صلی الله علیه وسلم وتلقوا عنه الرسالة المحمدیة، وهم الذین سمعوا منه بیان الشریعة، ولذٰلک قرر جمهور الفقهاء ان أقوالهم حجّة بعد النصوص، وقد احتجّ الجمهور لحجیة أقوال الصحابة بدلیل من النقل، وأدلة من العقل، أما النقل فقوله تعالٰی: "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" فان الله سبحانه وتعالٰی مدح الذین اتبعوهم فکان اتباعهم فی هدیهم أمرًا یستوجب المدح، ولیس أخذ کلامهم علٰی أنه حجة الا نوعًا من الاتباع، ولقد قال النبی صلی الله علیه وسلم: "أنا أمان لأصحابی، وأصحابی أمان لأُمّتی" ولیس أمانهم للأُمّة الا بأن ترجع الأُمّة الٰی قولهم، اذ أمان النبی لهم برجوعهم الٰی هدیه النبوی الکریم.

وأما العقل فمن وجوه:

أوّلها:... أن الصحابة أقرب الٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم من سائر الناس، وهم الذین شاهدوا مواضع التنزیل، ولهم من الاخلاص والعقل والاتباع للهدی النبوی ما یجعلهم أقدر علٰی معرفة مرامی الشرع، اذ هم رأوا الأحوال الّی نزلت فیها النصوص، فادراکهم لها یکون أکثر من ادراک غیرهم، ویکون کلامهم فیها أجدر الکلام بالاتباع.

ثانیها:... ان احتمال أن تکون آراؤهم سنة

نبوية احتمال قريب، لأنهم كثيرا ما كانوا يذكرون الأحكام التى بيّنها النبى صلى الله عليه وسلم لهم من غير أن يسندوها اليه صلى الله عليه وسلم لأن أحدا لم يسألهم عن ذٰلک، ولما كان ذٰلک الاحتمال قائمًا مع أن رأيهم له وجه من القياس والنظر كان رأيهم أولٰى بالاتباع، لأنه قريب من القول موافق للمعقول.

ثالثها:... انهم ان أثر عنهم رأى أساسه القياس، ولنا من بعدهم قياس يخالفه، فالاحتياط اتباع رأيهم، لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ''خير القرون قرنى الذى بعثت فيه'' ولأن رأى أحدهم قد يكون مجمعا عليه منهم، اذ لو كان رأى مخالف لعرفه العلماء الذين تتبعوا آثارهم، واذا كان قد أثر عن بعضهم رأى، وأثر عن البعض الآخر رأى يخالفه، فالخروج عن مجموع آرائهم خروج علىٰ جمعهم وذٰلک شذوذ فى التفكير يرد علىٰ صاحبه، ولا يقبل منه.''

ترجمہ:... ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے آپ سے پیغامِ محمدی خود حاصل کیا، اور بیانِ شریعت بلاواسطہ آپ سے سنا، اسی بنا پر جمہور فقہاء نے قرار دیا کہ نصوصِ شرعیہ کی عدم موجودگی میں صحابہؓ کے اقوال حجت ہیں، جمہور نے صحابہؓ کے اقوال کو نقلی و عقلی دلائل ہی کی بنا پر حجت قرار دیا ہے۔

نقلی دلیل تو یہ ہوتی ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جو

لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے، اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنھوں نے صحابہ کرامؓ کی پیروی کی، لہٰذا ان کے طریقے کی پیروی ایسا معاملہ ہے جو قابلِ مدح ہے، اور صحابہؓ کے اقوال کو بطورِ حجت اِختیار کرنا یہ بھی اِتباع کی ہی ایک صورت ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''میں اپنے صحابہ کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہوں، اور میرے صحابہ میری اُمت کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُمت کے لئے امن وسلامتی کا ذریعہ اسی وقت قرار پائیں گے کہ اُمت ان کے اقوال کی طرف رُجوع کرے، کیونکہ نبی ان کے لئے جبھی امان ہوئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی۔

اور نقلی دلائل درج ذیل ہیں:

ا:... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام لوگوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین تھے، انہوں نے قرآن کے نزول کے مقامات ومواقع کو بچشم خود دیکھا، ان کو اِنتہائی اِخلاص، عقلِ سلیم اور تعلیمِ نبوی کی اتباع حاصل تھی، جس کی بدولت وہ مقاصدِ شرع کی معرفت پر دُوسروں کی بہ نسبت زیادہ قدرت رکھتے تھے، کیونکہ انہوں نے وہ اَحوال خود ملاحظہ کئے تھے جن کے بارے میں نصوص (کتاب وسنت) نازل ہوئیں، اس لئے ان کا ملکہ (قوتِ مدرکہ) کسی مقلد میں دُوسروں سے زیادہ ہوا، اور اس میں ان کا قول زیادہ لائقِ اعتبار قرار پایا۔

۲:...اس کا بھی قوی اِحتمال ہے کہ ان کی آراء درحقیقت سنتِ نبوی (ہی کا بیان) ہو، کیونکہ اکثر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اَحکام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر بھی ذِکر کردیا کرتے تھے، اوران سے کسی نے اس کی تصریح طلب کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی، اس اِحتمال کے باوجود اگر ان کی رائے قیاس پر بھی مبنی ہو تب بھی اس کی اِتباع ہی بہتر ہوگی کیونکہ اس کا قول ہی موافقتِ عقل کے زیادہ قریب ہوگا۔

۳:...اگر ان سے ایسی رائے منقول ہو جس کی بنیاد قیاس ہو، اوراس کے بعد ہماری رائے قیاس ہی کی بنیاد پر ان کے خلاف ہو تو اِحتیاط اسی میں ہے کہ ان کی رائے کی اِتباع کی جائے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ: ''سب سے بہتر دور میری بعثت والا زمانہ ہے'' اوراس لئے بھی کہ ان میں سے ایک کی رائے ان کی اجماعی رائے تھی کیونکہ اگر کسی کی رائے واقعتاً اس کے مخالف ہوتی تو آثارِ صحابہؓ کی تحقیق کرنے والے علماء کو معلوم ہوجاتی تھی، اور اگر کچھ حضرات سے ایک رائے منقول ہو اور بعض دُوسرے حضرات سے ان کے مخالف رائے نقل کی گئی ہو تو ان کی آراء کے مجموعے سے خروج درحقیقت ان کے اِجماع سے خروج کے مترادف ہوگا، یہ فکری علیحدگی ایسے مفکر کے منہ دے ماری جائے گی اور ناقابلِ قبول ہوگی۔''

چوتھی عقلی دلیل:

حضراتِ صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب ہیں، اور محبوب کی اِقتدا و اِتباع اہلِ عقل کے نزدیک مُسَلَّم ہے۔

رہا پہلا مقدمہ، یعنی حضراتِ صحابہ کرامؓ کی محبوبیت! تو یہ چند وجوہ سے ظاہر و باہر ہے۔

اوّل:... یہ کہ وہ ہمارے محبوب، محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ومحب اور جاں نثار وفداکار تھے۔ ان کی نظرِ محبت نے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کو آئینۂ قلب میں جذب کیا تھا۔ اس لئے ان سے محبت کا ہونا تقاضائے ایمان اور لازمۂ حبِ رسول ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل ارشادِ گرامی میں اسی مضمون کو اپنے کلام بلاغت التیام میں بیان فرمایا ہے:

”وعن عبداللہ بن مغفل قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللہ! اللہ! فی أصحابی، اللہ! اللہ! فی أصحابی، لا تتخذوھم غرضا من بعدی، فمن أحبّھم فبحبی أحبّھم ومن أبغضھم فببغضی أبغضھم، ومن آذاھم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللہ، ومن آذی اللہ فیوشک أن یأخذہ۔“

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب، مشکوٰۃ ص:۵۵۴)

ترجمہ:... ”حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے معاملے میں، مکرّر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے معاملے میں، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو اِیذا دی، اس نے مجھے اِیذا دی، اور جس نے مجھے اِیذا دی، اس نے اللہ کو اِیذا دی، اور جس نے اللہ کو اِیذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔“

دوم:... وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے محبّ ومحبوب تھے، جیسا کہ ”یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ“ سے اس کی تصریح فرمائی گئی ہے، گویا ان کے ہر بنِ مو سے یہ آواز آرہی تھی:

اے زہے جذب محبت من فدائے خویشین
حسن افگند است بر عشقم ردائے خویشین

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ، وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ. وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ."

(المائدة:۵۴تا۵۶)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دِل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے اِلزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے گا، اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔ تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو اِیمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں، اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اِیمان والوں کو، تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے۔"

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

چونکہ اِیمان و اِذعان ان کے جذرِ قلوب میں پیوست تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں میں سکینت نازل فرمائی اور ان سے اپنی رضامندی کا اِعلان فرمایا:

"هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡٓا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ، وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا. لِيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا، وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ، وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا." (الفتح:۴تا۵)

ترجمہ:... "وہی ہے جس نے اُتارا اِطمینان دِل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ، اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں اور زمین کے، اور اللہ ہے خبردار حکمت والا۔ تاکہ پہنچادے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں، ہمیشہ رہیں ان میں، اور اُتاردی ان پر سے ان کی بُرائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

"لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِيۡبًا. وَمَغَانِمَ كَثِيۡرَةً يَّاۡخُذُوۡنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا." (الفتح:۱۸، ۱۹)

ترجمہ:... "تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا، پھر اُتارا ان پر اِطمینان اور اِنعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک۔ اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

"اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِيَّةَ

حَمِيَّةَ الْجٰهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا، وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا." (الفتح:۲۶)

ترجمہ:... "جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کدنادانی کی ضد، پھر اُتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر، اور قائم رکھا ان کو اَدب کی بات پر، اور وہی تھے اس لائق اور اس کام کے، اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار۔"

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

سوم:... محبت کا ایک منشا محبوب کے کمالات ہوتے ہیں، اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد چشمِ فلک نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار خدام جیسے صاحبِ کمال افراد نہیں دیکھے، اس لئے یہ حضرات اپنے ان کمالاتِ ظاہری ومعنوی کی بنا پر بھی ہمارے محبوب ہیں۔ قرآنِ کریم نے ان کے علمی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی کمالات کی شہادت دی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ، وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ." (التوبة:۱۱۱،۱۱۲)

ترجمہ:... "اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال، اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی

راہ میں، پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں، وعدہ ہو چکا اس کے ذمے پر
سچا توریت اور اِنجیل اور قرآن میں، اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے
زیادہ؟ سو خوشیاں کرو اس معاملے پر جو تم نے کیا ہے اس سے، اور
یہی ہے بڑی کامیابی۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنے
والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رُکوع کرنے والے،
سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے
بُری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو باندھی اللہ
نے، اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

چہارم:... یہ حضرات ہمارے عظیم ترین محسن ہیں کہ ہمیں اسلام و اِیمان کی دولت انہی کے دَم قدم سے میسر آئی، اور قیامت تک آنے والی اُمت کے نیک اعمال ان کے نامۂ عمل میں درج ہیں۔

ان چار وجوہ سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب و محترم ہیں، اور ان سے محبت رکھنا لازمۂ ایمان ہے۔

رہا دُوسرا مقدمہ، یعنی محبوب کا مطاع ہونا! سو یہ ایک فطری اَمر ہے، جس کو ہر خاص و عام جانتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہو، اس کے نقشِ قدم کو اَپناتا ہے، اسی کے اَطوار و عادات سیکھتا ہے، اور بقدرِ محبت اس کے رنگ میں رنگین ہوجاتا ہے۔ ہرچند کہ یہ چیز نہ صرف فطری و وجدانی ہے، بلکہ محسوس و مشاہد بھی ہے، تاہم اگر نقل سے بھی اس کی تائید لانا ضروری ہو تو سنئے! حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.'' (آل عمران:۳۱)

ترجمہ:...''تو کہہ: اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ
چلو، تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا
مہربان ہے۔''

اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت کا دعویٰ ہے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کرنی چاہئے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع درحقیقت اِطاعتِ اِلٰہی ہے، اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا:

"قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ." (آل عمران:۳۲)

ترجمہ:..."تو کہہ: حکم مانو اللہ کا اور رسول کا، پھر اگر اِعراض کریں تو اللہ کی محبت نہیں ہے کافروں سے۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

الغرض! محبت مستلزم اِتباع ہے، اور اِتباعِ خداوندی کی کوئی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کے بغیر نہیں، لہٰذا مدعیانِ محبتِ خداوندی کو اِتباعِ نبوی لازم ہے۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"المرء علٰی دینہ خلیلہ، فلینظر أحدکم من یخالل." (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والبیھقی فی شعب الایمان، وقال الترمذی: ھٰذا حدیث حسن غریب، وقال النووی: اسنادہ صحیح، کذا فی المشکوٰۃ ص:۴۲۷)

ترجمہ:..."اِنسان اپنے دوست کے طور طریقے اپنالیتا ہے، اس لئے ہر شخص اس کا خیال رکھے کہ کیسے انسان کو اَپنا دوست بنارہا ہے۔"

جب یہ دونوں مقدمات ثابت ہوئے، یعنی صحابہ کرامؓ کا محبوب ہونا، اور محبوب کا مطاع و مقتدا ہونا، تو اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لئے واجب الاتباع ہیں۔

اہلِ محبت کے لئے تو یہ دلیل مقنع ہے، لیکن حضراتِ شیعہ اس کو شاید ہی قبول فرمائیں، کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اوّل تو صحابہ کرامؓ لائقِ اِحترام و محبت نہیں، بالفرض ہوں بھی تو محبوب کی اِطاعت ان کے نزدیک ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی اور

حضرات حسنین رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود ان کی صورت و سیرت ان محبوبوں سے کوئی میل نہیں کھاتی۔ عوام کا تو کیا کہنا! ان کے مجتہدین تک کو ہم نے معقر اللحیة دیکھا ہے، حالانکہ داڑھی منڈانا اور کٹانا ان اکابر کی سنت نہیں بلکہ دورِ قدیم کے مجوسیوں کا وطیرہ ہے۔ چنانچہ کسریٰ شاہِ ایران کے دو قاصد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، ان کی مونچھیں بڑھی ہوئی اور داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

"....... وقال: ویلکما من أمر کما بھٰذا؟ قالا: أمرنا بھٰذا ربّنا، یعنیان کسریٰ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ: لٰکن ربّی أمرنی باعفاء لحیتی وقصّ شاربی." (بحارالانوار از علامہ باقر مجلسی ج:۲۰ ص:۳۹۰)

ترجمہ:... "تمہاری ہلاکت ہو! تمہیں ایسا کرنے کا حکم کس نے دیا؟ انہوں نے جواب دیا: ہمارے رَبّ یعنی کسریٰ نے ہمیں یہ (داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے کا) حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میرے رَبّ نے تو مجھے اپنی داڑھی بڑھانے اور اپنی مونچھیں کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔"

خیر اس قصے کو چھوڑیئے! گفتگو اس میں تھی کہ آنجناب نے فرمایا:

"اِحترام صحابہؓ سے اِتباعِ صحابہؓ مطلقاً نہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے اور نہ عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"

اس ناکارہ نے ثابت کیا ہے کہ اکابر اہلِ فتویٰ، صحابہؓ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں اور یہ کہ قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ، آثارِ سلف سے بھی ثابت ہے اور دلائلِ عقلیہ سے بھی...!

بحثِ دوم: حضراتِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنی اور شیعہ عقیدہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''صفحہ:۲۳ سے آپ نے شیعہ اور صحابہؓ کی مشہور بحث چھیڑی ہے، یہ معاملہ واقعی بہت نازک اور حساس ہے، اور جتنی خلیج دونوں فرقوں کے درمیان اس لایعنی بحث سے پیدا ہوئی ہے، کسی دُوسری بحث سے پیدا نہیں ہوئی۔ آپ غالباً اس حقیقت کو مذاق سمجھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے وہی نظریات ہیں جو اکابر علمائے اہلِ سنت کے ہیں، ان میں چنداں فرق نہیں۔''

سب جانتے ہیں کہ دونوں فریقوں کے نظریات کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ اور مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ اس لئے آنجناب کے اس فقرے کو اہلِ سنت ہی نہیں بلکہ اہلِ تشیع بھی مذاق ہی سمجھیں گے۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہلِ سنت کے نظریات:

حضراتِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اکابر اہلِ سنت کے نظریات ان کی کتبِ عقائد وغیرہ میں مدوّن ہیں، چنانچہ اِمامِ اَعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رسالے ''الفقہ الاکبر'' میں ہے:

''أفضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ، ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی بن أبی طالب

رضوان اللہ تعالیٰ علیهم أجمعین، غابرین علی الحق ومع الحق، ولا نذکر الصحابة الّا بخیر."

(شرح فقہ اکبر ص:۸۴ تا ۸۵)

ترجمہ:... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اِنسانوں میں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب، رضی اللہ عنہم، یہ سب حضرات ہمیشہ حق پر رہے اور حق کے ساتھ رہے، ہم ان سب سے محبت رکھتے ہیں، اور صحابہ کرامؓ کا ذکر خیر کے سوا نہیں کرتے۔"

عقیدۂ طحاویہ میں ہے:

"ونحب أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا نفرط فی حبّ أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من یبغضهم، وبغیر الحق یذکرهم، ولا نذکرهم الّا بالخیر، وحبّهم دین وایمان واحسان، وبغضهم کفر ونفاق وطغیان." (عقیدۂ طحاویہ ص:۱۲)

ترجمہ:... "اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں اِفراط وتفریط نہیں کرتے، اور کسی صحابی سے براءت اِختیار نہیں کرتے، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے اور ان کو بُرائی سے یاد کرے، اور خیر کے سوا ان کا ذکر نہیں کرتے، ان سے محبت رکھنا دِین و اِیمان اور اِحسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر ونفاق اور طغیان ہے۔"

"ونثبت الخلافة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أوّلًا لأبی بکرٍ الصدیق رضی اللہ عنه تفضیلًا له،

وتقديمًا علٰى جميع الأُمّة، ثم لعمر بن الخطاب رضى الله عنه، ثم لعثمان رضى الله عنه، ثم لعلى بن أبى طالب رضى الله عنه، وهم الخلفاء الراشدون والأئمّة المهديون." (عقیدۂ طحاویہ ص:۱۲)

ترجمہ:... "اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، ان کو ساری اُمت سے افضل اور سب سے مقدم سمجھتے ہوئے، ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے، اور یہ چاروں اکابر خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ اِمام ہیں۔"

"وأن العشرة الذين سمّاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ونشهد لهم بالجنّة، علٰى ما شهد لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقوله الحق، وهم: أبوبكر، وعمر، وعثمان، وعلى، وطلحة، والزبير، وسعد، وسعيد، وعبدالرحمٰن بن عوف، وأبو عبيدة بن الجراح، وهو أمين هٰذه الأُمّة، رضى الله عنهم أجمعين. ومن أحسن القول فى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأزواجه وذرياته فقد برئ من النّفاق."

(عقیدۂ طحاویہ ص:۱۲،۱۳)

ترجمہ:... "اور جن دس حضرات کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی، ہم ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر، جنت کی شہادت دیتے

ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے۔ ان عشرہ مبشرہ کے اَسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح، جو اس اُمت کے امین ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذُرّیتِ طاہرہ سے حسنِ عقیدت رکھے وہ نفاق سے بَری ہے۔''

اہلِ سنت کی تمام کتبِ عقائد میں یہی اُصول اِجمالاً وتفصیلاً مذکور ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے محبت رکھی جائے، ان کے بارے میں زبانِ طعن دراز نہ کی جائے، ان میں سے کسی کی توہین وتنقیص نہ کی جائے، ان کے عیوب تلاش نہ کئے جائیں، بھلائی کے سوا ان کا ذِکر نہ کیا جائے، ان کے باہمی مراتب وفضائل کا لحاظ رکھا جائے، خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم کو علی الترتیب افضل سمجھا جائے، پھر عشرہ مبشرہ کو، پھر اہلِ بدر کو، پھر اہلِ حدیبیہ کو، وعلیٰ ھٰذا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں اہلِ تشیع کا نظریہ:

اہلِ سنت کے برعکس اہلِ تشیع کے مذہب کی بنیاد ہی بغضِ صحابہ پر قائم ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ عبداللہ بن سبا ملعون نے ''وصایتِ علی'' کا عقیدہ اِیجاد کرکے طعنِ صحابہ کا دروازہ کھولا اور اہلِ تشیع نے ابنِ سبا کی اس تلقین کو پلے باندھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت کے اِمامِ برحق حضرت علیؓ تھے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لئے نامزد فرمایا تھا، لیکن صحابہؓ نے نصِ نبوی سے اِنحراف کرکے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بلافصل بنالیا، اور حضرت علیؓ کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی تین چار کے سوا باقی تمام صحابہ... نعوذ باللہ... مرتد ہوگئے تھے۔

اہلِ تشیع کے یہ نظریات ان کی مستند کتابوں میں موجود ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ چند رِوایتیں یہاں نقل کرتا ہوں:

"۳۴۱ – حنان، عن أبیه، عن أبی جعفر علیه السلام قال: کان النّاس أهل رِدَّة بعد النبیّ صلی الله علیه و آله الّا ثلاثة، فقلت: ومن الثلاثة؟ فقال: المقداد بن الأسود وأبو ذرّ الغفاریّ وسلمان الفارسیّ رحمة الله وبرکاته علیهم." (روضۂ کافی ج:۸ ص:۲۴۵)

ترجمہ:... "حنان بن سدیر اپنے والد سے نقل کرتا ہے کہ اِمام باقرؒ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین آدمیوں کے سوا باقی سب مرتد ہوگئے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ تین کون تھے؟ فرمایا: وہ تین آدمی یہ تھے: مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔"

"۴۵۵ – حدثنا محمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد بن عیسٰی، عن الحسین بن سعید، عن علیّ بن النعمان، عن عبدالله بن مسکان، عن عبدالرحیم القصیر قال: قلت لأبی جعفر علیه السلام: انّ النّاس یفزعون اذا قلنا: انّ النّاس ارتدّوا، فقال: یا عبدالرحیم! انّ النّاس عادوا بعد ما قبض رسول الله صلی الله علیه و آله أهل جاهلیّة." (روضۂ کافی ج:۸ ص:۲۹۶)

ترجمہ:... "عبدالرحیم قصیر کہتا ہے کہ: میں نے اِمام باقرؒ سے کہا کہ: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ مرتد ہوگئے تھے، تو یہ سن کر لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ اِمام نے فرمایا کہ: اے عبدالرحیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد لوگ جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تھے۔"

"۴۵۶- حميد بن زياد، عن الحسن بن محمد الكندى، عن غير واحد من أصحابه عن أبان بن عثمان، عن أبى جعفر الأحول، والفضيل بن يسار، عن زكريّا النقاض، عن أبى جعفر عليه السلام قال: سمعته يقول: الناس صاروا بعد رسول الله صلى الله عليه وآله بمنزلة من اتّبع هارون عليه السلام ومن اتبع العجل."

(ایضاً)

ترجمہ:... "زکریا نقاض کہتا ہے کہ: میں نے اِمام باقرؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد لوگوں کی دو قسمیں ہوگئی تھیں، ان میں کچھ تو وہ تھے جو ان لوگوں کی مثل تھے جنھوں نے ہارون علیہ السلام کی پیروی کی، اور کچھ وہ تھے جنھوں نے گوسالہ پرستی کی۔"

مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ... نعوذ باللہ... سامری کا گوسالہ تھے، جن حضرات نے ان سے بیعت کی، وہ گوسالہ پرست تھے۔

"عن حمران قال: قلت لأبى جعفر (ع) ما أقلنا؟ لو اجتمعنا علٰى شاة ما أفنيناها، قال: فقال: ألا أخبرك بأعجب من ذٰلك؟ قال: قلت: بلى! قال: المهاجرون والأنصار ذهبوا الّا (وأشار بيده) ثلاثة."

(رجال کشی ص:۷)

ترجمہ:... "حمران کہتا ہے: میں نے اِمام باقرؒ سے کہا کہ: ہماری تعداد کتنی تھوڑی ہے؟ اگر ایک بکری پر جمع ہوجائیں تو اسے بھی ختم نہیں کرپائیں گے۔ اِمام نے فرمایا: میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاؤں؟ میں نے کہا: ضرور! فرمایا: مہاجرین وانصار، تین کے

سواسب چلے گئے۔''
شیعہ، قرآن سے بڑھ کر ان سبائی روایات پر ایمان وعقیدہ رکھتے ہیں، چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

''واعتقاد ما در برات آنست کہ بیزاری جویند از بت ہائے چہار گانہ، یعنی ابوبکر وعمر وعثمان ومعاویہ، وزنان چہار گانہ یعنی عائشہ وحفصہ و ہند واُمّ الحکم، واز جمیع اشیاع واتباع ایشاں، وآنکہ ایشاں بدترین خلق خدا اند، وآنکہ تمام نمی شود اقرار بخدا ورسول وائمہ مگر بہ بیزاری از دشمناں ایشاں۔'' (حق الیقین ص:۵۱۹)

ترجمہ:...''اور تبرا کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں سے بیزاری اِختیار کریں، یعنی ابوبکر وعمر وعثمان ومعاویہ سے، اور چار عورتوں سے بیزاری اِختیار کریں، یعنی عائشہ، حفصہ، ہند اور اُمّ الحکم سے، اور ان کے تمام پیروکاروں سے، اور یہ کہ یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر تھے، اور یہ کہ خدا پر، رسول پر اور ائمہ پر اِیمان مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ ان دُشمنوں سے بیزاری اِختیار نہ کریں۔''

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''در تقریب المعارف روایت کردہ کہ آزاد کردہ حضرت علی بن حسین علیہ السلام از آنحضرت پرسید کہ مرا بر تو حق خدمتی ہست، مرا خبر دہ از حال ابوبکر وعمر، حضرت فرمود، ہر دو کافر بودند، وہر کہ ایشاں را دوست دار کافر است۔

وایضاً......روایت کردہ است کہ ابوحمزہ ثمالی از آنحضرت از حال ابوبکر وعمر سوال کرد، فرمود کہ کافرند، وہر کہ ولایت ایشاں را داشتہ باشد کافر است، ودریں باب احادیث بسیار است، ودر کتب

متفرق است، واکثر در بحارالانوار مذکوراست۔"

(حق الیقین ص:۵۲۲)

ترجمہ:... "تقریب المعارف میں روایت کی ہے کہ امام علی بن حسینؓ کے آزاد کردہ غلام نے حضرت سے پوچھا کہ: میرا آپ کے ذمے حقِ خدمت ہے، مجھے ابوبکر وعمر کے حال کی خبر دیجئے! حضرت نے فرمایا کہ: دونوں کافر تھے، اور جو شخص ان سے محبت رکھے وہ بھی کافر ہے۔

نیز روایت ہے کہ ابوحمزہ ثمالی نے حضرت سے ابوبکر وعمر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ: کافر ہیں، اور جو شخص ان سے دوستی رکھتا ہو وہ بھی کافر ہے۔

اور اس باب میں بہت سی احادیث ہیں جو کتابوں میں متفرق ہیں، ان میں سے اکثر "بحارالانوار" میں مذکور ہیں۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"مؤلف گوید کہ اگر نیک تامل کنی میدانی کہ فتنہ ہائے کہ در اسلام بہم رسید وظلمہائے کہ بر اہل بیت رسالت واقع شد ہمہ از بدعتہا وفتنہ ہا وتدبیر ہائے ایں منافق بود۔" (حق الیقین ص:۲۴۳)

ترجمہ:... "مؤلف (مُلّا باقر مجلسی) کہتا ہے کہ: اگر خوب غور کروگے تو جان لوگے کہ اسلام میں جتنے فتنے برپا ہوئے ہیں اور اہلِ بیت رسالت پر جو ظلم ہوئے ہیں وہ سب اسی منافق (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی بدعتوں، فتنوں اور تدبیروں کا نتیجہ ہیں۔"

اس کے تین صفحے بعد لکھتے ہیں:

"بر ہیچ عاقلی مخفی نتواند بود اشتمال ایں قصہ از جہات شتی بر

طعن وکفر وضلالت وخطائے ابوبکر وعمر وعثمان ورفقاء واعوان ایشاں۔‘‘

(حق الیقین ص:۲۴۶)

ترجمہ:...’’کسی عاقل پر مخفی نہ رہا ہوگا کہ یہ قصہ کئی اعتبار سے ابوبکر وعمر وعثمان اور ان کے اَعوان و اَنصار کے طعن و کفر اور ضلالت وخطا پر مشتمل ہے۔‘‘

’’حیات القلوب‘‘ جلد دوم کے باب ۵۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ اَمجاد کا ذِکر ہے، اسی میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحب زادیاں حضرت رُقیہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیاہ دی تھیں، اس کے حاشیہ میں علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

’’واضح ہو کہ مخالفین شیعوں پر اِعتراض کرتے ہیں کہ اگر عثمان مسلمان نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دو بیٹیوں کو ان سے تزویج نہ کرتے۔ یہ اِعتراض چند وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔ اوّل یہ کہ حضرت کا اپنی یا خدیجہؓ کی بیٹیوں کا ان کے ساتھ تزویج کرنا ممکن ہے قبل اس کے ہو کہ خدا نے کافروں کو بیٹیاں دینا حرام قرار دیا ہو۔ چنانچہ باتفاقِ مخالفین زینب کو مکہ میں ابوالعاص سے تزویج فرمادیا تھا، جبکہ وہ کافر تھا۔ اسی طرح رُقیہ اور اُمِّ کلثوم کو مخالفین میں شہرت کی بنا پر عتبہ اور عتیق پسرانِ ابولہب سے تزویج فرمایا جو کافر تھے، قبل اس کے کہ عثمان سے تزویج فرمائیں۔ دُوسرا جواب یہ ہے کہ عثمان کے مسلمان ہونے میں اس وقت جبکہ حضرت نے اپنی بیٹیوں کو ان سے تزویج فرمایا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے آخر میں امیرالموٴمنین کے نصِ خلافت سے انکار کیا اور وہ تمام کام کئے جو موجبِ کفر ہیں، اور کافر اور مرتد ہوگئے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے، کہ وہ لوگ منافقوں میں داخل تھے اور

خوف اور لالچ کے سبب بظاہر اسلام کا اظہار کرتے تھے، لیکن باطن میں وہ کافر تھے، اور خداوندِ عالم نے مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر آنحضرت کو حکم دیا تھا کہ ان کے ظاہری اسلام پر حکم جاری کیا کریں، اور طہارت اور مناکحت اور میراث وغیرہ تمام اَحکام ظاہری میں ان کو مسلمانوں کے ساتھ شریک رکھیں۔ لہٰذا آنحضرت کسی حکم میں ان کو مسلمانوں سے الگ نہیں کرتے تھے، اور ان کے نفاق کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے ان کی تالیفِ قلب کے لئے عبداللہ بن اُبیّ پر نمازِ جنازہ پڑھی جو نفاق میں مشہور تھا، تو اگر عثمان کو دُختر دے دی اس بنا پر کہ ظاہر میں وہ مسلمانوں میں داخل تھے، تو یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ باطن میں کافر نہ تھے، اور ان کی تالیفِ قلب اور ان سے بیٹی لینا اور اپنی بیٹی ان کو دینا دِینِ اسلام کی ترویج اور کلمۂ حق کے بلند و رِواج دینے میں نہایت درجہ دخل رکھتا تھا۔ اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جو غور و فکر کرنے والے کسی صاحبِ عقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر سرکارِ دو عالم ان کے نفاق کا اظہار فرماتے اور ان کے ظاہری اسلام کو قبول نہ فرماتے تو تھوڑے سے کمزور اور غریب لوگوں کے سوا حضرت کے پاس کوئی نہ رہ جاتا، جیسا کہ آنحضرت کے بعد اَمیر المؤمنین کے ساتھ چار اَفراد کے علاوہ نہ رہ گئے تھے۔"

(ترجمہ حیات القلوب ص:۸۷۱-۸۷۲)

اہلِ تشیع کی نکتہ آفرینیوں کی داد دیجئے! بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضراتِ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ...نعوذ باللہ... کافر و منافق تھے، اس کے باوجود شیخین رضی اللہ عنہما کی صاحب زادیوں سے عقد فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیاں بیاہ دیں، ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اسلام انہی

تین حضرات کے دَم قدم سے پھیل رہا تھا، یہ تین بزرگ نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی تین چار نفر رہ جاتے جو امیرالمؤمنین کے ساتھ رہ گئے تھے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ فرمایئے! اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کیا ہوگی...؟ اور اس سے بہتر حضراتِ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدح و ستائش کیا ہوسکتی ہے کہ ان اکابر کے وجود کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے بھی "مدارِ اِسلام" قرار دیا جائے...؟

اہلِ تشیع کے ممدوح صحابہؓ کا حال:

اور جن تین چار حضرات کو اہلِ تشیع نے اپنے فتویٰ اِرتداد سے معاف رکھا تھا، آلِ سبا کی تصنیف کردہ رِوایات کی روشنی میں ان کا حال بھی دیکھ لیجئے:

شیخ کشی روایت کرتے ہیں:

"۲۴– علی بن الحکم، عن سیف بن عسیرة، عن أبی بکر الحضرمی، قال: قال أبو جعفر (ع) ارتدّ الناس الّا ثلاثة نفر سلمان وأبو ذر والمقداد، قال: قلت فعمّار؟ قال: قد کان جاض جیضة، ثم رجع، ثم قال: ان اردت الذی لم یشکّ ولم یدخله شیء فالمقداد، فأما سلمان فانه عرض فی قلبه عارض انّ عند أمیر المؤمنین (ع) اسم الله الأعظم لو تکلّم به لأخذتهم الأرض وهو هٰکذا، فلبّب وجئت عنقه حتی ترکت کالسلقة فسرّ به أمیر المؤمنین (ع) فقال له: یا أبا عبدالله! هٰذا من ذاک بایع! فبایع، وأما أبو ذر فأمره أمیر المؤمنین (ع) بالسکوت ولم یکن یأخذه فی الله لومة لائم فأبی الّا أن یتکلّم فمرّ به عثمان فأمر به، ثم أناب الناس بعد فکان اوّل من أناب أبو ساسان الأنصاری وأبو عمرة وشتیرة

و كانوا سبعة، فلم يكن يعرف حق أمير المؤمنين (ع) الّا هؤلاء السبعة." (رجال کشی، روایت نمبر:۲۴)

ترجمہ:... "ابوبکر حضرمی کہتا ہے کہ: اِمام جعفرؒ نے فرمایا کہ: تین افراد کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہوگئے تھے، تین افراد یہ ہیں: سلمان، ابوذر غفاری اور مقداد۔ میں نے کہا: عمار؟ فرمایا: ایک دفعہ تو وہ بھی منحرف ہوگئے تھے، لیکن پھر لوٹ آئے۔ پھر فرمایا: اگر تم ایسا آدمی دیکھنا چاہتے ہو جس کو ذرا بھی شک نہیں ہوا اور اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تو وہ مقداد تھے۔ سلمان کے دِل میں یہ خیال گزرا کہ اَمیرالمؤمنین کے پاس تو اِسمِ اَعظم ہے، اگر آپ اِسمِ اَعظم پڑھ دیں تو ان لوگوں کو زمین نگل جائے (پھر کیوں نہیں پڑھتے؟) وہ اسی خیال میں تھے کہ ان کا گریبان پکڑا گیا اور ان کی گردن ناپی گئی، یہاں تک کہ ایسی ہوگئی جیسے اس کی کھال کھینچ لی گئی ہو، چنانچہ اَمیرالمؤمنین ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ: اے ابوعبداللہ! یہ اسی خیال کی سزا ہے، ابوبکر کی بیعت کرلو۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کرلی۔ باقی رہے ابوذر! تو اَمیرالمؤمنین نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا تھا، مگر وہ خاموش رہنے والے کہاں تھے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ پس عثمان ان کے پاس سے گزرے تو ان کی پٹائی کا حکم دیا، پھر کچھ لوگ تائب ہوگئے، سب سے پہلے جس نے توبہ کی وہ ابوسا سان انصاری، ابوعسرہ اور شتیرہ تھے، تو یہ سات آدمی ہوگئے، پس ان سات آدمیوں کے سوا کسی نے امیرالمؤمنین کا حق نہیں پہچانا۔"

لیجئے! شک وتردّد سے صرف ایک مقدادؓ بچے، عمارؓ پہلے منحرف ہوگئے تھے، بعد میں لوٹ آئے، یعنی وہ بھی مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے، سلمانؓ کے دِل میں

بھی شبہ پیدا ہوگیا تھا، جس کی ان کو سزا ملی، اور اَبوذرؓ کو اَمیرالمؤمنین نے سکوت کا حکم فرمایا تھا، مگر وہ نافرمانی کرتے تھے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ:

"ما بقی أحد الّا وقد جال جولة الّا المقداد بن الأسود فان قلبه کان مثل زبر الحدید."

(رجال کشی، روایت نمبر۲۲)

ترجمہ:... "مقداد کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا، جو ایک مرتبہ اِدھر اُدھر نہ بھاگا ہو، ہاں! مقداد کا دِل لوہے کے ٹکروں جیسا تھا۔"

ایک مقدادؓ باقی بچے تھے، اب ان کے بارے میں بھی سنئے!

"۳- عن أبی بصیر قال: سمعت أبا عبدالله (ع) یقول: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا سلمان! لو عرض علمک علیٰ مقداد لکفر، یا مقداد! لو عرض علمک علیٰ سلمان لکفر."

(رجال کشی، روایت نمبر:۲۳)

ترجمہ:... "ابوبصیر کہتا ہے کہ: میں نے اِمام صادقؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: اے سلمان! اگر تیرا علم مقداد کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہوجائے، اور اے مقداد! اگر تیرا علم سلمان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہوجائے۔"

یہ تو شکر ہے کہ مقدادؓ اور سلمانؓ کے دِل کی حالت ایک دُوسرے کو معلوم نہیں تھی، ورنہ نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہ تھا۔

"۴- عن جعفر عن أبیه قال: ذکرت التقیة یوما عند علی (ع) فقال: ان علم أبو ذر ما فی قلب سلمان لقتله." (رجال کشی، روایت نمبر:۴۰)

ترجمہ:... ''امام جعفرؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے تقیہ کا ذِکر آیا تو فرمایا کہ: اگر ابوذر کو سلمان کے قلب کی حالت معلوم ہوجائے تو ان کو قتل کرڈالیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین چار حضرات بھی اپنے دِل کا بھید آپس میں کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ رہا یہ عقدہ کہ وہ دِل کا بھید کیا تھا جو ایک دُوسرے کو نہیں بتاتے تھے؟ اس کا حل یہ ہے کہ وہ بظاہر حضرت علیؓ سے موالات رکھتے ہوں گے، مگر دِل میں خلفائے ثلاثہؓ سے عقیدت و محبت اور موالات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا خلفائے ثلاثہؓ سے موالات رکھنا اس سے واضح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدائن کا گورنر بنایا تھا، اس وقت سے حضرت علیؓ کے دور تک یہ مدائن کے گورنر چلے آتے تھے، اسی حالت میں ۳۶ھ میں ان کا وصال ہوا۔ (ترجمہ حیات القلوب ج:۲ ص:۹۵۶ باب:۵۹)

اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضراتِ خلفاء سے موالات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہوں نے مسیلمہ کذّاب کے مقابلے میں جنگِ یمامہ میں شرکت فرمائی، اور ۲۱ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا، اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلّم و وزیر بنا کر بھیجا تھا، اور اہلِ کوفہ کے نام تحریر فرمایا تھا:

''أما بعد: فاني بعثت اليكم عمّارًا أميرًا وعبدالله بن مسعود مُعلِّمًا ووزيرًا وهما من النجباء من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فأطيعوا لهما، واقتدوا بهما.''

(الاصابہ ج:۲ ص:۳۶۹، الاستیعاب برحاشیہ اصابہ ص:۴۸۰)

ترجمہ:... ''میں تمہارے پاس عمار کو اَمیر، اور عبداللہ بن مسعود کو معلّم و وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ اصحاب میں شمار ہوتے ہیں، سو ان کا حکم مانو
اور ان کی اِقتدا کرو۔''

حضرت مقداد اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بھی حضراتِ خلفاءؓ سے موالات رکھتے تھے، لیکن ان دونوں بزرگوں نے کسی علاقے کی حکومت قبول نہیں فرمائی۔ حضرت مقدادؓ کے عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قسم کھالی تھی کہ میں آج کے بعد دو آدمیوں کی اِمارت بھی قبول نہیں کروں گا، (مستدرک حاکم ج:۳ ص:۳۵۰) اور حضرت ابوذرؓ کو ان کے غلبہ زُہد کی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عہدے کے قبول کرنے سے منع کر دیا تھا، چنانچہ:

''شیخ طبرسی نے بہ سندِ معتبر رِوایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے ابوذر! میں تمہارے واسطے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، میں تم کو کمزور و ناتواں پاتا ہوں، لہٰذا دو شخصوں پر بھی اَمیر مت بننا، اور مالِ یتیم کے متکفل نہ ہونا۔'' (حیات القلوب ج:۲ ص:۹۷۰)

الغرض! جن بزرگوں کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ وہ اِرتداد سے محفوظ رہے، وہ بھی حضراتِ خلفاءؓ سے موالات رکھتے تھے، اور انہوں نے عہدے اور مناصب بھی قبول فرمائے، غالباً ان کی یہی قلبی کیفیت تھی، جس کی بنا پر شیعہ رِوایات میں کہا گیا ہے کہ اگر ایک کے دِل کا حال دُوسرے کو معلوم ہو جاتا تو اس کو قتل کر دیتا، یا کافر ہو جاتا۔

حضرت عباسؓ اور ابنِ عباس:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ''صنو أبی'' فرماتے تھے، یعنی ''میرے والد کے مثل''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے توسل سے اِستسقاء فرماتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو شیعہ حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگردِ خاص سمجھتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرت عباسؓ اور ان کے

جلیل القدر صاحب زادے کو بھی معاف نہیں کیا۔ رجال کشی میں ہے کہ فضیل بن یسار کہتا ہے کہ میں نے اِمام باقرؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"قال أمير المؤمنين (ع): اللّٰهم العن ابنى فلان وأعمم أبصارهما كما عميت قلوبهما."

(رجال کشی، روایت نمبر:۱۰۲)

ترجمہ:... "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے اللہ! فلاں کے دونوں بیٹوں (عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس) پر لعنت فرما اور ان کی آنکھوں کو اَندھا کردے، جیسا کہ ان کے دِل اندھے ہیں۔"

یہی فضیل بن یسار کہتا ہے کہ: میں نے اِمام باقرؒ سے سنا کہ میرے والد (اِمام زین العابدینؒ) فرماتے تھے کہ: قرآنِ کریم کی دو آیتیں عبداللہ بن عباسؓ کے باپ (حضرت عباسؓ) کے بارے میں نازل ہوئیں:

پہلی آیت:

"ومن كان فى هٰذه أعمىٰ فهو فى الآخرة أعمى وأضل سبيلا."

ترجمہ:... "اور جو شخص اس دُنیا میں اندھا ہو، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، اور زیادہ گمراہ۔"

دُوسری آیت:

"ولا ينفعكم نصحى ان أردت أن أنصح لكم." (رجال کشی، روایت نمبر:۱۰۳)

ترجمہ:... "اور تم کو نفع نہیں دے گی میری نصیحت، اگر میں تمہاری خیرخواہی کرنا چاہوں، اگر اللہ تعالیٰ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

یہ دونوں آیتیں کافروں کے بارے میں ہیں، لیکن طرفہ تماشا ہے کہ اِمام ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر چسپاں کررہے ہیں۔

شیعہ راوی یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرّر کیا تھا، یہ حضرت بصرہ کے بیت المال کا سارا مال سمیٹ کر مکہ چلے گئے، اور حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ گئے، مال کی مقدار دو لاکھ درہم تھی، حضرت علیؓ کو یہ اِطلاع ملی تو منبر پر بیٹھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کا باوجود ان کی قدر و منزلت اور علم و فضل کے یہ حال ہے، تو جو لوگ ان سے کم مرتبہ ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟'' اس کے بعد دُعا فرمائی کہ: ''اے اللہ! میں ان سے اُکتا گیا ہوں، پس مجھے ان سے راحت دے اور مجھے اپنی طرف قبض کرلے۔'' پھر حضرت علیؓ نے ابنِ عباسؓ کو ایک زوردار خط لکھا، اور ان کو بڑی غیرت دِلائی، مگر انہوں نے ایک پیسہ بھی لوٹا کر نہ دیا، بلکہ حضرت علیؓ کو جواب میں لکھا کہ: ''جتنا روپیہ میں نے لیا ہے، اس سے زیادہ میرا حق بیت المال کے ذمے باقی ہے'' حضرتؓ نے پھر خط لکھا تو ابنِ عباسؓ نے جواب میں لکھا کہ: ''تم نے مسلمانوں کے اتنے خون کئے ہیں، میں نے تو مال ہی لیا ہے، ساری دُنیا کے خزانے اگر میرے ذمے ہوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں کسی مسلمان کا خون اپنے ذمے لے کر بارگاہِ اِلٰہی میں حاضر ہوں۔''

(رجال کشی، روایت نمبر:۱۰۹، ۱۱۰)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ:

۱:... اہلِ سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ ''خیرِ اُمت'' اور ''اُمتِ وسط'' ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم نے ان کے حق میں شہادت دی ہے۔ لیکن اہلِ تشیع کے نزدیک وہ ...معاذ اللہ... منافقین و مرتدین کا ٹولا تھا جن کو ''شرِّ اُمت'' کا خطاب ملنا چاہئے تھا۔

۲:... اہلِ سنت کے نزدیک خلفائے اَربعہؓ بالترتیب افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، اور اہلِ تشیع کے نزدیک خلفائے ثلاثہؓ... نعوذ باللہ... خلقِ خدا میں سب سے بدتر ہیں۔

۳:... اہلِ سنت کے نزدیک حضراتِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں بدگوئی کرنا کفر و

نفاق کی علامت ہے، اور اہلِ تشیع کا اس کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہیں، کہ یہ ان کے نزدیک اعلیٰ ترین عبادت ہے۔

۴:... اہلِ سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا گمراہی اور باطل پر جمع ہونا، ناممکن تھا، اور اہلِ تشیع کے نزدیک وہ باطل کے سوا کسی اور چیز پر کبھی متفق ہی نہیں ہوئے۔

۵:... اہلِ سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ رسالتِ محمدیہ ... علیٰ صاحبہا الف الف صلوات وتسلیمات ... کے گواہ تھے، لقولہ تعالیٰ: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ"، اور اہلِ تشیع کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد دو چار کے سوا باقی سب منافق جمع تھے۔

ان نکات سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کا یہ فقرہ کس حد تک مبنی بر حقیقت و صداقت ہے کہ: "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے وہی نظریات ہیں جو اَکابر اہلِ سنت کے ہیں، ان میں چنداں فرق نہیں۔"

صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعہ کے آٹھ اُصول:

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"وہ اُصولی باتیں جو اس ضمن میں (یعنی صحابہ کرامؓ کے بارے میں) اہلِ سنت اور اہلِ تشیع دونوں مانتے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ صحبت میں منافقین بھی تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار تنبیہ کی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ اے رسول! تم ان منافقین کو نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔

۲:... بعض ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اِختیار کی، لیکن وہ دِل سے مسلمان نہ ہوئے تھے، چنانچہ وہ مرتد ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل اور جلاوطنی وغیرہ کے اَحکام دیئے۔

۳:... بیشتر صحابہ کرامؓ مؤمنینِ صالحین تھے، لیکن وہ معصوم

نہ تھے، لہٰذا بہ تقاضائے بشری ان سے گناہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی مارنے کا حکم دیا، جیسا کہ اکابرین علمائے اہلِ سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔

۴:... بعض اہلِ صحبت وہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تغیر زمانہ اور مسلمانوں کی باہمی چپقلش سے فائدہ اُٹھا کر بہ مصلحت جاہلیت کی رَوِش پر چلے گئے، ہم انہیں ایسے صحابیٔ رسول نہیں مانتے جن کے بارے میں بشارتیں آئی ہیں، انہیں کی طرف حدیثِ حوض میں اشارہ ہے۔

۵:... حضرت علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت اَمیر معاویہؓ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کی اس فعل پر پشیمانی اور توبہ ثابت ہے، یہی اکابرین اہلِ سنت کا نظریہ ہے۔

۶:... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں "الصحابة کلهم عدول" کے تحت دو مقامات پر جو تصریحات کی ہیں، وہ اس حقیر کے نزدیک دُرست ہیں، جن سے صحابہ کرامؓ کا غیر معصوم اور "محدود" ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷:... اسی طرح مفتیٔ اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیع نے "مقامِ صحابہ" نامی کتاب میں جو بحثیں کی ہیں، وہ بھی دُرست ہیں۔

۸:... صحیح بخاری شریف میں حدیثِ حوض (معروف بابِ حوض کی ساری حدیثیں) ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں، اور اس سلسلے میں اِمام خطابی اور اِمام نووی کی تشریحات دُرست ہیں۔"

آنجناب کے مندرجہ بالا نکات میں سے ہر نکتے کے بارے میں مختصراً عرض کرتا ہوں۔

ا:... صحابہ کرامؓ اور منافقین:

آپ نے پہلے نکتے میں منافقین کا ذِکر فرمایا ہے، حالانکہ صحابہ کرامؓ کے تذکرے میں منافقین کا قصہ لے بیٹھنا نہایت دِل آزار مغالطہ اور اَبلہ فریبی ہے۔ کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافق بھی تھے اور چونکہ وہ اپنے نفاق میں ایسے پکے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے نفاق کا علم نہیں ہوسکا، اور چونکہ بعض ایسے منافق تھے کہ بعض مصالح کی بناپر ان کے نفاق کا علم ہوجانے کے باوجود ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جاتا تھا، لہٰذا ہر صحابی کے بارے میں یہی رائے رکھی جائے کہ وہ... نعوذ باللہ... منافق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اس کے نفاق کو جانتے نہیں تھے، یا اس کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے مصلحت کی بناپر تقیہ فرماتے تھے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ فرماتے تھے۔ یہ ہے وہ ناحق وسوسہ جس کی بنیاد عبداللہ بن سبا نے رکھی اور جو رَوافض کے سلبِ اِیمان کا موجب ہوا۔ اسی وسوسے کی بناپر انہوں نے حضراتِ خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک کو منافقین کی فہرست میں شامل کرلیا، اور آنجناب نے بھی بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں اسی پُرفریب سبائی وسوسے کی ترجمانی فرمائی ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دِین ودیانت اور عقل وفہم کا کوئی شمہ نصیب فرمایا ہو، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرے گا، کیونکہ:

اوّلاً:... قرآنِ کریم اور اَحادیث شریفہ میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے شمار فضائل ومناقب اور ان کے ظاہری وباطنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں، اِجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی، تلویحاً بھی اور تصریحاً بھی، کسی کے نام کی تعیین کے بغیر بھی اور ایک ایک کے نام کی تعیین کے ساتھ بھی ـــ جبکہ دُوسری طرف قرآنِ کریم میں بھی اور اَحادیث شریفہ میں بھی منافقوں کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے، ان کے اقوال وافعال پر نفریں کی گئی ہے، ان

کی دُنیوی اور اُخروی سزاؤں کو ذِکر کیا گیا ہے اور انہیں "الدرک الأسفل من النار" یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقے کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں قسم کی آیات و اَحادیث کو سامنے رکھئے! اگر یہ فرض کرلیا جائے — جیسا کہ آپ نے سبائی وسوسے کے ذریعے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے — کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم نہیں تھا کہ کون آپ کے مخلص صحابی ہیں اور کون منافق ہیں؟ تو گویا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ قرآن و حدیث میں کن حضرات کی مدح وستائش فرمائی جارہی ہے؟ اور کن لوگوں کی مذمت ونکوہش بیان ہورہی ہے؟ فرمایئے! کیا آپ اس اندھیر نگری کو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز رکھتے ہیں...؟

ثانیاً:...میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بدبخت ملعون خارجی...نعوذ باللہ... حضرتِ اَمیر کرّم اللہ وجہہ اور ان کے تین چار رُفقاء کے بارے میں، جن کو شیعہ مخلص صحابی مانتے ہیں، یہی یاوہ گوئی کرے اور ان آیات کو جو منافقین کے حق میں وارِد ہیں، ان اکابر پر چسپاں کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اِرشادات ان اکابر کی فضیلت و منقبت میں وارِد ہیں، ان کے بارے میں یہ کہے کہ یہ محض لوگوں کے خودساختہ اور من گھڑت ہیں یا ان کو تقیہ پر محمول کرے، تو فرمایئے کہ اس ملعون خارجی کا کیا علاج کیا جائے گا؟ اور اس کا یہ طرزِ عمل گستاخی میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر حضرتِ اَمیرؓ اور ان کے دو چار رُفقاء کے بارے میں یہ دعویٰ اور یہ طرزِ عمل نہایت دِل آزار اور کفر آمیز گستاخی ہے تو رَوافضِ آلِ سبا کا ان آیاتِ مقدسہ کو حضراتِ ثلاثہ اور جلیل القدر مہاجرین و اَنصار اور پوری جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر چسپاں کرنا، کیا اس سے بدتر گستاخی نہیں...؟

الغرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلاشبہ معدودے چند منافقین بھی تھے، مگر منافقوں کو "صحابی" کون احمق کہتا ہے؟ اور منافقوں کے حوالے سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر کیچڑ اُچھالنے کے آخر کیا معنی ہیں؟ آنجناب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے میں منافقوں کا حوالہ دینے کی ضرورت آکر کیسے لاحق ہوئی...؟

ثالثاً:... یہ اَمر بھی لائقِ توجہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کو نہیں جانتے تھے تو سوال یہ ہے کہ روافضِ آلِ سبا کو کہاں سے وحی ہوگئی کہ حضراتِ خلفائے ثلاثہ، عشرہ مبشرہ اور اَکابرین مہاجرین واَنصار رضی اللہ عنہم... نعوذ باللہ... منافق تھے...؟

قرآنِ کریم کی شہادت کہ مہاجرین واَنصار میں کوئی منافق نہیں تھا:

پہلی شہادت:

آنجناب نے منافقوں کے بارے میں قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، اگر آنجناب فہم وانصاف سے اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خود یہی آیت شریفہ شہادت دے رہی ہے کہ حضراتِ مہاجرین واَنصار رضی اللہ عنہم میں کوئی منافق نہیں تھا، جیسا کہ میں اُوپر ''صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں'' کے زیرِ عنوان تیسری آیت کے ذیل میں اس طرف اشارہ کرآیا ہوں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیت:۱۰۰ میں حضراتِ سابقین اوّلین، مہاجرین واَنصار رضی اللہ عنہم کی اوران کے متبعین بالاحسان کی مدح فرمائی اوران کے بارے میں چار وعدے فرمائے:

۱:... اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔

۲:... وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳:... اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنتیں تیار کررکھی ہیں۔

۴:... وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور پھر فرمایا کہ ان درجاتِ عالیہ کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصوّر ناممکن ہے۔

اس کے بعد آیت:۱۰۱ میں انہی مہاجرین واَنصار کو مخاطب کرکے فرمایا جارہا ہے کہ: ''تمہارے گرد وپیش کے دیہاتیوں میں کچھ منافقین ہیں، اور اہلِ مدینہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں، اے نبی! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، ہم ان کو بہت جلد دُہرا عذاب دیں گے، پھران کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔''

"وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ." (التوبہ:۱۰۱)

ترجمہ:... "اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں، اور بعضے لوگ مدینہ والے، اَڑ رہے ہیں نفاق پر، تو ان کو نہیں جانتا، ہم کو وہ معلوم ہیں، ان کو ہم عذاب دیں گے دو بار، پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یہ آیت شریفہ تین وجہ سے اس اَمر کی شہادت دے رہی ہے کہ مہاجرین و اَنصار میں کوئی منافق نہیں تھا۔

پہلی وجہ:... یہ کہ اس آیت میں خود مہاجرین و اَنصار کو مخاطب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ: "تمہارے گرد و پیش کے دیہاتیوں میں کچھ منافق ہیں، اور کچھ اہلِ مدینہ میں ایسے لوگ ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں" اہلِ عقل جانتے ہیں کہ مہاجرین و اَنصار کو مخاطب کر کے کسی تیسرے فریق کی اِطلاع دی جارہی ہے۔ لہٰذا ان کو منافقین کی اِطلاع دینا اس اَمر کی دلیل ہے کہ سابقین اوّلین مہاجرین و اَنصار میں کوئی منافق نہیں تھا، بلکہ منافقوں کا ٹولا ان دونوں فریقوں کے علاوہ تھا جس کی ان حضرات کو اِطلاع دی جارہی ہے۔

دُوسری وجہ:... یہ کہ منافقوں کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں، ایک گرد و پیش کے دیہاتی اور دُوسرے مدینہ کے قدیم باشندے، اس سے معلوم ہوا کہ بالخصوص مہاجرین اوّلین میں کوئی منافق نہیں تھا، کیونکہ ان کا شمار نہ تو گرد و پیش کے دیہاتیوں میں ہوتا ہے، نہ مدینے کے قدیم باشندوں میں، لہٰذا ثابت ہوا کہ مہاجرین میں ایک شخص بھی منافق نہیں تھا۔

تیسری وجہ:... یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دینے کی دھمکی دی، (ایک مرتبہ دُنیا میں، اور دُوسری مرتبہ قبر میں)۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضراتِ مہاجرین و اَنصار رضی اللہ عنہم کو دُنیا میں کوئی عذاب نہیں ہوا، بلکہ وہ اپنے آخری لمحاتِ حیات تک اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمتِ دِین میں مشغول و مظفر و منصور رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان

حضرات میں سے کوئی منافق نہیں تھا، ورنہ وعدۂ الٰہی کے مطابق یہ حضرات ...نعوذ باللہ... ضرور معذب ومخذول ہوتے۔

دُوسری شہادت:

انہی مہاجرین وانصار کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اسی سورہ میں دُوسری جگہ فرمایا ہے:

"لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ." (التوبۃ:۱۱۷)

ترجمہ:... "اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دِل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر، بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص عنایتِ خداوندی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاملِ حال تھی، اس سے وہ حضراتِ مہاجرینؓ وانصارؓ بھی بہرہ یاب تھے جو غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے، ظاہر ہے کہ کوئی منافق اس عنایتِ خاصہ سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

تیسری شہادت:

پھر انہی مہاجرینؓ وانصارؓ کو سورۂ انفال آیت:۷۴ میں ان کے سچے مؤمن ہونے کی قطعی سند عطا فرمائی اور ان سے مغفرت اور اَجرِ کریم کا وعدہ فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ

مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ.“ (الانفال:۷۴)

ترجمہ:... ”اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں، اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔“ (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

قرآنِ کریم کی اس قطعی شہادت کے بعد ان حضرات کے حق میں یہ یاوہ گوئی کرنا کہ وہ منافق تھے، اور جو آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو ان حضرات پر چسپاں کرنا، خود سوچئے کہ یہ قرآنِ کریم کی تکذیب ہے یا نہیں...؟

چوتھی شہادت:

سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے، مہاجرین، انصار اور ان کے بعد آنے والے حضرات، چنانچہ ارشاد ہے:

”لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ، وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.“ (الحشر:۸-۱۰)

ترجمہ:... ”واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے

جو نکالے ہوئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے،
ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے
کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ
جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے، وہ محبت
کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس، اور نہیں
پاتے اپنے دِل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے، اور
مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اُوپر فاقہ۔
اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے
والے۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے
اے رَبّ! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل
ہوئے اِیمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دِلوں میں بیر ایمان والے
کا، اے رَبّ! تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

پہلی آیت مہاجرینؓ کے بارے میں ہے، اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اس ضمن میں ان کی چار صفات ذِکر فرمائی ہیں:

ا:... ان کی جاں نثاری و قربانی کہ وہ اسلام کی خاطر گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوئے۔

۲:... ان کا اِخلاص و للّٰہیت کہ اس ہجرت سے ان کا مقصود صرف رضائے اِلٰہی تھا۔

۳:... ان کا اللہ و رسول کا مددگار رہونا۔

۴:... اور آخری بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے قول و فعل اور دِین و ایمان میں قطعاً سچے ہیں۔

دُوسری آیت میں حضراتِ اَنصارؓ کے چند فضائل بیان فرمائے:

ا:... مہاجرین کی آمد سے پہلے یہ حضرات دارالاسلام میں اور اِیمان میں قرار پذیر تھے۔

۲:... جو حضرات ہجرت کرکے ان کے پاس آتے، وہ محض ایمان کی بنیاد پر ان سے محبت رکھتے تھے۔

۳:... حضراتِ مہاجرین کو کچھ دیا جاتا تو ان کے دِل میں رشک پیدا نہیں ہوتا تھا۔

۴:... یہ حضرات اپنی حاجت مندی کے باوجود دُوسروں کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے تھے۔

۵:... اللہ تعالیٰ نے ان کو طبیعت کے بخل اور مال کی حرص سے محفوظ رکھا تھا، اس لئے یہ حضرات بڑے کامیاب و بامراد تھے۔

تیسری آیت میں مہاجرینؓ و اَنصارؓ کے بعد قیامت تک آنے والی اُمت کا تذکرہ ہے اور ان کی دو صفتیں ذکر فرمائی ہیں:

اوّل:... یہ کہ وہ اپنے پیشرو اہلِ ایمان مہاجرینؓ و اَنصارؓ کے لئے دُعائے مغفرت کرتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ان کے دِل میں اہلِ ایمان مہاجرینؓ و اَنصارؓ کی جانب سے کینہ اور کھوٹ نہ ہو۔

اہلِ ایمان کے ان تین طبقات کو ذِکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے گیارہویں آیت سے منافقین کا ذِکر شروع فرمایا ہے، اس تفصیل سے چند اُمور کھلے طور پر ثابت ہوئے:

اوّل:... یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان آیاتِ شریفہ میں حضراتِ مہاجرینؓ و اَنصارؓ کے اِیمان و اِخلاص کی قطعی شہادت دی ہے، اہلِ اِیمان کو تو شہادتِ خداوندی کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، لیکن حضراتِ شیعہ اس شہادتِ ربانی کے بعد بھی ان حضرات پر نفاق و اِرتداد کی تہمت دھرتے ہیں۔ اِنصاف کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کو قبول نہ کرنے والوں کا اِسلام میں کتنا حصہ ہے...؟

دوم:... اللہ تعالیٰ نے ''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ'' فرماکر ان حضرات کی سچائی پر مہرِ تصدیق ثبت فرمائی ہے جو بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''خلیفۂ رسول اللہ'' کہتے تھے، اگر یہ حضرات اپنے قول میں سچے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ برحق ہونا

ثابت ہوا، اور اگر یہ حضرات اس قول میں جھوٹے تھے تو گویا ...نعوذ باللہ... قرآن نے جھوٹوں کو سچا کہا۔

سوم:...اللہ تعالیٰ نے ان آیاتِ شریفہ میں قیامت تک کی اُمت کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں: ا...مہاجرینؓ، ۲:...اَنصارؓ، ۳:...اور بعد کے وہ لوگ جو ان مہاجرینؓ و اَنصارؓ کے لئے دُعائیں کرتے ہیں اور ان سے کینہ نہیں رکھتے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ جو شخص ان تینوں میں داخل نہ ہو، وہ اُمتِ مسلمہ سے خارج ہے، مُلاَّ فتح اللہ کاشانی تفسیر ''منہج الصادقین'' میں لکھتے ہیں:

> ''مخفی نیست کہ بغض مومناں و ارادہ بدی بایشاں از حیثیت ایمان کفراست واز حیثیت غیر آن فسق ......وصاحبِ انوار آوردہ کہ حق سبحانہ مومناں را بر سہ فرقہ فرود آوردہ ومہاجر وانصار و تابعین کہ موصوف باشند بپاکی عقیدت و پاکیزگی طینت پس ہر کہ بدین صفت نبود از اقسام مومناں خارج افتد، واز ابن ابی لیلیٰ مرویست کہ اہل ایمان سہ طبقہ اند صحابہ از مہاجر وانصار کہ خدای تعالیٰ درحق ایشان فرمودہ کہ ''والذین تبوّءو الدار والایمان'' وتابعین واتباع تابعین واینہا آنانند کہ خدای درشان ایشاں فرمودہ کہ ''والذین جاؤا من بعدھم'' پس جہد کن تاازایں سہ گروہ بیرون نباشی، وبعد از مدح مہاجر و انصار و تابعین بیان احوال منافقان میمناید بقولہ: الم تر۔'' (منہج الصادقین ج:۹ ص:۲۳۴)
>
> ترجمہ:...''اور پوشیدہ نہیں ہے کہ اہلِ ایمان سے بغض رکھنا اور ان سے بُرائی کا اِرادہ کرنا اگر ان کے اِیمان کی وجہ سے ہو تو کفر، اور کسی دُوسری وجہ سے ہو تو فسق ہے......اور صاحبِ انوار نے ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اہلِ اِیمان کے تین طبقے ذِکر فرمائے ہیں: ا:...مہاجرین، ۲:...اَنصار، ۳:...اور ان کے بعد آنے والے

وہ لوگ جو عقیدے کی پاکی اور دِل کی صفائی کے ساتھ موصوف ہوں۔ پس جو شخص اس صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو وہ اہلِ اِیمان کی قسموں سے خارج ہے۔

اور ابنِ ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ اہلِ اِیمان کے تین طبقے ہیں:

ا:...مہاجرین صحابہؓ ۲:...اَنصارؓ جن کے بارے میں فرمایا: ''اور وہ لوگ جنھوں نے قرار پکڑا دارالاسلام اور اِیمان میں''، ۳:...ان دونوں فریقوں کے بعد آنے والے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد آئے'' پس کوشش کرو کہ تم ان تین گروہوں سے باہر نہ رہو۔ مہاجرینؓ واَنصارؓ اور ان کے تابعین کی مدح کے بعد اللہ تعالیٰ منافقوں کا حال ذکر فرماتے ہیں (یعنی اگلی آیت میں)۔''

اِمام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

''اِمام جعفرؒ اپنے والد ماجد محمد باقرؒ سے اور وہ اپنے والد اِمام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ عثمانؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: میرے بھائی! کیا تم اس گروہ میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ'' ؟ کہا: نہیں! فرمایا: اچھا اگر تم اس فریق میں سے نہیں تو دُوسرے فریق میں سے ہوگے جن کے بارے میں فرمایا ہے: ''وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ'' ؟ کہا: نہیں! فرمایا: اب صرف تیسری آیت باقی رہ گئی، اگر تم اس آیت کا مصداق بھی نہیں ہوگے تو اِسلام ہی سے نکل جاؤگے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ:

''اِمام زین العابدینؒ کے پاس اہلِ عراق کے کچھ لوگ آئے، پہلے شیخینؓ کے بارے میں، پھر حضرت عثمانؓ کے بارے میں بدگوئی کرنے لگے، حضرتؒ نے فرمایا: کیا تم مہاجرین اوّلین میں سے ہو؟ بولے: نہیں! فرمایا: پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو ''جنھوں نے ٹھکانا پکڑا دارالاسلام میں اور اِیمان میں مہاجرین کے آنے سے پہلے''؟ بولے: نہیں! فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: ''اور واسطے ان لوگوں کے، جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے: اے رَبّ! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے اِیمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دِلوں میں بیر اِیمان والوں کا، اے رَبّ! تو ہی ہے نرمی والا مہربان'' میرے پاس سے اُٹھ جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہارا ستیاناس کرے۔ یہ واقعہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔''

(تفسیر قرطبی ج:۱۸ ص:۳۱-۳۲)

قرآنِ کریم کی ان شہادتوں سے بخوبی واضح ہے کہ حضراتِ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم میں سے کوئی منافق نہیں تھا، اس لئے آلِ سبا کا یہ کہنا کہ یہ حضرات منافق تھے ...نعوذ باللہ... قرآنِ کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حضراتِ خلفائے راشدینؓ، حضرات مہاجرینؓ وانصارؓ کے رئیس واِمام تھے، اب اگر مہاجرینؓ وانصارؓ اہلِ اِیمان تھے (اور بلاشبہ اہلِ اِیمان تھے) تو خلفائے ثلاثہؓ رئیس المہاجرین اور اِمام المسلمین تھے، بے شمار نصوص سے ان کا مؤمن عنداللہ ہونا ثابت ہے، یہاں بطورِ نمونہ ایک ایک حوالہ ذِکر کرتا ہوں:

ابوبکر رضی اللہ عنہ ''صدیق'' تھے:

''رجال کشی'' میں حضرت ابنِ عباسؓ کا ایک طویل مناظرہ اُمّ المؤمنین عائشہؓ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ ابنِ عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا:

''اِنّا جعلناکِ للمؤمنین أُمًّا و أنتِ بنت أُمّ رومان، وجعلنا أباکِ صدّیقًا وهو ابن أبی قحافة.''

(رجال کشی ص:۵۹، روایت:۱۰۸)

ترجمہ:... ''ہم نے تجھ کو اُمّ المؤمنین بنادیا، حالانکہ تو اُمّ رومان کی بیٹی تھی، اور ہم نے تیرے اَبا کو ''صدیق'' بنادیا، حالانکہ وہ ابوقحافہ کے بیٹے تھے۔''

اس روایت سے ثابت ہوا کہ تمام اہلِ ایمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اُمّ المؤمنین اور ان کے والد گرامی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' سمجھتے اور کہتے تھے۔

ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما:

''رجال کشی'' میں بریدہ اسلمیؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے کہا گیا کہ: ''اے ابوبکر! آپ صدیق ہیں اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ وہ تین آدمی کون ہیں؟'' مگر انہوں نے عذر کردیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ: ''آپ فاروق ہیں، جن کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے''۔ (رجال کشی ص:۳۰، روایت:۵۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضراتِ صحابہؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' اور ''یارِ غار'' کے خطاب سے یاد کرتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''فاروق'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے بیعت کرتے ہیں:

علامہ کلینی نے ''روضۂ کافی'' میں اِمام صادقؒ سے غزوۂ حدیبیہ کا واقعہ نقل کیا ہے، اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

"وكان رسول الله صلى الله عليه وآله أراد أن يبعث عمر، فقال: يا رسول الله! انّ عشيرتى قليلٌ وانّى فيهم علٰى ما تعلم ولٰكنّى أدلّك علٰى عثمان بن عفّان، فأرسل اليه رسول الله صلى الله عليه وآله، فقال: انطلق الٰى قومك من المؤمنين فبشّرهم بما وعدنى ربّى من فتح مكة فلمّا انطلق عثمان لقى أبان بن سعيد فتأخّر عن السرح فحمل عثمان بين يديه ودخل عثمان فأعلمهم وكانت المناوشة فجلس سهيل بن عمرو عند رسول الله صلى الله عليه وآله وجلس عثمان فى عسكر المشركين وبايع رسول الله صلى الله عليه وآله المسلمين وضرب باحدى يديه على الأخرىٰ لعثمان وقال المسلمون: طوبىٰ لعثمان قد طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة وأحلَّ، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله: ما كان يفعل، فلمّا جاء عثمان قال له رسول الله صلى الله عليه وآله: أطفت بالبيت؟ قال: ما كنت لأطوف بالبيت ورسول الله صلى الله عليه وآله لم يطف به." (روضۂ کافی ج:۸ ص:۳۲۵)

ترجمہ:... "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اہلِ مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجنا چاہا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہاں میرے قبیلے کے لوگ کم ہیں اور مجھے کفارِ مکہ میں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ عثمان بن عفان کو بھیجئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا: مکہ میں اپنے اہلِ ایمان بھائیوں کے پاس جاؤ اور ان کو

اس کی خوشخبری دو کہ میرے رَبّ نے مجھ سے فتحِ مکہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عفانؓ گئے تو راستے میں ان کو اَبان بن سعید ملے، انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی سواری پر اپنے آگے سوار کرلیا اور حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کی تیاری ہونے لگی تو سہیل بن عمرو (کافروں کے نمائندے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور حضرت عثمانؓ کفار کے لشکر میں روک لئے گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنا ایک ہاتھ دُوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: "یہ میں عثمان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔"

اور مسلمانوں نے کہا کہ: عثمان بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کرلیا اور صفا و مروہ کی سعی کرکے اِحرام سے فارغ ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: عثمان ایسا نہیں کرسکتے" جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: "تم نے بیت اللہ کا طواف کرلیا؟" عرض کیا کہ: "جس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہ کیا ہو، میں کیسے طواف کرسکتا تھا؟"

یہ حدیث چند اہم فوائد پر مشتمل ہے:

اوّل:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطورِ سفیر اہلِ مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کرنا، ان کے مؤمنِ مخلص ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایسی نازک سفارت کے لئے کسی مشتبہ آدمی کو بھیجنا کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کا کام بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ سیّد العقلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا وسوسہ کیا جائے۔

دوم:... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینا اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مشورے پر عمل درآمد کرنا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مشورہ نہایت مخلصانہ تھا، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص مشیر تھے۔

سوم:... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ: ''میں اہلِ مکہ کی نظر میں جیسا ہوں، وہ آپ کو معلوم ہے'' اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ مکہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عداوت و دُشمنی معروف تھی، اور یہ محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے تھی، اگر وہ سچے مسلمان نہ ہوتے تو اہلِ مکہ کو ان سے دُشمنی کیوں ہوتی...؟

چہارم:... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطورِ سفیر مکہ مکرمہ بھیجنا، اور ان سے یہ فرمانا کہ: ''اہلِ ایمان کو خوشخبری دو'' ان کے اِخلاص و اِیمان کی شہادت ہے۔

پنجم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ''عثمان ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتے'' ان کے اِیمان و اِخلاص پر کمالِ اِعتماد کی دلیل ہے۔

ششم:... یہ ''بیعتِ رضوان'' اس وقت ہوئی تھی جب یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے، گویا اس بیعتِ رضوان کی علتِ غائیہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا تھا۔

ہفتم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے دستِ مبارک سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنا، ان کی ایسی فضیلت و منقبت ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، جو شخص اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو، اس کے بارے میں تو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ وہ... نعوذ باللہ... منافقانہ طور پر بیعت کر رہا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جس کی طرف سے بیعت فرمائیں، اس کے بارے میں ایسا خیال کرنا تو براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اور مقدس ہاتھ کی توہین ہے، جو کفرِ خالص ہے...!

۲:... صحابہ کرامؓ اور مرتدین:

دُوسرے نکتے میں آپ نے ان لوگوں کا ذِکر فرمایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد ہوگئے تھے، اور چوتھے نکتے میں ان مرتدین کا ذِکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہوگئے تھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ حدیثِ حوض میں

انہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور آٹھویں نکتے میں بھی حدیثِ حوض کا ذِکر ہے۔

گویا آپ کے تین نمبروں کا خلاصہ ایک ہے کہ ان میں مرتدین کا ذِکر کیا گیا ہے، اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اوّل:... آنجناب نے ان مرتدین کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ہم انہیں ایسے صحابیٔ رسول نہیں مانتے، جن کے بارے میں بشارتیں آئی ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ جب آپ ان مرتدین کو ''صحابی'' نہیں مانتے (اور اہلِ سنت میں سے بھی کوئی اس کا قائل نہیں کہ مرتدین کو بھی ''صحابہ'' میں شامل کیا جائے تو صحابہؓ کی بحث میں مرتدین کا تذکرہ درمیان میں لانے کا کیا مطلب...؟

دوم:... آپ نے مرتدین کے لئے صحیح بخاری کی حدیثِ حوض کا حوالہ دیا ہے، اس حدیث میں جن مرتدین کا ذِکر آیا ہے، یہ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاہلیت کی رَوِش پر لوٹ گئے تھے اور جن سے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رُفقاء نے جہاد کیا، ان ہی حضرات کے حق میں قرآنِ کریم کی درج ذیل پیش گوئی صادق آئی:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ، ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ، وَاللہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔'' (المائدۃ:۵۴)

ترجمہ:... ''اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دِین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دِل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے اِلزام سے۔ یہ

فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے گا، اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔“ (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اُوپر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں تفصیل سے ذِکر کرچکا ہوں کہ اس آیت شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیق اوران کے رُفقاء رضی اللہ عنہم کے وہ فضائل و کمالات بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی فضیلت متصوّر نہیں۔ پس صحیح بخاری کی حدیثِ حوض، جس کو اَعدائے صحابہ، صحابہؓ کی مذمت میں پیش کرتے ہیں، درحقیقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اعلیٰ درجے کی منقبت پر مشتمل ہے، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء ”باب نزول عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم“ سے قبل مذکور ہے:

”هم المرتدون الذين ارتدوا علىٰ عهد أبي بكر، قاتلهم أبوبكر رضي الله عنه.“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۴۹۰)

ترجمہ:... ”یہ مرتدین (جن کا حدیثِ حوض میں ذِکر ہے) وہی لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مرتد ہوگئے تھے، اور جن کے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔“

اِمام خطابیؒ فرماتے ہیں:

”لم يرتد من الصحابة أحد، وانما ارتد قوم من جفاة الأعراب ممن لا نصرة له في الدين، وذٰلك لا يوجب قدحًا في الصحابة المشهورين، ويدل قوله ”أصيحابي“ بالتّصغير علىٰ قلّة عددهم.“

(فتح الباری، کتاب الرقاق، باب الحشر ج:۱۱ ص:۳۸۵)

ترجمہ:... ”صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا، ہاں! اَکھڑ قسم کے دیہاتیوں کی ایک جماعت ضرور مرتد ہوئی، جن کی

دِین میں کوئی نصرت نہیں تھی، اور یہ بات مشہور صحابہؓ میں موجبِ قدح نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغۂ تصغیر کے ساتھ ''اصیحابی'' فرمانا ان مرتدین کی قلّت کو بتاتا ہے۔''

جن صحابہؓ نے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا وہ اِرتداد سے محفوظ تھے:

اُوپر اِمام خطابیؒ کے اس قول میں کہ: ''مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کی دِین میں کوئی نصرت نہیں تھی'' اس طرف اشارہ ہے کہ جن اکابر نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان و مال کی قربانیاں دیں، وہ اِرتداد سے محفوظ تھے۔ یہ مضمون قرآنِ کریم سے مستنبط ہے، چنانچہ سورۃ النساء میں ہے:

''لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً، وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰی، وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا. دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً، وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا.'' (النساء:۹۵،۹۶)

ترجمہ:... ''برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھادیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ، اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا، اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اَجرِ عظیم میں، جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے، اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں سے عظیم ترین درجات کا وعدہ فرمایا ہے، جبکہ مجاہدین اور قاعدین دونوں کے بارے میں فرمایا:

"وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"

ترجمہ:... "اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا"

اور سورۃ الحدید میں ارشاد ہے:

"لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا، وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ." (الحدید:۱۰)

ترجمہ:... "برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتحِ مکہ سے پہلے اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا، اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت شریفہ میں دو مضمون ذِکر فرمائے گئے ہیں، ایک یہ کہ جن مقدور والوں نے فتحِ مکہ (یا بقولِ بعض حدیبیہ) سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور جہاد کیا، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اَقلِ قلیل تھے، اور دُنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی، اس وقت اسلام کو جانی و مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی، اور مجاہدین کو بظاہر اَسباب، اَموال و غنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم تھیں، ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستے میں جان و مال لٹا دینا بڑے اُولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم اِنسانوں کا کام ہے، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، وَرَزَقَنَا اللّٰہُ اِتِّبَاعَھُمْ وَحُبَّھُمْ، آمِیْنَ۔ (فوائدِ عثمانی)

دُوسرا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہؓ سے "الحسنیٰ" کا وعدہ کر رکھا ہے، جن حضرات نے فتح سے قبل اِنفاق و قتال کیا ان سے بھی، اور جنھوں نے بعد میں اِنفاق و قتال کیا ان سے بھی۔

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ۔'' (الانبیاء:۱۰۱)

ترجمہ:... ''اور جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی، وہ اس سے (یعنی دوزخ سے) دُور رہیں گے۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن صحابہؓ نے اِنفاق وقتال فی سبیل اللہ کیا، وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ لہٰذا ان کا خاتمہ بر ایمان یقینی ہے، اگر وہ خدانخواستہ مرتد ہوجائیں تو وعدۂ اِلٰہی میں تخلّف لازم آئے گا، جو شرعاً وعقلاً ممتنع ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو حضرات اِخلاص کے ساتھ ایمان لے آئے اور انہیں شرفِ صحابیت حاصل ہوگیا وہ بھی مرتد نہیں ہوسکتے، اس لئے ''الحسنٰی'' کا وعدہ ان کے ساتھ بھی ہوچکا ہے۔ مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کا اسلامی خدمات اور جان و مال کی قربانیوں میں کوئی حصہ نہیں تھا، اور وہ سچے دِل سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ الغرض جن اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جان و مال کی قربانیوں کی سعادت میسر آئی، ان کا مرتد ہونا مندرجہ بالا آیات کی رُو سے ناممکن تھا، وَاللہُ الْمُوَفِّقُ لِکُلِّ خَیْرٍ وَّسَعَادَۃٍ!

۳:... صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے، لیکن محفوظ تھے:

تیسرے نکتے میں آنجناب لکھتے ہیں کہ:

''بیشتر صحابہؓ مؤمنین صالحین تھے، لیکن وہ معصوم نہیں تھے۔''

آنجناب کا یہ فقرہ نہ اہلِ سنت کے اُصول پر صحیح ہے، نہ اہلِ تشیع کے اُصول پر۔ اس لئے کہ اہلِ سنت کے نزدیک ''بیشتر'' صحابہ نہیں بلکہ ''کل کے کل'' مؤمنین و صالحین تھے۔ ''الصحابة کلھم عدول'' ان کا طے شدہ اُصول ہے۔ اور اہلِ تشیع کے نزدیک دو چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ... نعوذ باللہ... مرتد ہوگئے تھے، جیسا کہ اُوپر معلوم ہوچکا ہے۔

رہا یہ کہ صحابہؓ معصوم نہیں تھے، اہلِ سنت کے نزدیک یہ قاعدہ صحیح ہے، لیکن آنجناب نے جس مفہوم میں اس کا حوالہ دیا ہے، وہ حضرتِ اَمیر رضی اللہ عنہ کے بقول

"کلمة حق ارید بها الباطل" کے قبیل سے ہے۔ بلاشبہ اہلِ سنت کے نزدیک تمام صحابہؓ ...بشمول حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ... غیر معصوم تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ...معاذ اللہ... وہ فاسق و فاجر تھے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، لیکن اکابر اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ اور حضراتِ صحابہؓ تمام اولیاء اللہ کے سرتاج اور مقتداو پیشوا ہیں، اس لئے وہ اعلیٰ درجے کے متقی و پرہیزگار تھے۔ ارشادِ خداوندی: "اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ" اگر ان کے حق میں نہیں تو اُمت میں اور کون ہوگا جو اس کا مصداق ہو...؟

آنجناب کا یہ ارشاد کہ:

> "لہٰذا بتقاضائے بشری ان سے گناہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی مارنے کا حکم دیا، جیسا کہ اکابرین علمائے اہلِ سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔"

اس میں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

اوّل:...صحابہ کرامؓ اِسلام سے قبل جہالت کی تاریکیوں میں ڈُوبے ہوئے تھے اور اپنے جاہلی ماحول کی وجہ سے وہ قبیح ترین جرائم کے عادی تھے، ان کا معاشرہ (فطری خوبیوں اور جوہری صفات اور صلاحیتوں کے باوجود) بدترین معاشرہ شمار کیا جاتا تھا، لیکن جب یہ حضرات اِسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو وحیٔ اِلٰہی کے نور سے ان کے قلوب منوّر اور "خورشید بداماں" ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت اور نظرِ کیمیا اَثر نے ان کی کایاپلٹ دی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تزکیہ کی برکت سے ان کا معاشرہ "رشکِ ملائک" بن گیا۔ اس قلبِ ماہیت کے بعد ان میں جرائم کی شرح اس قدر حیرتناک حد تک کم ہوگئی کہ عقل اُنگشت بدنداں ہے! حدیث و سیرت کی کتابوں سے کرید کرید کر لائقِ تعزیر واقعات تلاش کئے جائیں تو پورے دورِ نبوی میں ایسے واقعات کی تعداد اُنگلیوں پر گنی جاسکتی ہے، اور بغیر کسی مبالغے کے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد

ایسے پاکیزہ معاشرے اور ایسے فرشتہ خصلت انسانوں کی مثال پوری اِنسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ الغرض! صحابہ کرامؓ میں لائقِ تعزیر واقعات اگر پیش بھی آئے تو نہایت شاذ و نادر، اور عقلاء کا قاعدہ ہے کہ: "النادر کالمعدوم" یعنی شاذ و نادر واقعات معدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اب ان حضرات کے معاشرے کی پاکیزگی اور اس کی مجموعی کیفیت کو نظر اَنداز کرکے جرائم کے ان معدودے چند واقعات کو اُچھالنا اور ان واقعات سے صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت پر قدح کرنا، جیسا کہ آپ نے کیا ہے، کیا یہ صحتِ فکر کی علامت ہے...؟

دوم:... جن حضرات سے ایسے اَفعال کا صدور ہوا، ان کا شمار مشاہیر صحابہؓ میں نہیں، اور غالباً ان کو طویل صحبت بھی میسر نہیں آئی۔ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ، جن کے رجم کا واقعہ مشہور ہے، اگر ان کا یہ واقعہ پیش نہ آتا تو شاید کوئی شخص ان کے نام سے بھی آشنا نہ ہوتا۔ اسی طرح جتنے صحابہؓ کے ایسے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، اکثر اسی قسم کے گمنام صحابہؓ ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے ان گمنام صحابہؓ میں بھی پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ جب ان سے نفس کے فوری جذبے کی بنا پر گناہ کا صدور ہوا تو وہ گناہ ان کے دِل کی پھانس بن گیا کہ جب تک ان کی تطہیر نہیں ہوگئی، انہیں کسی کروَٹ چین نہیں آیا۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی زبردستی پکڑ کر نہیں لایا، بلکہ اپنے ضمیر کے بوجھ سے دَب کر وہ اَزخود آکر اپنے گناہ کے معترف ہوئے، انہیں مشورہ دیا گیا کہ جاکر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و اِستغفار کریں، مگر یہ تلقین بھی ان کی بے چینی و بے قراری کو ختم نہ کرسکی، جب تک انہوں نے خدا کے راستے میں جان نہ دے دی۔

اس ناکارہ کے نزدیک یہ ان گمنام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم ترین منقبت ہے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت کا عظیم الشان شاہکار اِعجاز ہے۔ اس لئے یہ حضرات، جن سے مختلف قسم کے گناہ صادر ہوئے، اہلِ حق کے نزدیک بعد کے تمام اولیائے اُمت سے افضل ہیں، کیونکہ کردار کی یہ بلندی اور تقویٰ و طہارت اور پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت، جو ان حضرات کو صحبتِ نبوی کی برکت سے میسر آئی، بعد کے کسی شخص کو نصیب نہیں۔

سوم:... یہ گمنام صحابہؓ جن سے جرائم کا صدور ہوا، انہوں نے ایسی سچی توبہ کی جو ہم سب کے لئے لائقِ رشک ہے، اور گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں:

تر دامنی پہ اپنی اے زاہد نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں!

یہاں تین واقعات کی طرف توجہ دِلاتا ہوں، جن سے ان حضرات کی توبہ و اِنابت ثابت ہوتی ہے:

پہلا واقعہ:

رجم کا سب سے مشہور واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے، صحیح مسلم (ج:۲ ص:۶۸) میں بروایت بریدہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ: لوگوں کی ماعزؓ کے بارے میں دو جماعتیں بن گئیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ شخص ہلاک ہوگیا، اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ماعزؓ کی توبہ سے بڑھ کر کس کی توبہ ہوسکتی ہے، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے کر کہا کہ: مجھے پتھروں سے قتل کیجئے! لوگ اسی حال میں دو یا تین دن ٹھہرے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، لوگ بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا، پھر تشریف فرما ہوئے، پھر فرمایا: ماعز بن مالک کے لئے اِستغفار کرو۔ لوگوں نے دُعا کی: ”غفر اللہُ لماعز بن مالک“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لقد تاب توبة لو قسمت بين أُمّة لوسعتهم.“

ترجمہ:... ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک اُمت پر تقسیم کردی جاتی تو پوری اُمت کو کافی ہوتی۔“

نسائی میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”لقد رأيته بين أنهار الجنّة ينغمس.“

(كذا في الفتح ج:۱۲ ص:۱۳۰، عزوًا الى النسائي، وهو عند النسائي في الكبرىٰ ج:۴ ص:۲۷۷، بالفاظ مختلفة)

ترجمہ:... ''میں نے اسے دیکھا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔''

مسندِ احمد میں بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ ارشاد مروی ہے:

''غفر له و أدخل الجنّة.'' (مسندِ احمد ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ:... (اللہ تعالیٰ نے) اسے بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔''

ابوداؤد (ج:۲ ص:۲۵۲)، مصنف عبدالرزّاق (ج:۷ ص:۳۲۲) اور موارد الظمآن (ص:۳۶۳) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے سنا کہ: ''اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کیا گیا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ نہیں کہا، آگے ایک مرے ہوئے گدھے کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا:

''انزلا فکلا من جیفة هٰذا الحمار.''

ترجمہ:... ''اُتر کر اس گدھے کی لاش کو کھاؤ''

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کو کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا:

''فلما نلتما من عرض أخیکما آنفًا أشدّ من أكلِ المیتة، والذی نفسی بیده! انه الآن لفی أنهار الجنّة ینغمس فیها.''

ترجمہ:... ''جو تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی ہے، وہ اس مردار کھانے سے بدتر ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔''

صحیح ابوعوانہ میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ یہ الفاظ ہیں:

"فقد رأيته يتخضخض في أنهار الجنّة."

(فتح الباری ج:۱۲ ص:۱۳۰)

دُوسرا واقعہ:

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بعد دُوسرا مشہور واقعہ غامدیہ رضی اللہ عنہا کا ہے، یہ خاتون بھی بغیر کسی کی نشاندہی کے خود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئیں، صحیح مسلم (ج:۲ ص:۶۸) میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس کا واقعہ اس طرح منقول ہے:

''عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کا اِرتکاب کیا ہے، مجھے پاک کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس کردیا۔ اگلے دن پھر آئی، کہنے لگی: یا رسول اللہ! آپ مجھے واپس کیوں کرتے ہیں، شاید آپ مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے ماعز کو واپس کرنا چاہتے تھے، مگر میں تو بدکاری کا بوجھ پیٹ میں اُٹھائے پھر رہی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر ولادت کے بعد آنا۔ بچے کی پیدائش کے بعد وہ پھر آئی، تو فرمایا: بچے کی دُودھ چھڑائی کے بعد آنا، دُودھ چھڑا کر بچے کو لائی، اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہنے لگی: یا رسول اللہ! اب تو یہ روٹی بھی کھانے لگا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم کا حکم دیا، لوگ رجم کر رہے تھے کہ حضرت خالدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا، جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے منہ پر آگرے، انہوں نے اس خاتون کو کوئی نامناسب لفظ کہا (فسبّها)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

"مهـلًا يا خالد! فوالذي نفسي بيده! لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغُفِر له."

ترجمہ:... ''خالد! بُرا بھلا کہنے سے باز رہو، اس ذات کی

قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی۔“

یہی روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس کے آخر میں ہے کہ: رجم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، اس نے تو زِنا کا اِرتکاب کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من أهل المدينة لوسعتهم وهل وجدت توبة أفضل من أن جادت بنفسها لله تعالىٰ؟“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۶۹)

ترجمہ:... ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینے کے ستر گنہگاروں پر تقسیم کردی جائے تو ان کو بھی کافی ہو۔ کیا تمہیں اس سے افضل توبہ مل سکتی ہے کہ اس نے اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان قربان کردی...؟“

تیسرا واقعہ:

ابوداؤد (ج:۲ ص:۲۵۲، ۲۵۳)، مسندِ احمد (ج:۳ ص:۴۷۹) میں ایک اور واقعہ مذکور ہے:

”حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں بازار میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک عورت بچے کو اُٹھائے ہوئے گزری، لوگ اس کے ساتھ ہوئے، میں بھی ان میں شریک تھا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟ عورت خاموش رہی، ایک نوجوان نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پھر سوال کیا، نوجوان نے پھر

کہا: یارسول اللہ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے تحقیق فرمائی (کہ اس کو جنون تو نہیں)، عرض کیا گیا: یہ تندرست ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا کہ: تم شادی شدہ ہو؟ اس نے اِثبات میں جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم کا حکم فرمایا۔ ہم نے اسے سنگسار کرکے ٹھنڈا کردیا۔ ایک شخص اس مرجوم کے بارے میں پوچھنے آیا، ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، ہم نے کہا: یہ شخص اس خبیث کے بارے میں پوچھنے آیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هو أطيب عند الله عزّ وجلّ من ريح المسک.

ترجمہ:... وہ خبیث نہیں، بخدا! وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبو سے زیادہ پاکیزہ تر ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو کلماتِ طیبات اِرشاد فرمائے، کون مسلمان اس کی تمنا نہ کرے گا کہ کاش! نبوّت کی زبانِ وحی ترجمان سے یہ دولتیں اس کو میسر آجاتیں...!

جس گنہگار کو توبہ کی توفیق ہوجائے، پھر اس کی توبہ قبول بھی کرلی جائے اور پھر اس کی قبولیت کی اِطلاع بھی کردی جائے، اس سے بڑھ کر خوش بخت اور کون ہوسکتا ہے...؟

''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ''

(مشکوٰۃ شریف ص:۲۰۶)

ترجمہ:... ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔''

کا قانون تو ہم گنہگاروں کے لئے ہے، صحابہ کرامؓ جن کے مقبول التوبہ ہونے کی بشارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے دِلائی گئیں، ان کا کیا پوچھنا...؟ ان

کے ایسے گناہوں پر صد زُہد و طاعت قربان...!

الغرض! جبکہ ساری تگ و دو اور سعی و عمل سے مقصود رِضائے اِلٰہی اور قربِ عنداللہ ہے، اور یہ دولت ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بالقطع حاصل ہے، تو یوں کہو کہ بہ برکتِ فیضِ صحبتِ نبوی ان حضرات کے گناہ بھی ہم سنگِ طاعات ٹھہرے۔ اس کے بعد ان اکابر کے ان مغفور گناہوں کا ذِکر کرنا، میں نہیں سمجھتا کہ بجز اپنے نامۂ عمل کو سیاہ کرنے کے اور کیا فائدہ دیتا ہے...؟

صحابہ کرامؓ سے معاصی کے صدور کی تکوینی حکمت:

جن حضرات کو حق تعالیٰ شانہٗ نے حقیقت و معرفت سے بہرہ ور فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے ان افعال میں بھی، جن کو شریعت نے لائقِ تعزیر قرار دیا، حق تعالیٰ شانہٗ کی تکوینی حکمت کارفرما تھی۔ اس لئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دور میں ایسے واقعات رُونما نہ ہوتے تو حدودِ شرعیہ کا نفاذ کیسے ہوتا؟ اور دِین کی تکمیل کے عملی مظاہر کیسے سامنے آتے؟ کارکنانِ قضا و قدر نے تکمیلِ دِینِ محمدی کے لئے صحابہ کرامؓ کو پیش کر کے ان پر حدود کا نفاذ کرایا، اور ان کے پاک دامن پر گناہ کے جو داغ دھبے آگئے تھے فوری طور پر توبہ و اِنابت کے ذریعے ان دھبوں کو صاف کر دیا گیا، اور تاکید کر دی گئی کہ خبردار! آئندہ کوئی شخص ان نفوسِ قدسیہ کا ذِکر بُرائی کے ساتھ نہ کرے، چنانچہ ارشاد ہے:

"اللہ! اللہ! فی أصحابی، اللہ! اللہ! فی أصحابی، لا تتخذوھم غرضًا من بعدی." (مشکوٰۃ ص:۵۵۴)

ترجمہ:... "اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنالینا۔"

مولانا عاشق اِلٰہی میرٹھیؒ "تذکرۃ الخلیل" میں قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ بعد عصر حسبِ معمول آپ صحن باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام و حاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضراتِ صحابہؓ کی باہمی جنگ و رنجش کا تذکرہ شروع کردیا اوراس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش آ گیا اور مہرِ سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا: راؤ صاحب! ایک مختصری بات میری سن لیجئے، بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریاتِ دِین و دُنیا سے باخبر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے، اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا، اس تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دُنیا سیکھے کہ فلاں واقعے میں یوں ہونا چاہئے، پس اُصول کے درجے میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت رُوحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو، اب واقعات تھے دو قسم کے، ایک وہ جو منصبِ نبوّت کے خلاف نہیں، اور دُوسرے وہ جو عظمتِ شانِ نبوّت کے منافی ہیں۔ پس جو واقعات منصبِ نبوّت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آئے، مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا، ان کا مرنا، دفنانا کفنانا وغیرہ وغیرہ، تمامی خوشی وغمی کے واقعات حضرت کو پیش آ گئے اور دُنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ اور کسی کی ولادت وختنہ و نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلافِ سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمتِ رسالت کا خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیمِ محمدی ناتمام رہے۔ مثلاً زِنا و چوری وغیرہ ہو تو اس طرح حدوتعزیر ہونا چاہئے اور باہم جنگ و قتال یا نفسانی اَغراض پر دُنیوی اُمور میں نزاع و رنجش ہو تو اس طرح اِصلاح ہونا چاہئے۔ یہ اُمور ذاتِ محمدی پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھا، اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔

لہٰذا حضراتِ صحابہؓ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں؟ جو اُمور حضرت کی شان کے خلاف ہیں، وہ ہم پر پیش آویں اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دِین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضراتِ صحابہؓ پر وہ سب ہی کچھ پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے رُشد و ہدایت بنا اور دُنیا کے ہر بھلے بُرے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعے میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے، اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔ پس کوئی ہو تو ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دِینِ محمدی کی خاطر ہر ذِلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانۂ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبانِ حال کہے کہ:

نشود نصیب دُشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں، مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جاں نثاری میں کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ و عار کیا لذیذ شے ہے:

از ننگ چہ گوئی مرا نام زننگ ست
واز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ زنام است

سچے عاشق تو اس طرح ہماری تمہاری اِصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں، اور ہم ان کے منصف و ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لئے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہراتِ سنیہ کے قدردان نہیں بن سکے تو کم سے کم بدزبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ: اللہ! اللہ! فی أصحابی، لا تتخذوھم من بعد غرضًا!۔" (تذکرۃ الخلیلؒ ص:۲۴۶ تا ۲۴۸)

۴:...مشاجراتِ صحابہؓ:

پانچویں نکتے میں آپ نے لکھا ہے کہ:

"حضرت علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرتِ اَمیر معاویہؓ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کی اس فعل پر پشیمانی اور توبہ ثابت ہے۔ یہی اکابر اہلِ سنت کا نظریہ ہے۔"

اس بحث میں چند اُمور قابلِ ذکر ہیں:

اوّل:...اَمیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو حالات پیش آئے اور جو بالآخر جنگِ جمل اور جنگِ صفّین پر منتج ہوئے، وہ تاریخ میں مدوّن ہیں۔ یہ حالات ایسے ہوش رُبا تھے کہ عقل حیران تھی کہ کیا کیا جائے؟ کیا نہ کیا جائے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے بعد بارِ خلافت اُٹھانے کی جب درخواست کی گئی تو اِرشاد فرمایا:

"دعونی والتمسوا غیری، فانّا مستقبلون أمرًا له وجوه وألوان، لا تقوم له القلوب، ولا تثبت علیه العقول، وان الآفاق قد أغامت، والمحجّة قد تنکرت."

(نہج البلاغہ ص:۱۳۶، خطبہ نمبر:۹۲)

ترجمہ:... ''مجھے رہنے دو، کسی اور کو تلاش کرو، کیونکہ ہمیں ایسے اَمر کا سامنا ہے جس کے کئی رُخ اور کئی رنگ ہیں، جس کے سامنے نہ دِل قائم رہ سکتے ہیں، نہ عقلیں ٹھہر سکتی ہیں، اُفق پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور راستہ مشتبہ ہوگیا ہے۔''

یہ ہے حالات کا صحیح نقشہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وقت درپیش تھا۔

دوم:... ظاہر ہے کہ وحی کا دروازہ تو بند ہو چکا تھا، اب ان سنگین حالات میں ہر شخص اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کا مکلّف تھا، اور اس ضمن میں آراء کا اِختلاف بھی ایک فطری چیز تھی، چنانچہ ان حالات میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں بھی اِختلاف رُونما ہوا، جن صاحب نے اپنے اِجتہاد سے جس چیز کو عنداللہ حق سمجھا، محض رِضائے اِلٰہی کی خاطر اس کو اِختیار کیا۔

ایک فریق نے یہ سمجھا کہ حق علیؓ کے ساتھ ہے، اس نے آپؓ کی حمایت میں جاں بازی کے جوہر دِکھائے، دُوسرے فریق نے یہ سمجھا کہ مفسدین کا ٹولا، جس نے خلیفہ مظلوم رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے خلافتِ اسلامیہ کے پرخچے اُڑادیئے، وہ نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں ہے، بلکہ عملاً وہی بالادست ہے، یہ ٹولا خلیفہ کے قابو میں نہیں، بلکہ خود اِدارۂ خلافت اس ٹولے کے قابو میں ہے، چنانچہ ''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے حضرتِ اَمیرؓ سے ان فتنہ پردازوں کی گوشمالی کی درخواست کی تو اِرشاد فرمایا:

"یا اخوتاہ! انّی لست أجھل ما تعلمون، ولٰکن کیف لی بقوۃ والقوم المجلبون علٰی حدّ شوکتھم، یملکوننا ولا نملکھم! وھا ھم ھؤلاء قد ثارت معھم عِبدانکم، والتفّت الھم أعرابکم، وھم خلالکم یسومونکم ما شاؤوا، وھل ترون موضعًا لقدرۃ علٰی شیء تریدونہ."
(نہج البلاغہ ص:۲۴۳)

ترجمہ:... ''بھائیو! جو بات تم جانتے ہو میں اس سے

بے خبر نہیں، لیکن میرے پاس یہ قوت کہاں ہے؟ (کہ ان لوگوں کی گوشمالی کروں) جبکہ فوج کشی کرنے والے پوری قوت وشوکت میں ہیں، وہ ہم پر مسلط ہیں، ہم ان پر حاوی نہیں، یہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور تمہارے بادیہ نشین بھی ان کے ساتھ جمع ہوگئے ہیں، وہ تمہارے درمیان (مدینہ میں) موجود ہیں، جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں، کیا تمہیں کوئی ایسی صورت نظر آتی ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو، اس کی قدرت حاصل ہو؟''

اس دُوسرے فریق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب، ان کے ظاہری وباطنی کمالات اور ان کے مقبول عند اللہ ہونے میں کوئی اِشکال نہیں تھا، ان کو جو مشکل درپیش تھی وہ یہ تھی کہ جب تک ان مفسدوں کو بالادستی حاصل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیسے دیا جائے؟ ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ان مفسدین کا قلع قمع کرنا اور خلافت کو ان کے چنگل سے نجات دِلانا ضروری ہے۔

تیسرے فریق نے یہ خیال فرمایا کہ اب تک ہم کفار کے مقابلے میں صف آرا تھے، اور ہماری تلواریں کافروں کو کاٹ رہی تھیں، لیکن اب مفسدوں کی فتنہ پردازی نے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا ہے، جن تلواروں سے ہم نے کافروں پر جہاد کیا، انہی کو مسلمانوں کی گردن پر کیسے چلائیں؟ ان حضرات نے وَرَع واِحتیاط کے طور پر اس فتنے کی آگ میں کودنے سے کنارہ کشی کی، تاکہ کسی مسلمان کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین نہ ہوں، جیسا کہ احادیث میں متعدّد صحابہ کرامؓ سے منقول ہے۔

الغرض! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد، جیسا کہ حضرتِ اَمیرؒ نے فرمایا، اُفق پر فتنے کی گھٹائیں چھاگئیں، راستہ مشتبہ اور بے پہچان ہوگیا، اور حالات نے کئی رُخ اور کئی رنگ اِختیار کرلئے، اس لئے جس فریق نے اپنے اِجتہاد اور اپنی صوابدید کے مطابق جو پہلو اِختیار کیا، وہ محض رِضائے اِلٰہی کے لئے تھا، اور ہر فریق اپنے اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو حالات درپیش تھے، ان کی حسّی مثال

ایسی سمجھنی چاہئے کہ ایک قافلہ دِن کی روشنی میں سفر کر رہا تھا کہ اِدھر آفتاب غروب ہوا اور اُدھر نہایت کالی گھٹا اُٹھی اور آندھی کے جھکڑ چلنے لگے کہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا، اور فضا ایسی تاریک ہوگئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوا، اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہوگئے، مگر کسی کو معلوم نہیں کہ قبلہ کس طرف ہے؟ اس لئے ہر شخص نے اپنی تحری اور اپنے اِجتہاد سے قبلے کا رُخ متعین کیا، ان رُفقاء میں کسی کا منہ کسی طرف ہے، اور کسی کا کسی طرف، مگر چونکہ ہر ایک اِخلاص وللّٰہیت کے ساتھ قبلہ رُخ متوجہ ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ ایسے اشتباہ کی حالت میں ہر شخص اپنی صوابدید اور تحری پر عمل کرنے کا مکلّف ہے، اس لئے سب کی نماز صحیح ہے، اور وہ عنداللہ مقبول ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُس فتنے کی تاریکی کے دور میں صحابہ کرامؓ کا حال سمجھنا چاہئے، کہ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں وہ مختلف نظر آتے ہیں، مگر چونکہ ہر ایک کا مقصد ''قبلۂ رِضائے اِلٰہی'' کی طرف رُخ کرنا ہے، اور چونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کا مکلّف ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک عنداللہ مقبول اور ''رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ'' کا مصداق ہے۔

سوم:... اس سے بھی بڑی مشکل یہ تھی کہ ان فتنہ پرداز مفسدوں کی پروپیگنڈا مشینری پوری قوّت اور شدّت کے ساتھ اہلِ اِخلاص کے درمیان منافرت پھیلانے میں مصروف تھی، ایک دُوسرے کے خلاف کدورتیں پیدا کرنے کے لئے افواہیں گھڑی جارہی تھیں، اور دھونس اور دھاندلی کے ذریعے اکابر صحابہ کرامؓ کی پوستین دری کی جارہی تھی، جیسا کہ اَمیرالموٴمنینؓ نے مندرجہ بالا اِقتباس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

''وہ جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں''

حد یہ ہے کہ جب جنگِ جمل سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمروؓ کو حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بطورِ سفیر بھیجا اور ان کی گفتگو سے دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت پر اِتفاقِ رائے ہوگیا تو ان مفسدین نے رات کی تاریکی میں دونوں فریقوں پر شب خون مارا، ہر فریق نے یہ سمجھا کہ دُوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے، اور پھر جو ہونا تھا ہوا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں طبری کے حوالے سے

لکھا ہے کہ:

''ثم بعث علیّ الیٰ طلحة والزبیر یقول: ان کنتم علیٰ ما فارقتم علیه القعقاع بن عمروا فکفوا حتّی ننزل فنظر فی هٰذا الأمر، فأرسلا الیه فی جواب رسالته: انا علیٰ ما فارقنا القعقاع بن عمرو من الصلح بین الناس، فاطمأنت النفوس وسکنت، واجتمع کل فریق بأصحابه من الجیشین، فلما أمسوا بعث علیّ عبدالله بن عباس الیهم، وبعثوا الیه محمد بن طلیحة السجاد وبات الناس بخیر لیلة، وبات قتلة عثمان بشر لیلة، وباتوا یتشاورون أوجمعوا علیٰ أن یثیروا الحرب من الغلس، فنهضوا من قبل طلوع الفجر وهم قریب من ألفی رجل فانصرف کل فریق الیٰ قراباتهم فهجموا علیهم بالسیوف، فثارت کل طائفة الیٰ قومهم لیمنعوهم، وقام الناس من منامهم الی السلاح، فقالوا طرقتنا أهل الکوفة لیلا، وبیتونا وغدروا بنا، وظنوا أن هٰذا عن ملأ من أصحاب علیّ فبلغ الأمر علیًّا فقال: ما للناس؟ فقالوا: بیتنا أهل البصرة، فثار کل فریق الیٰ سلاحه ولبسوا اللأمة ورکبوا الخیول، ولا یشعر أحد منهم بما وقع الأمر علیه فی نفس الأمر، وکان أمر الله قدرًا مقدورًا وقامت الحرب علیٰ ساق وقدم!''

(البدایة والنہایة ج:۷ ص:۲۳۹)

ترجمہ:... ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ اگر تم لوگ اس گفتگو پر قائم ہو جو قعقاع بن عمروؓ

سے طے ہوئی تھی تو کسی مزید کارروائی سے باز رہو، یہاں تک کہ ہم اس معاملے میں غور کرلیں۔ ان دونوں حضرات نے پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ: ''قعقاع بن عمروؓ سے لوگوں کے درمیان مصالحت کی جو بات ہوئی ہے، ہم اس پر قائم ہیں'' پس لوگوں کے دِلوں کوسکون و اِطمینان نصیب ہوا، اور دونوں لشکروں کے لوگ اپنے دوستوں سے ملنے لگے، جب شام ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور ان حضرات نے آپؓ کے پاس محمد بن طلیحہ سجاد کو بھیجا، تمام لوگوں نے نہایت سکون و اِطمینان اور خیرت سے رات گزاری، مگر قاتلینِ عثمان نے یہ رات نہایت بے سکونی میں گزاری، وہ ساری رات مشورے کرتے رہے اور انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ صبح ہونے سے پہلے رات کے اندھیرے میں جنگ کی آگ بھڑکا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ صبحِ صادق سے پہلے اُٹھے، جو قریباً دو ہزار آدمی تھے، پس ہر فریق اپنے اہلِ قرابت کے پاس گیا اور ان پر تلواروں سے حملہ کردیا، پھر ہر گروہ اپنی قوم کی طرف اُٹھا تا کہ ان کی حفاظت کرے، اور لوگ نیند سے اُٹھے تو سیدھے ہتھیاروں کی طرف گئے، اور انہوں نے کہا کہ اہلِ کوفہ نے ہم پر شب خون مارا ہے، اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ: لوگوں کو کیا ہوا؟ ان کو بتایا گیا کہ اہلِ بصرہ نے ان پر شب خون مارا ہے۔ چنانچہ ہر فریق ہتھیاروں کی طرف بھاگا، زرہیں پہنیں اور گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔ اصل قصہ کیا ہوا؟ اس کی کسی کو کچھ خبر نہیں تھی، یوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر نافذ ہوکر رہی اور جنگ بھڑک اُٹھی۔''

چہارم:...غلط فہمی کی بنا پر نفوسِ قدسیہ کے درمیان کشاکشی کا پیدا ہوجانا مستبعد نہیں، قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے، سورۂ اَعراف میں ہے:

''وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا، قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ، وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ، قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' (الاعراف:۱۵۰)

ترجمہ:...''اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصّے میں بھرا ہوا افسوسناک، بولا: کیا بُری نیابت کی تم نے میری میرے بعد، کیوں جلدی کی تم نے اپنے ربّ کے حکم سے؟ اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا، لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف، وہ بولا کہ: اے میری ماں کے جنے! لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں، سو مت ہنسا مجھ پر دُشمنوں کو، اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اور سورۂ طٰہٰ میں ہے:

''قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا. اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ. قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وَلَا بِرَاْسِىْ، اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ.'' (طٰہٰ:۹۲تا۹۴)

ترجمہ:...''کہا موسیٰ نے: اے ہارون! کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ وہ بہک گئے کہ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تو نے ردّ کیا میرا حکم؟ وہ بولا: اے میری ماں کے جنے! نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے بنی

اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے جو سلوک کیا، یہ ایک نبی کی صریح توہین تھی اور غیر نبی اگر کسی نبی کی ایسی توہین کرے تو اس پر جو حکم جاری ہوگا وہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ محض للہ فی اللہ تھا، اور اس کا منشا غلط فہمی تھی، اس لئے ان کا یہ فعل مدح وستائش کے طور پر قرآنِ کریم میں ذِکر کیا گیا۔

ٹھیک یہی حیثیت حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان واقعات سے سمجھنی چاہئے، جن حضرات نے جو موقف اِختیار کیا، اگرچہ اس کا منشا غلط فہمی تھا، تب بھی انہوں نے جو کچھ کیا، چونکہ محض للہ فی اللہ تھا، اس لئے ان کا یہ طرزِ عمل لائقِ طعن نہیں بلکہ موجبِ مدح و ستائش ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان اکابر کو شرفِ صحابیت کے ساتھ مشرف فرمایا ہے، اور بغیر کسی مبالغے کے ان اکابر کے مقابلے میں ہماری حیثیت وہی ہے جو شہزادوں کے مقابلے میں ایک بھنگی کی ہوسکتی ہے۔ شہزادوں کی لڑائی میں اگر بھنگی کسی ایک پر طعن کرنے بیٹھ جائے تو شہزادوں کی شان میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ بھنگی کی رذالت میں اضافہ ہوگا۔

پنجم:... اہلِ سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، اولی الطائفتین بالحق تھے، لیکن دُوسرے اکابر پر نہ طعن و تشنیع جائز ہے، اور نہ ان کو قطعیت کے ساتھ اہلِ باطل کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ... جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا... ہر فریق اپنے اِجتہاد کے مطابق اپنے تئیں حق پر سمجھتے ہوئے محض رِضائے اِلٰہی کے لئے کوشاں تھا، ان تمام حضرات نے اپنے اِجتہاد سے حق کو پانے کی کوشش کی۔ اور مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی اس سے چوک ہوجاتی ہے۔ پہلی صورت میں اس کو دُہرا اَجر ملتا ہے، اور دُوسری صورت میں وہ ایک اَجر کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دُہرا اَجر ہے، بلکہ ایک روایت کے مطابق دس گنا اَجر ہے، اور دُوسرے حضرات بھی اپنے اِجتہاد کے مطابق معذور و ماجور ہیں، ان میں سے کوئی بھی اَجر سے محروم نہیں۔

ششم:... مشاجرات کے دوران جو اُمور غیر ارادی طور پر پیش آئے وہ بہر حال لائقِ افسوس تھے، ان واقعات کو سن کر آج ہم ایسے سیاہ باطن اور سنگ دِل لوگوں تک کو صدمہ ہوتا ہے، جن اکابر کے سر سے یہ واقعات گزرے، ان نفوسِ قدسیہ کے تأثر و تأسف کا کیا عالم ہوگا...؟ اِظہارِ تأسف کے الفاظ حضرت اُمّ المؤمنین حبیبۂ حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وعلیہا وسلم) ہی سے منقول نہیں، بلکہ اَمیر المؤمنین ویعسوب المسلمین مولانا علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں نقل کیا ہے کہ جنگ کے خاتمے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتولوں کے لاشوں میں گھوم رہے تھے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھی، آپ ان کے چہرے سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرمارہے تھے:

''رحمة الله عليک أبا محمد! يعز عليّ أن أراک مجدولًا تحت نجوم السماء. ثم قال: الى الله أشكو عجرى وبجرى، والله! لوددت أنى كنت مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة.'' (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۲۴۷)

ترجمہ:... ''ابومحمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو، مجھ پر یہ بات نہایت شاق گزر رہی ہے کہ میں تجھے آسمان کی چھت کے نیچے مقتول پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا: میں اپنے غم وحزن کی اللہ کے سامنے شکایت کرتا ہوں، بخدا! میں تمنا کرتا ہوں کہ میں آج کے دن سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔''

اس واقعے کو حاکمؒ نے ''مستدرک'' (ج:۳ ص:۳۷۲) میں، حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے ''سیر اعلام النبلاء'' (ج:۱ ص:۳۶) میں اور حافظ عماد الدین ہیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد'' (ج:۹ ص:۱۵۰) میں بھی ذکر کیا ہے، نیز مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے بہ سندِ جید یہ روایت نقل کی ہے:

''عن قيس بن عبّاد قال: شهدت عليًّا يوم الجمل يقول لابنه حسن: يا حسن! وددت أنّى مت منذ

عشرين سنة. رواه الطبراني واسناده جيد."

(مجمع الزوائد ج:۹ ص:۱۵۰)

ترجمہ:... "قیس بن عباد کہتے ہیں کہ: میں جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، آپؓ اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمارہے تھے: حسن! میں تمنا کرتا ہوں کہ آج سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔"

الغرض! اِظہارِ تأسف کے کلمات دونوں طرف سے منقول ہیں، اس لئے اُمّ المؤمنینؓ کے حق میں توبہ کے الفاظ اِستعمال کرنا سوءِ ادب سے خالی نہیں، ہاں! اس کو "حسنات الأبرار سيئات المقرّبين" میں شمار کرنا چاہئے۔

ہفتم:... حضراتِ شیعہ، حضرت اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں، اور ان کا نام بُرائی کے ساتھ ذِکر کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اِنصاف سے کام لیتے تو جس طرح وہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام کم سے کم رسمی طور پر تعظیم کے الفاظ سے ذِکر کرتے ہیں اسی طرح انہیں چاہئے تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی تعظیمی الفاظ میں ذکر کرتے، کیونکہ:

اوّلاً:... حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے خلافت ان کے حوالے کردی تھی، اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی، جیسا کہ اس سے قبل نقل کرچکا ہوں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمنِ صالح نہ ہوتے تو نہ خلافت ان کے سپرد کی جاتی اور نہ یہ اکابر ان کے ہاتھ پر بیعت فرماتے۔ روایات کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے شیعوں سے افضل اور بہتر مسلمان سمجھتے تھے، کیونکہ شیعہ مؤمنین نے حضرتِ اِمامؓ کو اس قدر ستایا کہ آپ نے تنگ آکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی، "احتجاج طبرسی" مطبوعہ ایران صفحہ:۱۴۸ میں ہے:

"۴-ج: عن زيد بن وهب الجهنيّ قال: لمّا

طعن الحسن بن علی علیهما السلام بالمدائن أتیته وهو متوجّع فقلت: ما تری یا ابن رسول الله! فانّ الناس متحیّرون؟ فقال: أری والله معاویة خیرًا لی من هؤلاء، یزعمون أنّهم لی شیعة ابتغوا قتلی وانتهبوا ثقلی، وأخذوا مالی، والله! لأن آخذ من معاویة عهدًا أحقن به دمی وآمن به فی أهلی خیر من أن یقتلونی فتضیع أهل بیتی وأهلی، والله لو قاتلت معاویة لأخذوا بعنقی حتّی یدفعونی الیه سلمًا." (بحارالانوار ج:۴۴ ص:۲۰)

ترجمہ:... ''زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ جب اِمام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا، اس وقت ان کو زخم کی تکلیف تھی، میں نے کہا: اے فرزندِ رسول! آپ کی کیا رائے ہے؟ لوگ بہت متحیر ہو رہے ہیں۔ اِمام نے کہا کہ: اللہ کی قسم! میں معاویہ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں، جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں، انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا اَسباب لوٹا اور میرا مال لے لیا، اللہ کی قسم! میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کرلوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہوجائے، یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کردیں اور میرے متعلقین ضائع ہوجائیں۔ واللہ! اگر میں معاویہؓ سے لڑتا تو شیعہ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہؓ کے حوالے کردیتے۔''

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شیعوں کو اپنے اِماموں سے کیسی محبت وعقیدت تھی...؟ ان کے گھر کا مال واَسباب لوٹ لیتے تھے اور ان کے قتل تک کے درپے ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اِمام کو اپنے شیعوں کے ''حسنِ عقیدت'' کی وجہ سے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ باعزت طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ

حضرتِ اِمامؓ، اَمیر معاویہؓ کو کم سے کم شیعوں سے بہتر مسلمان سمجھتے تھے۔

الغرض! جب شیعوں کے دو عالی قدر اِماموں (حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما) نے اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمالی اور خلافت ان کے سپرد کردی، تو ان کے تمام شیعوں پر ان کی بیعت لازم ہوگئی، اس لئے حضراتِ شیعہ کو لازم ہے کہ اَئمہ کی اِقتدا میں اپنے تئیں بیعتِ معاویہ کا پابند سمجھیں اور ان اکابر کی محبت و عقیدت کے تقاضے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اِحترام کریں۔ اب یہ کتنی بُری بات ہوگی کہ باپ تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے، اور ناخلف بیٹا اس کو گالیاں بکے۔ اِمام ایک شخص کے حلقہ بیعت میں داخل ہو، اور مقتدی اس کو بُرا کہیں۔

ثانیاً:... اگر شیعہ اِمامین ہمامین الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کی نہیں مانتے تو کم سے کم ان کے پدرِ بزرگوار اَسد اللہ الغالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ارشاد ہی پر کان دھریں:

ا:... ''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ حضرتؓ نے جنگِ صفین کے بعد اپنے لشکر کے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ اہلِ شام کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو آپؓ نے ان کو منع فرمایا، اہلِ شام کے لئے دُعائے خیر کرنے کا حکم فرمایا:

''انی أکرہ لکم أن تکونوا سبّابین، ولٰکنّکم لو وصفتم أعمالھم وذکرتم حالھم، کان أصوب فی القول، وأبلغ فی العذر، وقلتم مکان سبّکم ایّاھم: اللّٰھم أحقن دماءنا ودماءھم، وأصلح ذات بیننا وبینھم، وأھدھم من ضلالتھم، حتی یعرف الحق من جھلہ، ویرعوی عن الغی والعدوان من لھج بہ.''

(نہج البلاغہ ص:۳۲۳)

ترجمہ:... ''بے شک میں تمہارے لئے اس اَمر کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں بکنے والے بن جاؤ، اگر تم ان کے اعمال اور

ان کے صحیح حالات بیان کرتے تو یہ زیادہ صحیح بات ہوتی، اور اس سے حجت بھی تمام ہوجاتی، اور تم ان کے سبّ و شتم کے بجائے ان کے لئے یہ دُعا کرتے کہ: ''یااللہ! ہمارے اور ان کے خونوں کو محفوظ رکھ، ان کے اور ہمارے درمیان تعلقات کی اِصلاح فرما، اور ان کو اس گمراہی سے ہدایت فرما۔'' تو جو شخص حق سے بے خبر ہے وہ حق کو پہچان لیتا، اور جو گمراہی و سرکشی کی باتیں کرتا ہے، وہ اس سے باز آجاتا۔''

۲:... حضرتِ اَمیرؓ اہلِ شام کو کافر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کو اپنے بھائی سمجھتے تھے، اور یہ کہ انہوں نے اطاعت سے جو سرتابی کی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیں خونِ عثمان میں متہم سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم اس سے بَری ہیں۔ ''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ جنگِ صفّین کے بعد حضرتؓ نے اہلِ اَمصار کے نام گشتی فرمان جاری فرمایا جس میں اس قضیہ کی تشریح فرمائی:

''وكان بدء أمرنا أنا التقينا والقوم من أهل الشام، والظاهر أن ربنا واحد ونبيّنا واحد ودعوتنا فى الاسلام واحدة، ولا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا، الأمر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء.''

(نہج البلاغہ ص:۴۴۸)

ترجمہ:... ''ہمارے قضیہ کی اِبتدا یوں ہوئی کہ ہمارا اور اہلِ شام کا مقابلہ ہوا، حالانکہ ظاہر ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے، نبی ایک ہے اور دعوت فی الاسلام ایک ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ پر اِیمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا تعلق ہے، نہ ہم ان سے اس بارے میں کوئی مزید مطالبہ کرتے تھے، نہ وہ ہم سے، ہمارا سب کچھ ایک تھا، سوائے اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملے میں ہمارا اِختلاف ہوا اور ہم اس سے بَری ہیں۔''

حضرتِ اَمیرؓ کے اس نامۂ عنبر شامہ سے واضح ہے کہ اہلِ شام بھی ایسے ہی پکے سچے مسلمان ہیں جیسا کہ خود حضرتِ اَمیرؓ کے رُفقاء، اِختلاف ہے تو صرف اس نکتے میں کہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوہ کرنے والوں میں سے بقیۃ السیف حضرتِ امیرؓ کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزین تھے اور حضرتؓ کو ان کے خلاف کسی تادیبی کارروائی کا موقع میسر نہیں آیا تھا، اس لئے اہلِ شام حضرتِ اَمیرؓ سے برگشتہ ہوگئے، بلکہ انہیں یہ تک خیال ہوا کہ خونِ عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے، وحاشا جنابہ من ذٰلک...!

۳:...اور جنگِ صفّین سے واپسی کے بعد لوگوں سے حضرتِ اَمیرؓ فرماتے تھے کہ: اِمارتِ معاویہؓ کو بھی بُرا نہ سمجھو، کیونکہ وہ جس وقت نہ ہوں گے تو تم سروں کو گردنوں سے اُڑتے ہوئے دیکھو گے۔ (مقامِ صحابہؓ ص:۱۳۰، بحوالہ عقیدہ واسطیہ ص:۴۵۸)

۴:...حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خونِ عثمانؓ کے قصاص کی وجہ سے حضرتِ اَمیر رضی اللہ عنہ سے برسرِ پیکار تھے، ورنہ وہ حضرتِ اَمیرؓ کے علم و فضل کے دِل و جان سے معترف تھے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حلفاً فرماتے تھے کہ: ''علیؓ مجھ سے بہتر اور اَفضل ہیں'' اور یہ کہ ''میرا اور ان کا اِختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے مسئلے میں ہے، اگر وہ خود خونِ عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہلِ شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔''

(البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۲۵۹، ج:۸ ص:۱۲۹)

۵:... جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو رونے لگے، اہلیہ نے پوچھا کہ: ''آپ زندگی میں ان سے لڑتے رہے، اب روتے ہیں؟'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نہیں جانتیں کہ ان کی وفات سے کیسی فقہ اور کیسا علم دُنیا سے رُخصت ہوگیا۔'' (البدایہ والنہایہ ج:۸ ص:۱۲۹)

۶:...ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے کہا کہ: ''میرے سامنے علیؓ کے اوصاف بیان کرو!'' اس پر انہوں نے غیر معمولی الفاظ میں حضرت علیؓ کی تعریف کی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ''اللہ ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے، خدا کی قسم! وہ ایسے

ہی تھے۔'' (الاستیعاب تحت الاصابہ ج:۳ ص:۴۳،۴۴)

۷:... قیصرِ رُوم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا اِرادہ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصرِ رُوم کے نام ایک خط لکھا:

''اگر تم نے اپنا اِرادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کرلوں گا، پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہوگا اس کے پہلے سپاہی کا نام معاویہ ہوگا۔ اور میں قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنادُوں گا، اور تمہاری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اُکھاڑ پھینکوں گا۔''

(تاج العروس ج:۷ ص:۲۰۸، مادّہ: اصطفلین)

۸:... متعدّد موَرّخین نے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفّین وغیرہ کے موقع پر دِن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی، اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دُوسرے لشکر میں جاکر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۲۷۷)

الغرض! جب حضرتِ اَمیرؓ اور ان کے رُفقاء، حضرت معاویہؓ اور ان کے رُفقاء ایک دُوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں تو جنابِ اَمیرؓ کے نام لیواؤں کو یہی لازم ہے کہ ان کو مسلمان سمجھیں اور یہ کہ شبہ کی بنا پر ان حضرات سے چوک ہوگئی اور جیسا کہ حضرتِ اَمیرؓ نے ہدایت فرمائی اس پر ان کو بُرا بھلا کہنے کے بجائے ان کے لئے دُعائے خیر کریں۔

ثالثاً:... حضرت اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رُفقاء کو شرفِ صحابیت حاصل تھا اور جس کثرت و شدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب، ان کے مزایا و خصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام اَفرادِ اُمت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے، اس

لئے ان کی محبت عین محبتِ رسول ہے، اور ان سے بغض، بغضِ رسول کا شعبہ ہے، ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی نا قابلِ معافی جرم ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"الله! الله! في أصحابي، الله! الله! في أصحابي، لا تتخذوهم غرضًا من بعدي، فمن أحبّهم فبحبّي أحبّهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه." (ترمذی)

ترجمہ:... "اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے معاملے میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے معاملے میں، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو اِیذا دی اس نے مجھے اِیذا دی، اور جس نے مجھے اِیذا دی اس نے اللہ کو اِیذا دی، اور جس نے اللہ کو اِیذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔"

اُمت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لئے ان پر زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق اُمت کے کسی فرد کو حاصل نہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

"لا تسبّوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أُحد ذهبًا ما بلغ مُدّ أحدهم ولا نصيفه." (بخاری ومسلم)

ترجمہ:... "میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو، (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلے میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے، چنانچہ) تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اس

کے عشر عشیر کو۔“

مقامِ صحابہؓ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اُمت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردُود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اِظہار کریں، فرمایا:

”اذا رأیتم الذین یسبّون أصحابی فقولوا: لعنة اللہ علٰی شرکم.“ (ترمذی)

ترجمہ:... ”جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو: تم میں سے (یعنی صحابہؓ اور ناقدینِ صحابہ میں سے) جو بُرا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو بُرا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔“

آج سے تیئس سال پہلے اس ناکارہ نے مؤخر الذکر حدیث کے چند فوائد ماہنامہ ”بینات“ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں ذِکر کئے تھے، بتصرفِ یسیر اُن فوائد کو یہاں نقل کرتا ہوں:

۱:...حدیث میں ”سبّ“ سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے اِستخفاف میں کہا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں، بلکہ وہ قائل کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اَطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے، (وقد صرّح به بقوله: فمن آذاهم فقد آذانی) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اَطہر کو ایذا دینے میں حبطِ اَعمال کا خطرہ ہے، لقوله تعالٰی: ”اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ“ لہٰذا سبِّ صحابہؓ میں سلبِ اِیمان کا اندیشہ ہے۔

۳:...صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملتِ اسلامیہ کا فرض ہے، (فان الأمر للوجوب)۔

۴:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدینِ صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے، کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم

سلسلہ چل نکلے گا، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اُصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے: لعنة الله علىٰ شرّكم...!

۵:... "شـرّکم" کے لفظ میں دو اِحتمال ہیں، ایک یہ "شرّ" مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ: "تمہارے پھیلائے ہوئے شر پر اللہ کی لعنت!" دُوسرا اِحتمال یہ کہ "شرّکم" اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، جو مشاکلت کے طور پر اِستعمال ہوا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ: "تم میں سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو بھی بدتر ہو، اس پر اللہ کی لعنت!" اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقدینِ صحابہ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقیدِ صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔ تم ہوا پر اُڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جاسکے گا، آخر تم وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دِیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوّت سے مشرف ہوئے؟ ہاں! تم وہ دِل کہاں سے لاؤ گے جو اَنفاسِ مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دِماغ کہاں سے لاؤ گے جو اَنوارِ قدس سے منوّر ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدی میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اُتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کے دیئے جاتے اور تشنہ کامانِ محبت "هل من مزيد" کا نعرۂ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو "كأني أرى الله عيانًا" کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں "كـأنـمـا عـلـىٰ رؤسنا الطير" کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف "هـٰذا الأبـيـض الـمـتـكـئ" سے اشارے کئے جاتے تھے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے

مدینہ کے گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دِیدارِ محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ اِیمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دُنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانۂ نبوّت سے ناپ ناپ کر اَدا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینۂ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو ''صبغۃ اللہ'' کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے اِمام نبیوں کے اِمام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رَسولوں کے سردار تھے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میرے صحابہ کو لاکھ بُرا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی... نعوذ باللہ... میرے صحابہ بُرے ہیں تو کیا تم ان سے بدترین نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہ ؓ کے بارے میں زبان بند کرو...!

علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے:

اتھجوہ ولست لہ بکفوء

فشر کما لخیر کما فداء

ترجمہ:... ''کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجو کرتا ہے، جبکہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔''

۶:... حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقیدِ صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے۔ اب جب کوئی شخص کسی صحابیؓ کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ: ''اس نے عدل و اِنصاف کے تقاضوں کو

کما حقہٗ ادا نہیں کیا تھا'' تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفتِ عدل موجود ہے۔ یہ ہے تکبر کا وہ ''شر'' اور نفس کا ''خبث'' جو تنقیدِ صحابہ پر اُبھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ''شر'' کی اِصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷:...حدیث میں بحث و مجادلہ کا اَدب بھی بتایا گیا ہے، یعنی خصم کو براہِ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ: ''تم پر لعنت!'' بلکہ یوں کہا جائے کہ: ''تم دونوں میں جو بُرا ہو اس پر لعنت!'' ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے، اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب رہا یہ قصہ کہ ''تم دونوں میں بُرا'' کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد، یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات کو سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے اَخذ کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بُرا ہوسکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد...؟

۸:...حدیث میں: ''فقولوا'' کا خطاب اُمت سے ہے، گویا ناقدینِ صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت نہیں سمجھتے، بلکہ انہیں اُمت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں۔ اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دُوسرے معاصی پر ''فلیس منّا'' کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹:...حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموسِ شریعت کا اِہتمام تھا، اسی طرح ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حفاظت کا بھی اِہتمام تھا، کیونکہ ان ہی پر سارے دِین کا مدار ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدینِ صحابہ کی جماعت بھی ان ''مارقین'' میں سے ہے جن سے ''جہاد باللسان'' کا حکم اُمت کو دِیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

رابعاً:...جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمن بھی ہیں اور صحابی بھی، اور قرآنِ کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہلِ ایمان کو، خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامت کے دن رُسوا نہیں کریں گے، بلکہ توبہ کی برکت سے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت وحرمت کی برکت سے ان کی غلطیوں کو معاف کردیا جائے گا، چنانچہ ارشاد ہے:

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ، نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.“

(التحریم:۸)

ترجمہ:... ”اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دِل کی توبہ، اُمید ہے تمہارا ربّ اُتار دے گا تم پر سے تمہاری بُرائیاں اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے ربّ ہمارے! پوری کردے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو، بے شک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔“ (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اِن شاء اللہ حضرت معاویہ اور ان کے رُفقاء رضی اللہ عنہم اس آیت شریفہ کا مصداق ہوں گے، اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ پر بے مقصد تنقید کرنے کے بجائے ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے اور ہمیں وہی دُعا کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے:

”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ.“

(الحشر:۱۰)

ترجمہ:... ”اے ربّ! بخش ہم کو، اور ہمارے بھائیوں کو

جو ہم سے پہلے داخل ہوئے اِیمان میں اور نہ رکھ ہمارے دِلوں میں
بیر اِیمان والوں کا، اے رَبّ! تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔‘‘
(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

خامساً:... حضرتِ اَمیرؓ اس پر تعجب کا اِظہار فرماتے تھے کہ زمانے کی بوالعجبی اور ستم ظریفی دیکھو کہ ان کا تقابل معاویہؓ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ’’نہج البلاغہ‘‘ میں ہے کہ حضرتؓ نے اَمیر معاویہؓ کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا:

”فيا عجبا للدهر! اذ صرت يقرن بي من لم يسع بقدمي، ولم تكن له كسابقتي.“ (نہج البلاغہ ص:۳۶۹)

ترجمہ:... ’’زمانے کی بوالعجبی دیکھو! کہ میرے ساتھ ملایا جاتا ہے اس شخص کو جو مجھ سے قدم ملا کر نہیں چل سکا، اور جس کے سوابقِ اِسلامیہ مجھ جیسے نہیں۔‘‘

مطلب یہ کہ ایک طرف حضرت علیؓ کے فضائل وکمالات، ان کے سوابقِ اِسلامیہ اور دِین کی خاطر ان کی جاں فروشی کے واقعات کو رکھو اور دُوسری طرف حضرت اَمیر معاویہؓ کے حالات کو دیکھو! دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا۔ حضرت اَمیر معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے کیا مقابلہ؟ یہ السابقون الاوّلون کے اَئمہ میں سے ہیں، اور وہ مسلمۃ الفتح کے لوگوں میں سے، یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی صف کے آدمی ہیں، اور ان کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، دونوں کو ایک ہی ترازو سے تولنا اور ایک ہی پیمانے سے ناپنا بوالعجبی اور ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟

یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ جس طرح حضرت اَمیر معاویہؓ کو حضراتِ خلفائے راشدینؓ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ کتنے ہی بلند و بالا ہوں) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں، اگر اَمیر معاویہؓ خلفائے راشدینؓ کے مقابلے میں فروتر نظر آتے ہیں، تو بعد کے لوگ حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں صفر نظر آتے ہیں، اگر وہاں آسمان و زمین کا فاصلہ ہے، تو یہاں عرش سے تحت الثریٰ تک کا فاصلہ ہے۔

حافظ ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں:

فلم یکن من ملوک المسلمین خیر من معاویة، ولا کان الناس فی زمان ملک من الملوک خیرًا منھم فی زمن معاویة، اذا نسبت أیّامه الٰی أیّام من بعده، وأمّا اذا نسبت الٰی أیّام أبی بکر وعمر ظھر التفاضل.'' (منہاج السنۃ ج:۳ ص:۱۸۵)

ترجمہ:... ''جب تم حضرت معاویہؓ کے دور کا بعد کے زمانوں سے مقابلہ کرکے دیکھوگے تب معلوم ہوگا کہ سلاطینِ اسلام میں کوئی بھی معاویہؓ سے اچھا نہیں تھا، نہ کسی بادشاہ کے زمانے میں لوگ اتنے اچھے تھے، جتنے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں، ہاں! ان کے دور کا مقابلہ شیخینؓ کے دور سے کروگے تو دونوں زمانوں کا فرق ظاہر ہوگا۔''

الغرض! جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے کرنا بوالعجبی ہے، اسی طرح ناقدینِ معاویہ کا ان کو اپنے اُوپر قیاس کرنا بھی کچھ کم بوالعجبی و ستم ظریفی نہیں۔ ان ناقدین میں آخر کون ہے جس کو بحالتِ ایمان زیارتِ نبوی کا شرف حاصل ہوا ہو، اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِقتدا میں نمازیں پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو؟ ایسا کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور برادرِ نسبتی ہونے کا فخر حاصل ہو؟ ایسا کون ہے جس کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دُعا ہو؟

''عن عبدالرحمٰن بن أبی عمیرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم أنه قال لمعاویة: اللّٰھم اجعل ھادیًا مھدیًا واھد به.'' (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۷۹)

ترجمہ:... ''عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دُعا

فرمائی: اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا، ہدایت یافتہ بنا دیجئے، اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔"

سلف صالحین اس فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے تھے اور حضرت معاویہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ اِمام قتادہؒ فرماتے تھے کہ: "اگر تم لوگ حضرت معاویہؓ جیسے عمل کرنے لگو تو اکثر لوگ تمہیں مہدی سمجھنے لگیں۔" اِمام مجاہدؒ فرماتے تھے کہ: "اگر تم لوگ حضرت معاویہؓ کا زمانہ دیکھ لیتے تو ان کو مہدی سمجھتے۔" اِمام اَعمشؒ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کا تذکرہ آیا تو فرمانے لگے کہ: "اگر تم معاویہؓ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟" عرض کیا گیا: کیا ان کے حلم و بُردباری کو دیکھ کر؟ فرمایا: "نہیں! اللہ کی قسم! ان کے عدل و انصاف کو دیکھ کر۔" اِمام ابو اِسحاق سبیعیؒ فرماتے ہیں: "اگر تم حضرت معاویہؓ کو اور ان کے زمانے کو دیکھ لیتے تو یہ کہتے کہ یہ تو مہدی ہیں۔" اِمام ابو اِسحاقؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ: "میں نے حضرت معاویہؓ کے بعد ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔" (منہاج السنۃ ج:۳ ص:۱۸۵)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں، صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کا ارشاد ہے:

"لمشهد رجل منهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يغبر فيه وجهه، خير من عمل أحدكم عمره، ولو عمر عمر نوح." (ابوداؤد، کتاب السنۃ ص:۶۳۹)

ترجمہ:... "ان میں سے ایک آدمی کا کسی ایک موقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا، جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، تمہارے عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے، خواہ کسی کو عمرِ نوح نصیب ہوجائے۔"

قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ اِمام معافی بن عمرانؒ سے عرض کیا گیا کہ: حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا درجہ کیا ہے؟ سن کر نہایت غضب ناک

ہوئے اور فرمایا:

"لا یقاس بأصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم أحد، معاویة صاحبه، وصهره، وکاتبه، وأمینه علیٰ وحی اللہ." (تطہیر الجنان: ابنِ حجر مکیؒ ص:۱۰)

ترجمہ:... "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحابؓ کے مقابلے میں کسی کو ذِکر نہیں کیا جاتا، معاویہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، آپ کے برادرِ نسبتی ہیں، آپ کے کاتب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپ کے امین ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ: حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

"واللہ! ان الغبار الذی دخل فی أنف فرس معاویة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أفضل من عمر بألف مرّة، صلّٰی معاویة خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "سمع اللہ لمن حمدہ" فقال معاویة رضی اللہ عنه: ربّنا لک الحمد! فما بعد ھٰذا الشرف الأعظم؟" (حوالہ بالا)

ترجمہ:... "اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو غبار حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِقتدا میں نماز پڑھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُکوع سے اُٹھتے ہوئے "سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہا، پیچھے سے حضرت معاویہؓ نے کہا: "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ!" پس اس عظیم تر شرف کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے...؟"

انصاف کیجئے! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت اور صحابیت کا جو شرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر آیا، کیا بعد کے لوگوں کو اس دولت کا کوئی شمہ نصیب ہوسکتا ہے؟ تو کیا پھر ناقدینِ معاویہ کو "ایاز! قدر خویش بشناس!" کا مشورہ نہ دیا جائے...؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو زبانِ نبوّت سے جنت واجب ہوچکی ہے، صحیح بخاری، "باب ما قیل فی قتال الرُّوم" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

"أوّل جیش من اُمّتی یغزو البحر قد أوجبوا."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۴۱۰)

ترجمہ:... "میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (جنت کو اپنے لئے) واجب کرلیا۔"

بالاجماع اس "اوّل جیش" کے اَمیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لئے ان کا جنتی ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ کیا ناقدین میں سے بھی کسی کو جنت کی سند حاصل ہے...؟ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ۔

۵:... فتاویٰ عزیزی میں "الصحابة کلّهم عدول" کی بحث:

آنجناب نے چھٹے نکتے میں فرمایا ہے کہ:

"حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی میں "الصحابة کلّهم عدول" کے تحت دو مقامات پر جو تصریحات کی ہیں وہ اس حقیر کے نزدیک دُرست ہیں، جن سے صحابہ کرامؓ کا غیر معصوم اور "محدود" ہونا ثابت ہوتا ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے "الصحابة کلّهم عدول" کی بحث میں دو باتیں ذِکر فرمائی ہیں:

اوّل:... یہ کہ اکابر صحابہ کرامؓ گناہوں سے محفوظ تھے، لیکن معصوم نہیں تھے۔ صحابہؓ میں سے بعض پر حدود کا بھی اِجرا ہوا، اس کے باوجود شرفِ صحابیت کا مقتضا یہ ہے کہ

ان پر طعن نہ کیا جائے جس طرح کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے زلات پر طعن جائز نہیں۔

دوم:... یہ کہ تمام صحابہ کرامؓ روایتِ حدیث میں ثقہ اور عادل ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی عبارت بقدرِ حاجت درج ذیل ہے:

"علم عقائد کے متون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہئے، تو متون میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے، لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجوہِ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے بارے میں ہو، تو اس روایت سے عقائد کے اس مسئلے میں کچھ حرج لازم نہیں آتا، اور اَصحابِ متون کی یہ مراد نہیں کہ سب صحابہؓ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجودِ طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں اس واسطے کہ کسی صحابی کے بارے میں شربِ خمر ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ مشکوۃ میں ہے اور بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے حدود ان پر قائم کیا ہے، اور حسانؓ بن ثابت اور مسطح بن اثاثہؓ سے قذف کا صادر ہونا ثابت ہوا، ان پر حد بھی جاری ہوئی اور ماعز اسلمیؓ سے زِنا صادر ہوا اور وہ رجم کئے گئے۔

البتہ حضراتِ صحابہ کرامؓ بحیثیت صحابہ ہونے کے واجب الاحترام ہیں، اہلِ اسلام کو چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن کی زبان دراز نہ کریں تاوقتیکہ ان میں سے کسی سے نفاق و اِرتداد قطعی طور پر معلوم نہ ہو، مثلاً ابوذر غفار رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح بخاری کی حدیث میں وارِد ہے:

"انک امرء فیک جاهلية"

ترجمہ... "تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے"

تو اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ابوذرؓ مردِ

جاہل تھے۔ اور ایسا ہی ابوجہیمؓ کے بارے میں، جو بہترین صحابہؓ میں سے تھے، صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

"لا یضع عصاہ عن عاتقہ"

ترجمہ:... "اپنے کندھے سے اپنی لٹھ نہیں اُتارتا"

یہ کنایہ ہے اس سے کہ آپ بہت زدوکوب اور سیاست اپنی عورتوں اور خادموں کی کرتے تھے۔ اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ابوجہیمؓ مردِ ظالم تھے۔ بلکہ اگر ان سے اُوپر نظر کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے لفظ عتاب آمیز وارِد ہوا، تو اُمت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان الفاظ کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کچھ کلام کریں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

"وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی"

ترجمہ:... "اور آدم نے سرکشی کی اور نافرمان ہوگیا"

حالانکہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عاصی وغاوی کہنا کفر ہے۔ اور مثلاً کلامِ پاک میں ہے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

ترجمہ:... "نہیں ہے معبود دیگر سوا تیرے، پاک ہے تو، اور میں ظالموں میں سے ہوں۔"

اور یہ کلامِ پاک میں ہے:

"اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ، فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ، فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ" (الصافات)

یہ آیتیں شان میں حضرت یونس علیہ السلام کے ہیں، حالانکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں "بھگوڑا" اور "ظالم"، "ملیم"

کہنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ متون کی عبارت بھی صحیح ہے کہ بلحاظ رعایتِ اَدب کے اُمت کے اَفراد کو چاہئے کہ کسی صحابی کی شان میں طعن نہ کریں، اور حدیثِ مذکور بھی صحیح ہے، وہ باعتبار واقع کے ہے، اور یہی صحیح عقیدہ اہلِ سنت کا ہے۔ شکر اللہ سعیہم، اور کتبِ اُصول میں جو مرقوم ہے کہ:

"الصحابة کلّهم عدول"

یعنی "سب حضراتِ صحابہؓ عادل ہیں"

تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معتبر ہیں۔ ہرگز صحابہؓ سے کذب روایاتِ حدیث میں ثابت نہ ہوا، چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارے میں کسی صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے، نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسبب ارتکاب بعض کبائر کے محدود ہوئے، البتہ صحابہ کبارؓ سے عمداً گناہ صادر نہ ہوئے، وہ اس سے محفوظ رہے۔"

(فتاویٰ عزیزی، اُردو ص:۲۱۶، ۲۱۷)

کاش! کہ حضراتِ اہلِ تشیع حضرت شاہ صاحبؒ کی ان دونوں باتوں کو پلے باندھ لیتے تو سارا جھگڑا ختم ہوجاتا۔

۶:... "مقامِ صحابہؓ" از مفتی محمد شفیعؒ:

ساتویں نکتے میں آنجناب نے مفتیٔ اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے رسالے "مقامِ صحابہؓ" میں ذِکر کی گئی بحثوں کی تصویب فرمائی ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے رسالے کے مباحث اُوپر ضمناً آچکے ہیں، تاہم "سلف صالحین اور علمائے اُمت کے ارشادات کا خلاصہ" کے عنوان سے حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مباحث کا جو خلاصہ درج

کیا ہے، اس کو جناب کی عبرت کے لئے نقل کردیتا ہوں:

''ا:... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بلا اِستثناء سب صحابہ کرامؓ کے حق میں فرمایا: ''وہ پاک دِل، عادات واخلاق میں سب سے بہتر، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں، ان کی قدر کرنا چاہئے۔''

۲:... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ پر تین الزام لگائے گئے، تو باوجودیکہ ان تین الزاموں میں ایک صحیح بھی تھا، مگر حضرت ابنِ عمرؓ نے مدافعت فرمائی اور اِلزام لگانے والوں کو ملزم ٹھہرایا۔

۳:... افضل التابعین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بلا اِستثناء سب صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ: صحابہ کرامؓ اُمت کے سابقین اور ان کے مقتدا ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔

۴:... حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے قتالِ صحابہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ: یہ معاملہ ایسا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اس میں حاضر اور موجود تھے اور ہم غائب، وہ حالات ومعاملات کی صحیح حقیقت جانتے تھے، ہم نہیں جانتے، اس لئے جس چیز پر وہ متفق ہوگئے ہم نے ان کا اِتباع کیا، اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا اس میں ہم نے توقف اور سکوت کیا۔

۵:... حضرت محاسبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمائی کہ ان حضراتِ صحابہؓ نے جو عمل اختیار کیا اس میں وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، اس لئے ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس معاملے میں ان کا اتفاق ہوتو ہم ان کا اِتباع کریں، اور جس میں اختلاف ہو وہاں توقف اور

سکوت اختیار کریں، کوئی نئی رائے اپنی طرف سے قائم نہ کریں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے اِجتہاد کی بنا پر کیا اور ان کا مقصود اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل تھی، کیونکہ یہ حضرات دِین کے معاملے میں متہم نہیں تھے۔

۶:... حضرت اِمام شافعی رحمہ اللہ نے مشاجراتِ صحابہؓ میں گفتگو کرنے کے متعلق فرمایا کہ: یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے (کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے)، اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنی زبانوں کو بھی اس خون سے آلودہ نہ کریں (یعنی کسی صحابی پر حرف گیری نہ کریں اور کوئی اِلزام نہ لگائیں بلکہ سکوت اختیار کریں)۔

۷:... اِمام مالکؒ کے سامنے جب ایک شخص نے بعض صحابہ کرامؓ کی تنقیص کی تو آپ نے قرآن کی آیت: "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" سے "لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" تک تلاوت فرمائی اور کہا کہ: جس شخص کے دِل میں کسی صحابی کی طرف سے غیظ ہو وہ اس آیت کی زَد میں ہے، ذکرہ الخطیب أبوبکر۔ اور حضرت اِمام مالکؒ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتے ہیں کہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے، مگر اس کی جرأت نہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی بُرائی کرنے لگے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ... معاذ اللہ... خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُرے آدمی تھے، اگر وہ اچھے ہوتے تو ان کے صحابہ بھی صالحین ہوتے۔

۸:... اِمام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرامؓ کی بُرائی کا تذکرہ کرے یا ان پر کسی

عیب اور نقص کا طعن کرے، اور اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اسے سزا دینا واجب ہے۔ اور فرمایا کہ: تم جس شخص کو کسی صحابی کا بُرائی کے ساتھ ذِکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام و اِیمان کو متہم و مشکوک سمجھو۔

اور اِبراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو، مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر سبّ و شتم کی، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔

۹:... اِمام ابوزرعہ عراقی رحمہ اللہ اُستاذِ مسلمؒ نے فرمایا کہ: تم جس شخص کو کسی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زِندیق ہے، جو قرآن و سنت سے اُمت کا اِعتماد زائل کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس کو زِندیق اور گمراہ کہنا ہی حق و صحیح ہے۔

یہ تو چند اَسلافِ اُمت کے خصوصی ارشادات ہیں، اس کے علاوہ مذکور الصدر روایات و عبارات میں اس کو اُمت کا اِجماعی عقیدہ بتلایا ہے جس سے اِنحراف کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔

مشاجراتِ صحابہؓ کے معاملے میں صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمۂ مجتہدینؒ کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ خواہ اس وجہ سے کہ ہم ان پورے حالات سے واقف نہیں جن میں یہ حضراتِ صحابہؓ گزرے ہیں یا اس وجہ سے کہ قرآن و سنت میں ان کی مدح و ثناء اور رِضوانِ خداوندی کی بشارت اس کو مقتضی ہے کہ ہم ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھیں، اور ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو اس کو معاف قرار دے کر ان کے معاملے میں کوئی ایسا حرف زبان سے نہ نکالیں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسرِ شان ہوتی ہو، یا جو اُن کے لئے سببِ اِیذا ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی اِیذا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اِیذا ہے۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو اس معاملے میں محقق بن کر بہادری کا مظاہرہ کرے اور ان میں سے کسی کے ذمہ اِلزام ڈالے۔"

(مقامِ صحابہؓ ص:۱۱۶تا۱۱۹)

صحابہؓ کی سیرت، سیرتِ نبوی کا جز ہے:

اس ناکارہ کے اس فقرے پر کہ: "صحابہؓ کی سیرت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک حصہ ہے" آنجناب نے شدید اِحتجاج فرمایا، مجھے توبہ کی تلقین فرمائی اور یہ لکھا کہ:

"ایسا دعویٰ تو کوئی پڑھا لکھا نہیں کرسکتا، کیونکہ اس طرح صحابہ کرامؓ کے سارے گناہ اور لغزشیں بھی آنحضرتؐ کی سیرت کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔"

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ مجھے توبہ سے تو عذر نہیں، جو شخص بھی اس گنہگار کو توبہ کی تلقین کرے وہ اس کا محسن ہے، لیکن آنجناب کی توجہ چند اُمور کی طرف دِلانا چاہتا ہوں:

اوّلاً:... آپ اُوپر ساتویں نکتے میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالے "مقامِ صحابہؓ" سے اِتفاق کرچکے ہیں، اور یہ مفتی صاحبؒ کے الفاظ ہیں جن پر مجھے آپ توبہ کی تلقین فرمارہے ہیں: "ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزو ہے۔"

(مقامِ صحابہؓ ص:۸)

ثانیاً:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہؓ سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان پر اُوپر گفتگو آچکی ہے کہ اوّل تو وہ معدوم کے حکم میں ہیں۔ پھر ان سے توبہ و اِنابت ثابت ہے، جس سے گناہ مٹ جاتا ہے، اور اس کی جگہ نیکی لکھ دی جاتی ہے: "اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ"۔ آپ حضرات کے لئے "یارانِ نبی" کے عیوب مزے لے لے کر بیان کرنا ایک لذیذ مشغلہ ہے، لیکن اس ناکارہ کے لئے ان الفاظ کا سننا بھی شدید مجاہدہ ہے، آپ کی نظر صفائی انسپکٹر کی طرح ہمیشہ گندی جگہوں پر ہی جاتی ہے، اور اس ناکارہ کو حسنِ محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اب میں اپنی نظر کو کیا کروں؟ اور

آپ کو اپنی نظر کہاں سے خرید کرلا دُوں...؟

ثالثاً:...زبان ومحاورے کی عدالت میں میرا زیرِ بحث فقرہ پیش کردیجئے، کیا کوئی سخن داں اس سے وہ مفہوم کشید کرے گا جو آپ نے کشید کرنا چاہا ہے؟ بندۂ خدا! ''سیرت'' کا لفظ بول کر گناہ اور لغزشیں کون مراد لیا کرتا ہے؟ آپ نے ''سیرت'' کے لفظ میں گناہوں اور بُرائیوں کا مفہوم ٹھونس کر لفظ ''سیرت'' ہی کی مٹی پلید کرڈالی۔

رابعاً:...اچھا فرض کرلیجئے کہ یہ لفظ بُرائیوں کو بھی شامل ہے، میں پوچھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ سے جو لغزشیں سرزد ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جو عتاب یا عقاب فرمایا، کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حصہ نہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کا ذِکر کئے بغیر سیرتِ نبوی کی تکمیل ہوسکتی ہے؟ الغرض! صحابہ کرامؓ کے کمالات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ تربیت کا مرقع ہیں ہی، ان اکابر کی لغزشیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تادیبی پہلو کو نمایاں کرتی ہیں، اور ان سے حسنِ جمالِ محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جھلک نظر آتی ہے۔

باب سوم

شیعہ اور قرآن

اس ناکارہ نے ''اِختلافِ اُمت'' میں ایک مختصر سا نوٹ لکھا تھا کہ شیعوں کا قرآنِ کریم پر اِیمان نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، اس ضمن میں درج ذیل نکات کی طرف اشارہ کیا تھا:

۱:...شیعوں کے عقیدۂ اِمامت اور بغضِ صحابہ کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ ان کا قرآنِ کریم پر اِیمان نہ ہو۔

۲:...شیعوں کے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ رِوایات کتبِ شیعہ میں موجود ہیں کہ ظالموں نے قرآنِ کریم میں تحریف کردی۔

۳:...ان رِوایات کے بارے میں شیعہ علماء کے تین اقرار ہیں:

پہلا اِقرار یہ کہ یہ روایات متواتر ہیں۔

دُوسرا اِقرار یہ کہ یہ روایات تحریفِ قرآنِ کریم پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور ان میں تأویل کی گنجائش نہیں۔

تیسرا اِقرار یہ کہ شیعہ کا ان روایات کے مطابق عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ہاتھ میں جو قرآن ہے، وہ...نعوذ باللہ...تحریف شدہ ہے۔

۴:...تیسری صدی تک شیعوں کے ائمہ مجتہدین اور علماء اس پر متفق تھے کہ اصل قرآن ائمہ کے پاس ہے اور موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے، البتہ چوتھی اور پانچویں صدی میں گنتی کے چار آدمی ایسے تھے جنھوں نے عقیدۂ تحریفِ قرآن کا اِنکار کیا۔

۵:...ان اَشخاص کا اِنکار محض تقیہ پر مبنی تھا، ورنہ وہ تحریفِ قرآن کے خود بھی قائل تھے۔

۶:...یہ چار اَشخاص اپنے دعوے کی تائید میں اپنے اَئمہ معصومین کا قول نہیں پیش کرسکتے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

۷:...جن شیعوں نے تحریف کا اِنکار کیا، انہیں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بزرگی وعظمت پر اِیمان لانا پڑا، جس سے شیعہ مذہب کی جڑ بنیاد اُکھڑ کر رہ جاتی ہے، اور تشیع کی پوری عمارت زمین بوس ہوجاتی ہے۔

ان سات نمبروں سے واضح ہوجاتا ہے کہ جس طرح ''آتش وپنبہ'' کو جمع کرنا ممکن نہیں، اسی طرح شیعہ عقیدہ، ایمان بالقرآن کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوسکتا، اگر کسی کو اِیمان بالقرآن عزیز ہے تو اس کو لازم ہے کہ شیعہ مذہب سے توبہ کرلے، اور اگر کسی کو شیعہ مذہب سے عشق ہے تو یہ دولت اسے اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کہ ایمان بالقرآن سے دستبردار ہوجائے۔ اگر کوئی شخص شیعہ مذہب کا بھی دَم بھرتا ہے اور قرآن پر اِیمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو یا تو وہ اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہے یا پھر دِیدہ ودانستہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے، اور اپنے مذہب کو چھپانے کی غرض سے ''دروغ مصلحت آمیز'' سے کام لے کر تقیہ کرتا ہے، کیونکہ سیّد ابوالحسن بحرانی کے بقول عقیدۂ تحریف مذہبِ تشیع کے ضروریات میں سے ہے:

مومن قرآن شدن با رفض دوں
ایں خیال است ومحال است وجنوں

مختصر یہ کہ اگر قرآن سچا ہے تو شیعہ مذہب جھوٹا ہے، اور اگر شیعہ مذہب سچا ہے تو قرآن کو... نعوذ باللہ... غلط کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

آنجناب نے میرے ذِکر کردہ مندرجہ بالا نکات میں سے نہ کسی پر جرح اور نہ میرے کسی جملے سے تعرض فرمایا۔ اس کے باوجود اِرشاد فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کے بارے میں آپ نے شیعہ نظریات کی

صحیح ترجمانی نہیں کی، ہمارے عقیدے کے مطابق یہ وہی قرآن مجید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آغازِ بعثت سے لے کر تا وقتِ وفات وحی الٰہی کے ذریعے نازل ہوتا رہا اور بلا کم وکاست ہم تک لفظاً لفظاً پہنچا ہے۔ جہاں تک اس کی ترتیب کا تعلق ہے تو وہ زمانی اعتبار سے مطابق نزول نہ علمائے اہلِ سنت مانتے ہیں اور نہ ہم، جس طرح اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اس کی ترتیب مطابق نزول تو نہیں البتہ توقیفی ضرور ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی اس کی ترتیب توقیفی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم نے فرمائی تھی، اور یہ قرآن علیٰ حالہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک بلا تغیر وتبدل چلا آرہا ہے۔''

آنجناب کا یہ اِلزام کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی نہیں کی، یا تو اپنے مذہب سے بے خبری پر مبنی ہے، یا آپ نے تقیہ کر کے اپنے مذہب کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال میں نے جو اُوپر سات نمبر ذِکر کئے ہیں، شیعوں کی مستند کتابوں کے حوالوں سے ان کی شرح وتفصیل کئے دیتا ہوں، اسی سے یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی کی تھی یا آنجناب لیلائے تشیع کے حسین چہرے کو تقیہ کی سیاہ نقاب میں چھپانے کی کوششِ بے سود فرمارہے ہیں، وَاللہُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔

کسی شیعہ کا قرآن پر اِیمان نہیں، نہ ہوسکتا ہے ___ اس کی تین وجوہ:

جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا: کسی شخص کے لئے شیعہ مذہب پر رہتے ہوئے اِیمان بالقرآن ممکن ہی نہیں، اس کی بہت سی وجوہ ہیں، ان میں سے یہاں صرف تین وجوہ پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ: راویانِ قرآن... نعوذ باللہ... جھوٹے تھے:

یہ بات تو ہر خاص و عام بلکہ ہر مسلم و کافر جانتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رُخصت ہوئے تو قریباً سوا لاکھ افراد اپنی نبوت کے گواہ چھوڑ گئے، جن کو "صحابہ کرامؓ" کہا جاتا ہے، دِین و اِیمان کی ایک ایک چیز بعد کی اُمت کو صحابہ کرامؓ ہی کی نقل و روایت اور ان ہی کے واسطے سے پہنچی، قرآنِ کریم بھی انہیں کے ذریعے سے پہنچا۔

شیعہ مذہب کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی تھی، کیونکہ شیعوں کے مطابق اس جماعت کے دو گروہ تھے، پہلا گروہ خلفائے ثلاثہؓ اور ان کے ہم نواؤں کا، یہی بڑا گروہ تھا، اور چار پانچ کے علاوہ باقی تمام صحابہؓ اسی گروہ میں شامل تھے۔ دُوسرا گروہ حضرت علیؓ کا اور ان کے رُفقاء کا، جس میں گنتی کے کل چار پانچ آدمی شامل تھے اور بس۔ چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ مذہب کے بقول تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرکے مرتد ہوگئے تھے۔

یہاں "احتجاج طبرسی" کی روایت کا ایک جملہ مزید ملاحظہ فرمالیجئے:

"ما من الأُمة أحد بايع مكرها غير عليّ وأربعتنا." (احتجاج طبرسی ص:۴۹)

ترجمہ:... "اُمت میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس نے ناخوشی سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی ہو، سوائے حضرت علیؓ کے اور ہمارے چار اَشخاص کے۔"

چار اَشخاص سے مراد: سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ ہیں۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ اَشخاص کے علاوہ پوری اُمت نے دِل و جان سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی، صرف یہ پانچ آدمی تھے، جن کی زبان تو ابوبکرؓ کے ساتھ تھی، مگر دِل کسی اور طرف تھے، بہرحال حضرت ابوبکرؓ کی (جو بقول شیعہ "رئیس المرتدین" تھے) بیعت ان پانچ نے بھی کی۔

شیعہ مذہب کہتا ہے کہ پوری اُمت نے (سوائے ان پانچ اَفراد کے) دِل و جان سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرکے اِرتداد و نفاق کا راستہ اِختیار کیا، اور ان پانچ اَفراد

نے بہ اَمرِ مجبوری حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر کے تقیہ کا راستہ اِختیار کیا، اس لئے صحابہ کرامؓ کی پوری کی پوری جماعت جھوٹی تھی۔ فرق یہ ہے کہ پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام ''نفاق'' ہے، اور دُوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام ''تقیہ'' ہے۔ دُوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ جھوٹ کو عبادت نہیں سمجھتا تھا، اور دُوسرا گروہ ''تقیہ'' کے نام سے جھوٹ کو بہت بڑی عبادت سمجھتا تھا، جیسا کہ تقیہ کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اب انصاف سے بتائیے کہ جب شیعہ مذہب کی رُو سے صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی ٹھہری، تو جو قرآن ...نعوذ باللہ... ان جھوٹوں کی نقل و رِوایت کے ذریعے بعد کی اُمت کو پہنچا، اس پر شیعوں کو اِیمان کیسے ہوسکتا ہے؟ اور نہ صرف قرآن کا بلکہ دِین کی کسی چیز کا شیعوں کو کسی طرح اِعتبار نہیں ہوسکتا، کیونکہ دِین کی ہر چیز صحابہ کرامؓ کی نقل و رِوایت ہی سے بعد والوں کو پہنچی ہے، اور ظاہر ہے کہ جھوٹوں اور جھوٹ پر اِتفاق کرنے والوں کی نقل و رِوایت پر کسی طرح یقین و اِیمان نہیں ہوسکتا۔

حضراتِ خلفائے ثلاثہؓ کو برحق نہ ماننے کا یہ بدیہی نتیجہ ہے کہ دِین کی کوئی ایک بات بھی لائقِ اِعتبار نہیں رہتی۔ اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''ازالۃ الخفا'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''لاجرم نور توفیق اِلٰہی در دل ایں بندۂ ضعیف علمی را مشروع ومبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلاف ایں بزرگواران اصلی ست از اصول دین تاوقتی کہ این اصل رامحکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود۔''
>
> (ازالۃ الخفاء ج:۱ ص:۱)
>
> ترجمہ:... ''بغیر شک وشبہ کے نورِ توفیقِ اِلٰہی نے اس بندۂ ضعیف کے دِل میں ایک عظیم الشان علم کو کھولا، یہاں تک علم الیقیں کے ساتھ معلوم ہوا کہ حضراتِ خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کا اِثابت، اُصولِ دِین میں سے ایک اہم ترین اُصول ہے، جب تک کہ اس

اصل کو محکم نہ پکڑیں، تب تک مسائلِ شریعت میں سے کوئی مسئلہ بھی
ثابت نہیں ہوسکتا۔''

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

''ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بہ حقیقت ہدم جمیع
فنون دینیہ خواہد۔'' (ایضاً)

ترجمہ:... ''جو شخص کہ اس اصل کو توڑنے کی کوشش کرتا
ہے، وہ درحقیقت تمام علومِ دینیہ کو منہدم کردینا چاہتا ہے۔''

شیعوں کے قرآن پر اِیمان نہ ہونے کی دُوسری وجہ:

یہ وجہ تین مقدمات سے مرکب ہے:

اوّل:... شیعوں کے ائمہ معصومین کی روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ قرآن مجید، جو اس وقت دُنیا میں موجود ہے، جو ہمیشہ سے پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ دُنیا میں ہمیشہ رہے ہیں، اور اِن شاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ الغرض یہ قرآن مجید جو سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے، حضراتِ خلفائے ثلاثہؓ کے اِہتمام و اِنتظام سے جمع ہوا اور انہیں کے ذریعے پوری دُنیا میں پھیلا۔

دوم:... شیعوں کے ائمہ معصومین کی طرف سے اس قرآن مجید کی کوئی قابلِ اعتماد توثیق وتصدیق بھی منقول نہیں۔

سوم:... خلفائے ثلاثہؓ کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف بے دِین تھے، بلکہ دِین کے بدترین دُشمن تھے، دِین کے خلاف سازشیں کرنا ان کا پیشہ تھا، اسی کے ساتھ وہ ایسی مافوق الفطرت قوّت وطاقت کے مالک تھے جو ناممکن کو ممکن بنالیتی تھی۔ چنانچہ ہزاروں اَفراد کے مختلف المزاج اور مختلف الاغراض مجمع کو جھوٹی بات پر متفق کرلینا اور ایک ایسا واقعہ جو ہزاروں آدمیوں نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو، ان سب کو اس واقعے کے اِنکار پر متفق کرلینا عقلاً ناممکن ہے، لیکن یہ ناممکن ان کے لئے بڑا آسان تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضراتِ شیعہ کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

سے واپسی پر غدیرِ خم میں ستر ہزار اِنسانوں کے عظیم مجمع کے سامنے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علیؓ کے فضائل ومناقب بیان کر کے ان کی خلافت وولی عہدی کا اعلان فرمایا۔ خطبے کے بعد تمام حضرات نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی، تین دن تک مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب نے بیعت کی۔ (ترجمہ حیات القلوب ج:۲ ص:۸۲)

لیکن تھوڑے دنوں بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت علیؓ کی خلافت کا وقت آیا تو شیعہ روایات کے مطابق خلفائے راشدینؓ نے ان بے شمار اِنسانوں کو اس بات پر متفق کر دیا کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنے کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں، اور سب سے کہلوا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "علی کی جانشینی" کا کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا اور حسنؓ اور حسینؓ کی اُنگلی پکڑ کر مہاجرینؓ وانصارؓ میں سے ایک ایک کے دروازے پر گئے، مگر خدا جانے خلفائے ثلاثہؓ نے لوگوں پر کیا جادو کر دیا تھا کہ سوائے تین چار آدمیوں کے ایک فرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔

(احتجاج طبرسی ص:۴۷)

اس کی دُوسری مثال یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِمامِ نماز نہیں بنایا تھا، مگر خلفائے ثلاثہؓ نے خلافِ واقعہ اس بات کو تمام صحابہؓ سے منوالیا کہ مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ گویا خلفائے ثلاثہؓ نے اس جھوٹ کو متواتر بنا دیا اور سب کو اس پر متفق کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کسی صحابی کے سامنے یہ سوال آیا کہ مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کس کو مقرّر فرمایا تھا؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ حضرت ابوبکر کو! کسی نے بھی ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا۔

الغرض! کسی متواتر واقعے سے دُنیا بھر کے آدمیوں کو مکرا دینا اور جو واقعہ کبھی پیش نہ آیا ہو، اس کو متواتر بنا دینا، خلفائے ثلاثہؓ کے لئے ....بقول شیعہ...نہایت آسان کام تھا۔

مزید برآں یہ کہ یہ حضرات بڑی پُر شوکت سلطنت اور تاج وتخت کے مالک تھے، شیعوں کے بقول دِین کے خلاف سازشیں کرنا اور دھونس اور دھاندلی کے ساتھ کسی چیز کو منوالینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

ان تین اُمور کو سامنے رکھو اور پھر اِنصاف کرو کہ جو قرآن ...شیعوں کے بقول... ایسے مکار، دُشمنانِ دِین کے ذریعے پہنچا ہو، اور کسی باوثوق ذریعے سے اس قرآن کی تصدیق بھی نہ ہوسکی ہو، کیا دُنیا کا کوئی عقل مند شیعہ ایسے قرآن پر اِیمان رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں...!

اِمامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''ان تینوں باتوں کو غور کرنے کے بعد اِنصاف سے بتاؤ کہ قرآن مجید کا کیا اِعتبار رہ گیا؟ دِین کی اتنی بڑی چیز اس دِین کے دُشمن کے ہاتھ سے ملے اور دُشمن بھی کیسا طاقت ور، اور پھر اس کے بعد کاذب و خائن بھی ہو، کسی دُوسرے ذریعے سے اس چیز کی تصدیق بھی نہ ہو، تو کیا وہ چیز لائقِ اِعتبار ہوسکتی ہے؟ اور کس طرح یہ اِطمینان ہوسکتا ہے کہ اس دُشمن نے اس میں کچھ تصرف نہ کیا ہوگا؟ حاشا ثم حاشا، ہرگز نہیں...!

وہ زمانہ تو بالکل آغازِ اِسلام کا تھا، اس وقت پریس وغیرہ بھی نہ تھے، آج اگر کوئی یہودی یا آریہ قرآن شریف لکھ کر فروخت کرے تو کوئی مسلمان اس پر اِعتبار نہ کرے گا، نہ اس کو خریدے گا، تاوقتیکہ کسی معتبر حافظ کو دِکھلا کر یا کسی صحیح نسخے سے مقابلہ کرکے اِطمینان نہ کرلے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی شیعہ کا اِیمان قرآن شریف پر نہیں ہوسکتا۔''

(اقامة البرهان علیٰ انه الشیعة أعداء القرآن، مندرجہ یازدہ نجوم ص:۱۵)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی تیسری وجہ:

اس وجہ میں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

ا:...شیعوں کی نہایت معتبر کتابوں میں جن پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے، اس مضمون کی دو ہزار سے زائد رِوایتیں ان کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں کہ...نعوذ باللہ... قرآنِ کریم کے جمع کرنے والوں نے قرآنِ کریم میں تحریف کردی ہے، اور یہ تحریف پانچ قسم کی ہے:

اوّل:...قرآنِ کریم کی بہت سی آیتیں اور سورتیں نکال دیں۔

دوم:...اپنی طرف سے عبارتیں بناکر قرآن میں داخل کردیں۔

سوم:...قرآن کے الفاظ بدل دیئے۔

چہارم:...حروف تبدیل کردیئے۔

پنجم:...اس کی ترتیب اُلٹ پلٹ کردی۔

قرآنِ کریم میں ترتیب چار قسم کی ہے:

اوّل:...سورتوں کی ترتیب۔

دوم:...آیتوں کی ترتیب۔

سوم:...الفاظ کی ترتیب۔

چہارم:...حروف کی ترتیب۔

ان چاروں قسم کی ترتیب کے خراب کئے جانے کا بیان شیعہ روایات میں موجود ہے۔

۲:...علمائے شیعہ نے تحریفِ قرآن کی ان روایات کے بارے میں تین باتوں کا اِقرار کیا ہے:

پہلا اِقرار:...یہ کہ تحریف کی روایات متواتر ہیں، اور ان کی تعداد مسئلۂ اِمامت کی روایات سے کسی طرح کم نہیں۔

دُوسرا اِقرار:... یہ کہ یہ روایات تحریفِ قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، ان کی کوئی تأویل نہیں ہوسکتی۔

تیسرا اِقرار:... یہ کہ شیعہ ان روایات کے مطابق تحریفِ قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

میں اپنے رسالے ''ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر'' میں تحریفِ قرآن کی روایات اور علمائے شیعہ کے یہ تینوں اِقرار نقل کرچکا ہوں۔ یہاں مزید اِضافوں کے ساتھ پانچ قسم کی تحریف کی رِوایات اور علمائے شیعہ کے تینوں اِقرار دوبارہ نقل کرتا ہوں۔

قرآنِ کریم میں کم کئے جانے کی روایات:

ا:... ''اُصولِ کافی'' شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے، جس کے مصنف جناب محمد بن یعقوب کلینی ''ثقة الاسلام'' کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور وہ بیک واسطہ اِمامِ معصوم مفترض الطاعۃ اِمام حسن عسکریؒ کے شاگرد ہیں۔ یہ کتاب اِمامِ غائب کی غیبتِ صغریٰ کے زمانے میں لکھی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سفیروں کے ذریعے یہ کتاب اِمامِ غائب کی خدمت میں بھیجی گئی، اِمامِ غائب نے اس کو ملاحظہ فرماکر اس کی تصدیق فرمائی، اور فرمایا: ''ھٰذا کافٍ لشیعتنا'' یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اس لئے اس کا نام ''الکافی'' رکھا گیا۔ (مقدمہ اُصولِ کافی ج:۱ ص:۲۰، مطبوعہ ایران)

اُصولِ کافی، کتاب الامامۃ کے ایک باب کا عنوان ہے:

''باب انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الأئمة علیھم السلام۔'' (ج:۱ ص:۲۲۸)

اس باب کی احادیث میں ثابت کیا گیا ہے کہ پورا قرآن اَئمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ اَئمہ کا جمع کیا ہوا نہیں، لہٰذا اس کا ناقص ہونا ثابت ہوا۔

۲:... اسی کتاب میں ایک باب کا عنوان ہے: ''باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایة'' یعنی ''یہ باب ہے اس بیان میں کہ اِمامت کے متعلق قرآن میں قطع و

برید کی گئی' اس باب میں ایک روایت یہ ہے:

"۸- الحسین بن محمد، عن معلّی بن محمد، عن علیّ بن أسباط، عن علیّ بن أبی حمزة، عن أبی بصیر، عن أبی عبدالله علیه السلام فی قول الله عزّ وجلّ: "ومن یطع الله ورسله (فی ولایة علی [وولایة] الأئمة من بعده) فقد فاز فوزًا عظیما" هٰکذا نزلت."

(أصولِ کافی ج:۱ ص:۴۱۴)

ترجمہ:... "ابو بصیر اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: "ومن یطع الله ورسوله فی ولایة علی وولایة الأئمة من بعد فقد فاز فوزا عظیما" اسی طرح نازل ہوا تھا۔"

اب قرآن مجید میں "فی ولایة علی وولایة الأئمة من بعده" کے الفاظ نہیں، ان الفاظ کے بغیر آیت کا مطلب یہ ہے جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ مگر ان الفاظ کے اِضافے کے ساتھ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: کامیابی کا وعدہ صرف ان اَحکامات سے متعلق ہے جو حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کی اِمامت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳:... اسی کتاب کے بابِ مذکور میں عبداللہ بن سنان سے روایت ہے:

"عن أبی عبدالله علیه السلام فی قوله: "ولقد عهدنا الٰی اٰدم من قبل (کلمات فی محمد وعلیّ وفاطمة والحسن والحسین والأئمة من ذریتهم) فنسی" هٰکذا والله أنزلت علٰی محمد صلی الله علیه وآله."

(ج:۱ ص:۴۱۶)

ترجمہ:... "اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "ولقد عهدنا الٰی اٰدم من قبل کلمات فی

محمد وعليّ وفاطمة والحسن والحسين والأئمة من ذريتهم فنسي" اللہ کی قسم! اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کیا گیا تھا۔"

ف:...اب قرآن شریف میں "کلمات في محمد وعليّ وفاطمة والحسن والحسين والأئمة من ذريتهم" کے الفاظ نہیں، بغیر ان الفاظ کے آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے ہی حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گئے۔ اور وہ حکم دُوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے کھانے کی ممانعت کی گئی تھی، مگر ان الفاظ کے ساتھ یہ مطلب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو محمد وعلی وفاطمہ وحسنین ودیگر ائمہ کے متعلق کوئی حکم دیا گیا تھا، اور وہ حکم کافی کی دُوسری روایات میں، نیز اور بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت آدم کو ائمہ پر حسد کرنے کی ممانعت کی گئی تھی، مگر انہوں نے حسد کیا، اور اسی کی سزا میں جنت سے نکال دیئے گئے (یہ روایات مسئلۂ اِمامت کی چوتھی بحث کے گیارہویں غلوّ کے ذیل میں نقل کرچکا ہوں، وہاں ملاحظہ فرمایئے)۔

۴:...اسی کتاب کے بابِ مذکور میں روایت ہے:

"عن أبي جعفر عليه السلام قال: نزل جبريل بهٰذه الآية علٰى محمد صلى الله عليه وآله: بئسما اشتروا به أنفسهم أن يكفروا بما أنزلنا في عليّ بغيا."

(ج:۱ ص:۴۱۷)

ترجمہ:...''اِمام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جبریل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر اس طرح لے کر آئے تھے: بئسما اشتروا به انفسهم أن يكفروا بما أنزل الله (في علي) بغيا۔''

ف:...اب قرآن مجید میں "في عليّ" کے الفاظ نہیں، بغیر اس لفظ کے اس آیت میں خدا کی ہر نازل کی ہوئی چیز کے اِنکار کی مذمت تھی، مگر اس لفظ کے ساتھ صرف

اِمامتِ علیؓ کے اِنکار کی مذمت ہوئی۔

۵:...اسی کتاب کے بابِ مذکور میں اِمام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"نزل جبرئیل علیہ السلام بھٰذہ الآیة علٰی محمد ھٰکذا: وان کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علٰی عبدنا (فی علیّ) فأتوا بسورة من مثله." (ج:۱ ص:۴۱۷)

ترجمہ:... "جبریل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لے کر آئے تھے: ان کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علٰی عبدنا (فی علی) فأتوا بسورة من مثله۔"

ف:...اب اس آیت میں "فی علیّ" کا لفظ نہیں ہے، اس آیت میں قرآن شریف کا معجزہ ہونا بیان فرمایا ہے کہ اس کے مثل ایک سورت بھی کوئی نہیں بنا سکتا۔ "فی علیّ" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ پورا قرآن مجید معجزہ نہیں تھا، بلکہ اِعجاز صرف ان آیتوں میں تھا جو حضرت علیؓ کے متعلق تھیں۔ مگر افسوس کہ اب وہ آیتیں قرآن مجید میں نہیں رہیں...!

۶:...اسی کتاب کے بابِ مذکور میں اِمام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

"قول اللّٰہ عزّ وجلّ "کبر علی المشرکین (بولایة علیّ) ما تدعوھم الیه یا محمد من ولایة علیّ" ھٰکذا فی الکتاب مخطوطة." (ج:۱ ص:۴۱۸)

ترجمہ:... "اللہ عزوجل کا قول: "کبر علی المشرکین (بولایة علی) ما تدعوھم الیه (یا محمد من ولایة علی)" اسی طرح قرآن میں لکھا ہوا ہے۔"

اَئمہ کے قرآن میں اسی طرح ہوگا، مگر ہمارے قرآن پاک میں تو اَب "ولایۃ علیؓ" اور "یا محمد من ولایۃ علی" کہیں نہیں۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مشرکوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ دِین ناگوار ہے، مگر ان انوکھے الفاظ کے ملانے سے مطلب یہ ہوا کہ

حضرت علی کی اِمامت میں جولوگ شرک کرتے ہیں، صرف ان کو آپ کی دعوتِ دِین اور وہ بھی فقط اِمامتِ علی کے متعلق ناگوار ہے، باقی حصہ آپ کی دعوت کا کسی کو ناگوار نہیں، نہ توحید ناگوار ہے، نہ رِسالت، نہ اور کچھ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ...!

۷:...اسی کتاب کے بابِ مذکور میں اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"قول الله تعالٰی: "سأل سائل بعذاب واقع للکافرین (بولایة علی) لیس له دافع" ثم قال: هٰکذا والله نزل بها جبرئیل علیه السلام علٰی محمد صلی الله علیه و آله." (ج:۱ ص:۴۲۲)

ترجمہ:..."اللہ تعالیٰ کا قول: "سأل سائل بعذاب واقع للکافرین (بولایة علی) لیس له دافع" اسی طرح اللہ کی قسم! جبریل، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر نازل ہوئے تھے۔"

ف:...اب "بولایۂ علی" کا لفظ آیت میں نہیں ہے، آیت میں مطلق کافروں کے عذاب کا ذِکر تھا کہ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے آیت میں صرف اِمامتِ علی کے کفر کرنے والوں کا عذاب بیان ہوا کہ اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

۸:...اسی کتاب کے بابِ مذکور میں اِمام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"۵۸- أحمد بن مهران، عن عبدالعظیم بن عبدالله، عن محمد بن الفضیل، عن أبی حمزة، عن أبی جعفر علیه السلام قال: نزل جبرئیل علیه السلام بهٰذه الآیة علٰی محمد صلی الله علیه و آله هٰکذا: فبدّل الذین ظلموا (آل محمد حقّهم) قولًا غیر الذی قیل لهم فأنزلنا علی الّذین ظلموا (آل محمد حقّهم) رجزًا من السماء بما کانوا یفسقون." (ج:۱ ص:۴۲۳، روایت:۵۸)

ترجمہ:... ''جبریل علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے: فبدل الذین ظلموا (آل محمد حقّهم) قولا غیر الذی قیل لهم فانزلنا علی الذین ظلموا (آل محمد حقّهم) رجزا من السماء بما کانوا یفسقون۔''

ف:... اب قرآن مجید میں اس آیت میں ''آل محمد حقّهم'' کا لفظ دونوں جگہ سے نکلا ہوا ہے، بغیر اس لفظ کے آیت میں بنی اسرائیل کے واقعے کا بیان ہے کہ ان سے خدا نے فرمایا تھا کہ اس بستی میں جاؤ اور بستی میں داخل ہوتے وقت ''حطة'' کہنا، مگر انہوں نے اَز رَاہِ شرارت اس لفظ کو بدل دیا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذکر بنی اسرائیل کا نہیں، بلکہ... نعوذ باللہ... صحابہ کرامؓ کا حال بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے آلِ محمد پر ظلم کیا اور اس کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب آیا۔ مگر افسوس کہ واقعات سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ براہِ عنایت کوئی مجتہد صاحب بتادیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون سا ظلم آلِ محمد پر کیا تھا؟ اور کون سا عذاب ان پر آسمان سے آیا تھا...؟

اسی قسم کی روایات اس کتاب کے بابِ مذکور میں بکثرت ہیں۔

۹:... اسی کتاب میں ''کتاب فضائل القرآن'' کے باب النوادر میں اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''ان القرآن الذی جاء به جبریل علیه السلام الٰی محمد صلی الله علیه وآله سبعة عشر ألف آیة.''

(ج:۲ ص:۶۳۴)

ترجمہ:... ''بہ تحقیق جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر آئے تھے، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔''

ف:... اب قرآن شریف میں علیٰ اِختلاف الروایات چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں

ہیں، لہٰذا آدھے سے بہت زیادہ قرآن نکل گیا۔

۱۰:... کتاب ''احتجاج'' شیعہ مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے، اس کے مصنف شیخ احمد ابی طالب طبرسی نے دیباچۂ کتاب میں لکھ دیا ہے کہ اس کتاب میں سوا اِمام حسن عسکری کے اور جس قدر ائمہ کے اقوال ہیں، ان پر اِجماع ہے، یا وہ عقل کے موافق ہیں، یا اس قدر سیر وغیرہ کی کتاب میں ان کی شہرت ہے کہ مخالف و موافق سب کا ان پر اِتفاق ہے۔ اس کتاب کے صفحہ: ۱۱۹ سے لے کر صفحہ: ۱۳۲ تک ایک طویل روایت حضرت علی مرتضیٰؓ سے منقول ہے کہ ایک زِندیق نے آنجناب کے سامنے کچھ اِعتراض قرآن پر کئے، اور آپ نے قریب قریب ہر اِعتراض کے جواب میں فرمایا کہ قرآن میں تحریف ہوگئی ہے۔ اس روایت سے قرآن شریف میں پانچوں قسم کی تحریف ثابت ہوتی ہے۔ کمی کے متعلق جو مضامین اس روایت میں ہیں، وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک اِعتراض ایک زِندیق نے یہ کیا تھا کہ قرآن مجید میں: ''فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النِسآء'' یعنی اگر تم کو اَندیشہ ہو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کرسکو گے تو جن عورتوں سے چاہو نکاح کرلو۔ زِندیق نے کہا کہ: شرط و جزا میں کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حق میں انصاف نہ کرسکو تو عورتوں سے نکاح کرلو، ایک بالکل بے جوڑ بات ہے۔ جنابِ اَمیر علیہ السلام اس اِعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں:

''وأما ظهورك علٰى تناكر قوله فان خفتم ألّا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء، ولیس یشبه القسط فی الیتامی نکاح النساء ولا کل النساء أیتاما فهو مما قدمت ذکره من أسقاط المنافقین من القرآن وبین القول فی الیتامٰی وبین نکاح النساء من الخطاب والقصص أکثر من ثلث القرآن وهٰذا وما أشبه مما ظهرت حوادث المنافقین فیه لأهل النظر والتأمل ووجد المعطلون وأهل الملل المخالفین للاسلام

مساغا الی القدح فی القرآن.'' (احتجاج ص:۱۲۹)

ترجمہ:... ''اور تجھ کو جو اللہ کے قول ''فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النِّسآء'' کے ناپسندیدہ ہونے پر اطلاع ہوئی، اور تو کہتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرنا، عورتوں سے نکاح کرنے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا، اور نہ کل عورتیں یتیم ہوتی ہیں۔ پس اس کی وجہ وہی ہے جو میں پہلے تجھ سے بیان کرچکا ہوں کہ منافقوں نے قرآن سے بہت کچھ نکال ڈالا، ''فی الیتمٰی'' اور ''فَانکِحوا'' کے درمیان میں بہت سے اَحکام اور قصے تھے، تہائی قرآن (یعنی دس پارے) سے زیادہ وہ سب نکال ڈالے گئے، اسی وجہ سے بے ربطی ہوگئی۔ اس قسم کی منافقوں کی تحریفات کی وجہ سے جو اہلِ نظر و تأمل کو ظاہر ہوجاتی ہیں، بے دِینوں اور اِسلام کے مخالفوں کو قرآن پر اِعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔''

جنابِ اَمیرؓ اس زِندیق کے کسی اِعتراض کا جواب نہ دے سکے، اس روایت کو دیکھ کر صاف کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں کی طرح ان کے جنابِ اَمیرؓ بھی ...نعوذ باللہ... قرآن کے سمجھنے سے عاجز و قاصر تھے، حالانکہ آج اہلِ سنت کے ایک ادنیٰ طالبِ علم سے پوچھو تو وہ بھی اس آیت کا ربط اچھی طرح بیان کردے گا۔ آیت میں ''یتامیٰ'' سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں، بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرتے تھے اور ان کا مہر بھی کم باندھتے تھے، دُوسرے حقوق بھی ادا نہ کرتے تھے، کیونکہ ان یتیموں کی طرف سے کوئی لڑنے جھگڑنے والا تو تھا ہی نہیں، لہٰذا آیت میں حکم دیا گیا کہ اگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح نہ کرو، بلکہ اور عورتوں سے نکاح کرلو۔

میں نے ''ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر'' میں لکھا تھا کہ قرآنِ کریم میں ''فان خفتم'' کا لفظ نہیں بلکہ ''وَاِنْ خِفْتُمْ'' (واوٴ کے ساتھ) ہے، زِندیق تو خیر زِندیق تھا، وہ

قرآنِ کریم کو صحیح کیوں پڑھتا؟ تعجب ہے کہ اس روایت کے مطابق جنابِ اَمیرؓ نے بھی اپنے جواب میں آیت کو غلط ہی نقل کیا، گویا حضرت علیؓ کو... نعوذ باللہ... نہ تو قرآن کے الفاظ صحیح یاد تھے، اور نہ وہ قرآنِ کریم کے جملوں میں ربط و تعلق سے آگاہ تھے۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جنابِ اَمیرؓ نے اس زِندیق سے فرمایا:

"ولو شرحت لک ما أسقط وحرّف وبدّل مما یجری هٰذه المجری لطال وظهر ما تحظر التقیة اظهاره." (ایضاً ص:۱۲۹)

ترجمہ:... "اگر میں تجھ سے تمام وہ آیتیں بیان کردُوں جو قرآن سے نکال ڈالی گئیں اور تحریف کی گئیں اور بدل دی گئیں جو اسی قسم کی کارروائیاں ہوئیں تو بہت طول ہوجائے اور تقیہ جس چیز کو روکتا ہے، وہ ظاہر ہوجائے۔"

ف:... تعجب ہے کہ قرآن کو محرّف کہنے اور جامعینِ قرآن کو منافق کہنے سے تقیہ نے نہ روکا، مگر مقاماتِ تحریف معین کرنے سے تقیہ نے روک دیا، کیونکہ مقاماتِ تحریف کے معلوم ہوجانے سے بقیہ قرآن بکارآمد ہوجاتا، تقیہ کو یہ کب گوارا تھا...؟

نیز اسی روایت میں ہے کہ جنابِ اَمیرؓ نے اس زِندیق سے کہا:

"لو علم المنافقون لعنهم الله من ترک هٰذه الآیات التی بینت لک تأویلها الا سقطوها مع ما أسقطوا منه." (احتجاج طبرسی ص:۱۲۹)

ترجمہ:... "اگر منافقوں کو، خدا انہیں لعنت کرے، معلوم ہوجاتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں کیا خرابی ہے جن کی تاویل میں نے بیان کی تو ضرور وہ ان آیتوں کو بھی نکال ڈالتے جس طرح اور آیتیں نکال ڈالیں۔"

۱۱:... تفسیر برہان اور تفسیر صافی کے مقدمے میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام

محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"ان القرآن قد طرح منه آی کثیرة."

(مقدمہ تفسیر البرہان، مقدمہ ثالثہ، فصل اوّل ص:۳۷)

ترجمہ:... "بہ تحقیق قرآن سے بہت سی آیتیں نکال ڈالی گئیں۔"

نیز اسی کتاب میں اِمام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"ولو قری القرآن کما أنزلنا لالفیتنا فیه مسمئین." (ص:۳۷)

ترجمہ:... "اگر قرآن اسی طرح پڑھا جائے جیسا کہ نازل کیا گیا، تو یقیناً تم قرآن میں ہمارے نام پاؤ گے۔"

۱۲:... "تفسیر قمی"، جس کے مصنف علی بن ابراہیم قمی، اِمام حسن عسکری کے شاگرد اور محمد بن یعقوب کلینی کے اُستاد ہیں، بڑی معتبر کتاب ہے اور رِوایاتِ تحریف سے لبریز ہے، من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ:

"وأما ما هو محذوف عنه فهو قوله لکن الله یشهد بما أنزل الیک فی علیّ کذا أنزلت (ثم قال) ومثله کثیر." (مقدمہ ج:۱ ص:۱۰)

ترجمہ:... "لیکن وہ آیتیں جو قرآن سے نکال ڈالی گئیں ان کی ایک مثال یہ ہے: "لکن الله یشهد بما انزل الیک فی علیّ" یہ آیت اس طرح نازل ہوئی (پھر چند مثالوں کے بعد لکھا ہے کہ) اس کی مثل بہت ہے۔"

قرآن شریف میں بڑھائے جانے کی روایتیں:

۱:... کتاب "احتجاج" مطبوعہ ایران کی اس طویل روایت میں، جس کا ذِکر اُوپر ہوا، اس زِندیق کا ایک اِعتراض یہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام

نبیوں پر بیان کی ہے، حالانکہ جتنی تعریف بیان کی ہے اس سے کہیں زیادہ ان کی بُرائی اور توہین قرآن میں ہے کہ اس قدر توہین اور کسی نبی کی قرآن میں نہیں ہے۔ زِندیق کے اس اِعتراض کو بھی شیعوں کے جنابِ اَمیر نے تسلیم کرلیا اور تسلیم کرکے حسبِ ذیل جواب دیا کہ:

"والذی بدا فی الکتب من الاذراء علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ من فریۃ الملحدین." (ص:۱۳۲)

ترجمہ:... "کتاب یعنی قرآن میں جو بُرائی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہے، یہ ملحدوں کی افترا کی ہوئی (یعنی جامعین کی بڑھائی ہوئی) ہے۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جنابِ اَمیرؓ نے اس زِندیق سے کہا:

"أنهم أثبتوا فی الکتب ما لم یقله اللہ لیلبسوا علی الخلیقة." (ص:۱۲۶)

ترجمہ:... "ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کردیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ مخلوق کو فریب دیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جنابِ اَمیرؓ نے کہا:

"ولیس یسوغ مع عموم التقیة التصریح بأسماء المبدلین ولا الزیادة فی آیاته علیٰ ما أثبتوه من تلقائهم فی الکتاب لما فی ذٰلک من تقویة حجج أهل التعطیل والکفر والملل المنحرفة عن ملّتنا وابطال هٰذا العلم الظاهر الذی قد استکان له الموافق والمخالف."

(ص:۱۲۶)

ترجمہ:... "تقیہ کی ضرورت اس قدر ہے کہ نہ میں ان لوگوں کے نام بتاسکتا ہوں، جنھوں نے قرآن میں تحریف کی، نہ اس میں زیادتی کو بتاسکتا ہوں جو انہوں نے قرآن میں درج کی، جس

سے اہلِ تعطیل و کفر اور مذاہبِ مخالفہ اسلام کی تائید ہوتی ہے اور اس علمِ ظاہر کا اِبطال ہوتا ہے جس کے موافق و مخالف سب قائل ہیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ اس زِندیق سے جنابِ اَمیرؓ نے جمعِ قرآن کا قصہ یوں بیان کیا:

"ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعملون تأويله الى جمعه وتأويله وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرح، مناديهم من كان عنده شيء من القرآن فليأتنا به ووكلوا تأليفه عظمه الى بعض من وافقهم الى معاداة أولياء الله فألفه على اختيارهم." (ص:۱۳۱،۱۳۲)

ترجمہ:... "پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل پوچھے جانے لگے جن کو وہ نہ جانتے تھے تو مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں، اس کی تفسیر کریں اور قرآن میں وہ باتیں بڑھائیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کریں۔ لہٰذا ان کے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو، وہ ہمارے پاس لے آئے، اور ان منافقوں نے قرآن کی جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے سپرد کیا جو دوستانِ خدا کی دُشمنی میں ان کا ہم خیال تھا، اور اس نے ان کی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔"

پھر اسی روایت میں بڑی وضاحت کے ساتھ جنابِ اَمیرؓ کا یہ قول بھی ہے:

"وزادوا فيه ما ظهر تناكره وتنافره." (ص:۱۳۲)

ترجمہ:... "اور بڑھادیں انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں جن کا خلافِ فصاحت اور قابلِ نفرت ہونا ظاہر ہے۔"

ف:... احتجاج طبرسی کی ان روایات سے حسبِ ذیل اُمور معلوم ہوئے:

اوّل:... یہ کہ اس قرآن میں ...نعوذ باللہ... نبی کی توہین قرآن کے جمع کرنے والوں نے بڑھائی ہے۔

دوم:... یہ کہ قرآن مذہبِ باطلہ اور مخالفینِ اسلام کی تائید کرتا ہے، شریعت کو مٹا رہا ہے، کفر کے ستون اس سے قائم ہوتے ہیں۔

سوم:...اس قرآن میں ایسی عبارتیں بڑھادی گئی ہیں جو قابلِ نفرت اور خلافِ فصاحت ہیں۔

چہارم:... یہ نہیں معلوم کہ یہ بڑھائی ہوئی عبارتیں کون کون اور کہاں کہاں ہیں؟

پنجم:...اس قرآن کے جمع کرنے والے منافق اور کفر کے ستون قائم کرنے والے اور دوستانِ خدا کے دُشمن تھے، انہوں نے اپنی پسند وخواہش کے مطابق قرآن کو جمع کیا۔

۲:... تفسیر البرہان اور تفسیرِ صافی کے مقدمے میں، تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ اِمام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"لو لا أنه زید فی القرآن ونقص ما خفی حقنا علٰی ذی حجی." (مقدمہ ثالثہ، فصل اوّل ص:۳۷)

ترجمہ:... "اگر قرآن میں بڑھایا نہ گیا ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہمارا حق کسی عقل مند پر پوشیدہ نہ ہوتا۔"

ف:... خیر اور کچھ ہو یا نہ ہو، مگر اِتنا تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن شریف مذہبِ شیعہ کے بالکل خلاف ہے، حتیٰ کہ مسئلۂ اِمامت اور ائمہ کا حق بھی اس سے ثابت نہیں ہوسکتا، اور یہ قرآن سنیوں کی تائید کرتا ہے، ان کے ستون کو قائم کرتا ہے۔

قرآن شریف کے حروف والفاظ کے بدلے جانے کی روایتیں:

تفسیر قمی میں ہے:

"وأما ما کان خلاف ما أنزل اللہ فھو قولہ

تعالٰی: ”کنتم خیر أمة أُخرجت للناس“ الآیة. قال أبو عبدالله علیہ السلام لقاری ہٰذہ الآیة خیر أمة یقتلون أمیر المؤمنین والحسین بن علی فقیل لہ فکیف نزلت یا ابن رسول الله فقال: انما أنزلت خیر أئمة أخرجت للناس.“ (ص:۱۰)

ترجمہ:... ”اور وہ چیزیں جو قرآن میں موجود ہیں خلاف ما انزل اللہ ہیں۔ پس وہ (مثلاً) یہ آیت ہے: کنتم خیر اُمة یعنی ”تم لوگ تمام ان اُمتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں“ اِمام جعفر صادقؒ نے اس آیت کے پڑھنے والے سے کہا کہ: واہ کیا اچھی اُمت ہے جس نے اَمیر المؤمنین کو اور حسین بن علی کو قتل کردیا؟ پوچھا گیا کہ: پھر یہ آیت کس طرح اُتری تھی اے فرزندِ رسول؟ تو فرمایا: یہ آیت اس طرح اُتری تھی: ”کنتم خیر أئمة“ یعنی: اے ائمہ اثنا عشر! تم تمام اِماموں سے بہتر ہو۔“

ف:... معلوم ہوا کہ قرآن میں ”خیر اُمة“ کا لفظ غلط ہے، ”خیر ائمہ“ نازل ہوا تھا، الفاظ تبدیل کردیئے گئے۔

۲:... نیز اسی تفسیر میں ہے:

”ومثلہ آیة قرأت علٰی أبی عبدالله ”الذین یقولون ربنا ہب لنا من أزواجنا وذریاتنا قرة أعین واجعلنا للمتقین اماما“ علیہ السلام: لقد سألوا الله عظیما أن یجعلھم للمتقین اماما فقیل لہ: یا ابن رسول الله! کیف نزلت؟ فقال: انما نزلت واجعل لنا من المتقین اماما.“ (تفسیر قمی)

ترجمہ:... ”اِمام جعفر صادقؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

''الذین یقولون'' یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ: ''اے رَبّ ہمارے! بخش دے ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی، اور بنادے ہم کو متقیوں کا اِمام'' تو اِمام جعفر صادق ؒ نے فرمایا کہ: انہوں نے اللہ سے بڑی چیز مانگی کہ ان کو متقیوں کا اِمام بنادے۔ پوچھا گیا کہ: اے فرزندِ رسول اللہ! یہ آیت کس طرح اُتری تھی؟ تو فرمایا کہ: اس طرح اُتری تھی: ''واجعل لنا من المتقین'' یعنی ہمارے لئے متقیوں میں سے کوئی اِمام مقرّر کردے۔''

چونکہ اِمامت کا مرتبہ شیعوں کے یہاں نبوّت سے بھی بڑھا ہوا ہے، جیسا کہ اِمامت کی بحث میں گزر چکا ہے، اس لئے اِمام نے آیت کو غلط کہہ دیا کہ اس میں اِمامت کی درخواست خدا سے کی گئی، اس روایت میں حروف کی تبدیلی ہے۔

۳:...اُصولِ کافی، کتاب الحجہ، ''باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ'' میں ہے:

''۶۲ - أحمد، عن عبدالعظیم، عن الحسین بن هیّاح، عمّن أخبره، قال: قرأ رجل عند أبی عبدالله علیه السلام: "قل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمؤمنون" فقال: لیس هٰکذا هی، انّما هی والمأمونون، فنحن المأمونون.''

ترجمہ:... ''ایک شخص نے اِمام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی: ''قل اعملوا'' یعنی ''اے نبی! کہہ دو کہ تم لوگ عمل کرو، تمہارا عمل اللہ دیکھے گا، اور اس کا رسول اور اِیمان والے'' اِمام نے فرمایا: یہ آیت اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے: ''والمأمونون'' یعنی مامونون لوگ دیکھیں گے اور ''مامونون'' ہم ائمہ اثنا عشر ہیں۔''

۴:...کتاب احتجاج کی اسی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ زِندیق نے ایک

اِعتراض یہ بھی کیا کہ قرآن میں پیغمبروں کی مذمت تو نام لے کر خدا نے بیان کی ہے، مگر منافقوں کی مذمت اِشارات و کنایات میں ہے، ان کا نام نہیں لیا گیا، یہ کیا بات ہے؟ تو جنابِ اَمیرؓ نے جواب دیا کہ:

"ان الكناية عن أسماء ذو الجرائر العظيمة من المـنافقين ليست من فعله تعالٰى وانها من فعل المغيّرين والمبدّلين الذين جعلوا القرآن عضين واعتاضوا الدنيا من الدين." (ص:۱۲۶)

ترجمہ:... "بڑے بڑے جرم والے منافقوں کے نام کا کنایات میں ذِکر کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تو صاف صاف نام ذکر کئے تھے، بلکہ یہ فعل ان تحریف کرنے والوں، بدلنے والوں کا ہے جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے اور دُنیا کے عوض دِین کو بیچ ڈالا، (انہوں نے ناموں کو نکال ڈالا اور بجائے ان کے کنایہ کے الفاظ رکھ دیئے)۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جنابِ اَمیرؓ نے اس زِندیق کو یہ نفیس جوابات دے کر فرمایا:

"فحسبک فی الجواب فی هٰذه المواضع ما سمعت فان شريعة التقية تخطر التصريح بأكثر منه."

(ص:۱۲۶)

ترجمہ:... "پس ان مقامات میں جواب تجھے کافی ہیں جو تو نے سنے، اس لئے کہ تقیہ کی شریعت اس سے زیادہ صاف بیان کرنے کو روکتی ہے۔"

نمونے کے طور پر تحریف کی چار قسموں کی روایتیں تھوڑی نقل کی گئیں، اگر کوئی شخص کتبِ شیعہ کو دیکھے تو ایک اَنبار ان روایتوں کا پائے گا، جن سے ایک بڑا دفتر تیار

ہوسکتا ہے۔ اور اس کو معلوم ہوگا کہ بڑا مقصد ان لوگوں کا یہی تھا کہ قرآنِ کریم کو تحریف شدہ قرار دیا جائے۔

باقی رہی تحریف کی پانچویں قسم، یعنی خرابیِ ترتیبِ آیات کی، اور ترتیب سورتوں کی وہ تو اس قدر مشہور ہے کہ حاجت کسی حوالے کی نہیں، علاوہ ازیں روایاتِ منقولہ بالا سے وہ بھی ثابت ہو رہی ہے اور آئندہ بھی اس کے متعلق عبارتیں نقل کی جائیں گی، تاہم دو حوالے یہاں بھی پڑھ لیجئے:

ا:...علامہ نوری طبرسی ''فصل الخطاب'' میں چوتھی دلیل کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کان لأمیر المؤمنین علیه السلام قرآنًا مخصوصًا جمعه بنفسه بعد وفاة النبی صلی الله علیه وآله وعرضه علی القوم فأعرضوا عنه فحجبه عن أعینهم وکان عند ولده علیه السلام یتوارثه إمام عن إمام کسائر خصائص الامامة وخزائن النبوة وهو عند الحجة عجل الله فرجه، یظهره للناس بعد ظهوره ویأمرهم بقراءته وهو مخالف لهٰذا القرآن الموجود من حیث التألیف وترتیب السور والآیات بل الکلمات أیضًا ومن جهة الزیادة والنقصة وجبت أن الحق مع علیّ علیه السلام وعلّی مع الحق ففی القرآن الموجود تغیر من جهتین وهو المطلوب.''

ترجمہ:...''امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا، جس کو انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد خود جمع کیا تھا اور اس کو صحابہؓ کے سامنے پیش کیا، مگر ان لوگوں نے توجہ نہ کی، لہٰذا اس کو انہوں نے لوگوں سے پوشیدہ کردیا، اور وہ قرآن ان کی اولاد کے پاس رہا، ایک اِمام سے دُوسرے اِمام کو میراث میں ملتا رہا۔ مثل

اور خصائصِ اِمامت وخزائنِ نبوّت کے۔ اور اَب وہ قرآن اِمام مہدی کے پاس ہے... خدا ان کی مشکل جلد آسان کرے... وہ اس قرآن کو اپنے ظاہر ہونے کے بعد نکالیں گے، لوگوں کو اس کی تلاوت کا حکم دیں گے، اور وہ قرآن اس قرآنِ موجود کے خلاف ہے، سورتوں اور آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی، اور کمی بیشی کے لحاظ سے بھی، چونکہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ قرآنِ موجود میں دونوں حیثیتوں سے تحریف ہے اور یہی (ہم شیعوں کا) مقصود ہے۔''

۲:... علامہ مجلسی ''حق الیقین'' میں لکھتے ہیں:

''پس بخواند قرآن را بخوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغییر یافتہ شدہ وتبدیل یافہ باشد، چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شد۔''

(حق الیقین ص:۳۵۸، مطبوعہ تہران ۱۳۵۴ھ)

ترجمہ:... ''پس اِمام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر وتبدل ہوا ہو، جیسا کہ دُوسرے قرآنوں میں تغیر وتبدل ہوگیا ہے۔''

علمائے شیعہ کے تینوں اِقرار:

اب علمائے شیعہ کے تینوں اِقرار ملاحظہ فرمائیے، یعنی:

پہلا اِقرار:... یہ کہ تحریفِ قرآن کی روایات کثیر اور متواتر ہیں۔

دُوسرا اِقرار:... یہ کہ متواتر روایات تحریفِ قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔

تیسرا اِقرار:... یہ کہ ان روایات کے مطابق شیعہ تحریفِ قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تینوں اقراروں کے حوالے ملاحظہ فرمایئے:

۱:... کتاب ''فصل الخطاب'' مطبوعہ ایران میں تحریفِ قرآن کی گیارہویں دلیل کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''الأخبار الكثيرة المعتبرة الصريحة في وقوع السقط ودخول النقصان في الموجود من القرآن زيادة علٰى ما مر في ضمن الأدلة السابقة وأنه أقل من تمام ما نزل اعجازا علٰى قلب سيّد الانس والجان من غير اختصاصها بآية أو سورة وهو متفرقة في الكتب المتفرقة التي عليها المعول عند الأصحاب جمعت ما عثرت عليها في هٰذا الباب.'' (ص:۲۳۵)

ترجمہ:... ''بہت سی حدیثیں جو معتبر ہیں اور قرآنِ موجود میں کمی اور نقصان پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، علاوہ ان احادیث کے جو دلائلِ سابقہ کے ضمن میں بیان ہوچکیں، اور یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن مقدارِ نزول سے بہت کم ہے اور یہ کمی کسی آیت یا کسی سورت کے ساتھ مخصوص نہیں، اور یہ حدیثیں ان کتبِ متفرقہ میں پھیلی ہوئی ہیں، جن پر ہمارے مذہب کا اِعتماد اور اہلِ مذہب کا ان کی طرف رُجوع ہے۔ میں نے وہ سب حدیثیں جمع کردی ہیں جو میری نظر سے گزریں۔''

اس کے بعد بکثرت کتابوں کے نام گنائے ہیں اور رِوایاتِ تحریف کے اَنبار لگادیئے ہیں۔

۲:... نیز اسی کتاب میں محدث جزائری کا قول نقل کیا ہے کہ:

''قال السيد محدث الجزائري في الأنوار ما معناه أن الأصحاب قد أطبقوا علٰى صحة الأخبار

المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها علىٰ وقوع التحريف في القرآن كلاما ومادّة وإعرابًا والتَّصديق بها.'' (ص:۳۱)

ترجمہ:... ''سیّد محدث جزائری نے کتاب انوار میں لکھا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اَصحابِ اِمامیہ نے اِتفاق کیا ہے ان روایاتِ مستفیضہ بلکہ متواترہ کی صحت پر جو صراحتاً قرآن کے محرف ہونے پر دَلالت کرتی ہیں، یہ تحریفِ قرآن، کلام میں بھی ہے، مادّہ میں بھی، اِعراب میں بھی، اور اِتفاق کیا ہے ان روایات کی تصدیق پر۔''

۳:... اسی ''فصل الخطاب'' میں علامہ محدث جزائری کے اپنے دُوسرے علماء سے بھی روایاتِ تحریف کا متواتر ہونا نقل کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''وهي كثيرة جدًّا قال السيد نعمت الله الجزائري في بعض مؤلفاته كما حكى عنه أن الأخبار الدالة علىٰ ذٰلك تزيد علىٰ ألفي حديث وادعى استفاضتها جماعة كالمفيد والمحقق الداماد والعلامة المجلسي وغيرهم بل الشيخ أيضًا صرّح في التبيان بكثرتها بل ادعى تواترها جماعة يأتي ذكرهم.'' (ص:۲۵۱)

ترجمہ:... ''روایاتِ تحریفِ قرآن یقیناً بہت ہیں، حتیٰ کہ سیّد نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے، جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جو حدیثیں تحریف پر دَلالت کرتی ہیں، وہ دو ہزار اَحادیث سے زیادہ ہیں۔ اور ایک جماعت نے ان کے مستفیض ہونے کا دعویٰ کیا ہے، جیسے مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم۔ بلکہ شیخ طوسی نے بھی تبیان میں تصریح کی ہے کہ یہ روایات بکثرت ہیں، بلکہ ایک جماعتِ محدثین نے ان روایتوں کے متواتر ہونے کا

دعویٰ کیا ہے، جن کا ذِکر آگے آئے گا۔“

پھر بفاصلہ چند سطور لکھا ہے کہ:

”واعلم أن تلک الأخبار منقولة من الکتب المعتبرة التی علیها معول أصحابنا فی اثبات الأحکام الشرعیة والآثار النبویة.“ (ص:۲۵۲)

ترجمہ:... ”جاننا چاہئے کہ یہ حدیثیں تحریف کی ان معتبر کتابوں سے نقل کی گئی ہیں جن پر ہمارے اَصحاب کا اِعتماد ہے اَحکامِ شرعیہ کے ثابت کرنے اور آثارِ نبویہ کے نقل کرنے میں“

۴:... پھر صاحبِ ”فصل الخطاب“ نے اپنے وعدے کو پورا کیا ہے اور آخر کتاب میں ان تمام محدثین کے نام لکھے ہیں جنھوں نے روایاتِ تحریف کو متواتر کہا ہے، ان ناموں میں علامہ مجلسی کا نامِ نامی بھی ہے اور ان کی عبارت کا حسبِ ذیل فقرہ قابلِ دِید ہے، وہ فرماتے ہیں:

”وعندی أن الأخبار فی هٰذا الباب متواترة معنی وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الأخبار رأسا بل ظنی أن الأخبار فی هٰذا الباب لا یقصر عن أخبار الامامة فکیف یثبتونها بالخبر.“ (ص:۳۵۳)

ترجمہ:... ”میرے نزدیک تحریفِ قرآن کی روایتیں معناً متواتر ہیں، اور ان سب روایتوں کو ترک کردینے سے ہمارے تمام فنِ حدیث کا اِعتبار جاتا رہے گا، بلکہ میرا علم یہ ہے کہ تحریفِ قرآن کی روایتیں مسئلۂ اِمامت کی روایتوں سے کم نہیں ہیں، لہٰذا اگر تحریفِ قرآن کی روایتوں کا اِعتبار نہ ہو تو مسئلۂ اِمامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہوسکے گا۔“

۵:... علامہ محسن کاشی تفسیر صافی کے دیباچے میں تحریف کی (نجس) روایات نقل

کر کے فرماتے ہیں:

"المستفاد من مجموع هٰذه الأخبار وغيره من الروايات من طريق أهل البيت عليهم السلام أن القرآن الذى بين أظهرنا ليس بتمامه كما أنزل علىٰ محمد صلى الله عليه وآله بل منه ما هو خلاف ما أنزل الله ومنه ما هو مغير ومحرف وأنه قد حذف منه أشياء كثيرة منها اسم علىّ فى كثير من المواضع ومنها غير ذٰلک وأنه ليس أيضًا على الترتيب المرضى عند الله وعند رسوله وبه قال على بن ابراهيم."

(تفسیر الصافی، المقدمۃ السادسۃ ج:۱ ص:۴۹)

ترجمہ:... "ان تمام حدیثوں کا اور ان کے علاوہ جس قدر حدیثیں اہلِ بیت علیہم السلام کی سند سے نقل کی گئی ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان میں ہے وہ پورا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا تھا، نہیں ہے، بلکہ اس میں کچھ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے خلاف ہے، اور کچھ مغیر ومحرف ہے، اور یقیناً اس میں سے بہت سی چیزیں نکال ڈالی گئی ہیں، جیسے علی کا نام بہت سے مقامات سے، علاوہ اس کے ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قرآن کی ترتیب بھی خدا اور اس کے رسول کی پسند کی ہوئی ترتیب نہیں ہے، انہیں سب باتوں کے قائل ہیں علی بن ابراہیم قمی۔"

۶:... دورِ آخر کے مجتہدِ اعظم مولوی دلدار علی صاحب "عماد الاسلام" میں فرماتے ہیں (ہم ان کی عبارت "استقصاء الافہام" سے نقل کرتے ہیں):

"قال آية الله فى العالمين أحله الله دار السلام فى عماد الاسلام بعد ذكر نبذ من أحاديث التحريف

المأثورة عن سادات الأنام عليهم آلاف التحية والسلام:
مقتضى تلك الأخبار أن التحريف في الجملة في هذا القرآن الذي بين أيدينا بحسب زيادة بعض الحروف ونقصانه بل بحسب بعض الألفاظ وبحسب الترتيب في بعض المواضع قد وقع بحيث لا يشك فيه مع تسليم تلك الأخبار."

ترجمہ:... ''آیۃ اللہ فی العالمین یعنی مولوی دلدار علی نے ''عماد الاسلام'' میں چند اَحادیثِ تحریف کی، جو سردارانِ خلق یعنی ائمہ اثناعشر علیہم السلام سے مروی ہیں، نقل کر کے فرمایا ہے کہ: ان احادیث کا مقتضا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف اس قرآن میں، جو ہمارے سامنے ہے، ضرور ہوگئی ہے، بلحاظ زیادہ اور کم ہوجانے بعض حروف کے، بلکہ بعض الفاظ کے، اور بلحاظ ترتیب کے بھی بعض مقامات میں، ان احادیث کے تسلیم کرلینے کے بعد اس میں کچھ شک نہیں کیا جاسکتا۔''

عبارتِ منقولہ کے بعد تحریفِ قرآن کی کچھ صورتیں بھی مولوی دلدار علی صاحب نے بیان فرمائی ہیں، من جملہ ان کے ایک نفیس بات قابلِ داد یہ لکھی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ خداوندی پورا قرآن اُمت کو دِیا ہی نہیں، صحابہؓ کے خوف سے بہت سی آیتیں آپ نے چھپاڈالیں، جس قدر قرآن کا ظاہر کرنا آپ کو مصلحت معلوم ہوا، اسی قدر آپ نے صحابہؓ کو دِیا، باقی سب تقیہ کی نذر ہوگیا۔ اصل عبارت ''عماد الاسلام'' کی ہم ''ازالۃ الغین'' سے نقل کرتے ہیں:

"ومنها أنه معلوم من حال النبي كما لا يخفى على المتفحص الذكي ذي الحدس الصائب أنه مع كمال رغبته علٰى تخليفه عليًّا كان في غاية التقية من

قومه، لهٰذا عندی دلائل وأمارات لا يسع المقام ذكرها، فيحتمل عند العقل أن النبی حفظا لبيضة الاسلام الظاهری أودع القرآن النازل المشتمل علٰی نصوص أسماء الأئمة وأسماء المنافقين مثلا عند محارم أسراره كعلی بأمر الله، لئلا يرتد القوم بأسرهم لما علم من حالهم عدم احتمال ذٰلک، وأظهرهم بقدر ما علم المصلحة فی اظهاره، ولما كانوا هو الباعثين للنبی علٰی ذٰلک كان الاسناد اليهم فی محله.‘‘

(اقامة البرهان علیٰ ان الشيعة أعدآء القرآن، مندرجہ یازدہ نجوم از امامِ اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ ص:۲۸)

ترجمہ:... ’’من جملہ تحریف کی صورتوں کے ایک یہ ہے کہ نبی کا حال معلوم ہے، اور سمجھ دار ذہین آدمی جو تلاش کرے اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ باوجودیکہ نہایت رغبت اس بات کی رکھتے تھے کہ علی کو اپنا خلیفہ بنائیں، مگر اپنی قوم کی طرف سے بہت تقیہ کرتے تھے، اس بات کے لئے میرے پاس دلائل وعلامات ہیں۔ پس یہ اِحتمال قرینِ عقل ہے کہ نبی نے اسلامِ ظاہری کی حفاظت کے لئے بحکمِ خدا اَصلی قرآن، جس میں ائمہ کے نام اور منافقوں کے نام کی آیتیں تھیں، اپنے محرمِ راز مثلاً علیؓ کے پاس ودیعت رکھوادیا، تاکہ تمام لوگ مرتد نہ ہوجائیں، کیونکہ آپ کو ان کا حال معلوم تھا کہ وہ ان آیات کی برداشت نہ کرسکیں گے، اور آپ نے صرف اسی قدر قرآن ان پر ظاہر کیا جس کا ظاہر کرنا آپ کے نزدیک قرینِ مصلحت تھا، اور چونکہ اصلی قرآن کے چھپاڈالنے کا سبب صحابہؓ تھے اس لئے یہ کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کردی، بالکل صحیح ہے۔‘‘

۷:... اِمام الشیعہ مولوی حامد حسین لکھنوی نے اپنی کتاب ''استقصاء الافہام'' جلد اوّل میں جابجا اِقرار کیا ہے کہ تحریفِ قرآن کی روایات کتبِ شیعہ میں بہت ہیں اور وہ تحریفِ قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، چنانچہ:

الف:... صفحہ:۹ میں لکھتے ہیں:

''ورودِ روایاتِ تحریفِ قرآن بطریق اہلِ حق۔''

ترجمہ:... ''شیعوں کی کتابوں میں روایاتِ تحریفِ قرآن کا وارِد ہونا۔''

ب:... صفحہ:۱۰ میں لکھتے ہیں:

''اگر بے چارہ شیعے بمقتضائے احادیثِ کثیرہ اہل بیت طاہرین مصرحہ بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف ونقصان بر زبان آرد ہدف سہام طعن وملام ومورد اِستہزاء وتشنیع گردد۔''

ترجمہ:... ''اگر بے چارہ کوئی شیعہ، اہلِ بیت طاہرین کی بہت سی احادیث کے موافق، جو قرآن کے ناقص ہونے کی تصریح کرتی ہیں، تحریف ونقصان کا لفظ زبان سے نکالے تو طعن وملامت کے تیروں کا نشانہ بن جاتا ہے۔''

ج:... صفحہ:۶۴ میں لکھتے ہیں:

''اگر اہلِ حق از حافظانِ اسرارِ الٰہی وحاملانِ آثار جناب رسالت پناہی کہ ہداۃ اسلام وائمہ انام اند روایت کنند احادیثے را کہ دال است برآنکہ در قرآن شریف مبطلین واہل ضلال تحریف نمودند وتصحیفش بعمل آوردند واصل قرآن کما انزل نزد حافظان شریعت موجود ست کہ دریں صورت اصلاً بر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نقصے وطعنے عائد نمی شود فریاد وفغاں آغاز کنند۔''

(اقامة البرهان علیٰ ان الشیعة أعداء القرآن ص:۲۹)

ترجمہ:... ”اگر اہلِ حق (یعنی شیعہ) حافظانِ اَسرارِ الٰہی اور حاملانِ آثار جنابِ رسالت پناہی سے، جو کہ اسلام کے ہادی اور لوگوں کے اِمام ہیں، ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو اس بات پر دَلالت کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں باطل پرست اور اہلِ ضلال (یعنی خلفائے ثلاثہؓ) نے تحریف کردی اور اس کے الفاظ میں گڑبڑ کردی اور اَصل قرآن، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا، حافظانِ شریعت (اَئمہ اِثناعشر) کے پاس موجود ہے کہ اس صورت میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز کوئی نقص اور طعن عائد نہیں ہوتا، تو سنی لوگ شور وواویلا شروع کردیتے ہیں۔“

عباراتِ منقولہ بالا سے حسبِ ذیل اُمور معلوم ہوئے:

۱:... روایاتِ تحریفِ قرآن شیعوں کی ان اعلیٰ ترین معتبر کتابوں میں ہیں، جن پر مذہبِ شیعہ کی بنیاد ہے۔

۲:... روایاتِ تحریف کثیر و مستفیض بلکہ متواتر ہیں۔

۳:... روایاتِ تحریف رَدّ کردی جائیں تو شیعوں کا فنِ حدیث بیکار اور بے اعتبار ہوجائے۔

۴:... تحریفِ قرآن کی روایتیں کتبِ شیعہ میں دو ہزار سے زیادہ ہیں۔

۵:... تحریفِ قرآن کی روایتیں مسئلۂ اِمامت کی روایات سے کم نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ مذہبِ شیعہ میں جس درجہ ضروری مسئلۂ اِمامت ہے، اسی درجہ تحریفِ قرآن کا عقیدہ بھی ضروری ہے۔ حضرت علیؓ اور دُوسرے اَئمہ کی اِمامت کا ماننا جیسا فرض ہے، اسی درجے کا فرض قرآن کو محرف ماننا بھی ہے۔ جو شخص قرآن کو محرف نہ مانے وہ اَز رُوئے مذہبِ شیعہ ویسا ہی گنہگار و بددِین اور مذہبِ شیعہ سے خارج ہوگا جیسا اَئمہ اِثناعشر کی اِمامت کا منکر۔

۶:... یہ روایات، قرآن کے محرف ہونے اور پانچوں قسم کی تحریف سے ملوّث ہونے پر ایسی صاف اور واضح دلالت کرتی ہیں کہ اس میں شک نہیں ہوسکتا اور نہ ان کی کوئی

معقول توجیہ وتاویل ہوسکتی ہے۔

ان عبارات میں دو اِقرار تو بالکل واضح ہیں، یعنی روایات کے کثیر ومتواتر ہونے کا، اوران روایات کے تحریف پر صریح دلالت کرنے کا، تیسرا اِقرار یعنی معتقد تحریف ہونے کا، اس درجہ واضح نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے اور عبارتیں درج ذیل ہیں:

ا:...علامہ محسن کاشانی تفسیر صافی کے مقدمہ سادسہ میں لکھتے ہیں:

”وأما اعتقاد مشائخنا رحمهم الله فی ذٰلک فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب ثراه أنه کان یعتقد التحریف والنقصان فی القرآن، لأنه روی روایات فی هٰذا المعنی فی کتابه الکافی، ولم یتعرض لقدح فیها، مع أنه ذکر فی أول الکتب أنه کان یثق بما رواه فیه، وکذٰلک أستاذه علی بن ابراهیم القمی، فان تفسیره مملوء منه وله غلو فیه، وکذٰلک الشیخ أحمد بن أبی طالب الطبرسی قدس سره، فانه نسج علٰی منوالهما فی کتاب الاحتجاج.“

(تفسیر صافی، مقدمہ سادسہ ص:۲۵، طبع جدید بیروت)

ترجمہ:...”رہا ہمارے بزرگوں کا اِعتقاد اس بارے میں، سو ظاہر یہ ہے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی قرآن کی تحریف و نقصان کے معتقد تھے، کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت روایتیں اپنی کتاب کافی میں نقل کی ہیں، اوران روایتوں پر کوئی جرح نہیں کی، باوجودیکہ انہوں نے آغازِ کتاب میں لکھ دیا ہے کہ جتنی روایتیں اس کتاب میں ہیں ان پر مجھے وثوق ہے۔ اوراسی طرح ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کہ ان کی تفسیر بھی روایاتِ تحریف سے پُر ہے، اوران کو اس عقیدے میں غلوّ ہے۔ اوراسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی

کہ وہ بھی کتاب احتجاج میں انہیں دونوں کے طرز پر چلے ہیں۔"

"فی بیان خلاصة أقوال علمائنا فی تغییر القرآن وعدمه وتزییف استدلال من أنکر التغییر اعلم أن الذی یظهر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب ثراه أنه کان یعتقد التحریف والنقصان فی القرآن لأنه روی روایات کثیرة فی هٰذا المعنی فی کتاب الکافی الذی صرح فی أوله بأنه کان یثق فیما رواه فیه ولم یتعرض لقدح فیها ولا ذکر معارض لها، وکذٰلک شیخه علی بن ابراهیم القمی فان تفسیره مملوء منه وله غلوّ فیه، قال رضی الله عنه فی تفسیره أما ما کان من القرآن خلاف ما أنزل الله فهو قوله تعالٰی ...... ثم ذکر من تفسیر القمی بعض أمثلة أنواع التحریف ...... الٰی أن قال: ووافق القمی والکلینی جماعة من أصحابنا المفسرین، کالعیاشی، والنعمانی، وفرات بن ابراهیم، غیرهم وهو مذهب أکثر محققی محدثی المتأخرین، وقول الشیخ الأجل أحمد بن أبی طالب الطبرسی کما ینادی به کتابه الاحتجاج وقد نصره شیخنا العلامة باقر علوم أهل البیت وخادم أخبارهم فی کتابه بحار الأنوار، وبسط الکلام فیه بما لا مزید علیه وعندی فی وضوح صحة هٰذا القول بعد تتبع الأخبار وتفحص الآثار بحیث یمکن الحکم بکونه من ضروریات مذهب التشیّع وأنه من أکثر مفاسد غصب الخلافة."

(مقدمہ تفسیر البرہان، مقدمہ ثالثہ، الفصل الرابع ص:۳۷)

ترجمہ:... ''چوتھی فصل اس مسئلے میں کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوئی یا نہیں؟ ہمارے علمائے شیعہ کے اقوال کا خلاصہ اور منکرینِ تحریف کے اِستدلال کی تردید۔

جاننا چاہئے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے کلام سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قرآن میں تحریف ونقصان کا عقیدہ رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اس مضمون کی بہت سی روایات کتاب ''الکافی'' میں روایت کی ہیں۔ جبکہ اس کتاب کے شروع میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں جو رِوایتیں ذِکر کی ہیں، ان پر وثوق رکھتے ہیں۔ اور موصوف نے نہ تو ان روایات کو ذِکر کرکے ان پر کوئی جرح کی ہے اور نہ اس کے معارض کوئی روایت ذکر کی ہے۔ اسی طرح ان کے شیخ علی بن ابراہیم القمی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیونکہ ان کی تفسیر اس سے بھری پڑی ہے، اور ان کو اس عقیدے میں غلوّ ہے، چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''جو آیتیں ''ما انزل اللہ'' کے خلاف ہیں، پس وہ یہ ہیں.....'' (یہاں تفسیر قمی سے انواع واقسام کی تحریف کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) اور قمی اور کلینی کی موافقت کی ہے ہمارے شیعہ مفسرین نے، جیسے عیاشی، نعمانی، فرات بن ابراہیم وغیرہم۔ اور یہی مذہب ہے متأخرین، محققین، محدثین کا، اور یہی قول ہے شیخ اجل احمد بن ابی طالب طبرسی کا، جیسا کہ ان کی کتاب ''الاحتجاج'' اس کا اعلان کررہی ہے، اور اسی کی تائید کی ہے ہمارے شیخ علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''بحار الانوار'' میں اور اس میں کھل کر کلام کیا ہے جس پر اِضافے کی گنجائش نہیں۔ اور میرے نزدیک ائمہ کی احادیث کے تتبع وتلاش اور آثار کی چھان بین کے بعد اس قول کا صحیح

ہونا یہاں تک واضح ہے کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ عقیدۂ تحریف مذہبِ شیعہ کے ضروریات میں سے اور غصبِ خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ تحریفِ قرآن ہے۔"

۳:...علامہ نوری طبرسی "فصل الخطاب" میں لکھتے ہیں:

"الأول وقوع التغير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ الجليل على بن ابراهيم القمى شيخ الكلينى فى تفسيره صرح بذٰلک فى اوله وملاء كتابه من أخباره مع التزامه فى أوّله بأن لا يذكر الّا ما رواه مشائخه وثقاته ومذهب ثقة الاسلام الكلينى رحمه الله علٰى ما نسبه اليه جماعة لنقله الأخبار الكثيرة الصريحة فى هٰذا المعنى فى كتابه الحجة خصوصًا فى باب النكت والنتف من التنزيل وفى الروضة من غير تعرض لردها أو تأويلها واستظهر المحقق السيد محسن الكاظمى فى شرح الوافية مذهبه من الباب الذى عقده فيه وسمّاه باب انه لم يجمع القرآن كله الا الأئمة عليهم السلام فان الظاهر من طريقة أنه انما يعقد الباب لما يرتضيه قلت وهو كما ذكره فان مذاهب القدماء تعلم غالبًا من عناوين أبوابهم وبه صرح أيضًا العلامة المجلسى فى مرآة العقول." (فصل الخطاب ص:۲۶)

ترجمہ:... "پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر ونقصان ہوگیا، اور یہی مذہب ہے شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی، اُستاذ کلینی کا، انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے اور اپنی تفسیر روایاتِ تحریف سے بھردی ہے، اور ساتھ ہی اپنی تفسیر کے شروع میں

انہوں نے یہ پابندی ظاہر کی ہے کہ وہی روایتیں ذِکر کروں گا جو میرے اساتذہ اور معتبر لوگوں نے روایت کی ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ثقۃ الاسلام کلینی کا، جیسا کہ ایک جماعت نے ان کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت سی صریح روایتیں کافی کی کتاب الحجہ خصوصاً "باب النکت والنتف من التنزیل" میں اور روضہ میں نقل کی ہیں۔ اور ان روایات کو نہ ردّ کیا، نہ ان کی کچھ تاویل کی۔ اور محقق سیّد محسن کاظمی نے شرح وافیہ میں کلینی کا مذہب اس باب سے ثابت کیا ہے جو انہوں نے کافی میں منعقد کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے: "باب انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الأئمة علیھم السلام" کیونکہ ان کے طریقے سے ظاہر یہ ہے کہ وہ اسی مضمون کے لئے باب قائم کرتے ہیں جو مضمون ان کو پسند ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ محقق کاظمی کا یہ کہنا ٹھیک ہے، متقدمین کا مذہب اکثر ان کے بابوں کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور کلینی کے مذہب کی تصریح علامہ مجلسی نے بھی "مرآۃ العقول" میں بھی کی ہے۔"

اس کے بعد منصف "فصل الخطاب" نے پورے سات صفحوں میں ان اکابر شیعہ کے نام گنائے ہیں جو تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیعوں کے مشائخِ اَربعہ جو تحریف کے منکر ہیں:

بانیانِ مذہبِ شیعہ کا اصل مقصد قرآنِ کریم کو مشکوک بنانا تھا، چنانچہ جب وہ بزعمِ خود عداوتِ قرآن کا حق ادا کر چکے، راویانِ قرآن یعنی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی خوب جرح کر لی اور ان کو... نعوذ باللہ... مرتد اور منافق قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس پر بھی صبر نہ ہوا تو تحریفِ قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کے نام سے تصنیف کر کے شیعوں میں پھیلا دیں۔ وہ سمجھے تھے لوگ قرآنِ کریم کی طرف سے شک وشبہ میں پڑ جائیں گے اور اِسلام کی بنیاد منہدم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن یہ

ان کی بھول تھی، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس آہنی دِیوار سے ٹکرا رہے ہیں، اور یہ کہ اس کتابِ مقدس کی شان ''لا ریب فیہ'' ہے، اس سے کھیلنے والوں کے اپنے سر پاش پاش ہوجائیں گے، مگر وہ اس آہنی دِیوار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچاسکیں گے، یہ کتاب مٹنے کے لئے نہیں، بلکہ رہتی دُنیا تک چمکنے کے لئے آئی ہے، اور اس کے بارے میں پہلے دن سے اعلان کردیا گیا ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَھُمْ وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ'' (حٰمٓ السجدة: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ:... ''جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس اور وہ کتاب ہے نادر، اس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے، اُتاری ہوئی ہے حکمتوں والے، سب تعریفوں والے کی۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

بانیانِ مذہبِ شیعہ کی ان تمام مکروہ حرکتوں کے باوجود دُنیا نے دیکھ لیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل وکرم سے نہ تو اِسلام کا کچھ بگڑا، نہ صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت مسلمانوں کے سینۂ بے کینہ سے نکلی، اور نہ قرآنِ کریم ہی کے بارے میں کسی کے دِل میں شک وشبہ کا کوئی کانٹا چبھا۔ جب شیعوں کو تحریفِ قرآن کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے تین چار صدیاں گزر گئیں اور کچھ نہ ہوا، بلکہ اُلٹا لینے کے دینے پڑ گئے اور شیعوں کو تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ''کافر'' قرار دیا جانے لگا تو شیعہ اکابر کو بڑی فکر لاحق ہوئی، مگر تقیہ کا ہتھیار موجود تھا، اس لئے چار بزرگوں نے اَز رَاہِ تقیہ تحریفِ قرآن کے عقیدے سے اِنکار کردیا۔ یہ پوری بحث اِمامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے رسالہ ''تنبیہ الحائرین'' سے نقل کرتا ہوں، جو لاہور کے شیعہ مجتہد جناب سیّد علی حائری کے رسالے ''موعظۂ تحریفِ قرآن'' کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ حضرتؒ لکھتے ہیں:

————*
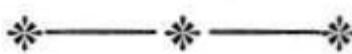
''حقیقت یہی ہے کہ شیعوں کے تمام محدثین اور بڑے بڑے اکابر مذہبِ شیعہ کے سب تحریفِ قرآن کے قائل ہیں، نہ کوئی شیعہ تحریفِ قرآن کا منکر ہوا، نہ ہوسکتا ہے، ان کے مذہب کی بنیاد ہی عداوتِ قرآن پر ہے۔

شیعوں میں گنتی کے صرف چار آدمی اَز رَاہِ تقیہ تحریفِ قرآن کے منکر ہوگئے ہیں:
ا:...شریف مرتضیٰ، ۲:...شیخ صدوق، ۳:...ابوجعفر طوسی، ۴:...شیخ ابوعلی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ جب علمائے شیعہ کو سنیوں کے مقابلے میں ضرورت پیش آتی ہے یا اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی ہوسِ خام پیدا ہوتی ہے تو انہیں چار میں سے کسی نہ کسی کا قول پیش کردیتے ہیں اور بڑی صفائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اُوپر بالکل بے جا اِلزام ہے، ہم تو تحریفِ قرآن کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ حائری صاحب نے بھی اپنے رسالے ''موعظۂ تحریفِ قرآن'' میں یہی کارروائی کی ہے۔ ناواقف شخص بے شک اس کارروائی سے دھوکا کھا جاتا ہے، مگر جو لوگ مذہبِ شیعہ سے واقف ہیں، ان کے سامنے یہ کارروائی نہیں چل سکتی۔

اب بعونہ تعالیٰ ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کی حقیقت و اصلیت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جب بانیانِ مذہبِ شیعہ عداوتِ قرآن کا حق ادا کرچکے اور راویانِ قرآن یعنی صحابہؓ کو بھی بخیالِ خود خوب مجروح کرلیا، تب بھی صبر نہ آیا اور تحریفِ قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ و اِمام باقرؒ کے نام سے تصنیف کرکے اپنی کتابوں میں درج کردیں۔ سمجھے تھے کہ اب دِینِ اسلام مٹ چکا، مسلمان قرآن مجید کی طرف سے ضرور شک میں پڑجائیں گے۔ مگر خدا کی قدرت! نہ اسلام مٹا اور نہ قرآن مجید میں کسی کو شک پیدا ہوا، مسلمان تو مسلمان غیرمسلموں نے بھی ان روایاتِ تحریف کو گوزِ شتر سے بدتر سمجھا اور ان کو بھی قرآن شریف کے محرف ہونے کا وہم نہ پیدا ہوا۔ مثلاً سر ولیم میور، جو صوبہ متحدہ کے لیفٹنٹ گورنر تھے، باوجود متعصب عیسائی ہونے کے اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی اِنجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے، تو بھی وہ قرآن کو محرف نہ کہہ سکے اور اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھ گئے:

ترجمہ:... ''یہ بالکل صحیح اور کامل قرآن ہے، اور اس میں
ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی، ہم ایک بڑی مضبوط بنا پر دعویٰ
کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت خالص اور غیر متغیر صورت میں ہے،
اور آخر کار ہم اپنی بحث کو ون ہیم صاحب کے فیصلے پر ختم کرتے ہیں،
وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن ہے، ہم کامل طور پر اس میں
ہر لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سمجھتے ہیں، جیسا کہ مسلمان اس کے
ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔''

بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے نفرین وملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور واقعی اس سے بڑھ کر نمک حرامی کیا ہوگی کہ جس دِین کا نام لیتے تھے، اسی کی جڑ کاٹنا شروع کی۔ اسلام کو کیا مٹاتے خود ہی اسلام سے خارج ہوگئے، خدا کے نور کو جو شخص بجھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو یہی پھل ملتا ہے:

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آں کو پف زند ریشش بسوزد

بالآخر شریف مرتضیٰ کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح یہ کلنک کا ٹیکا مٹانا چاہئے، لہٰذا انہوں نے تقیہ کر کے تحریفِ قرآن کا اِنکار کر دیا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کیا جس میں کامیابی محال تھی، وہ اپنے قول کی کوئی دلیل مذہبِ شیعہ کے اُصول کے مطابق پیش نہ کر سکے، نہ اپنی تائید میں کوئی روایت ائمہ معصومین کی لا سکے، نہ روایاتِ تحریف کا کوئی جواب دے سکے، بلکہ انکار کی دُھن میں وہ باتیں لکھ گئے جو ان کے مذہب کے لئے سمِ قاتل تھیں، اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے، قرآن پر اِیمان کا دعویٰ بغیر مذہبِ شیعہ کی بیخ کنی کے ممکن ہی نہ تھا۔

تلاش وتتبع سے معلوم ہوا کہ گنتی کے چار شخص اکابر قدمائے شیعہ میں ہیں جنھوں نے اَز رَاہِ تقیہ قرآن شریف کی تحریف کا انکار کیا، اور ہر قسم کی تحریف سے اس کو پاک بتلایا۔ اوّل شریف مرتضیٰ، دوم شیخ صدوق، سوم ابوجعفر طوسی، چہارم شیخ ابوعلی طبرسی مصنف تفسیر

''مجمع البیان''۔ ان چار کے سوا قدمائے شیعہ میں کسی نے اَز رَاہِ تقیہ بھی تحریفِ قرآن کا انکار نہیں کیا۔

''فصل الخطاب'' ص:۳۲ میں ہے:

الثانی عدم وقوع التغیر والنقصان فیه وجمیع ما نزل علٰی رسول الله صلی الله علیه وآله هو الموجود فی أیدی الناس فیما بین الدفتین والیه ذهب الصدوق فی عقائده والسید المرتضی وشیخ الطائفة فی التبیان ولم یعرف من القدماء موافق لهم.''

ترجمہ:... ''دُوسرا قول یہ ہے کہ قرآن میں تحریف اور کمی نہیں ہوئی اور یہ کہ جس قدر قرآن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا، وہ لوگوں کے ہاتھوں میں اور دفتیوں کے بیچ میں موجود ہے، اور اسی طرف گئے ہیں صدوق اپنی کتابِ عقائد میں، اور سیّد مرتضٰی اور شیخ الطائفہ (ابوجعفر طوسی) تبیان میں، اور متقدمین میں کوئی ان کا موافق معلوم نہیں ہوا۔''

نیز اسی کتاب کے صفحہ:۳۴ میں ہے:

''والٰی طبقة (رای المرتضیٰ) لم یعرف الخلاف صریحًا الا من هٰذه المشائخ الأربعة.''

ترجمہ:... ''شریف مرتضٰی کے طبقے تک مسئلۂ تحریفِ قرآن کی صراحتاً مخالفت سوا ان چار بزرگواروں کے اور کسی سے معلوم نہیں ہوئی۔''

یہ چاروں اَشخاص اوّل تو اَز رَاہِ تقیہ تحریف کا انکار کر رہے ہیں، ان کے انکار کے اَز رَاہِ تقیہ ہونے کی رَوشن دلیل تین ہیں:

اوّل:... یہ کہ وہ اپنی سند میں کوئی حدیث اِمامِ معصوم کی نہیں پیش کرتے، نہ پیش

کر سکتے تھے، اور نہ ان زائد از دو ہزار اَحادیثِ اَئمہ کا جواب دیتے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ انکار ان کا اصلی عقیدہ نہ تھا۔

دوم:... یہ کہ وہ قائلینِ تحریف کو کافر کیا معنی، گمراہ بھی نہیں کہتے، اگر واقعی ان چاروں کا اصلی عقیدہ یہی ہوتا جو وہ زبان سے کہہ رہے ہیں تو قرآن پر ایمان رکھنا ضروریاتِ دِین میں سمجھتے، اور قائلِ تحریف کو ہماری طرح کافر بلکہ اَکفر جانتے۔

سوم:... یہ کہ یہ چاروں صاحبان قرآن شریف کے محفوظ ہونے کو صحابہ کرامؓ کی مساعیٔ جمیلہ اور ان کی حمیتِ دِینی اور قوتِ اِیمانی سے ثابت کرتے ہیں۔ بھلا اگر انہوں نے تقیہ نہ کیا ہوتا تو صحابہ کرامؓ کے ان اوصاف کا اِقرار کرتے؟ کیا اگر کوئی مرزائی کہے کہ میں مرزا غلام احمد کو نہ نبی مانتا ہوں، نہ مجدد، تو اس کا یہ قول صحیح سمجھا جاسکتا ہے؟ یا کوئی خارجی کہے کہ میں حضرت علیؓ سے حسنِ ظن و محبت رکھتا ہوں تو اس کی بات قابلِ اعتبار ہوسکتی ہے...؟

بہرکیف! خواہ ان چار اَشخاص کا اِنکار اَز رَاہِ تقیہ ہو یا نہ ہو، مگر جبکہ زائد اَز دو ہزار اَحادیث اَئمہ معصومین کی ان کے قول کے خلاف ہیں اور ان کے موافق ایک ٹوٹی پھوٹی روایت بھی نہیں، اور پھر اس پر طرہ یہ کہ اگر ان کی دلیل مان لی جائے تو مذہبِ شیعہ فنا ہوجاتا ہے، لہٰذا ان کا یہ اِنکار ہرگز ہرگز اَز رُوئے مذہبِ شیعہ قابلِ اِقتدا نہیں ہوسکتا، نہ اس کی بنا پر شیعوں کو منکرِ تحریف کہنا کسی طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ اب ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کے دلائل سنئے اور اِنصاف کیجئے!

تفسیر ''مجمع البیان'' کے فنِ خامس میں ہے:

''ومن ذٰلک الکلام فی زیادة القرآن ونقصانه فانه لا یلیق بالتفسیر، فما الزیادة فمجمع علٰی بطلانه، وأما النقصان فقد روی فیه جماعة من أصحابنا وقوم من حشویة العامة ان فی القرآن تغییرا ونقصانا والصحیح من مذهب أصحابنا خلافه وهو الذی نصره المرتضٰی رحمه الله واستوفی الکلام فیه غایة الاستیفاء فی جواب

المسائل الطرابلسيات وذكر فى مواضع ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث الكبار والوقائع العظام والكتب المشهورة وأشعار العرب المسطورة، فان العناية اشتدت والدواعى توفرت علىٰ نقله وحراسته، وبلغت حدًا لم تبلغه فيما ذكرناه لأن القرآن معجزة النبوة ومأخذ العلوم الشرعية والأحكام الدينية، وعلماء المسلمين قد بلغوا فى حفظه وحمايته الغاية حتّى عرفوا كل شىء اختلف فيه من اعرابه وقراءته وحروفه، فكيف يجوز أن يكون مغيرا ومنقوصًا مع العناية الصادقة والضبط الشديد، وقال أيضًا قدس الله روحه أن العلم بتفصيل القرآن وأبعاضه فى صحة نقله كالعلم بجملته، وجرى ذٰلک مجرى ما علم ضرورة من الكتب المصنفة ككتاب سيبويه والمزنى، فان أهل العناية بهٰذا الشان يعلمون من تفصيلها ما يعلمون من جملتها حتى لو ان مدخلا ادخل فى كتاب سيبويه بابا فى النحو ليس من الكتاب يعرف وميز وعلم انه ملحق ليس من أصل الكتاب وكذٰلک القول فى كتاب المزنى، ومعلوم ان العناية بنقل القرآن وضبطه اصدق من العناية بضبط كتاب سيبويه ودواوين الشعراء، وذكر أيضًا رضى الله عنه أن القرآن كان علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وآله مجموعا مؤلفا علىٰ ما هو عليه الآن واستدل علىٰ ذٰلک بأن القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه فى ذٰلک الزمان حتّى عين علىٰ

جماعة من الصحابة في حفظهم له وانه كان يعرض على النبي صلى الله عليه وآله ويتلى عليه أن من الصحابة مثل عبدالله بن مسعود وأبيّ بن كعب وغيرهما ختموا القرآن على النبي صلى الله عليه وآله عدة ختمات وكل ذٰلك يدل ادنى تأمل علىٰ انه كان مجموعا مرتبا غير مبتور ولا مبثوث، وذكر ان من خالف في ذٰلك من الامامية والحشوية لا يعتد بخلافهم فان الخلاف في ذٰلك مضاف الىٰ قوم من أصحاب الحديث نقلوا اخبارًا ضعيفة ظنوا صحتها لا يرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع علىٰ صحته. انتهٰى." (ج:۱ ص:۱۵)

ترجمہ:... "اور من جملہ اس کے قرآن میں زیادتی اور کمی کی بحث ہے، مگر یہ بحث تفسیر کی کتابوں میں ذِکر کرنے کے لائق نہیں، کیونکہ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر تو سب کا اِجماع ہے، رہ گئی کمی تو اس کے متعلق ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اور حشویہ عامہ کی ایک قوم نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن میں کچھ تغیر و تبدل اور کچھ کمی ہوگئی ہے، مگر ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور اسی کی تائید شریف مرتضٰی نے کی ہے، اور انہوں نے مسائل طرابلسیہ کے جواب میں اس کے متعلق پوری بحث کی ہے، اور انہوں نے کئی مقامات پر ذِکر کیا ہے کہ قرآن کے صحت کے ساتھ منقول ہونے کا علم ایسا قطعی ہے جیسا شہروں کے وجود اور بڑے بڑے حادثوں اور واقعات اور مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کے نقل و حفاظت کے اسباب بہت

تھے، اور اس کثرت کے ساتھ تھے کہ مذکورہ بالا چیزوں میں نہ تھے،
کیونکہ قرآن معجزۂ نبوّت ہے اور علومِ شرعیہ واَحکامِ دینیہ کا مأخذ ہے،
اور علمائے مسلمین قرآن کی حفاظت میں انتہا تک پہنچ گئے ہیں، یہاں
تک کہ قرآن کے جس مقام میں اِعراب اور قراءت اور حروف کا
اِختلاف ہے سب انہوں نے معلوم کرلیا ہے، پس باوجود ایسی سچی
توجہ اور سخت توجہ کے کیونکر ممکن ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدل اور کمی
ہو جائے۔ نیز شریف مرتضٰی نے کہا ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت اور
اس کے ٹکڑوں کے صحیح النقل ہونے کا علم بھی ویسا ہی قطعی ہے جیسا کہ
اس کے مجموعے کے صحیح النقل ہونے کا۔

اور یہ علم اس درجے میں ہے جس درجے میں کتبِ مصنفہ
کا علم جیسے سیبویہ اور مزنی کی کتاب کہ اس فن کے لوگ اس کے ہر ہر
جملے کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اس کے مجموعے کو، یہاں تک
کہ اگر کوئی شخص کتابِ سیبویہ میں ایک باب نحو کا بڑھا دے جو اصل
کتاب میں نہ ہو تو یقیناً پہچان لیا جائے گا اور اِمتیاز کرلیا جائے گا اور
معلوم ہو جائے گا کہ وہ اِلحاق ہے، اصل کتاب کا نہیں ہے، یہی حال
کتاب مزنی کا بھی ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ نقل وحفاظتِ قرآن
کی توجہ بہ نسبت کتابِ سیبویہ کے اور شعراء کے دیوانوں کے بہت
کامل تھی۔

نیز شریف مرتضٰی نے لکھا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ کے زمانے میں مجموع و مرتب تھا، جیسا کہ وہ اب ہے۔ اور
اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن اس زمانے میں پورا پڑھایا جاتا
تھا اور حفظ کرایا جاتا تھا، یہاں تک کہ صحابہؓ کی ایک جماعت حفظِ
قرآن میں نامزد کی گئی ہے، اور قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے

سامنے پیش کیا جاتا تھا، اور آپ کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا، اور یقیناً صحابہؓ میں مثل عبداللہ بن مسعودؓ و اُبیّ بن کعبؓ کے بہتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی ختم قرآن کے سنائے تھے، اور یہ سب باتیں ایک تھوڑے غور کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ بے شک قرآن مجموع و مرتب تھا، ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ نہ تھا۔ اور شریف مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ اِمامیہ اور حشویہ میں اس کے مخالف ہیں ان کا خلاف لائقِ اعتبار نہیں کیونکہ اس مسئلے میں ایک جماعتِ محدثین نے اختلاف کیا ہے، انہوں نے چند ضعیف روایتیں نقل کر کے ان کو صحیح سمجھ لیا، حالانکہ ایسی روایتوں کی بنا پر قطعی چیز نہیں چھوڑی جاسکتی۔''

تفسیر ''مجمع البیان'' کی اسی عبارت کو جناب حائری صاحب نے درمیان سے قطع و برید کر کے نقل کیا ہے اور ناواقفوں کو فریب دیا ہے کہ شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل نہیں۔

یہ لطیفہ بھی قابلِ تماشا ہے کہ جناب حائری صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ ''شیعہ مسلمان قطعاً تحریفِ قرآن کے قائل نہیں'' دیکھو رسالہ ''موعظۂ تحریف'' صفحہ:۵۶، مگر آگے چل کر صفحہ:۵۹ میں آپ اِقرار کرتے ہیں کہ اکثر اخباری شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور اخباری کے معنی آپ اہلِ حدیث غیر مقلدین بیان کرتے ہیں۔ پھر انہیں قائلینِ تحریف میں اپنے شیخ الاسلام کلینی اور ان کے اُستاد قمی اور طبرسی مصنف احتجاج کو بھی شمار کرتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا تناقض نہیں تو کیا ہے؟ کوئی ان سے پوچھے کہ یہ بزرگوار جن کو آپ خود قائلِ تحریف مان رہے ہیں، شیعہ تھے کہ نہیں؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو آپ کا یہ کہنا کہ شیعہ قطعاً قائلِ تحریف نہیں، خود آپ کے قول سے غلط ہوگیا۔ ایسی متناقض اور بے علمی کی باتیں اس رسالے میں بہت ہیں۔

''مجمع البیان'' کے علاوہ تین کتابوں کی عبارتیں حائری صاحب نے اور نقل کی ہیں، ان عبارتوں میں بھی انہیں منکرینِ تحریف کا قول ہے، لیکن ''مجمع البیان'' میں پورے بسط و تفصیل کے ساتھ مع دلائل ہے، اور ان میں دلیل نہیں ہے، لہٰذا ہم اپنی عبارت ''مجمع

البیان'' پر اِکتفا کر کے شریف مرتضیٰ کے دلائل کا حال اور ان کا نتیجہ حوالۂ قلم کرتے ہیں۔

ا:...شریف مرتضیٰ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر اپنے فرقے کا اِجماع بتا رہے ہیں، یہ ایسا صریح جھوٹ ہے کہ سوا شیعوں کے کسی مذہب کا عالم ایسے دروغِ بے فروغ کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس کا جھوٹ ہونا روایاتِ احتجاج وغیرہ کے علاوہ، جو اُوپر منقول ہوئیں، خود حائری صاحب کی نقل کردہ عبارت قوانین الاصول سے ظاہر ہے، وہ عبارت یہ ہے:

''فعن أكثر الأخباريين انه وقع فيه التحريف والزيادة والنقصان وهو الظاهر من الكليني وشيخه علي بن ابراهيم القمي والشيخ أحمد بن أبي طالب الطبرسي صاحب الاحتجاج.''

ترجمہ:...''اکثر محدثین سے منقول ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی، بیشی بھی ہوئی اور کمی بھی، اور یہی ظاہر ہے کلینی اور اس کے اُستاد علی بن ابراہیم قمی سے اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی مصنف احتجاج سے۔''

پس جب اکثر محدثین اور اتنے بڑے بڑے اکابر شیعہ کو قرآن میں کمی بیشی کئے جانے کا قائل آپ خود مان رہے ہیں تو شریف مرتضیٰ کا یہ کہنا کہ قرآن میں بیشی نہ ہونے پر سب شیعوں کا اِجماع ہے، جھوٹ ہوا کہ نہیں...؟

۲:...شریف مرتضیٰ قرآن میں کمی کی روایتوں کا وجود اپنے یہاں مان کر کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے، یہ بھی غلط ہے۔ صحیح ہونے کا کیا مطلب؟ صحیح تو وہی قول ہوسکتا ہے جس کی تائید معصوم کی حدیث سے ہوتی ہو، نہ کہ وہ قول جو زائد از دو ہزار اَحادیثِ معصوم کے خلاف ہو...!

۳:...شریف مرتضیٰ اپنی روایاتِ تحریف کو لکھتے ہیں کہ ضعیف ہیں، محدثین نے ان کو صحیح خیال کر کے ان کے موافق عقیدہ بنالیا۔ یہ قول بھی کس قدر پُرفریب ہے، ان روایتوں کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ بیان کرنی چاہئے تھی، باقاعدہ راویوں پر جرح کرتے

یا اور کوئی نقص سند میں بتاتے، بغیر اس کے کسی روایت کو ضعیف کہہ دینا کسی کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ اچھا بالفرض! یہ روایتیں جو دو ہزار سے زائد ہیں سب ضعیف ہیں تو شریف مرتضیٰ کوئی صحیح روایت ایسی پیش کر دیتے کہ فلاں امامِ معصوم نے فرمایا ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ صحیح نہ سہی، کوئی ضعیف ہی روایت اس مضمون کی اپنی کتابوں میں دِکھلا دیتے، مگر یہ بات ان کے اِمکان میں نہ تھی...!

۴:...شریف مرتضیٰ کہتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کے اسباب بہت تھے، قرآن معجزۂ نبوّت اور مأخذِ دِین تھا، صحابہؓ بڑے محافظِ دِین تھے، قرآن کی حفاظت میں بے انتہا اور بے مثل کوشش کرتے تھے، بہت سے صحابہ مثل عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے پورے قرآن کے حافظ تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی بار ختم سنا چکے تھے، اور آپ کے زمانے میں لوگوں کو درسِ قرآن دیتے تھے۔ صحابہؓ کے اس بے مثل اِہتمام اور کوشش کے سامنے قرآن میں تحریف ہوجانا محال ہے۔

حضراتِ شیعہ خصوصاً حائری صاحب اِیمان سے ارشاد فرمائیں کہ کیا واقعی شیعوں کا عقیدہ صحابہ کرامؓ کے متعلق یہی ہے جو شریف مرتضیٰ نے بیان کیا؟ آیا مذہبِ شیعہ صحابہ کرامؓ کو ایسا ہی دِین دار اور دِین کا محافظ، قرآن کا نگہبان مانتا ہے...؟

یقیناً شریف مرتضیٰ کی تقریر مذہبِ شیعہ کے بالکل خلاف ہے، شیعہ مذہب تو صحابہ کرامؓ کو... معاذ اللہ... دُشمنِ دِین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ پورے قرآن کا حافظ سوا ائمہ کے نہ کوئی تھا اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ہرگز قرآن کے نگہبان نہ تھے، اور کہتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن کے محرف ہوجانے کے اسباب زیادہ تھے، نہ محفوظ رہنے کے، کیونکہ تمام صحابہؓ دُشمنِ دِین تھے اور صاحبِ قوّت وشوکت تھے، مؤمن صرف چار یا پانچ تھے اور وہ ہر طرح سے عاجز اور کمزور، بے دست وپا تھے۔

شریف مرتضیٰ کی یہ تقریر بالکل مذہبِ اہلِ سنت کے مطابق ہے، صحابہ کرامؓ کے یہ فضائل اہلِ سنت کا عقیدہ ہیں نہ کہ شیعوں کا۔ اسی وجہ سے خود علمائے شیعہ نے بھی شریف موصوف کے قول کو رَدّ کیا ہے۔ حائری صاحب کو لازم تھا کہ اس رَدّ کو بھی نقل کرتے اور اس

کا جواب دیتے، مگر یہ ایمان داری ان کی وضع کے خلاف تھی، خیر اَب میں اس کو لکھتا ہوں، حائری صاحب غور فرما کر ملاحظہ کریں۔

علامہ محمد بن محسن کاشی تفسیر صافی میں شریف موصوف کے قول کو اس طرح رَدّ کرتے ہیں:

"أقول لقائل ان يقول كما أن الدواعي كانت متوفرة علىٰ نقل القرآن وحراسته من المؤمنين كذٰلك كانت متوفرة علىٰ تغييره من المنافقين المبدلين للوصية المغيرين للخلافة لتضمنه ما يضاد رأيهم والتغيير فيه ان وقع فانما وقع قبل انتشاره فى البلدان واستقراره علىٰ ما هو عليه الآن والضبط الشديد انما كان بعد ذٰلك فلا تنافي بينهما بل لقائل انه ما تغير فى نفسه وانما التغير فى كتابتهم اياه وتلفظهم به فانهم ما حرفوا الا عند نسخهم من الأصل وبقي الأصل علىٰ ما هو عليه عند العلماء ليس بمحرف وانما المحرف ما أظهروه لأتباعهم واما كونه مجموعا فى عهد النبى صلى الله عليه وآله علىٰ ما هو عليه الآن فلم يثبت وكيف كان مجموعا وانما كان ينزل نجومًا وكان لا يتم الا بتمام عمره صلى الله عليه وآله وأما درسه وختمه فانما كانوا يدرسون ويختمون ما كان عندهم لاتمامه."

ترجمہ:... "میں کہتا ہوں کہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کے اسباب ایمان والوں کی طرف سے زیادہ تھے اسی طرح منافقوں کی طرف سے، جنھوں نے وصیتِ

رسولِ خدا کو بدل دیا، خلافت کو متغیر کر دیا، قرآن کے محرف ہو جانے
کے اسباب زیادہ تھے، کیونکہ قرآن ان کی رائے کے خلاف تھا، اور
قرآن میں اگر تحریف ہوئی ہے تو قبل اس کے کہ وہ شہروں میں پھیلے
اور حالتِ موجودہ پر قرار پکڑے، اور یہ سخت حفاظت بعد اس کے ہوئی
ہے۔ پس اس سخت حفاظت اور تحریفِ قرآن میں کچھ منافات نہیں،
بلکہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اصل قرآن میں تحریف نہیں ہوئی،
تحریف صرف ان کے لکھنے اور تلفظ میں ہوئی، کیونکہ انہوں نے اصل
سے نقل کرتے وقت تحریف کی اور اصل قرآن اپنی حالت پر اپنے
اہل یعنی علمائے قرآن (ائمہ اہلِ بیت) کے پاس موجود ہے، پس جو
قرآن ائمہ کے پاس ہے وہ محرف نہیں ہے، محرف تو وہ ہے جس کو
جامعینِ قرآن نے اپنے پیروؤں کے لئے ظاہر کیا۔ باقی رہا یہ کہ
قرآن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے وقت میں جمع ہو چکا تھا، جیسا کہ اب
ہے، یہ بات ثابت نہیں، اور اس زمانے میں کیسے جمع ہو سکتا تھا کیونکہ
تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور اس کا اِختتام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
کی عمر کے اِختتام پر موقوف تھا۔ رہا قرآن کا درس اور ختم تو جس قدر
ان کے پاس تھا اسی کا درس ختم کرتے تھے نہ پورے کا۔"

لیجئے شریف مرتضٰی کا قول رَدّ ہو گیا، جو دلائل انہوں نے پیش کئے تھے، وہ مذہبِ شیعہ کی رُو سے بالکل غلط ثابت ہو گئے...!

علامہ خلیل قزوینی نے بھی صافی شرح کافی میں شریف مرتضٰی کے اس قول کو رَدّ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"دعویٰ اینکہ قرآن ہمیں است کہ در مصاحف مشہورہ است
خالی از اِشکال نیست و اِستدلال بریں اہتمام اصحاب و اہل اسلام
بضبط قرآن بغایت رکیک است بعد اطلاع بر عمل ابی بکر و عمر و عثمان۔"

ترجمہ:... ''اس بات کا دعویٰ کرنا کہ قرآن یہی ہے جو مصاحفِ مشہورہ میں ہے، مشکل ہے، اور اس پر صحابہ اور اہلِ اسلام کے اہتمام سے جو انہوں نے حفاظتِ قرآن میں کیا، اِستدلال کرنا نہایت کمزور ہے، بعد اس اَمر کے معلوم کرلینے کے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ و عثمانؓ نے کیا کیا کام کئے؟''

اور علامہ نوری طبرسی نے ''فصل الخطاب'' میں بہت بسط کے ساتھ منکرینِ تحریف کے قول کو رَدّ کیا ہے اور ان کے دلائل کو توڑا ہے۔ خاص کر شیخ صدوق کی تو بہت سی چوریاں پکڑی ہیں، اور آخر میں صاف لکھ دیا ہے کہ تحریف کے اِنکار میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ مذہبِ شیعہ کے لئے سمِ قاتل ہے، وہ لکھتے ہیں:

"قلت انه لشدّة حرصه علٰی اثبات مذهبه يتعلق بكل ما يحتمل فيه تأييد لمذهبه ولا يلتفت الٰى لوازمه الفاسدة التی لا يمكنه الالتزام به فان ما ذكره من الشبهة هی الشبهة التی ذكرها المخالفون بعينها وأوردها علٰی أصحابنا المدعين لثبوت النص الجلی علٰی امامة مولينا علیّ عليه السلام وأجابوا عنها بما لا يبقی معه ريب وقد احياها بعد طول المدة غفلة أو تناسيا عما هو مذكور فی كتاب الامامية." (فصل الخطاب ص:۳۵۷)

ترجمہ:... ''میں کہتا ہوں کہ صدوق اپنے مذہب کے ثابت کرنے کا اتنا سخت حریص ہے کہ جس بات میں ذرا سا بھی احتمال اپنے مذہب کی تائید کا پاتا ہے اس کو لے لیتا ہے اور اس کے نتائجِ فاسدہ کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ ان نتائج کو تسلیم کرنا اس کے امکان میں نہیں۔ جو اِعتراض اس نے تحریفِ قرآن پر کیا ہے بعینہٖ یہ وہی اِعتراض ہے جو مخالفین ہمارے اَصحاب پر حضرت علیؓ کی اِمامت

پر نصِ جلی ہونے کے متعلق کیا کرتے ہیں، اور ہمارے اصحاب نے
ان کے اعتراض کا جواب ایسے عمدہ دلائل سے دیا ہے کہ پھر کوئی شبہ
باقی نہیں رہتا۔ مگر صدوق وغیرہ نے ایک زمانۂ دراز کے بعد پھر اس
اعتراض کو زندہ کر دیا اور جو کچھ کتبِ اِمامیہ میں لکھا ہے، اس سے
غفلت یا فراموشی اِختیار کی۔''

واقعی علامہ نوری نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر منکرینِ تحریف کی دلیل صحیح ہو، اور صحابہؓ ایسے کامل، اِیمان دار اور محافظِ دِین مان لئے جائیں کہ ان کی دِین داری اور حفاظتِ دِین کے بھروسے پر قرآن میں تحریف کا ہونا محال ہو تو پھر خلافت کے معاملے میں بھی ماننا پڑے گا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا ہوتا تو ناممکن تھا کہ ایسے دِین دار اور دِین کے جاں نثار حکمِ رسول کے خلاف کسی دُوسرے کو خلیفہ بناتے۔ علیٰ ھٰذا ''فدک''، اگر حضرت فاطمہؓ کا حق ہوتا تو کبھی یہ دِین دار جماعت رسول کی بیٹی کی حق تلفی نہ کرتی۔ غرض صحابہؓ کے تمام مظالم کے افسانے بے بنیاد ہو جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سنی ہو جاؤ، سنیوں کی طرح صحابہ کرامؓ کی دِین داری اور تقدس کا عقیدہ رکھو، اور شیعوں کی تمام روایات کو زُور و بہتان سمجھو تو قرآن پر اِیمان ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں...!

مؤمن قرآن شدن با رفض دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

الحمدللہ! کہ یہ بحث پوری ہو چکی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اصلی مذہب شیعوں کا یہی ہے کہ قرآن شریف محرف ہے، کمی، بیشی، تغیر و تبدل الفاظ و حروف کا، اور آیات و سوَر بلکہ کلمات کی ترتیب کا خراب ہونا، غرض ہر قسم کی تحریف اس میں ہے، جو شیعہ تحریف کا اِنکار کرتا ہے وہ تقیہ کر رہا ہے۔ حائری صاحب اگر شیعوں کی پیشانی سے اس داغ کو مٹانا چاہتے ہیں تو ہماری اس تحریر کا جواب لکھیں اور اپنا وعدہ پورا کریں اور جواب میں ان کو تین کام کرنا ضروری ہیں:

اوّل:... یہ کہ زائد از دو ہزار روایاتِ تحریفِ قرآن کی جو ان کی کتابوں میں ہیں، جن کو محدثینِ شیعہ متواتر و مستفیض کہتے ہیں، ان کے غیر معتبر ہونے کی کوئی ایسی معقول وجہ بیان کریں جو ان کے اُصولِ حدیث کے مطابق ہو اور ان روایات کے غیر معتبر ہونے سے کوئی اثر ان کے فنِ حدیث پر خصوصاً روایتِ اِمامت پر نہ پڑنے پائے۔

دوم:... یہ کہ اپنی کتابوں سے کچھ معتبر حدیثیں ائمہ معصومین کی پیش کریں جن میں اس مضمون کی تصریح ہو کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ اگر کوئی صحیح روایت نہ دستیاب نہ ہو تو کوئی ضعیف ہی روایت دِکھلا دیں۔

سوم:... ایک فتویٰ تیار کریں کہ جو شخص تحریفِ قرآن کا قائل ہو وہ کافر ہے، اور قطعاً دائرۂ اِسلام سے خارج ہے، اور ان علماء و اکابر شیعہ کو، جو تحریفِ قرآن کے قائل تھے، جن میں اُصحابِ ائمہ و سفرائے اِمامِ غائب بھی ہیں، کافر نہ سہی گمراہ تو لکھ دیں، اور اس فتوے پر اپنی مہر کر کے شائع کر دیں۔ اور اچھا ہو کہ دُوسرے مجتہدینِ شیعہ مقیم لکھنؤ وغیرہ سے بھی اس فتوے پر تصدیقی مہریں کرا دیں۔

بغیر ان تین کاموں کے کئے، صرف یہ کہہ دینا کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں، کسی طرح لائقِ سماعت نہیں ہوسکتا، بلکہ بدیہیات کا اِنکار کرنا اور بے حیائی کی دلیل ہوگا۔‘‘

(تنبیہ الحائرین ص:۴۰ تا ۵۱)

————*
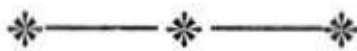
ان شیعہ اکابر کا اِنکارِ تحریف محض تقیہ پر مبنی ہے:

اُوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اکابرِ شیعہ میں سے جن چار بزرگوں (یعنی شیخ صدوق، شریف مرتضیٰ، شیخ الطائفہ طوسی اور اَبوعلی طبرسی صاحب مجمع البیان) نے تحریف کا اِنکار کیا ہے، وہ محض اَز رَاہِ تقیہ تھا، خود علمائے شیعہ نے بھی ان کے تقیہ کو تسلیم کیا ہے، چنانچہ سیّد نعمت اللہ جزائری ’’انوارِ نعمانیہ‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’والظاهر أن هٰذا القول انما صدر منهم لأجل مصالح كثيرة ..... كيف وهؤلاء الأعلام رووا في

مؤلفاتهم أخبارا كثيرة تشتمل علىٰ وقوع تلك الأمور في القرآن وانما الآية هٰكذا أنزلت ثم غيرت الىٰ هٰذا."

(انوارِنعمانیہ ص:۳۵۷،طبع جدید ۱۳۸۹ھ تبریز)

ترجمہ:... "ظاہر یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ اِنکار محض چند مصلحتوں پر مبنی ہے...... یہ حضرات قرآنِ کریم کے غیر محرف ہونے کا عقیدہ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ جبکہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں جو بتاتی ہیں کہ قرآن میں یہ یہ تحریفات ہوئی ہیں اور فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی، پھر اس کو یوں بدل دیا گیا۔"

محدث نعمت اللہ جزائری نے جو بات کہی ہے نہایت معقول ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی ایک روایت کو غلط بھی سمجھے اور پھر اس کو اِستدلال میں پیش کرکے اس پر اپنے عقائد کا محل بھی تعمیر کرے۔

"تحفہ اثناعشریہ" میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اِمام حسن عسکری کی ایک روایت صدوق کے حوالے سے نقل کی ہے، جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

"أعوذ بالله من قوم حذفوا محكمات الكتاب ونسوا رب الأرباب."

ترجمہ:... "اللہ کی پناہ! ان لوگوں سے جنھوں نے کتابُ اللہ کے محکمات کو حذف کردیا اور ربّ الارباب کو بھول گئے (یہ روایت اس سے قبل "ساتویں غلوّ" کے ذیل میں باحوالہ نقل کرچکا ہوں)۔"

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ترجمہ:... "شیخ صدوق سے تعجب ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "الاعتقادات" میں ایمانِ مغلّظہ ذکر کی ہیں اور سخت قسمیں

کھائی ہیں کہ اہلِ سنت ہم پر اِفترا کرتے ہیں، ہم ہرگز کتابُ اللہ کی تحریف کے اور اس میں سے سورتوں اور آیتوں کے اُڑا دیئے جانے کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے یہ جھوٹی روایت، جس کے شروع میں یہی تحریفِ قرآن کا مضمون ہے، اپنی کتاب میں نقل کردی، یہاں بھی ان حضرات کی طرف سے وہی طے شدہ عذر پیش کرنا چاہئے کہ:

دروغ گورا حافظہ نمی باشد۔"

(تحفہ اثناعشریہ ص:۱۶۲)

علامہ نوری ان بزرگواروں کے تقیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلت: قد عد هو في الشافي والشيخ في تلخيصه من مطاعن عثمان ومن عظيم ما أقدم عليه جمع الناس على قراءته وزيد واحراقه المصاحف وابطاله ما شك انه من القرآن، ولو لا جواز كون بعض ما أبطله أو جميعه من القرآن لما كان ذٰلك طعنا."

(فصل الخطاب ص:۳۳)

ترجمہ:... "میں کہتا ہوں کہ شریف مرتضیٰ نے "شافی" میں اور شیخ الطائفہ طوسی نے اس کی تلخیص میں حضرت عثمانؓ کے مطاعن اور ان کے عظیم ترین اِقدام کو ذِکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ: "حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو اپنی اور حضرت زیدؓ کی قراءت پر جمع کردیا، دیگر مصاحف کو جلاڈالا، اور جن الفاظ کے قرآن ہونے میں شک تھا، ان کو ختم کردیا۔" اب حضرت عثمانؓ نے جن چیزوں کو تلف کردیا، اگر وہ سب کی سب یا ان کا کچھ حصہ قرآن نہیں تھا، تو حضرت عثمانؓ پر کیا طعن ہوا؟"

مطلب علامہ نوری کا یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ اور شیخ الطائفہ (اسی طرح دیگر شیعہ اکابر بھی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ واویلا کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے اُمت کو ''مصحفِ امام'' پر جمع کر دیا اور دیگر مصاحف کو تلف کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ان مصاحف میں، جن کو تلف کیا گیا، ''مصحفِ امام'' کے علاوہ بھی کچھ قرآن تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیا طعن ہوا؟ اور ان کو بلاوجہ بدنام کرنے کے کیا معنی؟ اور اگر ان مصاحف میں کچھ زائد قرآن بھی تھا تو حضرت عثمانؓ پر طعن تو بجا رہا مگر اس کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا، خالص جھوٹ اور تقیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جو شخص حضرت عثمانؓ جامع القرآن پر طعن کرتا ہے وہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کیونکر کرسکتا ہے؟ اور جو شخص ایمان بالقرآن کے دعوے میں سچا ہو اس کے لئے حضرت عثمانؓ پر طعن کی کیا گنجائش ہے...؟

وجد و منع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی است
منکر مئے بودن وہم رنگ مستان زیستن

علامہ نوری لکھتے ہیں کہ شیخ الطائفہ کی کتاب ''التبیان'' تقیہ و فریب ہی کا شاہکار ہے، جس کا اعتراف ان کے خاندان کے اکابر نے بھی بڑی صفائی سے کیا ہے:

''ثم لا يخفى على المتأمل في كتاب التبيان أن طريقته، فيه على نهاية المداراة والمماشاة مع المخالفين ...... ومما يؤيد كون وضع هٰذا الكتاب على التقية ما ذكر السيد الجليل على بن طاؤس في ''سعد السعود''، وهٰذا لفظه: ونحن نذكر ما حكاه جدي أبو جعفر محمد بن الحسن الطوسي في كتاب التبيان، وحمله التقية على الاقتصار عليه ......''

(فصل الخطاب ص:۳۵)

ترجمہ:... ''پھر کتاب التبیان میں غور کرنے والے پر یہ

بات مخفی نہیں کہ شیخ الطائفہ کا طریقہ اس کتاب میں مخالفین کے ساتھ انتہائی تقیہ پر مبنی ہے......اور اس کتاب کی بنیاد ہی تقیہ پر ہے، اس اَمر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو سیّد جلیل علی بن طاؤس نے ''سعد السعود'' میں لکھی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

اور ہم ذکر کرتے ہیں اس بات کو جو میرے دادا شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی نے اپنی کتاب التبیان میں نقل کی ہے، اور شیخؒ کو تقیہ نے مجبور کیا کہ وہ اسی پر اِکتفا کریں۔''

خلاصہ یہ کہ ان چاروں بزرگواروں نے جو دعویٰ کیا ہے کہ قرآنِ کریم ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے، یہ ان کا اپنے دِین و مذہب کے خلاف تقیہ ہے، ورنہ اُصولِ تشیع پر یہ دعویٰ ناممکن ہے، چنانچہ خود علمائے شیعہ کو بھی ان کے قول کے مبنی بر تقیہ ہونے کا اِعتراف ہے۔

پاک و ہند کے شیعہ اکابر کا عقیدہ:

جس طرح شیعوں کے مندرجہ بالا چاراَ کابر نے اپنے عقیدے کے خلاف تقیہ کرتے ہوئے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ ہم تحریفِ قرآن کے قائل نہیں، ان کے بعد کے شیعہ علماء نے یہ رَوِش مستقل طور پر اَپنالی اور آج تک اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب موقع ملتا ہے برملا اپنے عقیدے کا اِظہار کرتے ہیں، اور جب اہلِ سنت سے گفتگو کا موقع آتا ہے تو تقیہ کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنے اصل عقیدے پر ''کتمان'' کا پردہ ڈال کر عقیدۂ تحریف سے براءت کا اِظہار کردیتے ہیں۔ پاک و ہند کی خاص فضا اور ماحول میں عقیدۂ تحریف کا اِظہار کچھ آسان نہیں، اس لئے یہاں کے شیعہ حضرات عموماً نقابِ تقیہ میں رُوپوش رہتے ہیں، اس کے باوجود شیعہ علماء کو جب بھی موقع ملتا ہے اپنے دِل کا بھید ظاہر کردیتے ہیں، اس لئے پاک و ہند کے اکابر شیعہ کی بھی چند تصریحات درج کرتا ہوں۔

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی:

شیعوں کا یہ ترجمہ ۱۳۲۷ھ میں لکھا گیا تھا، اور جب سے اب تک برابر پاک و ہند میں شائع ہو رہا ہے۔ میرے سامنے ''افتخار بک ڈپو، کرشن نگر، لاہور، پاکستان'' کا شائع کردہ چھٹا ایڈیشن ہے۔ اور اس پر بارہ اِماموں کی تعداد کے برابر بارہ مجتہدین اور اکابر شیعہ کی تقریظات اور دستخط موجود ہیں کہ یہ ترجمہ تفسیرِ اہلِ بیت کے بالکل مطابق ہے، اور مؤمنین کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہئے۔ وہ علماء و مجتہدین شیعہ درج ذیل ہیں:

۱:...	آیت اللہ، اعلم العصر سیّد احمد علی مفتی، لکھنؤ	متوفی ۱۳۸۸ھ
۲:...	شمس الواعظین سیّد محمد مجتہد، دہلی	متوفی ۱۳۹۲ھ
۳:...	مجتہد العصر سیّد کلب حسین عمدۃ العلماء، لکھنؤ	متوفی ۱۳۸۳ھ
۴:...	سرکار شریعت مدار مجتہد العصر سیّد نجم الحسن، لکھنؤ	متوفی ۱۳۵۷ھ
۵:...	اُستاذ الکل مجتہد العصر سیّد ظہور حسین، لکھنؤ	متوفی ۱۳۵۷ھ
۶:...	بحر العلوم مجتہد العصر سیّد یوسف حسین امروہوی، ہند	متوفی ۱۳۵۲ھ
۷:...	قمر الاقمار مجتہد سیّد سبط نبی نوگانوی	متوفی ۱۳۵۷ھ
۸:...	فقیہ اہلِ بیت مجتہد سیّد محمد باقر، لکھنؤ	متوفی ۱۳۴۶ھ
۹:...	آقائے سیّد مجتہد محمد ہادی، لکھنؤ	متوفی ۱۳۵۷ھ
۱۰:...	صدر المحققین مجتہدِ اعظم سیّد ناصر حسین، لکھنؤ	متوفی ۱۳۶۱ھ
۱۱:...	قدوۃ العلماء مجتہد سیّد آقا حسن، لکھنؤ	متوفی ۱۳۴۸ھ
۱۲:...	ناصر الشیعہ مجتہدِ پنجاب سیّد علی الحائری، لاہور	متوفی ۱۳۶۰ھ

اس ترجمے کے حواشی میں مندرجہ بالا مجتہدینِ شیعہ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ، جگہ جگہ تصریحات کی گئی ہیں کہ قرآنِ کریم میں تحریف کر دی گئی، یہاں بطورِ نمونہ پانچ تصریحات نقل کرتا ہوں:

۱:... سورۂ آلِ عمران کی آیت:۳۳ ''اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ

وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"تفسیر قمی میں وارِد ہے کہ یہ آیت اس طرح تھی: "ان اللہ اصطفٰی اٰدم ونوحًا واٰل ابراھیم واٰل عمران واٰل محمد علی العٰلمین" تو لوگوں نے اصل کتاب سے لفظ "آل محمد" کو گرادیا۔ تفسیر عیاشی میں جناب اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لفظ "آل محمد" اس آیت میں موجود تھا، لوگوں نے مٹادیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی: "اٰل ابراھیم واٰل محمد" بجائے لفظ "محمد" کے "عمران" بنادیا گیا (تفسیر قمی ص:۱۰۵)۔"

۲:...سورۂ یوسف کی آیت:۴۹ "ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیْہِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْہِ یَعْصِرُوْنَ" کا ترجمہ کیا ہے کہ:

"پھر اس کے بعد ایک ایسا برس آئے گا جس میں لوگ سیراب ہوجائیں گے اور جس میں وہ نچوڑیں گے۔" (یوسف:۴۹)

پھر اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

"تفسیر قمی میں جناب اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں تلاوت کی: "ثم یأتی من بعد ذٰلک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون" یعنی "یَعصِرون" کو معروف پڑھا جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر! وہ کیا نچوڑیں گے؟ آیا خمر نچوڑیں گے؟ اس شخص نے عرض کی: یا امیرالمؤمنین! پھر میں اسے کیونکر پڑھوں؟ فرمایا: خدا نے تو یوں نازل فرمایا ہے: "ثم یأتی من بعد ذٰلک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یُعصَرون" یعنی "یُعصَرون" کو مجہول بتایا،

جس کے معنی میں یہ فرمایا کہ: ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیا جائے گا اور دلیل اس اَمر پر خدا کا یہ قول لائے: ''وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجًا'' (اور ہم لوگوں نے بدلیوں سے موسلا دھار پانی اُتارا)۔''

آگے مترجم اور محشی مقبول احمد دہلوی ''قولِ مترجم'' کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اِعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاء کی خاطر یُعصَرون کو یَعصِرون سے بدل کر معنی کو زیر وزبر کیا گیا ہے۔ یا مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لئے ان کے کرتوت کی معرفت آسان کر دی۔ ہم اپنے اِمام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور ان ہی کے وقت میں وہ حسبِ تنزیلِ خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔'' (ص:۴۷۹)

۳:...سورۂ اَحزاب کی آخری آیت کے آخری کلمات: ''وَکَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

''[ثواب الاعمال] میں جناب اِمام جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ سورۂ اَحزاب سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ طویل تھی، مگر چونکہ اس میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بداَعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں، اس لئے اسے کم کر دیا گیا اور اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔'' (ص:۸۵۳)

۴:...سورۃ الرحمٰن کی آیت:۳۹ ''فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِہٖ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''[بشارات الشیعہ] میں ہے: میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب اِمام رضا علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ: تم میں سے دو بھی جہنم میں نہ دِکھائی دیں گے، نہیں واللہ! بلکہ ایک بھی نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ: یہ بات کتابِ خدا میں بھی کہیں ہے؟ پس حضرت نے ایک سال تک جواب نہ دیا۔ میسرہ کہتے ہیں کہ: سال بھر کے بعد ایک دن میں حضرت کے ساتھ طواف میں تھا کہ یکا یک فرمایا: اے میسرہ! مجھے تیرے فلاں سوال کے جواب دینے کی اجازت آج ملی ہے۔ میں نے عرض کی: اچھا حضور! وہ مقام قرآن مجید میں کہاں ہے؟ فرمایا: سورۂ رحمٰن میں ہے، اور وہ خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ منکم انس ولا جآن'' میں نے عرض کی کہ: اس جگہ ''منکم'' تو نہیں ہے، فرمایا: پہلی آیت جس میں ابنِ اروی (عثمان بن عفان) نے تغیر کیا یہی ہے۔'' (ص:۱۰۶۳)

۵:...سورۂ محمد کی آیت:۹ ''ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''ذٰلک بانھم کرھوا مآ انزل اللہ ....الخ۔ تفسیر قمی میں جناب اِمام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جبرئیل امینؑ نے جناب رسولِ خدا کو یہ آیت یوں پہنچائی تھی: ''ذٰلک بانھم کرھوا مآ انزل اللہ فی علیؑ'' مگر مرتدین نے نام اُڑا دیا، پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے جو آگے بیان فرمایا ہے: فاحبط اعمالھم۔'' (ص:۱۰۱۱)

ان لغو و لایعنی ہفوات کے نقل کرنے سے مقصود یہ دِکھانا ہے کہ پاک و ہند کے شیعہ مجتہدین تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور اگر کوئی شیعہ عالم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ تحریف کا قائل نہیں، تو وہ ازراہِ تقیہ جھوٹ بولتا ہے، البتہ یہاں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

اوّل:...مولوی مقبول نے تحریف کے جو حوالے نقل کئے ہیں وہ اپنے ائمہ کی

من گھڑت روایات کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک روایت بھی کسی امام کی نقل نہیں کی کہ یہ قرآن تحریف سے پاک ہے۔

دوم:... مولوی مقبول نے پوری جسارت سے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں: ''قرآن میں تحریف کردی گئی''، ''عثمان بن عفان نے تغیر کیا''، ''شراب خور خلفاء کی خاطر "یُعصَرون" کو "یَعصِرون" سے بدل کر معنی کو زیروزبر کردیا گیا''، ''مرتدین نے نام اُڑادیا، پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے''، ''اس آیت میں فلاں لفظ تھا لوگوں نے اس کو گرادیا، مٹادیا اوراس کے بجائے فلاں لفظ بنادیا'' کیا ان جسارت آمیز تصریحات کے بعد یہ کہنا ممکن ہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی اور ان کے ترجمے کی تصدیق وتوثیق کرنے والے مجتہدین، قرآنِ کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ تحریفِ قرآن کے قائل نہیں...؟

سوم:... مندرجہ بالا حوالوں میں ایک حوالہ ''ثواب الاعمال'' کا بھی آیا ہے، چشمِ بددُور! یہ شیعوں کے ''شیخ صدوق'' کی تالیف ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف کے منکر ہیں۔ اس حوالے کو اِستدلال کے طور پر پیش کرنے کے بعد دُنیا کا کون عقل مند ہوگا جو یہ بات ماننے کے لئے تیار ہو کہ شیعوں کا شیخِ اعظم ''شیخ صدوق'' قرآنِ کریم پر اِیمان رکھتا ہے اور اس کو تحریف سے پاک اور منزّہ سمجھتا ہے...؟

ترجمہ سیّد فرمان علی:

جناب سیّد فرمان علی صاحب کا یہ ترجمہ ہندوپاک میں بار بار شائع ہوا ہے، اور اس پر مندرجہ ذیل اکابرِ شیعہ کی تصدیقات ہیں:

۱:... جناب السید نجم الحسن مجتہد — متوفی ۱۳۵۷ھ

۲:... جناب السید محمد باقر مجتہد — متوفی ۱۳۴۶ھ

۳:... جناب السید ظہور حسین مجتہد — متوفی ۱۳۵۷ھ

۴:... جناب السید کلب حسین مجتہد — متوفی ۱۳۸۳ھ

۵:... جناب سیّد ناصر حسین مجتہد — متوفی ۱۳۶۱ھ

میرے سامنے ''پیر محمد اِبراہیم ٹرسٹ، ۱۳۹- فاران ہاؤسنگ سوسائٹی، حیدر علی

روڈ، کراچی نمبر۵'' کا مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں مندرجہ بالا مجتہدین کی تصدیق کے ساتھ اِقرارِ تحریف کے نمونے ملاحظہ فرمائیے:

ا:... آیتِ تطہیر میں تحریف:

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رُکوع (آیات: ۲۸ تا ۳۴) پورے کا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواجِ مطہراتؓ سے متعلق ہے، اسی ذیل میں آیت: ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے جو ''آیتِ تطہیر'' کے نام سے موسوم ہے:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا'' (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ:... ''اے (پیغمبر کے) اہلِ بیت! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) بُرائی سے دُور رکھے، اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔'' (ترجمہ: فرمان علی)

اس آیتِ کریمہ میں اَزواجِ مطہراتؓ کو ''اہلِ بیت'' سے خطاب کرکے ان کی تطہیرِ کامل کا اِعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی اس نصِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ اَزواجِ مطہراتؓ ''اہلِ بیت'' بھی ہیں اور فیصلۂ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو ''اہلِ بیت'' سے عداوت اور اللہ تعالیٰ کے اس قطعی فیصلے سے اِنحراف ہے، وہ اس آیت کی کوئی ایسی تأویل بھی نہیں کرسکتے جس کے ذریعے آیتِ تطہیر کا رُوئے سخن اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہٹاکر کسی اور کی طرف پھیرا جاسکے۔ اس لئے کہ ماقبل و مابعد میں خطاب اَزواجِ مطہراتؓ ہی سے چلا آرہا ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دے دیا جائے۔ جنابِ مترجم نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کردی گئی ہے، آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا، جسے... نعوذ باللہ... خودغرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے، مترجم کے الفاظ یہ ہیں:

''اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل و مابعد کو ملاکر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی، بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے، جس سے

صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کردی گئی ہے۔" (ص:۷۵۶)

مترجم کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں، ایک یہ کہ اگر قرآنِ کریم صحیح ہے، برحق ہے اور تغیر وتبدل سے محفوظ ہے تو یہ آیتِ تطہیر لامحالہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے، اور وہی قرآنی خطاب "اہل البیت" کا مصداق ہیں۔ دوم یہ کہ مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک قرآنِ کریم تحریف شدہ ہے، اس میں کسی "خاص غرض" کی وجہ سے تغیر وتبدل کردیا گیا ہے، نعوذ باللہ، اَستغفر اللہ...!

۲:... آیتِ رحمت وبرکات میں تحریف:

مترجم کی بدقسمتی سے قرآنِ کریم میں دُوسری جگہ بھی "اہل البیت" کا خطاب "نبی کی بیوی" کے لئے ہی استعمال ہوا ہے، سورۂ ہود آیت:۷۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ مقدسہ کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ مذکور ہے جس میں فرشتوں نے ان کو "اہل البیت" کے لفظ سے خطاب کیا:

"قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللهِ رَحْمَتُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ، اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ." (ہود:۷۳)

ترجمہ:... "وہ فرشتے بولے (ہائیں) تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہلِ بیتِ (نبوّت) تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں، اس میں شک نہیں کہ وہ قابلِ حمد (وثنا) بزرگ ہے۔" (ترجمہ: فرمان علی)

چونکہ اس آیتِ کریمہ میں "نبی کی بیوی" کو فرشتوں نے "اہل البیت" کے لفظ سے خطاب کیا ہے، جس سے ہر قاریٔ قرآن کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوگا کہ نبی کی بیوی بھی اس کے "اہلِ بیت" میں شامل ہے، اور یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ ان کے اہلِ بیت میں شامل ہے (جس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے دے رہے ہیں) تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں کیوں شامل نہ ہوں گی؟ آیت شریفہ کا یہ مفہوم اور یہ نتیجہ ایسا کھلا ہوا اور بدیہی ہے کہ کسی معمولی عقل وفہم کے آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں دُشواری پیش نہیں آسکتی، اور نہ اس میں کسی ادنیٰ تأویل کی گنجائش ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ... نعوذ باللہ... قرآنِ کریم کی یہ آیت ہی غلط ہے۔ چنانچہ مترجم نے اہلِ بیتِ نبوی کی عداوت سے مجبور ہوکر یہی راستہ اِختیار کیا، مترجم صاحب لکھتے ہیں:

> ''اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہلِ بیت میں داخل کیا ہے، کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں (قبل کی آیت میں نہیں، بلکہ اسی آیت کے پہلے جملے میں... ناقل) جتنا خطاب حضرت سارہؓ کی طرف ہے، واحد مؤنث کے صیغے میں، اور اس آیت میں ضمیر ''کُم'' جمع مذکر'' حاضر'' کی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کردی گئی ہے۔'' (ص:۴۱۱)

گویا مصنف کو صاف صاف اِقرار ہے کہ اگر قرآنِ کریم صحیح ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی نصِ قطعی کی رُو سے ''اَزواجِ نبی'' بغیر کسی شک وشبہ کے اہلِ بیت میں شامل ہیں، اور اگر اس عقیدے کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قرآنِ کریم کو غلط کہا جائے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالشِّقَاقِ...!

موصوف کی عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور ترجمان ہیں وہ ڈنکے کی چوٹ پر قرآنِ کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآنِ کریم پر اِیمان رکھتا ہو، اسے یہ بھی اِیمان رکھنا ہوگا کہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اہلِ بیت میں شامل ہیں، قرآنِ کریم نے انہی کو ''اہلِ بیت'' کا نام دیا ہے۔ اہلِ بیت (اَزواجِ مطہراتؓ) کی کرامت دیکھو کہ ان سے بغض وعداوت کے مریضوں کو اس کے سوا چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ قرآنِ کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہہ کر دِین و اِیمان سے خارج ہوں اور اپنے کفر کا صاف صاف اعلان کرنے پر مجبور ہوں۔ گویا خدائے عزیز و

ذُوانتقام نے اہلِ بیت (اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن) کے دُشمنوں کے مقابلے میں اپنی کتابِ عزیز کو پیش کردیا کہ وہ اس آہنی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہیں۔

۳:... سورۂ الم نشرح میں تحریف:

سورۂ الم نشرح کی آیت: "فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ" میں لفظ "فَانْصَبْ" صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے، جس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے یہ کیا ہے: "پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر۔"

لیکن مترجم اس کو "فَانْصِبْ" صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

> "تو اَب جبکہ تم (تبلیغ کے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جانشین مقرر کردیجئے۔"

اور حاشیہ میں اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں:

> "خدا نے دُوسرا اِحسان جتایا کہ تم پر جو نبوّت اور اَحکامِ خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا، اس کو علی بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کردیا۔ اور چونکہ اس حکمِ خدا یعنی حضرت علی کی خلافت کے اظہار کو حضرتِ رسول بہت مشکل کام سمجھتے تھے، اس بنا پر خدا نے جس طرح دُوسرے مقام پر دُوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمایا کہ: ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، پھر وقت مقرّر فرمادیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرّر کردو۔ اس کے بعد پھر خدا کی طرف رُجوع کرو، یعنی موت کی تیاری کرو۔" (ص:۱۰۷۵)

یہ ترجمہ و تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ "فانصب" کو صاد کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے، حالانکہ قرآنِ کریم میں "فانصب" کا لفظ زیر کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں، قرآنِ کریم میں تو "فانصَب" صاد کے زبر کے ساتھ ہے۔ جناب نجم الحسن کراروی نے

(جن کی نظرِ ثانی کے بعد یہ ترجمہ شائع ہوا ہے) اس پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے جو بطورِ ضمیمہ آخر میں ملحق ہے، اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ صحیح لفظ "فانصِب" صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے، فتحہ کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے، اور یہ تحریف حجاج بن یوسف ثقفی نے کی تھی، کراروی لکھتے ہیں:

"یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید پر اِعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے، جس کا تعصب اظہر من الشمس ہے، بروایت مشکوٰۃ اس نے پانچ لاکھ انسان قتل کرائے تھے، تواریخ میں ہے کہ شیعانِ علی کا قتل اس کی حکومت کے نصب العین میں شامل تھا، قرآن مجید پر اِعراب لگانے میں بھی یہ جذبہ کار فرما تھا، حضراتِ ائمہ اہلِ بیت نے آیت "فاذا فرغت فانصب" کو بکسرِ صاد قرار دیا ہے۔"

(ضمیمہ ص:۴)

قرآن مجید کے الفاظ کی تحریف کو "ائمہ اہلِ بیت" کی طرف منسوب کرنا کراروی صاحب اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کا خالص اِفترا ہے، اسی وجہ سے علامہ زمخشری صاحبِ کشاف کو اسے رافضیوں کی بدعت و اِختراع قرار دینا پڑا، جیسا کہ کراروی صاحب نے زمخشری کی عبارت نقل کی ہے:

"ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ فانصب بکسر الصاد أی فانصب علیًّا للامامة."

(ضمیمہ ص:۴)

ترجمہ:... "اور من جملہ بدعات کے ہے وہ بات جو بعض رافضیوں سے نقل کی گئی ہے کہ "فانصب" کو بہ کسرِ صاد پڑھ کر یہ مطلب لیا کہ علیؓ کو اِمامت کے لئے مقرّر کردو۔"

کراروی صاحب علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تعجب ہے کہ انہوں نے (علامہ زمخشری) نے اِعراب

لگانے والے پر کوئی اعتراض نہیں کیا، جس نے ''فانصب'' کے صاد کو مفتوح کر کے مقصودِ باری کو بدل دیا، اور اس پر اعتراض کرتے ہیں جس نے اسے مکسور قرار دے کر مقصودِ باری کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا ہے۔'' (ضمیمہ ص:٦)

مترجم کے ترجمے وتشریح اور کراروی صاحب کے طویل ضمیمے سے یہ اُمورِ ثلاثہ منشرح ہوگئے کہ:

الف:...شیعوں کے نزدیک ''فانصب'' بہ فتحِ صاد غلط ہے، یہ دراصل بکسرِ صاد تھا جسے تحریف کر کے بہ فتحِ صاد سے بدل دیا گیا۔

ب:...یہ تحریف حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے۔

ج:...اور اس تحریف سے مقصودِ ربانی کو بدل دیا گیا، اور آیت کا مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔

یہاں میرا مقصود کراروی صاحب کے نظریۂ تحریفِ قرآن کو ذکر کر کے، صرف یہ دِکھانا ہے کہ شیعہ، قرآنِ کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہتے ہیں۔ تاہم مناسب ہوگا کہ کراروی صاحب کے اِلزامِ تحریف کا جواب خود ان ہی کے ایک ہم مسلک بزرگ کے قلم سے ہوجائے۔ مشہور شیعی عالم محمد جواد مغنیہ (جن کو اِجتہادی صاحب نے ''آیت اللہ العظمیٰ'' کے وقیع خطاب سے یاد کیا ہے) کی تفسیر ''الکاشف'' میرے سامنے ہے، وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''وتجد الاشارة الٰی أن بعض المأجورين للفتنة وبث النعرات بين أهل المذاهب الاسلامية قد نسب الى الشيعة الامامية انهم يفسرون كلمة فانصب فى الآية الكريمة بالنصب عليًّا للخلافة ويكفى فى الرد علىٰ هٰذا الافتراء ما قاله صاحب مجمع البيان وهو من شيوخ المفسرين عند الشيعة الامامية قال عند تفسير

هـٰذه الآية ما نصه بالحروف: ومعنى انصب من النصب وهو التعب لا تشتغل بالراحة۔"

(الکاشف ج:۲ ص:۵۸۲ طبع بیروت)

ترجمہ:... "یہاں اس طرف بھی اشارہ کردینا مناسب ہے کہ بعض کرائے کے ٹٹو جنھیں فتنہ انگیزی اور اِسلامی مذاہب کے درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، انہوں نے شیعہ اِمامیہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اس آیتِ کریمہ کے لفظ "فانصب" کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علیؓ کو خلافت کے لئے مقرّر کردو۔ اور اس اِفترا کی تردید کے لئے صاحبِ مجمع البیان کا، جو شیعہ اِمامیہ کے نزدیک شیوخِ مفسرین میں سے ہے، قول نقل کردینا کافی ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "انصب" کا لفظ "نصب" سے ہے، جس کے معنی تعب و مشقت کے ہیں، یعنی راحت میں مشغول نہ ہو۔"

غور فرمایئے کہ کراروی صاحب تو "فانصب" بہ فتحِ صاد کو غلط قرار دینے پر چار پانچ صفحے سیاہ کرتے ہیں، اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتاکر تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں، اور اس کے بجائے "فانصِب" بکسرِ صاد کو صحیح بتاتے ہیں۔ لیکن ان کے ہم مسلک دُوسرے صاحب ان کی اس بات کو اِفترا و بہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے ٹٹو" کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی قرآنِ کریم کا معجزہ ہے اور حضراتِ اہلِ بیت کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردۂ تقیہ سے نکل کر اپنے عقیدۂ تحریفِ قرآن کا کچھ کچھ اِظہار کردیتے ہیں خود انہی کے ہم مسلک لوگ (اَز رَاہِ تقیہ) ان کو "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے ٹٹو" کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور اِفترا قرار دیتے ہیں، وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَال، واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا کہ:

"۳- علیّ بن ابراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي

عمیر، عن یونس بن عمّار، عن سلیمان ابن خالد قال:
قال أبو عبدالله علیه السلام: یا سلیمان! انکم علیٰ دین
من کتمه أعزّه الله و من أذاعه أذلّه الله."

(اُصولِ کافی، باب الکتمان ج:۲ ص:۲۲۲)

ترجمہ:... "تحقیق تم ایسے دِین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا
اللہ اس کو عزّت دے گا، اور جو شخص اس کو ظاہر کرے گا، اللہ اس کو
ذلیل کرے گا۔"

افسوس ہے کہ یہ حضرات "اِمام" کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے، اور اپنے اصل مقاصد کا اِظہار کرکے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کی زبان سے "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے ٹٹو" کا خطاب پاتے ہیں۔

تنبیہ:... محمد جواد مغنیہ صاحب "الکاشف" کا یہ کہنا کہ "فانصب" کی یہ تشریح شیعہ اِمامیہ پر اِفترا ہے، صحیح نہیں، کیونکہ کراروی صاحب نے اپنے ضمیمے میں شیعوں کے اِمام المفسرین علی بن ابراہیم القمی (متوفیٰ ۳۲۹ھ) سے یہی تفسیر نقل کی ہے:

"قال: اذا فرغت من حجة الوداع فانصب
أمیر المؤمنین علیّ بن أبی طالب."

(تفسیر قمی ج:۲ ص:۴۳۹، طبع نجف اشرف، ضمیمہ کراروی ص:۲)

ترجمہ:... "اے رسول! تم اب جبکہ حجۃ الوداع سے
فراغت کرچکے تو علی کے نصبِ خلافت کا اعلان کردو۔"

شیعہ مفسرین میں ابن ابراہیم قمی چوتھی صدی کے ہیں، اور علامہ کلینی مصنف "الکافی" کے اُستاد ہیں، جبکہ تفسیر "مجمع البیان" کے مصنف فضل بن حسن بن فضل طبرسی (متوفیٰ ۵۴۸ھ) چھٹی صدی کے ہیں۔ اس لئے طبرسی کے حوالے سے یہ کہنا تو غلط ہے کہ یہ شیعہ اِمامیہ پر اِفترا ہے، البتہ اگر موصوف یہ کہہ دیتے کہ یہ شیعہ اِمامیہ کا ائمہ پر اِفترا ہے تو یہ واقعے کی صحیح ترجمانی تھی...!

۴:... تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو! اِمام کا حکم:

کراروی صاحب نے اپنے ضمیمے میں ایک طرف تو "فانصب" بہ فتحِ صاد کو غلط اور تحریف شدہ ثابت کرنے پر پورا زورِ قلم صَرف کردیا ہے، اور اس کے لئے بڑی تقطیع کے چار پانچ صفحات سیاہ کرڈالے ہیں، لیکن بحث کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ:

"لیکن ہم حکمِ اِمام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے۔" (ص:۵)

"حکمِ اِمام" سے موصوف کا اشارہ اُصولِ کافی کی درجِ ذیل روایت کی طرف ہے:

"۲۳- محمد بن یحیٰی، عن محمد بن الحسین، عن عبدالرحمٰن بن أبی هاشم، عن سالم بن سلمة قال: قرأ رجل علٰی أبی عبدالله علیه السلام وأنا أستمع حروفًا من القرآن لیس علٰی ما یقرؤها الناس، فقال أبو عبدالله علیه السلام: کفّ عن هٰذه القراءة اقرأ کما یقرأ الناس حتّٰی یقوم القائم فاذا قام القائم علیه السلام قرأ کتاب الله عزّ وجلّ علٰی حدّه وأخرج المصحف الّذی کتبه علی علیه السلام وقال: أخرجه علیّ علیه السلام الی النّاس حین فرغ منه و کتبه فقال لهم: هٰذا کتاب الله عزّ وجلّ کما أنزل [الله] علٰی محمد صلی الله علیه وآله وقد جمعته من اللّوحین فقالوا: هو ذا عندنا مصحف جامع فیه القرآن لا حاجة لنا فیه، فقال أما والله ماترونه بعد یومکم هٰذا أبدا، انّما کان علیَّ أن أخبرکم حین جمعته لتقرؤوه."

(اُصولِ کافی ج:۲ ص:۶۳۳، مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ:... "سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ: میرے سامنے ایک

شخص نے اِمام جعفر کی خدمت میں قرآنِ کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں، جسے لوگ پڑھتے ہیں۔ اِمام نے فرمایا: ابھی اس قرآن کے پڑھنے سے باز رہو، بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ اِمام مہدی کا ظہور ہو، جب اِمام مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ کتابُ اللہ کو اپنی حد پر پڑھیں گے۔

اور اِمام نے وہ مصحف نکالا جس کو حضرت علیؓ نے لکھا تھا، اور فرمایا کہ: حضرت علیؓ جب اس کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو اس کو صحابہؓ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ: یہ کتابُ اللہ ہے جو ''ما انزل اللہ'' کے مطابق ہے، میں نے اس کو دو دفتیوں کے درمیان جمع کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا: ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس جامع مصحف موجود ہے، جس میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: سنو! اللہ کی قسم! آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے، جب میں نے اس کو جمع کیا تھا تو میرا فرض تھا کہ تم کو اس کی خبر کر دیتا تا کہ تم اس کو پڑھ لو (سو میں نے فرض ادا کر دیا)۔''

کراروی صاحب کے اس فقرے سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل:... ان کے نزدیک قرآن دو ہیں، ایک ''موجودہ قرآن'' جس پر ان کا اِیمان نہیں، بلکہ وہ اسے قولِ اِمام کی بنا پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔ دُوسرا اَصلی قرآن جو ان کے نزدیک تحریف سے پاک ہے، مگر اِمامِ غائب کے ساتھ وہ بھی دُنیا سے غائب ہے، گویا جو قرآن دُنیا میں موجود ہے اس پر ان کا اِیمان نہیں اور جس قرآن پر ان کا اِیمان ہے وہ دُنیا میں موجود نہیں۔

دوم:... ان کے اِمام کے بقول موجودہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے، اس کے باوجود اس کا پڑھنا فرض ہے، اس لئے کہ اِمام نے ان سے کہا ہے کہ غلط اور تحریف شدہ قرآن کو بس اسی طرح پڑھتے رہو۔

سوم:... یہ ظاہر ہے کہ تحریف شدہ الفاظ کلامِ الٰہی نہیں ہو سکتے، اس کو کلامِ الٰہی کہنا اور کلامِ الٰہی کی حیثیت سے پڑھنا اِفترا علی اللہ ہے۔ مگر کراروی صاحب کے بقول اِمام نے شیعوں کا اس کا حکم دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اِمام نے ایسا حکم کبھی نہ دیا ہوگا، بلکہ قرآنِ کریم کو تحریف شدہ ثابت کرنے کے لئے شیعوں کے مقدس راویوں نے اِمام پر اِفترا کیا ہے، ورنہ اگر "اِمام" اس کو تحریف شدہ سمجھتے تو اس کے پڑھنے کا حکم ہرگز نہ دیتے۔

چہارم:... کراروی صاحب کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ "اِمام" کی طرف منسوب روایات پر کتنا مضبوط اِیمان رکھتے ہیں کہ ان روایات پر اِعتماد کر کے قرآنِ متواتر کو ...نعوذ باللہ... غلط اور تحریف شدہ مان لیتے ہیں، اور انہی روایات کی بنا پر وہ "اِمام" کے ایسے مطیع و فرماں بردار ہیں کہ اِمام کی طرف خواہ کیسی ہی مہمل اور خلافِ عقل و شرع بات منسوب کی گئی ہو، وہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگر روایات کے مطابق اِمام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہو... جو صریح کفر ہے... تو یہ اس کی تعمیل کے لئے حاضر! اور اگر اِمام کہے کہ قرآن کو غلط پڑھو... جو اِفترا علی اللہ ہے... تو یہ اس کے لئے بھی ہر طرح تیار ہیں! شیعہ راویوں نے جو روایات گھڑ کر "اِمام" کی طرف منسوب کر دی ہیں کراروی صاحب اور ان کے گروہ کو ان راویوں پر اور ان کی روایات پر ایسا اِیمان ہے کہ ان کے بھروسے سے وہ قرآن کو غلط اور تحریف شدہ قرار دینا واجب سمجھتے ہیں، ان روایتوں سے اِنحراف ان کے نزدیک جائز نہیں...!

پنجم:... ان شیعی روایات نے "ائمہ" کی جو تصویر پیش کی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ "ائمہ ہدیٰ" کی ہے؟ یا... نعوذ باللہ... "ائمہ ضلالت" کی؟ قرآنِ کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا، پھر محرف قرآن کو پڑھنے کا حکم دینا کسی "اِمامِ ہدیٰ" کا کام نہیں ہو سکتا، مگر شیعی روایات یہ کہتی ہیں کہ "اِمام" قرآنِ کریم کو غلط بھی کہتے تھے اور اس کے پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، نَعُوْذُ بِاللهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ...!

۵:... آیت "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" میں تحریف:

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ" (الحجر:۹)

ترجمہ:... "بے شک ہم نے ہی تو قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی تو اس کے نگہبان ہیں۔" (ترجمہ: فرمان علی)

یہ آیتِ کریمہ مترجم (سیّد فرمان علی) کے عقیدۂ تحریف قرآن کی جڑ کاٹ دیتی ہے، مگر چونکہ ان کو قرآنِ کریم کے بجائے اِمام کی طرف منسوب رواياتِ تحریف پر ایمان ہے، اس لئے مترجم نے اس آیت کی ایسی تأویل کرڈالی جس سے ان کے اِمام کے عقیدۂ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے، چنانچہ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے، جس کو میں نے ترجمے میں اختیار کیا ہے، تب اس کی نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد ہونے نہ دیں گے۔ پس اگر تمام دُنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانے تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہوگئے، کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے، کیونکہ اس زمانے میں چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سیکڑوں ہزاروں اوراق قرآن کے برباد کئے جاتے ہیں۔ دُوسرے ذِکر سے مراد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے شر سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔" (حاشیہ ص:۴۶۹)

مترجم (سیّد فرمان علی) کی اس تأویل سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل:... یہ کہ ان کے نزدیک حفاظتِ قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن جو شرقاً و غرباً مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کے لاکھوں حافظ ہر زمانے میں رہے ہیں، یہ ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے، بلکہ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا ایک صحیح نسخہ

دُنیا میں موجود رہے گا۔

''ایک صحیح نسخہ'' سے ان کی مراد وہی نسخہ ہے جو اِمامِ غائب کے پاس ہے، جیسا کہ ''اُصولِ کافی'' کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کا ''صحیح نسخہ'' اپنے ساتھ لائیں گے اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں گے۔

شیعہ روایات کے مطابق یہ ''صحیح نسخہ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، مگر کسی نے اسے قبول ہی نہیں کیا، وہی ''صحیح نسخہ'' یکے بعد دیگرے اِماموں کے پاس منتقل ہوتا رہا، تا آنکہ اِمامِ غائب کے ساتھ وہ بھی غائب ہوگیا، جیسا کہ ''اُصولِ کافی'' کے حوالے سے ابھی گزرا ہے، مُلّا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

> ''پس بخواند قرآن را بنحوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغیر یافتہ باشد۔ چنانچہ درقرآن ہائے دیگر شد۔'' (حق الیقین ص:۳۵۸، مطبوعہ تہران ۱۳۵۴ھ)
>
> ترجمہ:... ''پس اِمام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر وتبدل ہوا ہو، جبکہ دُوسرے قرآنوں میں تغیر وتبدل ہوگیا ہے۔''

دوم:... مترجم صاف صاف لکھتے ہیں کہ:

> ''اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس (قرآن مجید) میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانے تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہوگئے ہیں۔''

مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بغیر کسی ادنیٰ تغیر وتبدل کے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے، اور اِن شاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے جسے انصاف پسند غیرمسلم بھی ماننے پر مجبور ہیں۔ جو شخص کتابُ اللہ میں تغیر وتبدل تسلیم کرتا ہے وہ کتابُ اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا، کیونکہ قرآنِ

کریم کو تحریف شدہ فرض کر لینے کے بعد نہ قرآنِ کریم کے کسی حرف پر اِعتماد رہ جاتا ہے، نہ دِینِ اسلام کی کسی بات پر، چنانچہ ''اُصولِ کافی'' کے محشی علامہ علی اکبر غفاری لکھتے ہیں:

''لانہ لو کان تطرق التحریف والتغییر فی ألفاظ القرآن لم یبق لنا اعتماد علیٰ شیء منہ، اذ علی ھذا یحتمل کل آیۃ منہ أن تکون محرفۃ ومغیرۃ وتکون علیٰ خلاف ما أنزلہ اللہ فلا یکون القرآن حجۃ لنا، تنتفی فائدتہ، وفائدۃ الأمر باتباعہ والوصیۃ بہ وعرض الأخبار المتعارضۃ علیہ.''

(حاشیہ اُصولِ کافی ج:۲ ص:۶۳۱، مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ:... ''کیونکہ اگر قرآن کے الفاظ میں تحریف اور تغیر و تبدل فرض کرلیا جائے تو ہمارے لئے اس کے کسی حرف پر بھی اِعتماد نہیں رہ جاتا، کیونکہ اس صورت میں قرآنِ کریم کی ہر آیت میں یہ احتمال ہوگا کہ وہ محرف ومبدل اور ما اَنزل اللہ کے خلاف ہو، پس اندریں صورت قرآن ہمارے لئے حجت نہیں رہ جاتا۔ اس کا فائدہ ہی ختم ہوجاتا ہے، اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت اور متعارض روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا اُصول یہ سب باطل اور بیکار ہوجاتے ہیں۔''

لیکن مترجم کے نزدیک قرآنِ کریم میں نہ صرف یہ کہ تغیر وتبدل ہوسکتا ہے بلکہ بہت سے تغیرات ہوچکے ہیں... نعوذ باللہ... نقلِ کفر، کفر نہ باشد...!

مترجم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان کے عقیدے کے مطابق قرآن میں کیا کیا تغیرات ہوچکے ہیں، صرف یہ کہا ہے کہ:

''کم از کم اس میں تو شک نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی''

موصوف کے اس عقیدے کی تشریح و وضاحت ان کے مسلک کی کتابوں کے

حوالے سے پہلے ذِکر کرچکا ہوں کہ قرآنِ کریم میں ...نعوذ باللہ...درج ذیل تبدیلیاں کردی گئی ہیں:

ا:...قرآنِ کریم کا بہت سا حصہ ساقط کردیا گیا۔

۲:...بہت سی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملادی گئیں۔

۳:...اس کے الفاظ بدل دیئے گئے۔

۴:...حروف تبدیل کردیئے گئے۔

۵:...سورتوں، آیتوں، بلکہ کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

۶:...آیت "هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ" میں تحریف:

سورۃ الحجر کے تیسرے رُکوع میں ہے:

"هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ" (الحجر:۴۱)

اس آیتِ کریمہ میں لفظ "عَلَيَّ" (عین، لام اور یائے مشدد تینوں کے فتحہ کے ساتھ) ہے۔ سیّد فرمان علی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: "یہی راہ سیدھی ہے کہ مجھ تک (پہنچتی ہے)" اس کے حاشیہ میں قرآنِ کریم کے ان الفاظ کو ...نعوذ باللہ... غلط، بھونڈے اور خرابی کے حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ترجمہ قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے، لیکن اس میں علاوہ بھونڈے معنی ہونے کے ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس صورت میں ایک نیا جملہ محذوف ماننا پڑے گا۔"

قرآنِ کریم کے ظاہری الفاظ کو غلط قرار دینے کے لئے مترجم ایک دُوسری قراءت نقل کرتے ہیں:

"بعض قراء نے "هٰذا صراط عليٌّ مستقيم" پڑھا ہے۔"

مترجم کے نزدیک یہ قراءت بھی غلط ہے، کیونکہ:

"اس بنا پر "عَلِيٌّ" فعيلٌ کے وزن پر بلند کے معنی میں ہوگا اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بلند راستہ ہے، حالانکہ یہ توجیہ بھی

صحیح نہیں، کیونکہ راستے کی خوبی سیدھا ہونا ہے، نہ بلند ہونا۔''

قرآن مجید کی ان دونوں متواتر قراءتوں کو غلط قرار دے کر مترجم اپنی طرف سے ایک نئی قراءت تصنیف کرکے اس کے ذریعے قرآنِ کریم کی ''اِصلاح'' کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''صراطُ عليٍّ مستقيمٌ کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، اس میں نہ کوئی لفظی خرابی لازم ہے نہ معنوی، اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''یہ علی کی راہ سیدھی ہے'' اور اس میں خدا کی طرف سے حضرت علیؓ کے نام کی تصریح اور اعلانِ عام ہے کہ حضرت ہی کا دِین سیدھا اور مستقیم ہے اور انہی کے پیرو جنت میں پہنچیں گے اور آپ کا شرف عظیم اور فخر جسیم ہے، اور یہی تفاسیرِ اہلِ بیت کا بھی منشا ہے۔''
>
> (ص:۴۷۳، ۴۷۴)

واضح رہے کہ ''صراطُ عليٍّ'' قرآنِ کریم کے الفاظ نہیں، بلکہ مترجم نے یہ لفظ خود تصنیف کرکے انہیں قرآنِ کریم میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقام پر مترجم نے دو جرائم کا اِرتکاب کیا ہے:

۱:... قرآنِ کریم کے الفاظ کو غلط قرار دینا، اور اس کے لئے سوقیانہ الفاظ استعمال کرنا، جو کفرِ صریح ہے۔

۲:... اپنے تصنیف کردہ الفاظ کو قرآنِ کریم میں داخل کرکے تحریفِ لفظی کا ارتکاب کرنا۔

مترجم کی یہ تحریف ان کے اس عقیدے پر مبنی ہے کہ... نعوذ باللہ... قرآنِ کریم میں تحریف کردی گئی، قرآن کے اصل الفاظ ''صراطُ عليٍّ'' ہونے چاہئیں مگر تحریف کرنے والوں نے اس کی جگہ ''صراطُ عليَّ'' لکھ دیا۔

ترجمہ فرمان علی کے اقتباسات کا خلاصہ:

ترجمہ فرمان علی اور اس کے حواشی کے جو اِقتباسات اُوپر دیئے گئے ہیں ان سے

مندرجہ ذیل نتائج بالکل ظاہر ہیں:

ا:... مترجم اور ان کے گروہ کے نزدیک یہ قرآنِ کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، بعینہٖ وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، بلکہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔

۲:... یہ تبدیلیاں خودغرض لوگوں نے ''کسی خاص غرض'' کی بنا پر کی ہیں۔

۳:... ان تبدیلیوں سے مرادِ الٰہی کو بدل دیا گیا، اور... نعوذ باللہ... بھونڈے الفاظ قرآن میں داخل کردیئے گئے۔

۴:... اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا جو وعدہ فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ایک ''صحیح نسخہ'' اپنی اصلی حالت پر رہے گا۔

۵:... اور یہ ''صحیح نسخہ'' حضرت علیؓ نے مرتب کیا تھا، جو یکے بعد دیگرے ائمہ کے پاس محفوظ چلا آتا تھا، اور اَب وہ ''صحیح نسخہ'' اِمامِ غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے۔

۶:... اس ''صحیح نسخے'' کے علاوہ اب رُوئے زمین پر قرآنِ کریم کا کوئی ''صحیح نسخہ'' موجود نہیں، چنانچہ مترجم کے مندرجہ بالا اِقتباسات میں قرآنِ کریم کے تمام موجودہ نسخوں کی غلطیاں اور تبدیلیاں قارئین ملاحظہ فرماچکے ہیں۔

کیا ان تمام تفصیلات کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ موجودہ دور کے شیعہ مجتہدین اور علماء کا قرآنِ کریم پر ایمان ہے؟ ہرگز نہیں...!!!

قرآنِ کریم میں شیعہ کی باطنی تأویلات اور تحریفِ معنوی:

شیعہ مذہب کا تمام تر مدار ان روایات پر ہے جو شیعہ راویوں نے ائمہ اَطہار کے نام سے تصنیف کی ہیں۔ ان روایات میں جہاں بغیر کسی جھجک کے قرآنِ کریم کی تحریفِ لفظی کو ائمہ اَطہار کی طرف منسوب کیا گیا ہے (جس کا مختصر خاکہ گزشتہ مباحث میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں) وہاں بے شمار رِوایات ایسی بھی ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن میں کلامِ اِلٰہی کو غیر مراد پر ڈھالا گیا ہے، اور پیٹ بھر کر قرآنِ کریم کی تحریف کی گئی ہے، اس تحریف کو ''بطنِ قرآن'' اور ''تاویلِ قرآن'' کا نام دیا گیا، اس ''تاویلِ قرآن'' کے ذریعے

قرآنِ کریم کی وہ تمام آیات جن میں کسی قسم کی مدح وثنا مذکور ہے، ان کو ائمہ اور ان کے اَتباع پر ڈھال دیا گیا، اور جہاں کہیں کفار ومشرکین کی مذمت ونکوہش بیان کی گئی ہے، ان کو بلاتکلف خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ پر چسپاں کردیا گیا۔

چنانچہ عقیدۂ اِمامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدے کے ذیل میں، میں علامہ مجلسی کی کتاب ''بحارالانوار'' کتاب الامامۃ سے باب:۲۱ کا یہ عنوان نقل کرچکا ہوں:

''الباب الواحد والعشرون

تأويل المؤمنين والايمان والمسلمين والاسلام بهم وبولايتهم عليهم الصلاة والسلام، والكفار والمشركين والكفر والشرك والجبت والطاغوت واللات والعزّى والأصنام بأعدائهم ومخالفيهم، وفيه: ۱۰۰ حديث'' (بحارالانوار ج:۲۳ ص:۳۵۴)

یعنی:... ''قرآنِ کریم میں جہاں ایمان و اسلام اور مؤمنین و مسلمین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی ولایت ہے، اور جہاں کفار ومشرکین، کفر وشرک، جبت و طاغوت، لات و عزیٰ اور اَصنام کا ذِکر آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دُشمن اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہؓ)۔''

علامہ مجلسی کے اس عنوان ہی سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں کہیں اہلِ اِیمان کی مدح وستائش کی گئی ہے، اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی اِمامت وولایت ہے۔ اور جہاں کہیں کافروں اور مشرکوں کا، منافقوں اور مرتدوں کا، اِبلیس وشیطان کا، فرعون و ہامان کا، جبت وطاغوت کا، لات وعزیٰ کا اور اَصنام کا ذِکر آیا ہے، اس سے مراد ہیں خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ۔ گویا پورا قرآن بس عقیدۂ اِمامت کی مدح اور صحابہ کرامؓ کی مذمت میں ہے، دگر ہیچ!

علامہ باقر مجلسی کے ایک نامور شاگرد جناب مُلّا ابوالحسن شریف ہیں، انہوں نے

ان باطنی روایات کو سامنے رکھ کر ''مرآۃ الانوار ومشکوٰۃ الاسرار'' کے نام سے ایک مبسوط کتاب تالیف فرمائی ہے، جو سیّد ہاشم بحرانی کی تفسیر ''البرہان'' کے مقدمے کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے، اس کی ابتداہی میں فرماتے ہیں:

''مقدمة الكتاب:

أما بعد يقول العبد الضعيف الراجى لطف ربه اللطيف، خادم كلام الله ابو الحسن الشريف حشره الله مع مواليه وجعل مستقبله خيرًا من ماضيه، ان من أبيَن الأشياء وأظهرها وأوضح الأمور وأشهرها ان لكل آية من كلام الله المجيد وكل فقرة من كتاب الله الحميد ظهرًا وبطنًا وتفسيرًا وتأويلًا، بل لكل واحدة منها كما يظهر من الأخبار المستفيضة سبعة بطون وسبعون بطنا، وقد دلت أحاديث متكاثرة كادت أن تكون متواترة علىٰ أن بطونها وتأويلها بل كثيرًا من تنزيلها وتفسيرها فى فضل شان السادة الأطهار، واظهار جلالة حال القادة الأخيار أعنى النبى المختار وآله الأئمة الأبرار، عليهم صلوات الله الملك الغفار، بل الحق المتين والصدق المبين كما لا يخفى على البصير الخبير، بأسرار كلام العليم القدير، المرتوى من عيون علوم أمناء الحكيم الكبير أن أكثر آيات الفضل والانعام والمدح والاكرام بل كلها فيهم وفى أوليائهم نزلت وان جل فقرات التوبيخ والتشنيع والتهديد والتفظيع بل جملتها فى مخالفيهم وأعدائهم وردت، بل التحقيق الحقيق كما سيظهر عن قريب ان تمام القرآن انما انزل

للارشاد اليهم والاعلام بهم وبيان العلوم والأحكام لهم والأمر باطاعتهم وترک مخالفتهم وان الله عزّ وجلّ جعل جملة بطن القرآن في دعوة الامامة والولاية كما جعل جل ظهره في دعوة التوحيد والنبوة والرسالة۔"

(تفسیر مرآۃ الانوار ص:۳)

اس طویل عبارت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ:

"یہ تو ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کی ہر آیت کے لئے بلکہ اس کے ہر فقرے کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ایک تفسیر ہے اور ایک تأویل۔ بلکہ اخبارِ مستفیضہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے ایک ایک فقرے کی ستتر، ستتر تأویلیں ہیں، اور بہت سی احادیث، جو قریب قریب متواتر ہیں، اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کی تأویل، بلکہ بیشتر تنزیل وتفسیر بھی اِماموں کی شان میں وارِد ہوئی ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ فضل واِنعام اور مدح واِکرام کی اکثر آیات بلکہ تمام کی تمام آیات صرف ائمہ اور ان کے اولیاء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور توبیخ وتشنیع اور تہدید وتفظیع کی بیشتر بلکہ تمام تر آیات ان کے مخالفین اور اَعداء کے بارے میں وارِد ہوئی ہیں، بلکہ کامل تحقیق یہ ہے کہ پورے کا پورا قرآن صرف ائمہ کی طرف رہنمائی کرنے، ان کا پتا بتانے، ان کے علوم واَحکام کو بیان کرنے، ان کی اطاعت کا حکم دینے اور ان کے مخالفین کو ترک کردینے کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کا تمام بطنِ قرآن اِمامت وولایت کی دعوت میں رکھا ہے، جیسا کہ ظاہر قرآن کا بیشتر حصہ توحید اور نبوّت و رِسالت کی دعوت میں رکھا ہے۔"

اسی کتاب کے مقدمہ اُولیٰ میں لکھتے ہیں:

''ان الأصل فی تنزیل القرآن بتأویلها انما هو الارشاد الی ولایة النبی والأئمة صلوات الله علیهم، واعلام عز شانهم، وذل حال شانئهم، بحث لا خیر خبر به الا وهو فیهم وفی أتباعهم، ولا سوء ذکر فیه الّا وهو صادق علٰی أعدائهم وفی مخالفیهم.'' (ص:۴)

ترجمہ:... ''تأویل کی روشنی میں تنزیلِ قرآن کا اصل مقصد صرف نبی اور ائمہ صلوات اللہ علیہم کی طرف رہنمائی کرنا، اور ان کی شان عزت اور ان کے دُشمنوں کی ذلیل حالت کو بتانا ہے اور بس۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خیر کی بھی خبر دی ہے وہ صرف ائمہ میں، اور ان کے پیروؤں میں پائی جاتی ہے، اور جس بُرائی کا بھی قرآن میں ذِکر آیا ہے وہ ان کے دُشمنوں اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ) پر صادق آتی ہے۔''

گویا قرآنِ کریم کی ان باطنی تأویلات سے صرف ایک ہی مدعا ہے، اور وہ یہ کہ قرآنِ کریم کے بطن (پیٹ) سے ایسے معنی نکالے جائیں کہ پورا قرآن... عبداللہ بن سبا کے ایجاد کردہ... عقیدۂ اِمامت و ولایت کا داعی اور نقیب بن جائے، اور اس کے ذریعے حضراتِ خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوب پیٹ بھر سبّ و شتم کیا جائے اور دُنیا بھر کے عیوب ان اکابر پر چسپاں کئے جائیں۔

رہا یہ کہ قرآنِ کریم کی اس باطنی تأویل کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابوالحسن شریف نے بڑی دِلچسپ اور نفیس باتیں کہی ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اعلم ان الحق الذی لا محیص عنه بحسب الأخبار المتواترة الآتیة وغیرها ان هٰذا القرآن الذی فی أیدینا قد وقع فیه بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم

شیء من التغییرات واسقط الذین جمعوه بعده کثیرًا من الکلمات والآیات وان القرآن المحفوظ عما ذکر الموافق ما انزله الله تعالیٰ ما جمعه علیٌّ علیه السلام وحفظه الیٰ ان وصل الیٰ ابنه الحسن علیه السلام وهٰکذا الیٰ ان انتهی الی القائم علیه السلام وهو الیوم عنده صلوات الله علیه، ولهٰذا کما قد ورد صریحًا فی حدیث سنذکره لما ان کان الله عزّ وجلّ قد سبق فی علمه الکامل صدور تلک الأفعال الشنیعة من المفسدین فی الدین وانهم بحیث کلما اطلعوا علٰی تصریح بما یضرهم ویزید فی شان علیّ علیه السلام وذریته الطاهرین حاولوا اسقاط ذٰلک راسا أو تغییره محرفین وکان فی مشیته الکاملة ومن الطاقة الشاملة محافظة أوامر الامامة والولایة ومحارسة مظاهر فضائل النبی صلی الله علیه وسلم والأئمة بحیث تسلم عن تغییر أهل التضییع والتحریف ویبقی لأهل الحق مفادها مع بقاء التکلیف لم یکتف بما کان مصرحا به منها فی کتابه الشریف بل جعل جل بیانها بحسب البطون وعلی نهج التأویل۔" (مرآۃ الانوار ص:۳۶)

ترجمہ:... "جاننا چاہئے کہ وہ حقیقت، جس سے احادیثِ متواترہ کی رُو سے مجالِ انکار نہیں، یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کچھ تبدیلیاں کردی گئیں، اور جن لوگوں نے آپ کے بعد قرآن کو جمع کیا، انہوں نے اس میں سے بہت سے کلمات وآیات نکال دیں،

اور جو قرآن کہ اس ردّ و بدل سے محفوظ رہا یہ وہ قرآن تھا جو حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا، آپ نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا (کسی شیعہ اور غیر شیعہ کو اس کی ہوا تک لگنے نہ دی) یہاں تک کہ آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے حضرت حسنؓ تک پہنچا، اسی طرح یکے بعد دیگرے اِماموں کو منتقل ہوتا ہوا اِمامِ غائب تک پہنچا، اور اَب وہ ان کے پاس ہے، ہم آگے چل کر صریح حدیث (حدیثِ زِندیق) ذِکر کریں گے (جس میں بتایا گیا ہے کہ) چونکہ اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل میں پہلے سے تھا کہ دِین کے بگاڑنے والوں (جامعینِ قرآن) سے ایسے افعالِ شنیعہ سرزد ہوں گے اور یہ کہ یہ مفسدین دُشمنانِ دِین جہاں ایسی تصریح دیکھیں گے جو ان کے خلاف ہوگی اور علیؓ اور ان کی ذُرّیتِ طاہرہ کی شان میں اضافہ کرے گی، یہ اس کو قرآن سے نکال دیں گے یا اس میں تبدیلی کرکے تحریف کردیں گے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیتِ کاملہ اور طاقتِ شاملہ میں تھا اِمامت و ولایت کے اَوامر کو محفوظ رکھنا، اور نبی کریم اور ائمہ کے فضائل کے مظاہر کی حفاظت کرنا، ایسے طور پر کہ وہ اہلِ تحریف کی دست بُرد سے محفوظ رہیں، اور اہلِ حق کے لئے ان کا مفاد مع بقائے تکلیف کے باقی رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب شریف میں ان اُمور کی تصریح پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس کا بیشتر مضمون قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا، اور اس کو نکالنے کے لئے تأویل کا راستہ مقرّر کردیا......"

موصوف کی یہ عبارت بڑے دِلچسپ فوائد پر مشتمل ہے:

اوّل:... حضرت علیؓ نے جو قرآن جمع کیا تھا، اور جو بغیر کسی رَدّ و بدل کے ما انزل اللہ کے مطابق تھا، وہ دُنیا میں کبھی منظرِ عام پر نہیں آیا، حضرت علیؓ سے گیارہویں اِمام تک وہ ہمیشہ ان کے پاس محفوظ رہا۔ اِمام اس کی خود تلاوت فرماتے ہوں تو معلوم نہیں، ورنہ کسی سنی

یا شیعہ کی اس تک رسائی نہ ہوئی۔ بارہویں اِمام جب غار میں رُوپوش ہوئے تو اس ''قرآنِ علی'' کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، چنانچہ اب وہ ان کے پاس غار میں محفوظ ہے، اور ایسا محفوظ کہ نہ دُنیا کو اس کی ہوا لگے، نہ اس کو دُنیا کی ہوا لگے...!

دوم:... حضراتِ خلفائے راشدینؓ نے قرآنِ کریم کا جو نسخہ مرتب فرمایا تھا، وہ جب سے اب تک دُنیا میں ایسا مشہور ہے کہ چاردانگِ عالم میں اسی کا شہرہ ہے، کلامِ اِلٰہی کی حیثیت سے ہمیشہ اسی کی تلاوت کی جاتی رہی، ہر زمانے میں لاکھوں اور کروڑوں اسی کے حافظ رہے، وہ ہمیشہ پوری دُنیا کے سامنے رہا، عام و خاص اسی سے اِستفادہ کرتے رہے، اسی کے الفاظ و معانی کی خدمت میں اہلِ علم نے عمریں صَرف کردیں، اور ہمیشہ اسی سے مسائل واَحکام کا اِستنباط ہوتا رہا، خلاصہ یہ کہ جو قرآن کہ ما اَنزل اللہ کے مطابق تھا، موصوف کے بقول، وہ کبھی منصہٴ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوا، اور کبھی دُنیا کو اس کی ایک جھلک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ اور جو قرآن جامعینِ قرآن نے مراتب کیا تھا، اور جس میں اپنی خواہش کے مطابق پیٹ بھر کر ردّ و بدل کردیا تھا، خدا کی شان دیکھو کہ آج تک دُنیا میں اسی کا سکہ جاری ہے...!

سوم:... اس قرآن میں اِمامت وولایت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِمامت وولایت اور ائمہ کی شان میں جتنی آیات نازل کی تھیں جامعینِ قرآن نے چن چن کر ان کو قرآن سے نکال دیا، یا ان میں ایسا ردّ و بدل کرڈالا کہ قرآنِ کریم سے عقیدہٴ اِمامت کا نام ونشان تک مٹ گیا (شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک کوئی شخص بھی عقیدہٴ اِمامت وولایت کا نام نہیں لیتا تھا، سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جس کو اس عقیدے کا اِنکشاف ہوا، اور اس نے عقیدے کی تبلیغ شروع کی) الغرض! قرآنِ کریم کی کسی آیت میں عقیدہٴ ولایت واِمامت کو تلاش کرنا کارِ عبث ہے۔

چہارم:... یہ تو ظاہر ہے کہ جب، موصوف کے بقول، جامعینِ قرآن نے قرآن میں ردّ و بدل کرکے... نعوذ باللہ... اس میں کفریہ مضامین بھردیئے، اور اِمامت اور ائمہ سے متعلقہ مضامین اس میں سے نکال دیئے تو اس تحریف اور کتر بیونت کے بعد یہ کتاب، کتابِ

ہدایت نہ رہی، بلکہ... نعوذ باللہ... یہ کتابِ ضلالت بن گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کتابِ ہدایت کے طور پر نازل فرمایا تھا، اور اس کو رہتی دُنیا تک دائم وقائم اور باقی رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا، مگر افسوس کہ، موصوف کے بقول، نہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ ہدایت کی حفاظت فرمائی، اور نہ اپنے دوٹوک وعدے کا اِیفا فرمایا، نہ حضرت علیؓ کے معصوم اور مقدس ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتابِ ہدایت کو دُنیا میں رائج کرنے کا انتظام فرمایا، حتیٰ کہ حضرت علیؓ اپنے دورِ خلافت میں بھی اس کو منظرِ عام پر نہ لاسکے۔

موصوف، ائمہ کی طرف منسوب کی گئی متواتر (مگر خالص جھوٹی) احادیث کی روشنی میں جو نتیجہ لوگوں کے سامنے پیش کررہے ہیں اس پر بشرطِ فہم وانصاف غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ ان روایات کے تصنیف کرنے والے نہ خدا کو مانتے تھے، نہ رسول کو، نہ قرآن کو ـــــ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کتابِ ہدایت کو تو علیؓ اور اولادِ علیؓ کے ہاتھوں دُنیا سے گم کرادیا جائے، اور منافقوں کی جمع کی ہوئی کتابِ ضلالت پوری دُنیا میں رائج ہوجائے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور ائمہ اَطہار بھی اسی تحریف شدہ کتابِ ضلالت کی ''تلاوت'' پر مجبور ہوں، علمائے شیعہ اسی کی تفاسیر لکھیں، اور شیعہ مؤمنین بھی اسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے پر مجبور ہوئے۔ کیا کوئی ادنیٰ عقل وفہم کا شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان رکھتا ہے اس شیعہ نظریے کو قبول کرسکتا ہے؟ یا ایسا نظریہ رکھنے والوں کو مسلمان تسلیم کرسکتا ہے...؟ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ...!

پنجم:... یہ تو پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت علیؓ سے لے کر آخری اِمام تک تمام ائمہ ہمیشہ رِدائے تقیہ میں رُوپوش رہے، حتیٰ کہ آخری اِمام تو شدّتِ تقیہ کی وجہ سے رُوئے زمین ہی سے غائب ہوگئے۔ اُوپر مولوی دلدار علی کی عبارت سے معلوم ہوچکا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضراتِ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ اور دیگر صحابہ کبارؓ سے بہت تقیہ کرتے تھے، حتیٰ کہ جو قرآن من جانب اللہ نازل ہوتا تھا وہ بھی تقیہ کے مارے ان حضرات کے سامنے نہیں پڑھتے تھے، اور اَب جناب علامہ ابوالحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان حضرات سے بہت تقیہ فرماتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم

تھا کہ اگر قرآنِ کریم کے ظاہری الفاظ میں اِمامت وولایت کو بیان کرنے پر اِکتفا کیا گیا تو یہ حضرات ایسے الفاظ کو حرفِ غلط کی طرح مٹاڈالیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطونِ قرآن (قرآن کے پیٹ) میں اِمامت وولایت کو بھردیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ سے تقیہ تھا، گویا اللہ تعالیٰ نے بھی اِماموں کی طرح تقیہ کیا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضراتِ خلفائے راشدینؓ کا اللہ تعالیٰ نے شیعوں کے دِل میں ایسا رُعب ڈالا ہے کہ ان کے خیال میں علیؓ شیرِ خدا بھی ان سے ڈرتے تھے، بعد کے ائمہ معصومین بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی، اور... نعوذ باللہ... اللہ تعالیٰ بھی، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ...!

ششم:... جناب علامہ ابوالحسن شریف بتاتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو عقیدۂ اِمامت وولایت اور شانِ ائمہ کی حفاظت منظور تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ قرآن کے پیٹ میں ان مضامین کو بھر کر اِمامت وولایت کو محفوظ کردے، اس لئے اس نے یہی کیا کہ عقیدۂ اِمامت کو قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا، مگر شاید ابوالحسن شریف کے نزدیک ائمہ کی ولایت و اِمامت، اللہ تعالیٰ کو قرآنِ کریم سے بڑھ کر عزیز تھی، کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کو دُشمنانِ دِین کی دست بُرد سے محفوظ رکھنے کا تو اِنتظام نہ کرسکا، لیکن ائمہ کی ولایت واِمامت کو قرآن کے پیٹ میں بھر کر اس کی حفاظت کا اِنتظام کردیا۔

ہفتم:... جناب ابوالحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کی باطنی تأویلات بھی درحقیقت ان کے عقیدۂ تحریفِ قرآن پر مبنی ہیں، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت فرمائی ہوتی اور اس کو منافقوں اور بددِینوں کی دست بُرد اور رَدّ و بدل سے محفوظ رکھنے کا اِنتظام فرمایا ہوتا تو اِمامت کے مضامین کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس خطرے کو محسوس کرلیا تھا کہ دُشمنانِ دِین اس کی کتابِ مقدس کا حلیہ بگاڑ دیں گے لہٰذا اس نے مضامینِ ولایت کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھردینے کا اِنتظام فرمادیا، اور شیعہ راویوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ اِماموں کے نام پر جھوٹی روایات تصنیف کرکے قرآن کے پیٹ میں سے ان مضامین کو... جو خالص کفر و زندقہ ہیں... اَخذ کریں، سُبْحٰنَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ!

مندرجہ بالا فوائد سے معلوم ہوا کہ ان باطنی روایات کے تصنیف کرنے والے درحقیقت باطنی زِندیق تھے، جو نہ خدا پر ایمان رکھتے تھے، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت و نبوّت کے قائل تھے، نہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اَطہار سے عقیدت و محبت تھی، نہ وہ دِینِ اسلام کو برحق سمجھتے تھے، ولایت و اِمامت کے نعرے کی آڑ میں ان کا ایک ہی مقصد تھا، یعنی دِینِ اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا، اس کے لئے انہوں نے عقیدۂ اِمامت و ولایت تصنیف کیا، اور پھر ائمہ اَطہار کے نام پر حضراتِ صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کے لئے انہوں نے ہزاروں روایات گھڑ کر جامعینِ قرآن کے کافر و منافق اور دُشمنانِ اہلِ بیت ہونے کے افسانے تراشے، دو ہزار سے زائد رِوایات اس مضمون کی گھڑلیں کہ قرآن میں ان دُشمنانِ دِین نے تحریف کرڈالی، اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی ان تمام مساعیٔ مذمومہ کے باوجود نہ مسلمانوں کے اِیمان بالقرآن میں تزلزل آیا، اور نہ اکابر صحابہؓ سے ان کی محبت وعقیدت میں کوئی فرق آیا، بلکہ مسلمانوں نے ان کے خودتراشیدہ افسانوں کو گوزِشتر سمجھا، تب انہوں نے قرآن کی ''باطنی تأویل'' کا راستہ اپنایا، اور اس کے لئے روایات کے دفاتر تصنیف کرڈالے۔ گویا ''تأویلِ باطنی'' سے بھی درحقیقت عداوتِ قرآن کا اِظہار مقصود تھا، کیونکہ جب قرآن کی باطنی تأویل کے ذریعے یہ سمجھایا جائے کہ جامعینِ قرآن کافر تھے، منافق تھے، مرتد تھے، خدا اور سول کے دُشمن تھے، تو ان کے ذریعے جو قرآن اُمت کو پہنچا، اس کا کیا اِعتبار رہا...؟ نعوذ باللہ، اَستغفر اللہ!

اب بطورِ مثال شیعوں کی اس ''باطنی تأویل'' کے چند نمونے پیش کرتا ہوں، جن سے واضح ہوگا کہ خالص کفریہ عقائد کو کس طرح قرآنِ کریم میں ٹھونسنے کی جسارت کی گئی ہے۔

''مرآۃ الانوار'' سے باطنی تأویل کے چند نمونے:

جیسا کہ اُوپر ذِکر کرچکا ہوں کہ علامہ ابوالحسن شریف کی کتاب ''مرآۃ الانوار'' بطورِ خاص ''باطنی تأویل'' کے موضوع پر لکھی گئی ہے، اور موصوف نے شیعوں کی ان باطنی تأویلات کا خاصا ذخیرہ اس میں جمع کردیا ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید

قرآنِ کریم کی ایک آیت کو بھی نہیں چھوڑا گیا جس کے پیٹ (بطن) میں تأویل کا نشتر نہ لگایا ہو، اوراس سے باطنی معنی نہ نکالے گئے ہوں۔

موصوف لکھتے ہیں:

''احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مقامات میں بطنِ قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے پاک نام ''اللہ'' کا، اِلٰہ کا اور ربّ کا لفظ اِمام پر بولا گیا ہے۔'' (ص:۵۷)

یعنی قرآنِ کریم میں کئی آیات میں جہاں ''اللہ''، ''خدا'' اور ''ربّ'' کا لفظ آیا ہے، اس سے حضرت علیؓ مراد ہیں، اوراس کے ذیل میں موصوف نے اس کی بہت سی مثالیں ذِکر کی ہیں، ان میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

ا:... ''وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ.'' (النحل:۵۱)

ترجمہ:... ''اور کہا اللہ نے: مت پکڑ معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو اِمام نہ بناؤ، اِمام تو بس ایک ہی ہے۔ (مرآۃ الانوار ص:۵۷)

گویا اس آیت میں ''معبود'' سے اِمام مراد ہے... نعوذ باللہ...!

۲:... ''ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (النمل:۶۱)

ترجمہ:... ''کیا کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں، بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

آیت سے مراد یہ ہے کہ کیا ایک وقت میں اِمامِ ہدایت کے ساتھ اِمامِ ضلالت ہوسکتا ہے؟ (مرآۃ الانوار ص:۵۷)

گویا اللہ سے اِمام مراد ہے۔

۳:... ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ." (البقرۃ:۱۶۵)

ترجمہ:... ''اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت میں ان لوگوں کا ذِکر ہے جنھوں نے اِمامِ برحق کو چھوڑ کر فلاں اور فلاں (ابوبکرؓ وعمرؓ) کو اِمام بنالیا۔ (مرآۃ الانوار ص:۵۸)

یعنی آیت میں ''اللہ'' سے مراد علیؓ ہیں، ''اَنداد'' سے مراد ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں، اور ''الناس'' سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں، جنھوں نے حضرت علیؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو خلیفہ بنالیا... نعوذ باللہ...!

۴:... "هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ." (الکہف:۴۴)

ترجمہ:... ''وہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

آیت میں ''ولایت'' سے ولایتِ علیؓ مراد ہے۔ (مرآۃ الانوار ص:۵۸)

یعنی آیت میں ''اللہ برحق'' حضرت علیؓ کو کہا گیا ہے... نعوذ باللہ...!

۵:... "وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا" (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ:... ''اور شریک نہ کرے اپنے رَبّ کی بندگی میں کسی کو۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یعنی ولایتِ آلِ محمد کے ساتھ دُوسروں کو اِمام نہ بنائے۔ (مرآۃ الانوار ص:۵۸)

گویا ''اپنے رَبّ'' سے مراد ''اِمام'' ہے، عبادت سے مراد ہے ان کی وِلایت، اور بندگی میں شریک کرنے کا مطلب ہے کسی اور کو اِمام بنانا۔

۶:... "وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا" (الدہر:۲۱)

ترجمہ:... ''اور پلائے گا ان کو ان کا رَبّ، شراب جو پاک کرے دِل کو۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یہاں ''ان کے رَبّ'' سے حضرت علیؓ مراد ہیں یعنی علیؓ شراب پلائیں گے۔

(مرآۃ الانوار ص:۵۹)

۷:... ''وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا'' (الفرقان:۵۵)

ترجمہ:... ''اور کافر ہے اپنے رَبّ کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

آیت میں ''اپنے رَبّ'' سے حضرت علیؓ مراد ہیں، اور ''کافر'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے علیؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ (مرآۃ الانوار ص:۵۹)

۸:... ''قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا'' (الکہف:۸۷)

ترجمہ:... ''بولا (یعنی ذُوالقرنین) جو کوئی ہوگا بے انصاف! سو ہم اس کو سزا دیں گے، پھر لوٹ جائے گا اپنے رَبّ کے پاس، وہ عذاب دے گا اس کو بڑا عذاب۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

''اپنے رَبّ'' سے مراد علیؓ ہیں... نعوذ باللہ... یعنی علیؓ اس کو عذاب دیں گے۔

(مرآۃ الانوار ص:۵۹)

۹:... ''وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا.'' (الجن:۱۳)

ترجمہ:... ''اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اس کو مان لیا، سو جو کوئی یقین لائے گا اپنے رَبّ پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے، نہ زبردستی سے۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم مولا علیؓ پر ایمان لائے، سو جو کوئی اپنے مولا علیؓ کی ولایت پر ایمان لائے اس کو کسی نقصان اور زبردستی کا اندیشہ نہیں۔ (مرآۃ الانوار ص:۹۸)

گویا اس آیت میں بھی ''اپنے رَبّ'' سے حضرت علیؓ مراد ہیں، اور ''ہم اپنے رَبّ پر ایمان لائے'' سے مراد ہے حضرت علیؓ پر ایمان لانا... نعوذ باللہ...!

۱۰:... ''وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا''

(الجن:۱۸)

ترجمہ:... ''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اِمام، آلِ محمد سے ہے، لہٰذا کسی اور کو اِمام نہ بناؤ۔

(مرآۃ الانوار ص:۱۷۶)

گویا یہاں ''اللہ'' سے مراد اِمام ہے... نعوذ باللہ...!

۱۱:... ''اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

(الاعراف:۳۰)

ترجمہ:... ''انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق، اللہ کو چھوڑ کر۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یعنی انہوں نے اِمامِ برحق کو چھوڑ کر دُوسروں کو اِمام بنالیا۔ (مرآۃ الانوار ص:۲۰۴)

گویا آیت شریفہ میں ''اللہ'' سے مراد ہے اِمامِ برحق، اور شیاطین سے مراد ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ... نعوذ باللہ...!

۱۲:... ''اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ'' (المؤمن:۷)

ترجمہ:... ''جو لوگ اُٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

عرش سے مراد علمِ اِلٰہی ہے، اور عرش کے اُٹھانے والے اِمام ہیں۔

(مرآۃ الانوار ص:۱۳۰)

۱۳:... ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ'' (المرسلات:۴۸)

ترجمہ:... ''اور جب کہیے ان کو کہ جھک جاؤ، نہیں جھکتے۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یعنی جب ان سے کہا جائے کہ علیؓ کو اِمام بناؤ تو نہیں بناتے۔ (مرآۃ الانوار ص:۱۳۱)

۱۴:... "اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ"

(الحاقہ:۱۱)

ترجمہ:... "ہم نے، جس وقت پانی اُبلا، لادلیا تم کو چلتی کشتی میں۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

"چلتی کشتی" سے امیر المؤمنینؓ اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔ (مرآۃ الانوار ص:۱۱۹)

۱۵:... "فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ" (الحج:۴۴)

ترجمہ:... "سو کتنی ہیں بستیاں ہم نے غارت کرڈالیں، اور وہ گنہگار تھیں، اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور کتنے کنویں نکمّے پڑے، اور کتنے محل گچ کاری کے۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یہاں "بئر معطلة" (کتنے کنویں نکمّے پڑے) سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔

(مرآۃ الانوار ص:۹۴)

حضرت علیؓ سے نادان کی دوستی کا کیا اچھا مظاہرہ ہے...!

۱۶:... "وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"

(الذاریات:۱۱)

ترجمہ:... "اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

سائل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور محروم حضرت علیؓ ہیں ...نعوذ باللہ...۔ (مرآۃ الانوار ص:۱۳۱)

۱۷:... "وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ" (النمل:۸۵)

ترجمہ:... "اور جب پڑ چکے گی ان پر بات، نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے۔" (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یہاں ''زمین اور جانور'' سے مراد حضرت علیؓ ہیں... نعوذ باللہ، استغفر اللہ...!

(مرآۃ الانوار ص:۱۴۶)

۱۸:... ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا'' (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:... ''اور اُتاری ہم نے تم پر روشنی واضح۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

آیت میں ''نورمبین'' سے مراد علیؓ ہیں، اسی طرح جن جن آیات میں ''نور'' کا لفظ آیا ہے، اس سے ''اِمام'' یا ''ولایتِ اِمام'' مراد ہے، مثلاً:

الف:... ''وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ'' (الحدید:۲۸)

ترجمہ:... ''اور رکھ دے گا تم میں روشنی، جس کو لئے پھرو۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یعنی تمہارے لئے اِمام بنادے گا جس کی تم اِقتدا کروگے۔

ب:... ''وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ''

(النور:۴۰)

ترجمہ:... ''اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی، اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یعنی جس کا کوئی اِمام نہیں، اس کے لئے قیامت کے دن کوئی اِمام نہیں ہوگا جس کی روشنی میں چلے۔

ج:... ''نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' (التحریم:۸)

ترجمہ:... ''ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یہاں ''نور'' سے مراد ائمہ ہیں، جو قیامت کے دن مؤمنین کے آگے اور دائیں چلیں گے۔

د:... ''وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ'' (الاعراف:۵۷)

ترجمہ:... ''اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس (نبی) کے ساتھ اُترا۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

یہاں بھی نور سے مراد علیؓ ہیں۔

الغرض ایسی تمام آیات جن میں ''نور'' کا لفظ آیا ہے اس سے ''اِمام'' اور ''ولایتِ اِمام'' مراد ہے۔ (مرآۃ الانوار ص:۳۱۵)

۱۹:... ''فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى'' (محمد:۱۵)

ترجمہ:... ''اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا، اور نہریں ہیں دُودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا، اور نہریں ہیں شراب کی، جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے، اور نہریں ہیں شہد کی، جھاگ اُتارا ہوا۔'' (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

ان تمام نہروں سے ''اِمام'' مراد ہیں۔ (مرآۃ الانوار ص:۳۱۵)

۲۰:... ''وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰئِكَةً'' (المدثر:۳۱)

ترجمہ:... ''اور ہم نے جہنم کا نگہبان تو بس فرشتوں کو بنایا ہے۔'' (ترجمہ: فرمان علی)

یہاں ''النار'' (جہنم) سے مراد اِمامِ قائم ہے، ''اَصحاب النار'' سے مراد شیعہ ہیں، اور فرشتوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم آلِ محمد کے مالک ہیں۔ (مرآۃ الانوار ص:۳۱۴)

یہ چند مثالیں شیعوں کی باطنی تأویلات کے دریائے موّاج میں سے ایک قطرے کی حیثیت رکھتی ہیں، جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کو کس بے دردی کے ساتھ مذموم عقائد پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی، اور آیات کے سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کس طرح قرآن کے معنی و مفہوم کو مسخ کیا گیا ہے۔

شیعوں کی ''باطنی تأویل'' کی تصویر نامکمل رہے گی، اگر یہ نہ دِکھایا جائے کہ

قرآن کی باطنی تأویل کی آڑ میں خلفائے راشدین اور حضراتِ مہاجرین وأنصار رضی اللہ عنہم کے خلاف کس طرح زہر اُگلا گیا ہے؟ اس لئے چند نمونے اس کے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

ا:... سورۃ البینہ کی آیت:۶ میں کفار و مشرکین کا ذِکر ہے، جس کے آخر میں ان کو "شرّ البریّة" (بدترینِ خلائق) فرمایا گیا ہے، شیعوں کی باطنی تأویل میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مصداق اَعدائے علیؓ اور غاصبینِ خلافت ہیں (یعنی بزعمِ شیعہ خلفائے راشدینؓ اور حضراتِ مہاجرینؓ و اَنصارؓ مراد ہیں) کیونکہ یہ سب مرتد ہوگئے تھے، اور ان کا یہ فعل (حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ بنانا) تمام کفار و مشرکین کے اعمال و افعال سے بدتر تھا، اس لئے یہ حضرات کفر میں تمام کفار سے بدتر تھے... نعوذ باللہ، اَستغفر اللہ...! (مرآۃ الانوار ص:۱۹۸)

۲:... قرآنِ کریم میں جہاں خمر، خنزیر اور لحمِ خنزیر کا ذِکر آیا ہے باطنی تأویل کے لحاظ سے اس سے مراد اَعدائے اَئمہ ہیں، یعنی ...نعوذ باللہ... حضراتِ خلفائے راشدینؓ اور مہاجرینؓ و اَنصارؓ۔ (مرآۃ الانوار ص:۱۳۸)

۳:... قرآنِ کریم میں جہاں شیطان، اِبلیس، فرعون، ہامان کا ذِکر آیا ہے، باطنی تأویل کی رُو سے، اس سے مراد خلفائے راشدینؓ ہیں، خصوصاً خلیفہ ثانیؓ کہ شیعہ عقیدے کے مطابق وہ اِبلیس الابالسہ اور فرعون الفراعنہ تھے... نعوذ باللہ...!

(مرآۃ الانوار ص:۹۸، ۲۰۴، ۲۶۳، ۳۴۱)

۴:... قرآنِ کریم میں جہاں کہیں زِنا، فاحشہ، فواحش، منکر، بغی، میسر، اَنصاب، اَزلام، اَوثان، جبت و طاغوت، میتہ، دَم اور لحمِ خنزیر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد اَئمہ جور ہیں، یعنی خلفائے راشدینؓ... نعوذ باللہ...! (مرآۃ الانوار ص:۲۵۸)

۵:... قرآنِ کریم میں جہاں رات کے چھا جانے کا ذِکر ہے، اس سے مراد ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض کیا جانا، اور دُشمنوں کا خلافت پر مسلط ہوجانا۔ (مرآۃ الانوار ص:۲۹۵)

۶:... قرآنِ کریم میں جہاں ظلمت کا ذِکر ہے اس سے مراد ہے اَئمہ کے دُشمن، یعنی خلفائے راشدین (ابوبکرؓ و عمرؓ) اور معاویہؓ، یزید اور بنواُمیہ۔ (مرآۃ الانوار ص:۲۲۸)

۷:... قرآنِ کریم میں ظلم اور ظالموں کا ذِکر آیا ہے، باطنی تأویل کی رُو سے اس

سے مراد ہے خلیفہ اوّل، خلیفہ ثانی، بنواُمیہ اور قاتلینِ حسینؓ اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال۔ (مرآۃ الانوار ص:۲۲۸)

۸:...قرآنِ کریم میں جہاں کفر اور کافروں کا ذِکر آیا ہے اس کی تأویل ہے رُؤساءِ مخالفین، خصوصاً خلفائے ثلاثہؓ، کیونکہ ان کا کفر و اِنکار سب سے بڑھ کر تھا۔ اور اُممِ سابقہ کے کفر کا جو ذِکر قرآن میں آیا ہے وہ بھی اَز رُوئے تأویل اِنکارِ ولایت کی وجہ سے تھا۔

(مرآۃ الانوار ص:۲۸۷)

۹:...قرآنِ کریم میں جہاں ''اَنداد'' کا ذِکر آیا ہے (جن کو کافروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا) اس سے مراد خلیفہ اوّل و ثانی ہیں، اور ان کو خلیفہ بنانے والے مشرک ہیں۔

(مرآۃ الانوار ص:۳۱۰)

۱۰:...قرآنِ کریم میں جہاں نفاق اور منافقین کا ذِکر آیا ہے اس سے مراد ہے مخالفین اور ان کے رُؤساء (یعنی حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم)۔

(مرآۃ الانوار ص:۳۱۹)

۱۱:...قرآنِ کریم میں جہاں مرتدین کا ذِکر آیا ہے اس سے مراد ہے فلاں اور فلاں اور فلاں (یعنی خلفائے راشدینؓ) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ولایتِ علیؓ کا اِنکار کرکے اِیمان سے نکل گئے۔ (مرآۃ الانوار ص:۱۵۸)

۱۲:...قرآنِ کریم میں آٹھ جگہ گوسالہ، سامری کا ذِکر ہے، جس کی بنواِسرائیل نے پرستش کی تھی، باطنی تأویل کی رُو سے عجل (گوسالہ) سے مراد ہیں: حضرت ابوبکرؓ، سامری سے مراد ہیں: حضرت عمرؓ، اور گوسالہ کے پجاریوں سے مراد ہیں: حضراتِ مہاجرینؓ واَنصارؓ جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی... نعوذ باللہ...! (مرآۃ الانوار ص:۲۳۹)

۱۳:...قرآنِ کریم کی ایک آیت میں اس عورت کی مثال بیان ہوئی جو سوت کات کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالتی تھی۔ (النحل:۹۲) اس سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جنھوں نے اپنے اِیمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا... نعوذ باللہ من الھفوات والھذیان! (مرآۃ الانوار ص:۳۱۸)

ان چند مثالوں سے واضح ہوا ہوگا کہ ''تأویلِ باطنی'' کی آڑ میں کیسی کیسی خرافات وکفریات کوقرآنِ کریم میں ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کس کس طرح حضراتِ خلفائے راشدین اورمہاجرین وانصار...رضی اللہ عنہم ...کوکافر وبے ایمان کہہ کران کے ذریعے ملنے والے قرآن اور دینِ اسلام کی ایک ایک چیز کے خلاف زہراُ گلا گیا ہے۔شیعوں کی تمام تفاسیر (مثلاً تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر البرہان وغیرہ) اس قسم کی روایات سی بھری پڑی ہیں، لیکن اُردو تراجم وتفسیر میں ان کا اِظہار بہت کم ہوتا ہے تاکہ عام اہلِ سنت کوشیعوں کے ''باطن'' پر اِطلاع نہ ہو، تاہم اُردو تراجم میں بھی ایسی تأویلات کے نمونے سامنے آجاتے ہیں۔مناسب ہوگا کہ چند مثالیں ترجمہ مقبول سے بھی پیش کردی جائیں۔

ترجمہ مقبول علی سے تأویلِ باطنی کی چند مثالیں:

ا:...سورۂ فاتحہ آیت:۶:...ایک روایت میں آیا ہے''الصراط المستقیم'' سے ہم (ائمہ) مراد ہیں۔قول مترجم''الصراط المستقیم'' بظاہر تعداد میں چودہ حروف ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ چودہ کا جوراستہ ہے وہی صراطِ مستقیم ہے۔ (ص:۲)

۲:...سورۃ البقرۃ آیت:ا:...''ذٰلک الکتٰب''تفسیر عیاشی میں ہے: جناب اِمام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں اور کتاب کا اِطلاق اِنسانِ کامل پر کرنا اہل اللہ اور خواص اولیاء کے محاورے میں داخل ہے۔ (ص:۳)

۳:...سورۃ البقرۃ آیت:۸:...''ومن الناس'' اس سے مراد ہیں ابن ابی اور اس کے اَصحاب یا اوّل وثانی اور منافقین میں سے جو ان کے ہم سر ہیں (شیعہ اِصطلاح میں اوّل وثانی سے مراد حضراتِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہوا کرتے ہیں)۔ (ص:۴)

۴:...سورۃ النساء آیت:۱۵۱:...''للکٰفرین''تفسیر قمی میں ہے کہ یہاں کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ کا اِقرار کیا اور جناب اَمیر المؤمنینؑ کا اِنکار۔

۵:...سورۃ آل عمران آیت:۱۵۷:...''فی سبیل اللہ'' معانی الاخبار وتفسیر عیاشی میں جناب اِمام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارِد ہے کہ سبیل اللہ سے مراد علی اور ائمہ اولادِ علی ہیں، جو شخص ان کی دوستی میں قتل ہوجائے وہ راہِ خدا میں قتل ہوا، اور جو

شخص ان کی دوستی میں مر جائے تو وہ راہِ خدا میں مرا۔ (ترجمہ:مقبول، ص:۱۳۸)

۶:...سورۃ التوبۃ آیت:۴۰:... "لا تحزن ان اللہ معنا" "کافی" میں جناب اِمام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسولِ خدا غار میں جناب ابوبکر سے فرما رہے تھے: "چپ رہ بے شک اللہ میرے اور علی کے ساتھ ہے۔" (ص:۳۸۴)

نیز سورۃ التوبۃ آیت:۴۰:... "کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ" تفسیر عیاشی میں جناب اِمام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو بڑے میاں کرتے تھے۔ تفسیر قمی میں بھی یہی ہے۔ ("بڑے میاں" سے مراد ہیں...نعوذ باللہ...ابوبکر صدیقؓ...ناقل)۔ (ص:۳۸۵)

۷:...سورۃ الرعد آیت:۲۸:... "الذین اٰمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ" تفسیر قمی میں ہے کہ اس آیت میں "الذین اٰمنوا" تو شیعہ ہیں، اور "ذکر اللہ" امیر المؤمنین اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ (ص:۵۰۲)

۸:...سورۂ ابراہیم آیت:۲۲:... "وقال الشیطٰن" تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب اِمام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں "وقال الشیطٰن" آیا ہے وہاں ثانی مراد ہے۔ (اور "ثانی" سے مراد ہیں...نعوذ باللہ...حضرت عمرؓ...ناقل)۔ (ص:۵۱۲)

۹:...سورۃ النحل آیت:۸۳:... "یعرفون نعمت اللہ" کافی میں اِمام جعفر صادق سے بروایت اپنے آباء واَجداد کے منقول ہے کہ جب آیت "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم رٰکعون" (المائدۃ:۵۵) نازل ہوئی تو اَصحابِ رسولِ خدا میں سے کچھ لوگ مسجد مدینہ میں جمع ہوئے اور ایک دُوسرے سے یہ کہنے لگے کہ: اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس پر انہی میں سے ایک بولا کہ: اگر اس آیت کا ہم اِنکار کرتے ہیں تو سارے ہی قرآن کے ہم منکر ٹھہرتے ہیں، اور اگر اِیمان لاتے ہیں تو یہ ذِلت ہے کہ اس حالت میں ابوطالب کا بیٹا ہم پر مسلط ہوگا۔ اس پر اوروں نے کہا کہ: یہ تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ محمد اپنے قول میں سچا ہے، لیکن نہ ہم

کبھی اس کے دوست دار بنیں گے اور نہ کبھی علی کی اطاعت کریں گے، خواہ وہ اس بارے میں ہم کو کچھ ہی حکم دیا کریں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی واقعے پر نازل ہوئی۔ (کافی ص:۵۴۹)

۱۰:...سورۃ النحل آیت:۸۸:..."الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ" تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں ہے جو بعد جناب رسولِ خدا کافر ہوگئے تھے، اور راہِ خدا سے یعنی حضرت اَمیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کی اطاعت سے خود بھی باز رہے تھے اور دُوسروں کو بھی روکا کرتے تھے۔ (ص:۵۵۰)

۱۱:...سورۂ طٰہٰ آیت:۱۲۴:..."من اعرض عن ذکری" کافی میں ہے خدا تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں منقول ہے کہ ذکری سے مراد ولایتِ علی بن ابی طالب ہے۔

(ص:۶۳۸)

۱۲:...اب ایک حوالہ تفسیرِ قمی کا بھی ملاحظہ فرمایئے:

سورۃ البقرۃ آیت:۲۶:..."ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلًا ما بعوضۃ فما فوقھا" اِمام ابوعبداللہ (جعفر صادق) سے مروی ہے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کے لئے بیان فرمائی ہے، پس مچھرے سے مراد ...نعوذ باللہ... امیر المؤمنین (حضرت علیؓ) ہیں، اور "ما فوقھا" (یعنی مچھر سے بھی حقیر) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر قمی ج:۱ ص:۳۵)

ان چند مثالوں سے اندازہ فرمایئے کہ یہ حضرات، اَئمہ کے نام سے روایات تصنیف کرکے قرآنِ کریم پر کیسی مشقِ تحریف کرتے تھے...؟

ہمیں یقین ہے کہ یہ باطنی تأویل کی تمام خانہ ساز رِوایات شیعہ راویوں نے تصنیف کرکے اَئمہ اَطہار کے نام منسوب کردی ہیں، جس سے مقصود قرآنِ کریم کے حسین چہرے کو مسخ کرنا تھا۔ ان مقبولانِ اِلٰہی کا دامن ان خرافاتی روایات سے یکسر پاک ہے، لیکن شیعہ حضرات ان خرافاتی روایات کو "علومِ اَئمہ" اور "علومِ اہلِ بیت" کا نام دیتے ہیں، اور فخریہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ان روایات کی روشنی میں کی

جائے، چنانچہ جناب سیّد نجم الحسن کراروی ''ترجمہ فرمان علی'' کے شروع میں ''سرلفظ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''ہمارے اُصول کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تفسیر اوران کے ارشادات کے تابع ہوتا ہے، ہمارے نزدیک وہ ترجمہ جو اِرشادات و توضیحات حضراتِ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں نہ کیا گیا ہو وہ تفسیر بالرائے کے مترادف سمجھا جاتا ہے، حضرت رسولِ کریم صلعم فرماتے ہیں: ''من فسّر برأيه آية من كتاب الله فقد كفر'' جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کی وہ کافر ہوگیا۔''

(وسائل الشیعہ ص:۳۷۶، بحوالہ تفسیر عیاشی، ترجمہ فرمان علی ص:۱)

اس طرزِفکر پر سوائے ''اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنے کے کیا عرض کیا جاسکتا ہے...؟

جنابِ اجتہادی صاحب کے چند لطائف:

شیعوں کے عقیدۂ تحریف کی بحث خاصی طویل ہوگئی، تاہم بے انصافی ہوگی اگر آنجناب کی تحریر کے ''چند لطائف'' سے ہم لطف اندوز نہ ہوں، اس لئے پہلے آنجناب کی پوری عبارت درج کرتا ہوں، بعد ازاں اس کے لطائف ذِکر کروں گا۔ آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

''یہ قرآن علیٰ حالہٖ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر وتبدل چلا آرہا ہے، البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہلِ سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس بارے میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اِعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوادیئے تھے۔ تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے تو شکوک وشبہات پیدا

ہوتے ہیں۔ مثلاً ''الاتقان'' پڑھ کر کوئی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ رہا تحریفِ قرآن پر دلالت کرنے والی روایات، تو یہ اَمر آپ جیسے عالم پر مخفی نہیں ہوگا کہ ''الاتقان'' اور ''البرہان'' وغیرہ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں، اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔ لیکن جس طرح علمائے اہلِ سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خارج اَز اِسلام ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی ایسا ملعون خارج اَز دِین ہے۔ ہم اسی قرآن مجید کو اَصلی اور اِلہامی قرآن تسلیم کرتے ہیں جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اِبتدائے اسلام سے لے کر آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں ہوا، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ چودہ صدیوں میں علمائے اِمامیہ نے جو تفاسیر لکھی ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے، سب اس قرآن کی تفاسیر ہیں، اور ان تفاسیر میں جو متنِ قرآنی موجود ہے وہ وہی ہے جو ہمارے یہاں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ اس قرآن کے سوا کسی دُوسرے قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفاسیر لکھنے میں عمریں کیوں بسر کردیتے، جن کو وہ مانتے ہی نہیں تھے؟ اسی طرح قرآن مجید کے اُردو اور اَنگریزی ترجموں کا حال ہے، آپ کوئی بھی ترجمہ اُٹھاکر دیکھ لیں متنِ قرآنی وہی نظر آئے گا جو تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ آپ کے دعوے کے مطابق کسی دُوسرے قرآن کو مانتے ہیں تو اس کی تفاسیر بھی موجود ہوتیں اور ترجمے بھی، جبکہ ایک سطر بھی ایسی نہیں دِکھائی جاسکتی، جو اس بات پر دَلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں ہمارا وہی عقیدہ ہے جو علمائے اہلِ سنت کا ہے۔

ایک اَمر کی طرف آپ کی توجہ اور مبذول کروادوں۔ وہ یہ کہ حافظ

جلال الدین سیوطی نے الدر المنثور میں ۱۱۴سورتوں کی بجائے ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر دی ہے، یعنی دو اِضافی سورتیں درج کی ہیں جو کھلی ہوئی تحریف ہے، جبکہ علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دِکھائی جاسکتی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے۔"

اب مندرجہ بالا عبارت کے "لطائف" ملاحظہ فرمایئے:

پہلا لطیفہ:... "یہ قرآن علیٰ حالہٖ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلاتغیر و تبدل چلا آرہا ہے۔"

گزشتہ مباحث سے عیاں ہے کہ آنجناب کا یہ دعویٰ خالص تقیہ اور کتمان ہے۔ کیا آپ اپنے اس دعوے پر کوئی عقلی دلیل اُصولِ شیعہ کے مطابق پیش کرسکتے ہیں؟ کیا اس پر "اِمامِ معصوم" کا کوئی صریح قول پیش کرسکتے ہیں؟ کیا آپ ائمہ کی دو ہزار سے زائد رِوایاتِ متواترہ ومستفیضہ کی کوئی تأویل کرسکتے ہیں؟ جن میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ ظالموں نے قرآن میں تحریف کرکے اسے بدل ڈالا۔

دُوسرا لطیفہ:... "بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس باب میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اِعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوادیئے تھے۔"

سبحان اللہ...! ماشاء اللہ...! ائمہ پر تو خیر وحی نازل ہوتی ہوگی، لیکن کیا آنجناب پر بھی وحی کا نزول ہوتا ہے؟ اگر نہیں، تو آنجناب کا یہ عقیدہ کس حدیث میں آیا ہے؟ اور کس اِمام نے اس عقیدے کی تصریح فرمائی ہے؟ اُوپر کراروی صاحب کا قول نقل کرچکا ہوں کہ اِعراب لگانا حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے، اس کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

تیسرا لطیفہ:... "البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہلِ سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔"

الحمدللہ! اہلِ سنت تو قرآن میں کتابت کی غلطی نہیں مانتے، بلکہ خطِ قرآن کو بھی توقیفی مانتے ہیں اور قرآنِ کریم کے رسم الخط کو بدلنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ الغرض قرآنِ کریم

کے کسی لفظ کے غلط ہونے کے عقیدے کو کفر سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں اس مضمون کی کوئی روایت مروی ہو تو قرآنِ کریم کو غلط کہنے کے بجائے خود اس روایت کو غلط اور راوی کا وہم بلکہ زَنادقہ کی جعل سازی سمجھتے ہیں۔ البتہ قرآن کی غلطیاں نکالنا اور قرآنِ کریم کے حاملین و ناقلین کی عدالت کو مجروح کرنا حضراتِ شیعہ کا محبوب مشغلہ ہے، اور اس کے لئے انہوں نے روایات کے دفاتر کے دفاتر تصنیف کیے ہیں جن کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔

ہاں...! ابھی تو آنجناب نے لطیفۂ دوم میں فرمایا تھا کہ قرآن کے اِعراب اور نقطے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں لگوائے تھے، اس کے باوجود قرآنِ کریم میں کتابت کی غلطی بھی تسلیم فرماتے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآن... نعوذ باللہ... غلط لکھوایا تھا؟ اَستغفر اللہ!

چوتھا لطیفہ:... ''تاریخ جمع قرآن میں جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔''

ماشاءاللہ...! معصوم اِماموں کی دو ہزار روایات، جو علمائے سبائیہ نے تصنیف کی ہیں، اور جن میں کھل کر کہا گیا ہے کہ یہ قرآن غلط ہے، ان سے آنجناب کو شکوک وشبہات تو کجا؟ کبھی ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا۔

الحمدللہ! تاریخ جمعِ قرآن سے ایک سلیم الفطرت کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا، اگر ...نعوذ باللہ... تاریخ جمعِ قرآن سے شکوک وشبہات پیدا ہونے کی گنجائش ہوتی تو منصف بلکہ متعصب غیر مسلم بھی اس اِقرار پر مجبور نہ ہوتے کہ یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے (اس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے)۔ لیکن جن لوگوں کے دِل میں نفاق کا روگ پہلے سے موجود ہو ان کو ''فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا'' کے سوا اور کیا حاصل ہوگا؟ اچھا، چلئے! فرض کر لیجئے کہ علمائے اسلام کی تاریخ جمعِ قرآن سے تو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، آنجناب اس کے مقابلے میں ائمہ معصومین سے ''تاریخ جمعِ قرآن'' کا حوالہ دے دیجئے جس سے ادنیٰ سے ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہ ہو، کیا آپ نے ایسا کیا ہے؟ یا کر سکتے ہیں...؟

پانچواں لطیفہ:... ''تحریفِ قرآن پر دلالت کرنے والی روایات الاتقان اور البرہان وغیرہ میں بھی بہت ہیں، اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔''

پہلے گزر چکا ہے کہ:

ا:...شیعہ کتابوں میں دو ہزار سے زائد متواتر روایات ہیں۔

۲:... یہ روایات، روایاتِ اِمامت ہے، جس پر شیعہ مذہب کا مدار ہے، کسی طرح کم نہیں۔

۳:... یہ روایات قطعی طور پر تحریفِ قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور ان کا مفہوم ایسا واضح ہے کہ ان کا کوئی دُوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

۴:... پھر اکابر علمائے اِمامیہ ان روایات پر دِین و اِیمان رکھتے ہوئے قرآنِ کریم کو قطعی طور پر تحریف شدہ مانتے ہیں، جب علمائے اِمامیہ چاروں طرف سے راستہ بند پاتے ہیں تو خفت مٹانے کے لئے یہ اِلزام اہلِ سنت کی کتابوں پر بھی جڑ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی روایات نہ صحاح میں ہیں، نہ کسی معصوم کا قول ہیں، نہ تحریف پر صریح دلالت کرتی ہیں، نہ اہلِ سنت ان روایات کی بنا پر تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے علمائے اِمامیہ کا ضمیر خود بھی گواہی دیتا ہے کہ وہ اہلِ سنت کو یہ اِلزام دینے کے لئے محض فریب کا اِرتکاب کر رہے ہیں۔ چنانچہ آنجناب کو بھی معلوم ہے کہ آپ اہلِ سنت کی جن روایات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بشرطِ صحت ان کا تعلق تحریف سے نہیں بلکہ نسخِ تلاوت یا اختلافِ قراءت سے ہے۔ اس لئے آنجناب کا ان کو ''تحریف پر دلالت کرنے والی روایات'' کہنا خالص تقیہ اور بہتان ہے، چونکہ آپ نے کسی خاص روایت کا نام نہیں لیا، اس لئے میں بھی اسی مجمل بیان پر اِکتفا کرتا ہوں۔

چھٹا لطیفہ:... ''جس طرح اہلِ سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خارج اَز اِسلام ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی ایسا ملعون خارج اَز دِین ہے۔''

شاباش...! آفرین...! آج تک تو کسی شیعہ عالم کو اس کی جرأت نہ ہوئی تھی کہ تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرے، ورنہ تمام صنادیدِ شیعہ کو کافر

قرار دینا پڑتا، جبکہ اہلِ سنت ہمیشہ سے ''تحریفِ قرآن'' کے عقیدے کو کفر قرار دیتے رہے ہیں۔ لیجئے! سرِدست اہلِ سنت کا ایک حوالہ نقل کئے دیتا ہوں کہ ''تحریفِ قرآن کا قائل خارج اَز اِسلام ہے'' حافظ ابنِ حزمؒ نے نصاریٰ کا یہ اِلزام نقل کیا ہے کہ:

''وأيضًا فان الروافض يزعمون أن أصحاب نبيّكم بدّلوا القرآن واسقطوا منه وزادوا فيه.''

(کتاب الفصل ج:۲ ص:۷۵)

ترجمہ:... ''نیز روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے نبی کے اَصحاب نے قرآن کو بدل دیا اور اس میں کمی بیشی کردی۔''

اس کے جواب میں ابنِ حزمؒ لکھتے ہیں:

''وأما قولهم فی دعویٰ الروافض تبديل القراءات، فان الروافض ليسوا من المسلمين، انما هی فِرَق حدث أوّلها بعد موت النبی صلی الله عليه وسلم بخمس وعشرين سنة، وكان مبدأها اجابة ممن خذله الله تعالیٰ لدعوة من كاد الاسلام، وهی طائفة تجری مجری اليهود والنصاریٰ فی الكذب والكفر.''

(کتاب الفصل ج:۲ ص:۷۸)

ترجمہ:... ''رہا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے قراءتوں کو تبدیل کردیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روافض کا شمار مسلمانوں میں نہیں۔ یہ وہ فرقے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیّس سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ان کا آغاز اس شخص (یعنی ابنِ سبا) کی دعوت کو قبول کرنے کے نتیجے میں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا داعی ہونے کی وجہ سے مخذول وملعون کردیا تھا، اور روافض کا یہ گروہ

جھوٹ اور کفر میں یہود ونصاریٰ کی راہ پر گامزن ہے۔''

الحمدللہ! کہ اہلِ سنت کا فتویٰ تو اتنا واضح ہے کہ خود علمائے شیعہ بھی اس کو نقل کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ آنجناب نے خود اِعتراف فرمایا ہے کہ: ''اہلِ سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خارج اَز اِسلام ہے'' اور آپ سے پہلے اِمام الشیعہ مولانا حامد حسین نے بھی یہی اِعتراف کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب ''استقصاء الافہام'' جلد اوّل کے صفحہ:۹ پر لکھتے ہیں:

''مصحفِ عثمانی کہ اہلِ سنت آنرا قرآن کامل اعتقاد کنند ومعتقد نقصان آں را ناقص الایمان، بلکہ خارج از اِسلام پندارند۔''

ترجمہ:... ''مصحفِ عثمانی کہ جس کو اہلِ سنت ''قرآنِ کامل'' اِعتقاد کرتے ہیں اور جو شخص اس کے نقصان کا قائل ہو اس کو ناقص الایمان بلکہ خارج اَز اِسلام سمجھتے ہیں۔''

اس عبارت میں جناب مولانا حامد حسین صاحب نے دو باتوں کا صاف صاف اِقرار کیا ہے۔ ایک یہ کہ اہلِ سنت کے عقیدے میں یہ قرآن کامل ہے، اور ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ دوم یہ کہ جو لوگ تحریف فی القرآن کے قائل ہیں وہ اہلِ سنت کے نزدیک خارج اَز اِسلام ہیں۔

اگر آنجناب اپنے دعوے میں سچے ہیں تو آپ بھی اپنے متقدمین علمائے اِمامیہ کا فتویٰ نقل کردیجئے کہ جو لوگ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں، وہ سب کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اُوپر ذِکر کرچکا ہوں کہ آپ کے چار بزرگ اَز رَاہِ تقیہ تحریفِ قرآن کے منکر ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک ان چاروں سمیت کسی شیعہ عالم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ تحریفِ قرآن کے قائلین کے خلاف فتویٔ تکفیر جاری کرنے کی جرأت کرے؟ اگر آنجناب اس مضمون کا ایک فتویٰ جاری کردیں اور دیگر مجتہدینِ زمانہ کی تصدیقات بھی اس پر ثبت کرادیں کہ: ''وہ تمام لوگ جو تحریف فی القرآن کے قائل ہوئے ہیں، سب کافر ومرتد اور زِندیق تھے'' تو آنجناب شیعہ مذہب پر بڑا اِحسان کریں گے۔ پھر ہم بھی دیکھیں گے

کہ اس فتوے کے بعد شیعہ مذہب میں کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے ...اور ہرگز نہیں کر سکیں گے ...تو میں گزارش کروں گا کہ تقیہ چھوڑ کر اس مذہب سے توبہ کر لیجئے، وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ!

سا تواں لطیفہ:... ''اِبتدائے اِسلام سے آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں ہوا۔''

یا سبحان اللہ...! گزشتہ اَبحاث میں شیعہ مذہب کی مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں کہ ابوالائمہ سے گیارہویں اِمام تک، شیعہ روایات کے مطابق تمام اَئمہ یہی شکوہ کرتے آئے ہیں کہ ظالموں اور غاصبوں نے قرآن میں تحریف کر دی، ادھر عبداللہ بن سبا سے لے کر آج تک کے بڑے بڑے شیعہ مجتہدین بھی خلفائے راشدینؓ کے مطاعن میں تحریف فی القرآن کو نمایاں طور پر ذِکر کرتے آئے ہیں۔ ان تمام شیعوں کا تحریف فی القرآن کا قائل ہونا خود ان کی اپنی کتابوں میں درج ہے، اس کے باوجود آنجناب کا یہ کہنا کوئی شیعہ کبھی تحریف فی القرآن کا قائل ہی نہیں ہوا، دوپہر کے وقت آفتاب کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے۔ اگر کوئی شخص کھلی آنکھوں آفتابِ نیمروز کا اِنکار کر دے تو اس کو کس دلیل سے قائل کیا جائے؟ بہرحال گزشتہ مباحث میں اکابر شیعہ کے نام بھی ذِکر کر چکا ہوں جو ڈَنکے کی چوٹ پر تحریفِ قرآن کے قائل تھے اور ان کی عِبارتیں بھی نقل کر چکا ہوں، ان کو پڑھ کر اہلِ بصیرت خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ آنجناب کا یہ فقرہ کس قدر خلافِ واقعہ اور کیسا شاندار تقیہ ہے جو شیعہ مذہب میں اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، اور اَئمہ معصومین نے جس کو اَپنا دِین واِیمان بتایا ہے۔

آٹھواں لطیفہ:... ''چودہ صدیوں سے علمائے شیعہ اسی قرآن کو پڑھ رہے ہیں اور اس کی تفسیریں لکھ رہے ہیں، اگر شیعہ اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفسیریں کیوں لکھتے؟ اصل قرآن کی تلاوت وتفسیر کیوں نہ کرتے؟''

ماشاء اللہ...! شیعوں کے ایمان بالقرآن کی کیا زبردست دلیل پیش فرمائی؟ جانِ من! شیعوں کا ''قرآنِ موجود'' کی تلاوت کرنا اور اس کی تفسیریں لکھنا ان کے ایمان

بالقرآن کی دلیل نہیں بلکہ ان کی بے بسی اور مجبوری ہے، کیونکہ:

اوّلاً:...ان کے ''اِمامِ غائب'' نے ان پر یہ ظلم ڈھایا کہ خود تو ڈر کے مارے غار میں رُوپوش ہوئے ہی تھے، جاتے جاتے اصل قرآن کو بھی غائب کر گئے۔ اب شیعوں کے پاس اصل قرآن ہے کہاں کہ بے چارے اس کی تلاوت کیا کریں اور اس کی تفسیریں لکھا کریں؟ ناچار ان کو اسی قرآن کی تلاوت کرنا پڑی جس کو ''مصحفِ عثمانی'' کہا کرتے ہیں۔ شیعہ صاحبان لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہمارے مذہب کا مدار ''ثقلین'' پر ہے، ایک قرآنِ صامت، دُوسرا قرآنِ ناطق، یعنی اِمام۔ لیکن شیعوں کی بدقسمتی یہ کہ یہ دونوں صفحۂ ہستی سے ناپید ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ قرآنِ ناطق ہے، نہ قرآن صامت۔ اب بے چارے قرآن کے نام سے اسی قرآن کو، جو خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے ذریعے اُمت کو ملا ہے، نہ پڑھیں تو کیا کریں؟ اگر اللہ تعالیٰ نے فہم و بصیرت عطا فرمائی ہوتی تو ان اُمور پر غور کر کے تائب ہو جاتے، مگر مشکل یہ ہے کہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

ثانیاً:...شیعہ قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر اس کو غلط سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی مقبول احمد اور نجم الحسن کراروی کے حوالے سے اِمام کا قول نقل کر چکا ہوں کہ ''قرآن کو غلط ہی پڑھو!'' جب شیعہ اپنے اِمام کے قول سے ''مجبور'' ہو کر قرآن کو غلط سمجھتے ہیں تو اِنصاف کیا جائے کہ ان کا قرآن کو پڑھنا اور اس کی تفسیریں لکھنا کیا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل ہو سکتا ہے...؟

ثالثاً:...شیعوں نے قرآنِ کریم کی جو تفسیریں لکھی ہیں...اگر ان کو تفسیر کہنا صحیح ہو...وہ خود اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان کے لکھنے والوں کا قرآنِ کریم پر ایمان نہیں، بلکہ وہ قرآن کے تحریف شدہ ہونے کا اعلان و اِقرار کر رہے ہیں۔ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر صافی، تفسیر البرہان، ترجمہ مقبول اور ترجمہ فرمان علی کا حال آپ ابھی پڑھ چکے ہیں، کسی اور تفسیر کا نام لیجئے اور قدرتِ خداوندی کا کرشمہ دیکھئے۔

رابعاً:... شیعہ مفسرین نے قرآنِ کریم کی ''تحریفِ معنوی'' میں جس جرأت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا بھی مختصر سا نقشہ پیش کر چکا ہوں، جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کا قرآنِ کریم کی تفسیریں لکھنا قرآنِ کریم سے عقیدت و محبت کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے مذموم عقائد کو قرآنِ کریم میں ٹھونسنے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ تفسیریں ان کے ''ایمان بالقرآن'' کی دلیل نہیں، بلکہ ''من قال فی القراٰن برأیه فلیتبوّأ مقعده من النّار'' کا مصداق ہیں، یعنی ''جو شخص قرآن میں اپنی رائے ٹھونسے، وہ دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنائے!''

خامساً:... یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی قرآنِ کریم کی تفسیریں لکھی ہیں... اگر ان کو تفسیر کا نام دینا صحیح ہو... کیا ان کے اس طرزِ عمل کو ان کے ''ایمان بالقرآن'' کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں...! یہی حال شیعہ مفسرین کا بھی سمجھ لیا جائے۔

نواں لطیفہ:... حافظ سیوطیؒ نے ''درمنثور'' میں ۱۱۴ سورتوں کے بجائے ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر دی ہے، یعنی دو اِضافی سورتیں درج کی ہیں، جو کھلی ہوئی تحریف ہے، علمائے شیعہ کی کتابوں میں یہ چیز نہیں دِکھائی جاسکتی۔''

آنجناب کا یہ لطیفہ تو گزشتہ تمام لطائف سے بڑھا ہوا ہے، اس سلسلے میں چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں:

اوّل:... آنجناب نے حافظ سیوطیؒ کی ''الاتقان'' کے حوالے زیبِ قلم فرمائے ہیں، اسی الاتقان کی ''۴۷ ویں نوع قرآنِ کریم کے ناسخ و منسوخ'' کے ذیل میں یہ عبارت نظرِ سامی سے گزری ہوگی:

''قال الحسین بن المناری فی کتابه الناسخ والمنسوخ: ومما رفع رسمه من القرآن ولم یرفع من القلوب حفظه سورتا القنوت فی الوتر، وتسمی سورتی الخلع والحفد.'' (الاتقان ج:۲ ص:۲۶)

ترجمہ:... ''حسین بن المناری اپنی کتاب ''الناسخ

والمنسوخ'' میں لکھتے ہیں کہ: من جملہ ان چیزوں کے جن کی کتابت و
تلاوت قرآن سے اُٹھالی گئی، لیکن دِلوں سے ان کی یادداشت نہیں
اُٹھائی گئی، دُعائے قنوت کی دوسورتیں ہیں جو وتر میں پڑھی جاتی ہیں
اور وہ ''سورۃ الخلع'' اور ''سورۃ الحفد'' کہلاتی تھیں۔

مطلب یہ کہ وتر کی دُعائے قنوت دوسورتوں کی شکل میں نازل ہوئی تھی، اور دونوں سورتوں کو سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد کے نام سے مصاحف میں لکھا بھی گیا تھا، لیکن بعد میں ان کی کتابت وتلاوت منسوخ کردی گئی اور ان کو مصاحف سے اُٹھالیا گیا۔

''درمنثور'' کے خاتمے میں حافظ سیوطیؒ نے انہی دومنسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ''ذکر ما ورد فی سورۃ الخلع وسورۃ الحفد'' یعنی ''ان روایات کا ذِکر جو ان دومنسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں وارِد ہوئی ہیں'' اس کے ذیل میں ان دوسورتوں کی تفسیر نہیں دی، بلکہ ایسی روایات ذِکر کی ہیں جن میں ان دُعاؤں کا نمازِ وتر وغیرہ میں پڑھنا مذکور ہے۔ اب میں آنجناب ہی کے فہم و اِنصاف کو منصف بناتا ہوں کہ کیا اس کا نام ''تحریف'' رکھنا شرعاً وعقلاً وعرفاً واَخلاقاً جائز ہے...؟

میں آنجناب کے پانچویں لطیفے کے ذیل میں عرض کرچکا ہوں کہ حضراتِ شیعہ کو جب اپنی خفت مٹانے کے لئے اہلِ سنت پر تحریف کا اِلزام لگانے کا شوق چراتا ہے تو وہ نسخ یا اِختلافِ قراءت کی روایات نقل کرکے اپنا دِل خوش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب نے بھی یہی کیا کہ حافظ سیوطیؒ تو ان دوسورتوں کے منسوخ الرسم والتلاوت ہونے کی تصریح کررہے ہیں اور آنجناب ان پر تحریف کا اِلزام لگارہے ہیں، اِنصاف کیجئے کہ کیا دِین ودیانت اسی کا نام ہے...؟

دوم:... یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ ان روایات کی صحت وقطعیت کو تسلیم کرلیا جائے، حالانکہ یہ روایات اوّل تو اَخبارِ آحاد ہیں، پھر ان میں سے اکثر وبیشتر مرسل، مقطوع اور مجہول ہیں۔ جن سے یہ مفروضہ قطعی طور پر ثابت ہی نہیں ہوتا کہ یہ دوسورتیں بطورِ قرآن نازل بھی ہوئی تھیں، جن کی تلاوت بعد میں منسوخ کردی گئی۔

چنانچہ حافظ سیوطیؒ نے مذکورہ بالا عبارت کے متصل لکھا ہے:

"تنبیه: حکی القاضی أبو بکر فی الانتصار عن قوم انکار هذا الضرب، لأن الأخبار فیه أخبار آحاد، ولا یجوز القطع علی انزال القرآن ونسخه بأخبار آحاد، لا حجة فیها." (الاتقان ج:۲ ص:۲۶)

ترجمہ:... "آگاہ کرنے کی ایک بات یہ ہے کہ قاضی ابوبکرؒ نے اپنی کتاب "الانتصار" میں علماء کی ایک جماعت سے نسخ کی اس قسم کا اِنکار نقل کیا ہے، کیونکہ روایتیں اس بارے میں اَخبارِ آحاد ہیں، اور جائز نہیں ہے یقین کرنا قرآن کے نازل ہونے، پھر منسوخ ہوجانے کا اَخبارِ آحاد کی بنا پر، جو کسی طرح سند نہیں ہوسکتیں۔"

حافظ سیوطیؒ کی اس عبارت کو پڑھ کر اپنے ضمیر سے دادِ اِنصاف طلب کیجئے کہ آنجناب کا ان پر یہ اِلزام کہ وہ "درمنثور" میں ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر لکھ رہے ہیں، عقل و منطق کی میزان میں کتنا وزن رکھتا ہے...؟

سوم:... آنجناب فرماتے ہیں کہ "علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دِکھائی جاسکتی" غالباً آنجناب کو علمائے شیعہ کے دفاتر کے مطالعے کا موقع نہیں ملا، ورنہ یہ دعویٰ آنجناب کی زبانِ قلم سے سرزد نہ ہوتا۔ میں آنجناب کو کسی طویل کتاب کے پڑھنے کی زحمت نہیں دُوں گا، علامہ باقر مجلسی کے چھوٹے سے رسالے "تذکرۃ الائمہ" کے مطالعے کی فرمائش ضرور کروں گا۔ اس میں آنجناب کو "سورۃ النورین" اور "سورۃ الولایت" دو سورتوں کا پورا متن ملے گا، جن کے بارے میں مجلسی کا دعویٰ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مصحفِ اِمام سے ساقط کردیا تھا۔ اسی میں یہ عبارت بھی ملے گی کہ امیرالمؤمنین اور اہلِ بیت کی فضیلت کی آیات اور مذمتِ قریش اور مذمتِ منافقین کی آیات حضرت عثمانؓ نے مصحفِ اِمام سے نکال دیں، نیز یہ کہ سورۂ فرقان کی آیت: "لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا" دراصل یوں تھی: "لم اتخذ أبابکر خلیلا" حضرت عثمانؓ نے "ابا بکر" کے لفظ کو "فلاناً" میں بدل

دیا۔ اسی میں حضرت امام صادق ؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سورۃ الاحزاب بڑی طویل سورت تھی اور اس میں قریش کے لوگوں کے فضائح تھے، ''ایشاں تحریف دادند وکم کردند'' (جامعینِ قرآن نے اس میں تحریف کردی اور اسے کم کر دیا)۔

اس بحث کے خاتمے پر میں آنجناب کی اس دُعا پر بصد اخلاص والحاح آمین کہتا ہوں کہ: ''اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے'' کریم آقا کے کرم سے کیا بعید ہے کہ وہ اس مخلصانہ دُعا کو شرفِ قبول بخشیں۔

بابِ چہارم

اس باب میں آنجناب کے متفرق سوالات ومناقشات کا جواب لکھتا ہوں۔

۱:...حدیث "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم":

آنجناب نے حافظ ابنِ حزمؒ کی کتاب "الاحکام" کے حوالے سے حدیث "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم" کی تضعیف نقل کی ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس حدیث کا مضمون صحیح ہے، اور اہلِ سنت کی کتابوں کے علاوہ اہلِ تشیع کی مستند کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے، چنانچہ علامہ مجلسی "بحار الانوار" کی کتاب العلم کے "باب علل اختلاف الاخبار" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"۱- قال الشیخ الطبرسی فی کتاب الاحتجاجات: روی عن الصادق علیه السلام: أنّ رسول الله صلی الله علیه وآله قال: ما وجدتم فی کتاب الله عزّ وجلّ فالعمل به لازم ولا عذر لکم فی ترکه، وما لم یکن فی کتاب الله عزّ وجلّ وکان فی سُنّة منّی فلا عذر لکم فی ترک سنّتی، وما لم یکن فیه سنّة منّی فما قال أصحابی فقولوا به فانّما مثل أصحابی فیکم کمثل النجوم بأیّها اخذ اهتدی وبأیّ أقاویل أصحابی أخذتم اهتدیتم، واختلاف أصحابی لکم رحمة.

أقول: روى الصدوق فى كتاب معانى الأخبار، عن ابن الوليد، عن الصفّار، عن الخشّاب، عن ابن كلّوب، عن اسحاق بن عمّار، عن الصادق، عن آبائه عليهم السلام الٰى آخر ما نقل ورواه الصفّار فى البصائر." (بحارالانوار ج:۲ ص:۲۲۰)

ترجمہ:... "شیخ طبرسی کتاب الاحتجاجات میں لکھتے ہیں کہ: حضرت اِمام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پاؤ، اس پر عمل لازم ہے، اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لئے کوئی عذر نہیں، اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور میری سنت میں ہو، اس کے چھوڑنے میں بھی تمہارے لئے کوئی عذر نہیں، اور جو میری سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ نے فرمایا ہو اس پر عمل کرو، کیونکہ تم میں میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، جس کو بھی پکڑا جائے راستہ مل جائے گا، اسی طرح میرے صحابہؓ میں سے جس کے قول کو بھی اِختیار کرلوگے ہدایت پالوگے، اور میرے صحابہؓ کا اِختلاف تمہارے لئے رحمت ہے... الخ۔"

شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں اپنی سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد آخر تک نقل کیا ہے، اور اس حدیث کو شیخ محمد بن حسن الصفار نے بھی اپنی کتاب "بصائر الدرجات" میں روایت کیا ہے۔"

نیز علامہ مجلسی نے "بحارالانوار" کی کتاب العلم "باب ثواب الهداية والتعليم وفضلهما وفضل العلماء" کے ذیل میں "منية المزيد" کے حوالے سے اس مضمون کی ایک اور حدیثِ نبوی نقل کی ہے:

"۸۵- وقال صلى الله عليه وآله: انّ مثل

العلماء في الأرض كمثل النجوم في السماء، يهتدى بها في ظلمات البرّ والبحر، فاذا طمست أو شك أن تضلّ الهداة." (بحارالانوار ج:۲ ص:۲۵)

ترجمہ:... "فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: زمین میں علماء کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے، جن سے بر و بحر میں راہ پائی جاتی ہے، جب ستارے بے نور ہوجائیں تو راہ پانے والوں کے بھٹکنے کا اندیشہ قوی ہے۔"

۲:...حدیث "اِختلافُ اُمّتی رحمة":

میں نے "اِختلافُ اُمّتی رحمۃ" کا حوالہ دیا تھا، آنجناب نے اس پر یہ مناقشہ کیا کہ: "یہ حدیث محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں، کما نقل المناوی عی السبکی...الخ۔"

جواباً گزارش ہے کہ جہاں سے آنجناب نے مناوی کی یہ عبارت نقل کی تھی، وہیں یہ عبارت بھی موجود تھی:

"نصر المقدسي في الحجة والبيهقي في الرسالة الأشعرية بغير سند، وأروده الحليمي والقاضي حسين وامام الحرمين وغيرهم ولعله خرج في بعض كتب الحفاظ التي لم تصل الينا." (فیض القدیر ج:۱ ص:۲۰۹)

ترجمہ:... "اس حدیث کو نصر مقدسی نے "الحجہ" میں اور بیہقی نے "رسالہ اشعریہ" میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے، اور حلیمی، قاضی حسین، اِمام الحرمین اور دیگر حضرات نے بھی اس کو اپنی کتابوں میں ذِکر کیا ہے، شاید بعض حفاظ کی کتابوں میں اس کی تخریج کی گئی ہوگی جو ہم تک نہیں پہنچیں۔"

الغرض علامہ مناویؒ نے اس حدیث کے مضمون کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلے میں

متعدّداً اکابر کے نام ذِکر کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اُوپر "اَصحابی کالنّجوم" کے ذیل میں شیعوں کی مستند کتابوں سے جو روایت نقل کرچکا ہوں، اس کا ایک ٹکڑا "اِختلاف أصحابی لکم رحمۃٌ" بھی ہے، جس کا مضمون بعینہٖ یہی ہے۔

اِمام غزالیؒ نے "اِحیاء العلوم" میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور حافظ عراقی نے تخریجِ اِحیاء میں اس کے لئے بیہقی کی مدخل کا حوالہ دیا ہے:

"ذکرہ البیھقی فی رسالتہ الأشعریۃ تعلیقًا، وأسندہ فی المدخل من حدیث ابن عباس اسنادہ ضعیف۔" (حاشیہ اِحیاء ج:۱ ص:۲۷)

ترجمہ:... "اس حدیث کو بیہقی نے رسالہ اشعریہ میں بغیر سند کے ذِکر کیا ہے، اور انہوں نے "المدخل" میں ابنِ عباسؓ کی حدیث سے اس کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اس کی سند کمزور ہے۔"

حافظ شمس الدین سخاویؒ نے "المقاصد الحسنہ" میں بیہقی کی سند بھی نقل کردی ہے اور پورا متن بھی جو حسبِ ذیل ہے:

"حدیث: اختلاف اُمّتی رحمۃ، البیھقی فی المدخل من حدیث سلیمان بن أبی کریمۃ عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مھما أوتیتم من کتاب اللہ فالعمل بہ لا عذر لأحد فی ترکہ، فان لم یکن فی کتاب اللہ فسُنّۃ منّی ماضیۃ، فان لم تکن سُنّۃ منّی فما قال أصحابی، ان أصحابی بمنزلۃ النجوم فی السماء، فأیما أخذتم بہ اھتدیتم، واختلاف أصحابی لکم رحمۃ" ومن ھٰذا الوجہ أخرجہ الطبرانی والدیلمی فی مسندہ بلفظہ سواء، وجویبر ضعیف جدًّا والضحاک عن ابن عباس

منقطع، وقد عزاه الزركشي الىٰ كتاب الحجة لنصر المقدسي مرفوعًا من غير بيان سنده ولا صحابيه وكذا عزاه العراقي لآدم بن أبي أياس في كتاب العلم والحكم بدون بيان بلفظ: اختلاف أصحابي رحمة لأمتي، قال وهو مرسل ضعيف، وبهٰذا اللفظ ذكره البيهقي في رساله الأشعرية بغير اسناد."

چونکہ حدیث کے الفاظ قریباً وہی ہیں جو اُوپر شیعہ کتابوں کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں، اس لئے ترجمے کی ضرورت نہیں۔ محدثینِ اہلِ سنت نے تو اس حدیث کو سنداً ضعیف کہا ہے، لیکن علامہ مجلسی نے "بحار الانوار" کتاب العلم کے باب نمبر ۷ "آداب طلب العلم واحکامہ" میں اِمام صادق کی زبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

"۱۹ – مع، ج، ع: الدقّاق، عن الأسدي، عن صالح بن أبي حماد، عن أحمد ابن هلال، عن ابن أبي عمير، عن عبدالمؤمن الأنصاري، قال: قلت لأبي عبدالله عليه السلام: انّ قومًا يروون أنّ رسول الله صلى الله عليه وآله قال: اختلاف اُمّتي رحمةٌ، فقال: صدقوا." (بحارالانوار ج:۱ ص:۲۲۷)

ترجمہ:... "صدوق نے معانی الاخبار میں، طبرسی نے کتاب الاحتجاج میں اور صدوق نے علل الشرائع میں اپنی سند سے عبدالمؤمن انصاری سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے اِمام صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ: کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اختلاف اُمتی رحمۃ" اِمام صادقؒ نے فرمایا: یہ لوگ ٹھیک روایت کرتے ہیں۔"

اس کے بعد اِمامؒ سے اس کی تأویل نقل کی ہے، مگر مجھے تو اس سے غرض ہے کہ

اِمام نے اس حدیث کی تصحیح وتصدیق فرمائی ہے، تأویل خواہ کچھ بھی ہو۔ تعجب ہے کہ آنجناب نے السبکی وغیرہ علمائے اہلِ سنت کی تقلید میں اس کو بے سند کہہ دیا، مگر اپنے اِمامِ معصوم کی مستند تصحیح وتصدیق کی کوئی پروا نہیں کی، اِنَّ ھٰذَا لَشَـیْءٌ عُجَابٌ! رہا آپ کا ابنِ حزمؒ کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ:

"لو کان الاختلاف رحمة لکان الاتفاق سخطا، وھٰذا ما لا یقوله مسلم، لأنه لیس اتفاق أو اختلاف." (الاحکام فی اصول الاحکام ج:۵ ص:۶۴)

ترجمہ:... "اگر اِختلاف رحمت ہو تو اِتفاق غضب ہوگا، اور کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہوسکتا، کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں، یا اِتفاق ہوگا، یا اِختلاف ہوگا، لہٰذا اگر اِختلاف رحمت ہو تو اِتفاق غضب ہوگا۔"

حافظ ابنِ حزمؒ کا یہ شبہ ان کی عقلیت وذکاوت کا شاہکار ہے، انہوں نے حدیث کے مفہومِ مخالف سے اِستدلال کیا، اوّل تو ہمارے نزدیک مفہومِ مخالف حجت نہیں، علاوہ ازیں مفہومِ مخالف کے قائلین کے نزدیک بھی ہر جگہ مفہومِ مخالف سے اِستدلال جائز نہیں۔ حافظ ابنِ حزمؒ اگر غور وتأمل سے کام لیتے تو انہیں نظر آتا کہ یہاں مفہومِ مخالف سے اِستدلال کی گنجائش نہیں، کیونکہ حدیث میں اُمتِ مرحومہ کی فضیلت کا اِظہار مقصود ہے کہ اس اُمت کا اِتفاق تو اِتفاق ہے، اس کا اِختلاف بھی رحمت ہے، اور اس میں بھی حکمتِ اِلٰہیہ کارفرما ہے۔ اِمام دارمیؒ نے "باب اختلاف الفقہاء" میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے عرض کیا گیا کہ: کاش آپ لوگوں کو ایک بات پر جمع کردیتے، جواب میں حضرتؒ نے فرمایا:

"ما یسرنی أنھم لم یختلفوا، ثم کتب الی الآفاق أو الی الأمصار لیقض کل قومبما اجتمع علیه فقھاءھم." (سنن دارمی ج:۱ ص:۲۲، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان)

ترجمہ:... ”مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ پھر شہروں میں گشتی فرمان جاری فرمایا کہ ہر قوم کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے جس پر وہاں کے فقہاء جمع ہوں۔“

حافظ شمس الدین سخاویؒ ”مقاصد حسنہ“ میں لکھتے ہیں:

”وفی المدخل له من حدیث سفیان عن أفلح عن حمید عن القاسم بن محمد قال: اختلاف أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمة لعباد اللہ، ومن حدیث قتادة أن عمر بن عبدالعزیز کان یقول: ما سرنی لو أن أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلفوا لأنهم لو لم یختلفوا لم یکن رخصة.“ (مقاصد الحسنہ ص:۴۹)

ترجمہ:... ”بیہقی کی کتاب المدخل میں اِمام قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحاب کا اِختلاف بندوں کے لئے رحمت ہے۔ نیز عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے کہ: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحاب میں اِختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی، کیونکہ اس صورت میں اُمت کے لئے رُخصت کی گنجائش نہ رہتی۔“

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمدؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے اکابر اِختلافِ اُمت کو رحمت قرار دے رہے ہیں، علم و فہم، طہارت و تقویٰ اور رُموزِ دِین سے واقفیت میں ان اکابر کا جو مرتبہ ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ غور فرمایئے کہ ان کے مقابلے میں حافظ ابنِ حزمؒ کے قول میں کتنا وزن رہ جاتا ہے...؟

اس ضمن میں علامہ سخاویؒ نے ”مقاصد حسنہ“ میں ایک عجیب بات یہ نقل کی ہے:

”ذکره الخطابی فی غریب الحدیث مستطردا فقال: اعترض هٰذا الحدیث رجلان: أحدهما ماجن

والآخر ملحد، وهما: اسحاق الموصلي وعمرو بن بحر الجاحظ، وقالا: لو كان الاختلاف رحمة لكان الاتفاق عذابا، ثم تشاغل الخطابي برد كلاميهما، ولم يشف في عزو الحديث، لٰكنه أشعر بأن له أصلًا عنده." (مقاصد حسنہ ص:۵۰)

ترجمہ:... "اس حدیث کو امام خطابیؒ نے "غریب الحدیث" میں ضمناً ذِکر کرکے کہا ہے کہ اس حدیث پر دو شخصوں نے اِعتراض کیا۔ ایک فحش گو ہے، اور دُوسرا ملحد۔ اور یہ دونوں اسحاق موصلی اور جاحظ ہیں۔ دونوں نے یہ کہا کہ: اگر اختلاف رحمت ہوتو اِتفاق عذاب ہوگا۔ اس کے بعد اِمام خطابیؒ ان دونوں کی بات کے رَدّ کرنے کے درپے ہوئے، مگر حدیث کی سند ذکر کرنے میں کوئی شفا بخش بات نہیں کہی، تاہم یہ معلوم ہوا کہ اِمام خطابیؒ کے نزدیک اس حدیث کی اصل ہے۔"

میں نے یہ حوالہ یہ دِکھانے کے لئے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا کس قماش کے لوگوں کا مشغلہ رہا ہے؟ بہرحال میں نے دونوں پہلو آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں، ایک طرف صحیح اور مستند حوالوں کے ساتھ اِمام صادقؒ کا ارشاد کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور دُوسری طرف اس حدیث پر ماجن اور ملحد قسم کے لوگوں کی تنقید اور طعن و تشنیع۔ اب یہ آنجناب کی صوابدید ہے کہ اِمام صادقؒ کی تصحیح کو قبول فرماتے ہیں یا ملحد و ماجن لوگوں کی تشنیع کو...!

۳:... نظریاتی اختلاف:

میں نے "اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم" میں لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے بابرکت دور میں اُمت میں نظریاتی اِختلاف کا کوئی وجود نہ تھا، اس کی اِبتدا حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے آخر میں ہوئی۔ آنجناب نے اس کو "تجاہلِ عارفانہ"

قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ مسئلہ خلافت سمیت، جس کی کارروائی سقیفہ بنوساعدہ میں ہوئی، نیز شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد کے فقہی اور نظریاتی اِختلافات پر آپ مطلع نہ ہوں۔''

اور پھر اِن اِختلافات کو ثابت کرنے کے لئے آنجناب نے چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ ''نظریاتی اِختلاف'' کا مطلب ہی نہیں سمجھے، اس لئے فقہی اختلافات کو ''نظریاتی اختلافات'' کے ساتھ گڈمڈ کردیا، حالانکہ میں نے پوری وضاحت اور صفائی سے لکھا تھا کہ:

''دُوسری بات جس کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اُمت میں دو قسم کے اِختلافات ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں قسم کے اختلافات سے مطلع بھی کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں اُمت کو ہدایات بھی عطا فرمائیں، پہلی قسم کا اختلاف وہ ہے جو اِجتہادی مسائل میں صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے درمیان رُونما ہوا اور جو آج حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اختلاف کے نام سے مشہور ہے، یہ اختلاف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بھی کبھی کبھی رُونما ہوجاتا تھا۔''

آگے اس اِختلاف کی تشریح کرتے ہوئے میں نے اسی کو رحمت قرار دیا تھا۔ اس کے بعد دُوسری قسم کے اِختلاف کو ذِکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

''دُوسری قسم کا اِختلاف ''نظریاتی اِختلاف'' کہلاتا ہے، (اور یہی اِختلاف آپ کے سوال کا موضوع ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کی بھی پیش گوئی فرمائی اور اس

اِختلاف میں حق و باطل کو جانچنے کا معیار بھی مقرّر فرمایا، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے.....الخ۔''

اسی دُوسری قسم کے اِختلاف کے بارے میں، میں نے لکھا کہ اس کا وجود دورِ نبوی اور دورِ شیخینؓ میں نہیں تھا، بلکہ یہ عہدِ عثمانی کے آخری میں پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ فقہی اِختلافات تو صحابہؓ کے دور میں بھی تھے، لیکن عقائد و نظریات اور بدعات واَہواء کا اِختلاف ان میں نہیں تھا، اس کا آغاز آخر دورِ عثمانی میں ہوا۔

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ ''منہاج السنۃ'' میں لکھتے ہیں:

''لم یحدث فی خلافة عثمان رضی الله عنه بدعة ظاهرة، فلما قتل وتفرّق الناس حدثت بدعتان متقابلتان، بدعة الخوارج المکفرین لعلیّ، وبدعة الرفضة المدّعین لامامته وعصمته أو نبوّته أو الاهیته.''

(منہاج السنۃ ج:۳ ص:۱۸۴)

ترجمہ:... ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کوئی بدعتِ ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی، ان کی شہادت کے بعد جب لوگوں میں اِفتراق ہوا تو دو بدعتیں جو باہم متقابل تھیں، پیدا ہوئیں۔ ایک خوارج کی بدعت، جو... نعوذ باللہ... حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے تھے، دُوسری رافضیوں کی بدعت، جو ان کی اِمامت و عصمت یا نبوّت یا اُلوہیت کے قائل تھے۔''

شیخ الاسلامؒ کی عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بدعتِ ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی، مطلب یہ کہ بدعتِ رفض کی خفیہ تحریک عہدِ عثمانی کے اَواخر میں شروع ہوچکی تھی، لیکن اس کا اعلانیہ ظہور نہیں ہوا تھا، اس کا ظہور ان کی شہادت کے بعد ہوا۔

۴:... حضرت ابوبکر صدیقؓ ''اَتقیٰ'' تھے:

میں نے شیعہ کے نظریۂ اِمامت کی تردید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ شیعہ مذہب کا

نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

''حضرت علی کرّم اللہ وجہہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و قریب ہیں، اس لئے وہی آپ کی خلافت و جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ نظریہ بظاہر سادہ اور خوش نما ہونے کے باوجود اِسلام کی دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تعلیم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسلام نے نسلی اِمتیاز اور خاندانی غرور کے سارے بتوں کو پاش پاش کر کے عزت و شرافت اور سیادت و بزرگی کا مدار ''تقویٰ'' پر رکھا تھا، اور تقویٰ کی صفت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضراتِ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سرتاج تھے (چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ واللیل میں انہی کو ''اَلْاَتْقٰی'' یعنی سب سے زیادہ متقی فرمایا گیا ہے) اس لئے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔'' (اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص:۱۹)

آنجناب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آپ کی تحریر (ص:۱۹) سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو بحیثیتِ خلیفہ کے انتخاب کرتے وقت صفتِ تقویٰ کو ملحوظ رکھا تھا، اور نسلی امتیاز اور آنحضرتؐ سے قرب کو نظر اَنداز کردیا تھا۔ حالانکہ تاریخ وحدیث کا ہر طالبِ علم اس اَمر سے واقف ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کرتے وقت صرف دو ہی دلیلیں پیش کی تھیں، ایک تو قریش کی عمومی عزت اور نسلی اِمتیاز جسے تمام قبائلِ عرب تسلیم کرتے تھے، اور دُوسرے آنحضرتؐ سے قربت و دیرینہ تعلق۔ وہاں تقویٰ کی کوئی بحث نہیں تھی، اور نہ ہی

اسے کسی مستند کتاب سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے متقی ہونے میں کلام نہیں، لیکن "اَتْقٰی" کی جو بحث آپ نے اُٹھائی ہے اور بحیثیت اُصول کے جس طرح آپ نے اسے بیان کیا ہے، وہ محلِ نظر ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابلِ اِثبات ہے۔ یعنی سقیفۂ بنی ساعدہ میں "متقی حق دارِ خلافت" کی بحث نہ چھڑی تھی اور نہ اس اُصول پر حضرت ابوبکرؓ کا اِنتخاب عمل میں آیا تھا، یہ اِنتخاب انہیں اُصول پر عمل میں آیا جن کی آپ نے نفی کی ہے۔"

یہاں دو مقام ہیں، ایک یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "اَلْاَتْقٰی" تھے، قرآنِ کریم میں "اَلْاَتْقٰی" انہی کے حق میں فرمایا گیا ہے، اور صحابہ کرامؓ بھی ان کو "خیر هٰذه الاُمّة" سمجھتے تھے۔ دوم یہ کہ ان کے اِستخلاف کے موقع پر ان کی افضلیت کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔

مقامِ اوّل:... سورۂ واللیل کی آیت کریمہ: "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى" میں "الاتقٰی" انہی کو فرمایا گیا ہے، اس پر قریباً تمام مفسرین کا اِجماع ہے:

۱:... حافظ جلال الدین سیوطیؒ اپنے رسالے "الحبل الوثيق في نصرة الصديق" میں لکھتے ہیں:

"وقد تواردت خلائق من المفسرين لا يحصون علٰى أنها نزلت في حق أبي بكر رضي الله عنه، وكذا أصحاب الكتب المؤلفة في المبهمات."

(الحاوی للفتاویٰ ص:۳۲۸)

ترجمہ:... "بے شمار مفسرین نے اس پر اِتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اسی طرح جن حضرات نے "مبہمات" پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اس پر اِتفاق کیا ہے۔"

۲:... تفسیر مظہری میں ہے:

"لاتفاق المفسرين علٰى أن الآية نزلت فى أبى بكر الصديق فالغرض منه توصيف الصديق بكونه اتقٰى الناس أجمعين غير الأنبياء." (تفسیر مظہری ج:۱۰ ص:۲۷۹)

ترجمہ:... "کیونکہ مفسرین کا اِتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، پس آیت کا مدعا یہ بتانا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو چھوڑ کر وہ باقی تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اتقیٰ ہیں۔"

۳:... تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

"وقد ذكر غير واحد من المفسرين أن هٰذه الآيات نزلت فى أبى بكر الصديق رضى الله عنه حتّى أن بعضهم حكى الاجماع من المفسرين علٰى ذٰلك."

(تفسیر ابن کثیر ج:۴ ص:۵۲۱)

ترجمہ:... "بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس پر مفسرین کا اِجماع نقل کیا ہے۔"

۴:... تفسیر زاد المسیر میں ہے:

"(الأتقٰى) يعنى: أبابكر الصديق فى قول جميع المفسرين." (تفسیر زاد المسیر ج:۹ ص:۱۵۲)

ترجمہ:... "الاتقیٰ سے تمام مفسرین کے قول میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔"

۵:... تفسیر قرطبی میں ہے:

"والأكثر أن السورة نزلت فى أبى بكر رضى

اللہ عنـــہ، وروی ذٰلک عـن ابـن مسـعـود وابن عبـاس وعبداللہ بن الزبیر وغیرهم." (تفسیر قرطبی ج:۲۰ ص:۹۰)

ترجمہ:... "اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورۃ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور یہ بات صحابہ کرامؓ میں سے ابنِ مسعودؓ، ابنِ عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر حضرات سے مروی ہے۔"

۶:... تفسیر ابوالسعود میں ہے:

"والآیـات نـزلـت فـی حـق أبـی بـکـر الصدیق رضـی اللہ عنه حین اشتری بلالًا فی جماعة کان یؤذیهم المشرکون فاعتقهم." (تفسیر ابوالسعود ج:۹ ص:۱۶۸)

ترجمہ:... "یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں، جب انہوں نے حضرت بلالؓ اور ایک جماعت کو خرید کر لوجہ اللہ آزاد کردیا، جن کو مشرکین ایذائیں دیتے تھے۔"

۷:... تفسیر رُوح المعانی میں ہے:

"وهٰذه الآیـات عـلٰی ما سمعتَ نزلت فی أبی بـکـر رضـی اللہ عـنه ..... فقد أخرج ابن أبی حاتم عن عروة أن أبا بکر الصدیق رضی اللہ عنه اعتق سبعة کلهم یـعذب فی اللہ عزّ وجلّ: بلال وعامر بن فهیرة والنهدیة وابـنـتهـا وزنیرة وأم عبیس وأمة بنی المؤمل وفیه نزلت "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی" الٰی آخر السورة واستدلّ بذٰلک الامام علٰی أنه رضی اللہ عنه أفضل الأُمّة."

(تفسیر رُوح المعانی ج:۳۰ ص:۱۵۲)

ترجمہ:... "اور یہ آیات، جیسا کہ تم سن چکے ہو، حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں....... چنانچہ ابن ابی حاتم نے عروہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات افراد کو، جنھیں اللہ کی راہ میں مبتلائے عذاب کیا جارہا تھا، خرید کر آزاد کردیا، یعنی حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، نہدیہ، ان کی صاحب زادی، زنیرہ، اُم عبیس اور بنومؤمل کی ایک لونڈی۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں ''وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی'' سے آخر سورۃ تک نازل ہوئی، اور اِمام رازیؒ نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُمت میں سب سے افضل تھے۔''

۸:...اِمام رازیؒ نے اس آیت شریفہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ''افضل الخلق بعد الأنبیاء'' ہونا ثابت کیا ہے، ان کی تقریر طویل ہے، اس لئے صرف اس کے حوالے پر اِکتفا کرتا ہوں، اہلِ علم اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

الغرض اس آیت شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''الاتقی'' فرمایا ہے، اس آیت شریفہ اور دیگر بے شمار نصوص کی روشنی میں حضراتِ صحابہ کرامؓ، حضرت صدیق اکبرؓ کو سب سے افضل جانتے تھے، چنانچہ جامع الاصول میں ہے:

''۶۳۹۴ - (خ د ت: عبدالله بن عمر رضی الله عنهما) قال: کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم، نخیر أبابکر، ثم عمر، ثم عثمان.

(أخرجه البخاری)

وله فی روایة قال: کنا زمن النبی صلی الله علیه وسلم لا نعدل بأبی بکر أحدًا، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نترک أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لا نفاضل بینهم. وأخرج أبو داوٗد الثانیة ولأبی داوٗد: کنا

نقول ورسو الله صلى الله عليه وسلم حيٌّ: أفضل أُمّة النبي صلى الله عليه وسلم بعده: أبوبكر، ثم عمر، ثم عثمان. وفي رواية الترمذي: كنا نقول ورسول الله صلى الله عليه وسلم حيٌّ: أبوبكر، وعمر، وعثمان."

(جامع الاصول ج:۸ ص:۵۷۹)

ترجمہ:... "بخاری، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان ترجیح دیا کرتے تھے، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو ترجیح دیتے تھے، پھر حضرت عمرؓ کو، پھر حضرت عثمانؓ کو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

اور بخاری کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر حضرت عمرؓ کے، پھر حضرت عثمانؓ کے، پھر باقی صحابہ میں کسی کو دُوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ امام داؤد نے یہ دُوسری روایت نقل کی ہے۔

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہا کرتے تھے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ۔ اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں (صحابہؓ کی ترتیب بیان کرتے ہوئے) کہا کرتے تھے کہ (اوّل) ابوبکرؓ، (دوم) عمرؓ، (سوم) عثمانؓ۔"

رہا دُوسرا مقام! یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا

اِنتخاب اسی فضیلت کی بنا پر کیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضراتِ انصارؓ سے فرمایا کہ قریش کے دو بزرگ تمہارے سامنے موجود ہیں (یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح) ان سے بیعت کرلو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"بل نبايعك أنت، فأنت سيّدنا وخيرنا وأحبنا الٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۱۸)

ترجمہ:... "نہیں! بلکہ ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے افضل ہیں، اور ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔"

اور صحیح بخاری میں دُوسری جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری خطبہ منقول ہے، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اِستخلاف کا واقعہ مفصل بیان فرمایا۔ اسی میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اَنصارؓ سے فرمایا کہ ان دو بزرگوں میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"فلم أكره مما قال غيرها، كان والله! ان أقدم فتضرب عنقي لا يقربني ذٰلك من اثم أحب الي من أن أتأمّر علٰى قوم فيهم أبوبكر، اللهم الّا أن تسول لي نفسي عند الموت، لا أجده الآن."

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۱۰)

ترجمہ:... "حضرت ابوبکرؓ کی تقریر میں بس یہی ایک بات مجھے بُری لگی، بخدا! آگے بڑھا کر میری گردن اُڑادی جاتی، بشرطیکہ یہ چیز مجھے گناہ کے قریب نہ کرتی، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنوں جن میں ابوبکرؓ موجود ہوں، اِلَّا یہ کہ خدانخواستہ میرا نفس موت کے وقت مجھے (ابوبکرؓ سے افضلیت) کا

خیال دِلائے، جواب تک میرے دِل میں نہیں ہے۔''

مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر کے آخر میں ان دو بزرگوں میں سے کسی ایک سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''فواللہ! ما بقی شیء کنت أحب أن أقوله الّا وقد قاله یومئذ غیر هٰذه الکلمة، فواللہ! لأن أوقتل ثم أحیا (ثم أقتل ثم أحیا) فی غیر معصیة أحبَّ الیّ من أن أکون أمیرًا علٰی قوم فیهم أبوبکر، قال: ثم قلت: یا معشر الأنصار! یا معشر المسلمین! ان أولی الناس بأمر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من بعده ثانی اثنین اذ هما فی الغار أبوبکر السباق المبین، ثم أخذت بیده وبادرنی رجل من الأنصار فضرب علٰی یده قبل أن أضرب علٰی یده، ثم ضربت علٰی یده وتتابع الناس.''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱۴ ص:۵۶۶)

ترجمہ:... ''پس بخدا! جتنی باتیں میں اس موقع پر کہنا چاہتا تھا وہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہہ ڈالیں، سوائے اس آخری بات کے، پس بخدا! مجھے قتل کردیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا، پھر قتل کیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا، بغیر گناہ کے، یہ مجھے زیادہ محبوب تھا اس بات سے کہ میں ایک ایسی قوم کا اُمیر بنوں جن میں ابوبکرؓ موجود ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ: اے جماعتِ اَنصار! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو آپ کا رفیقِ غار تھا، اور وہ ابوبکرؓ ہیں، جو واضح طور پر سبقت کرنے والے ہیں۔ پھر میں نے بیعت کے لئے ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور اَنصار

کے ایک صاحب نے مجھ سے سبقت کر کے ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ
دے دیا، اس سے قبل کہ میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دُوں۔''

نیز نسائی، مصنف ابنِ ابی شیبہ، مستدرک حاکم، سُنن کبریٰ اور طبقات ابنِ سعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''قال: لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت الأنصار: منا أمير ومنكم أمير، قال: فأتاهم عمر فقال: يا معاشر الأنصار! ألستم تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر أبابكر أن يصلي بالنّاس؟ قالوا: بلىٰ! قال: فأيكم تطيب نفسه أن يتقدم أبابكر، فقالوا: نعوذ بالله أن نتقدم أبا بكر.''

(نسائی ج:۱ ص:۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱۴ ص:۵۶۷، مستدرک حاکم ج:۳ ص:۶۶، طبقات ابن سعد ج:۳ ص:۱۷۸)

ترجمہ:... ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اَنصار نے کہا کہ: ایک اَمیر ہمارا ہوگا، اور ایک تمہارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے جماعتِ انصار! کیا آپ حضرات کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟ انہوں نے کہا: بے شک! فرمایا: پھر تم میں سے کس کا جی چاہے گا کہ وہ حضرت ابوبکر سے آگے ہو؟ کہنے لگے: ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے آگے ہوں۔''

نیز مصنف ابنِ ابی شیبہ اور طبقات ابنِ سعد میں اِمام محمد بن سیرینؒ کی روایت ہے:

''قال: لما توفي النبي صلى الله عليه وسلم أتوا أبا عبيدة، فقال: أتأتوني وفيكم ثالث ثلاثة؟ قال أبو

عون: قلت لمحمد: ما ثالث ثلاثة؟ قال: ألم تر الى تلك الآية: اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱۴ ص:۵۷۰، طبقات ابن سعد ج:۳ ص:۱۸۱، واللفظ لہ)

ترجمہ:... "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو لوگ بیعت کے لئے ابوعبیدہؓ کے پاس آئے، انہوں نے فرمایا: تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں "تین میں سے تیسرا" موجود ہے؟ ابوعون کہتے ہیں کہ: میں نے محمد بن سیرینؒ سے کہا کہ: "تین میں سے تیسرا" کا کیا مطلب؟ فرمایا: تم نے اس آیت کو نہیں دیکھا: جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب نبی اپنے رفیق سے فرما رہے تھے: غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

مطلب یہ کہ غار میں یہ دونوں حضرات تھے، تیسرا ان کے ساتھ اللہ تھا، لہٰذا ابوبکرؓ "ثالث ثلاثہ" یعنی "تین میں سے تیسرے" ہوگئے۔

ان تمام روایات سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضراتِ صحابہؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے ان کے احق بالخلافہ ہونے پر اِستدلال کیا، اوران کا اِستخلاف ان کی افضلیت اور سوابقِ اِسلامیہ وخدماتِ جلیلہ کے پیشِ نظر عمل میں آیا تھا، محض نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں۔

۵:... حضرت علیؓ کا ارشاد: "خیر هٰذه الأُمّة بعد نبیّها أبوبكر ثم عمر":

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"صفحہ:۱۹ ہی پر آپ نے حضرت علیؓ کے جس خطبے کا حوالہ دیا ہے اس کا کوئی "مستند" آپ نے بیان نہیں کیا، جہاں تک ہماری تحقیق ہے حضرت علیؓ سے یہ الفاظ کسی معتبر کتاب میں منقول نہیں ہیں، اگر آپ کتاب کا حوالہ اور استناد بھی دیتے تو بات صاف ہوجاتی۔"

یہ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے، جناب کی اطلاع کے لئے چند حوالے نقل کئے دیتا ہوں۔ حافظ ابنِ کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں:

"وقد ثبت عنه بالتواتر أنه خطب بالكوفة فی أيّام خلافته ودور امارته، فقال: أيها الناس! ان خير هٰذه الأُمّة بعد نبيّها أبوبكر، ثم عمر، ولو شئت أن اسمّی الثالث سمّيت، وعنه أنه قال وهو نازل من المنبر: ثم عثمان ثم عثمان." (البدایہ والنہایہ ج:۸ ص:۱۳)

ترجمہ:... "اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں اور اپنے دار الخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ: لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر سے اُترتے ہوئے فرمایا: پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔"

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ "منہاج السنۃ" میں اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ "المنتقی" میں لکھتے ہیں:

"وقد تواتر عن أمير المؤمنين علی بن أبی طالب رضی الله عنه انه قال: خير هٰذه الأُمّة بعد نبيّها أبوبكر، ثم عمر، وقد روی هٰذا عنه من طرق كثيرة، قيل انها تبلغ ثمانين طريقًا، وقد روی البخاری عنه فی صحيحه ..... عن محمد بن الحنفية قال: قلت لأبی: يا أبت! من خير الناس بعد رسول الله صلی الله عليه وسلم؟ فقال: يا بنی! أو ما تعرف؟ فقلت: لا! قال: أبوبكر! فقلت: ثم من؟ قال: عمر! وهٰذا يقوله لابنه بينه

وبينه، ليس هو مما يجوز أن يقوله تقية، ويرويه عن أبيه خاصة وقاله على المنبر.''

(منہاج السنۃ ج:۳ ص:۱۶۲، المنتقی ص:۳۶۱)

ترجمہ:... ''حضرت امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔ آپ کا یہ ارشاد بہت سی اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ اسانید اَسّی کی تعداد کو پہنچتی ہیں۔ اور اِمام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح'' میں آپ کا یہ ارشاد آپ کے صاحب زادے محمد بن حنفیہ کے طریق سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے والد سے عرض کیا: اباجان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: بیٹا! تم نہیں جانتے؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا: سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، میں نے کہا: پھر ان کے بعد کون؟ فرمایا: عمرؓ۔

اور یہ بات آپ اپنے صاحب زادے سے فرما رہے ہیں، جس میں تقیہ کی گنجائش نہیں، اور صاحب زادے ہی اس کو بطورِ خاص اپنے والد سے روایت کر رہے ہیں، اور یہی بات آپ نے برسرِ منبر بھی ارشاد فرمائی۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''ازالۃ الخفا'' میں لکھتے ہیں:

''اما بیان افضلیت شیخین پس از وے متواتر شدہ، مرفوعاً وموقوفاً، ہر چند ایں مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است، اما کسی از صحابہ آں رامصرح تر و محکم تر چوں علی مرتضیٰؓ نیاورد۔'' (ازالۃ الخفا ض:۱ ص:۲۶)

ترجمہ:... ''رہا شیخینؓ کی افضلیت کو بیان کرنا، پس آپؓ

سے یہ مضمون تواتر کے ساتھ وارِد ہے، مرفوعاً اور موقوفاً بھی، ہرچند کہ یہ مسئلہ تمام اہلِ حق کا مذہب ہے، تاہم صحابہؓ میں سے کسی نے اس کو اتنی تصریح کے ساتھ اور ایسے محکم انداز میں بیان نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔''

اور چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

''ومن موقوفه "خير هٰذه الأُمّة أبوبكر ثم عمر" وآں را جمع کثیر روایت کردہ اند۔''

ترجمہ:... ''اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد کہ: ''اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ'' اس کو ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔''

اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اس حدیث کے متعدّد طرق کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اما اِستدلال بر خلافت صدیق از جہت تفویض امامت صلوٰۃ باو:

فأخرج أبو عمر في الاستيعاب عن الحسن البصري عن قيس بن عباد قال: قال لي علي بن أبي طالب رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرض ليالي وأيّامًا ينادى بالصلوٰة فيقول: مروا أبا بكر يصلي بالنّاس، فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم نظرت فاذا الصلوٰة علم الاسلام وقوام الدين، فرضينا لدنيانا من رضي رسول الله صلى الله عليه وسلم لديننا، فبايعنا أبا بكر.'' (ازالۃ الخفا ج:۱ ص:۶۸)

ترجمہ:... ''رہا حضرت علیؓ کا حضرت صدیقؓ کی خلافت

پر اس سے اِستدلال کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اِمامت ان کے سپرد فرمائی تھی، تو حافظ ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں حسن بصریؒ سے، انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن بیمار رہے، نماز کے لئے بلایا جاتا تو فرماتے کہ: ''ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں'' پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو میں نے غور کیا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ نماز، اِسلام کا شعار اور دِین کا مدار ہے، پس ہم نے اپنی دُنیا کے لئے اس شخص کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دِین کے لئے پسند کیا تھا۔''

حضرت شاہ صاحبؒ نے ''الاستیعاب'' کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے لئے ''الاستیعاب'' برحاشیہ ''الاصابہ'' ج:۲ ص:۲۵۱ کی مراجعت کی جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''المطالب العالیہ'' میں یہ حدیث مفصل نقل کی ہے، چونکہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے اس لئے طویل ہونے کے باوجود یہاں پوری حدیث درج کرتا ہوں:

''۴۴۵۸- الحسن يقول: لما قدم عليّ البصرة في أمر طلحة وأصحابه قام عبدالله بن الكواء وابن عباد فقالا: يا أمير المؤمنين! أخبرنا عن مسيرك هٰذا، أوصية أوصاك بها رسول الله صلى الله عليه وسلم أم عهدًا عهده عندك، أم رأيا رأيته حين تفرقت الأُمّة واختلفت كلمتها؟ فقال: ما أكون أوّل كاذب عليه، والله! ما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم موت فجاة، ولا قتل قتلا، ولقد مكث في مرضه كل ذٰلك يأتيه المؤذّن، فيؤذنه بالصلاة، فيقول: مروا أبابكر،

فليصل بالنّاس. ولقد تركني وهو يرى مكاني، ولو عهد الىّ شيئًا لقمت به، حتّى عارضت في ذٰلك امرأة من نسائه، فقالت: ان أبابكر رجل رقيق اذا قام مقامك لم يسمع الناس، فلو أمرت عمر أن يصلي بالنّاس؟ فقال لها: انكن صواحب يوسف! فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم نظر المسلمون في أمرهم، فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ولّى أبابكر أمر دينهم، فولّوه أمر دنياهم، فبايعه المسلمون وبايعته معهم، فكنت أغزو اذا أغزاني، وآخذ اذا أعطاني، وكنت سوطا بين يديه في اقامة الحدود، فلو كانت محاباة عند حضور موته، لجعلها في ولده، فأشار بعمر، ولم يأل فبايعه المسلمون وبايعته معهم، فكنت أغزوا اذا أغزاني، وآخذ اذا أعطاني، وكنت سوطا بين يديه في اقامة الحدود، فلو كانت محاباة عند حضور موته لجعلها في ولده، وكره أن يتخير منا معشر قريش، فيوليه أمر الأُمّة، فلا تكون اساءة من بعده الا لحقت عمر في قبره، فاختار منّا ستّة أنا فيهم لنختار للأُمّة رجلا، فلما اجتمعنا وثب عبدالرحمٰن بن عوف فوهب لنا نصيبه منها علٰى أن نعطيه مواثيقنا علٰى أن يختار من الجماعة رجلا، فيوليه أمر الأُمّة، فأعطيناه مواثيقنا، فأخذ بيد عثمان فبايعه، ولقد عرض في نفسي عند ذٰلك، فلما نظرت في أمري فاذا عهدي قد سبق بيعتي، فبايعت وسلمت، فكنت أغزو اذا أغزاني وآخذ اذا أعطاني،

وكنت سوطا بين يديه في اقامة الحدود، فلما قتل عثمان، نظرت في أمري، فاذا الموثقة التي كانت في عنقي لأبي بكر وعمر قد انحلت، واذا العهد لعثمان قد وفيت به، وأنا رجل من المسلمين ليس لأحد عندي دعوى، ولا طلبة، فوثب فيها من ليس مثلي (يعني معاوية) لا قرابته قرابتي، ولا علمه كعلمي، ولا سابقته كسابقتي، وكنت أحق بها منه. قالا: صدقت! فأخبرنا عن مالك هذين الرجلين (يعني طلحة والزبير) صاحباك في الهجرة، وصاحباك في بيعة الرضوان، وصحباك في المشورة، فقال: بايعاني بالمدينة، وخالفاني بالبصرة، ولو أن رجلا ممن بايع أبابكر خلعه لقاتلناه، ولو أن رجلا ممن بايع عمر خلعه لقتلناه (لإسحاق)." (المطالب العاليہ ج:۴ ص:۲۹۴)

ترجمہ:... ''حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ: جب حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور ان کے رُفقاء کے معاملے میں بصرہ تشریف لائے تو عبداللہ بن الکواء اور قیس بن عباد نے کھڑے ہوکر کہا کہ: اے امیرالمؤمنین! آپ ہمیں اپنی تشریف آوری کے بارے میں بتایئے! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی وصیت فرمائی تھی؟ یا آپ سے اس بارے میں کوئی تاکید فرمائی تھی؟ یا یہ آپ کی ایک رائے ہے جو آپ نے اُمت کے اِختلاف اور اس کے معاملے کے متفرق ہوجانے کے وقت اختیار فرمائی؟ آپؓ نے فرمایا: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا نہ بنوں گا، اللہ کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اچانک نہیں

ہوئی تھی، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری میں کئی دن رہے، اس عرصے میں موذِن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اِطلاع دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری موجودگی کو دیکھ رہے تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھوڑ دیا (اور حضرت ابوبکرؓ کو اِمام مقرّر فرمایا)، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ولی عہد بنایا ہوتا تو میں اس کام کو کرتا۔ اور آپ کی ازواجِ مطہراتؓ میں سے ایک بی بی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گزارش بھی کی کہ: ابوبکر نرم دِل آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکیں گے، اگر آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم فرمادیتے تو بہتر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تم ان زنانِ مصر کی طرح ہو، جنھوں نے یوسف علیہ السلام سے زلیخا کی سفارش کی تھی۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو مسلمانوں نے اپنے معاملے میں غور کیا، انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کو ان کے دِین کا کام سپرد کرچکے ہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے دُنیا کے اُمور بھی ان کے سپرد کردیئے، پس مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کرلی، پس جب حضرت ابوبکرؓ مجھے جہاد کے لئے بھیجتے تو میں جہاد میں جاتا، اور جب مجھے مالِ فئے میں سے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور میں ان کے سامنے حدود قائم کرنے کے لئے کوڑا بن جاتا۔

پھر اگر ان کو اپنی وفات کے وقت خویش پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے حوالے کر جاتے، لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا طے کر دیا، اور انہوں نے اُمت کی خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے بیعت کر لی، اور ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کی، پس جب وہ مجھے جہاد پر بھیجتے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بن جاتا۔ اب اگر حضرت عمرؓ کو موت کے وقت خویش پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے سپرد کر جاتے، مگر انہوں نے تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ وہ ہم گروہِ قریش میں سے ایک آدمی کو نامزد کر کے اُمت کا معاملہ اس کے حوالے کر جائیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد کوئی بُرائی ہو تو اس کا وبال حضرت عمرؓ کو ان کی قبر میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے ہم میں سے چھ آدمیوں کو، جن میں سے ایک میں بھی تھا، منتخب کیا کہ ہم اپنے میں سے ایک کو اُمت کے لئے خلیفہ منتخب کر لیں۔ پھر جب ہم انتخابِ خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پہل کرتے ہوئے کہا کہ وہ خلافت میں سے اپنا حصہ ہمیں دینے کے لئے تیار ہیں اس شرط پر کہ ہم ان سے یہ عہد کریں کہ وہ جماعت میں سے ایک صاحب کو منتخب کر کے اُمت کا معاملہ اس کے سپرد کر دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ان سے معاہدہ کر لیا، انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بیعت کر لی، اس وقت میرے دِل میں کچھ خیال سا پیدا ہوا، لیکن میں نے غور کیا تو دیکھا کہ میرا معاہدہ میری بیعت سے سبقت کر چکا ہے، لہٰذا میں نے بیعت کر لی اور ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا، چنانچہ جب وہ مجھے جہاد پر بھیجتے تو میں

جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں قبول کرتا، اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بن جاتا۔

پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے تو میں نے اپنے معاملے میں غور کیا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی بیعت کا عہد و پیمان جو میری گردن میں تھا اس کی گرہ کھل چکی ہے، اور حضرت عثمانؓ کے لئے کیا گیا عہد و پیمان بھی پورا ہو چکا ہے، اور میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، کسی کا نہ مجھ پر کوئی دعویٰ ہے اور نہ کوئی مطالبہ۔ اب اس میں وہ شخص کود پڑا ہے جو مجھ جیسا نہیں (یعنی حضرت معاویہؓ) نہ اس کی قرابت میری قرابت جیسی ہے، نہ اس کا علم میرے علم کے برابر ہے، نہ اس کے کارنامے میرے کارناموں جیسے ہیں، اس لئے میں اس خلافت کا اس سے زیادہ مستحق ہوں۔

ان دونوں نے عرض کیا کہ: یہ تو آپ نے بجا ارشاد فرمایا، لیکن ہمیں ان دو صاحبوں کے بارے میں بتایئے (یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) وہ دونوں ہجرت میں بھی آپ کے ساتھی ہیں، بیعتِ رضوان میں بھی آپ کے ساتھ تھے، اور شوریٰ میں بھی آپ کے رفیق تھے۔

فرمایا: ان دونوں صاحبوں نے مدینہ میں مجھ سے بیعت کی تھی اور بصرہ آکر وہ میرے مخالف ہوگئے، اور اگر کوئی شخص جس نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی تھی، آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے قتال کرتے، اور اگر کوئی شخص حضرت عمرؓ سے بیعت کرکے آپ کو معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے بھی قتال کرتے۔"

یہ مسند اسحاق بن راہویہ کی روایت ہے۔

اس روایت کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''امام بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو امام اسحاق بن راہویہؒ نے بہ سندِ صحیح روایت کیا ہے، اور ابوداؤد و نسائی نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔''

۶:... شیعہ کلمہ اور اَذان:

میں نے کلمہ شریف میں شیعوں کی پیوندکاری کی شکایت کرتے ہوئے لکھا تھا:

''آپ نے سنا ہوگا کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمے پر راضی نہیں، بلکہ اس میں ''علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل'' کی پیوندکاری کرتا ہے۔ بتایئے! جب اسلام کا کلمہ اور قرآن بھی شیعوں کے نزدیک لائقِ تسلیم نہ ہو تو کس چیز کی کسر باقی رہ جاتی ہے...؟

آنجناب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سب سے آخر میں اس بات کی مختصراً وضاحت کردُوں کہ علمائے شیعہ کے نزدیک اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہے تو اس کے لئے کلمہ پڑھنا ضروری ہے، جو یہ ہے: ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ'' اور بس، اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ (اس کے لئے شیخ جعفر کاشف الغطا کی کتاب کشف الغطا، ''باب الاجتہاد'' صفحہ:۳۹۸ کا حوالہ دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں) آپ نے تو ہمارا کلمۂ اسلام ہی ہم سے چھین لیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کلمہ ہے جو اِسلام لانے کے لئے پڑھنا ضروری ہے۔''

اوّل:... شیخ جعفر کاشف الغطا کی تصریح کے مطابق اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمۂ طیبہ ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اِقرار کافی ہے، لیکن آپ حضرات کے نزدیک شیعہ مذہب میں داخل ہونے کے لئے ''علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، وخلیفتہ بلافصل'' کی پیوندکاری لازم ہے۔ چنانچہ آپ حضرات نے پاکستان کے اسکولوں کی نویں

اور دسویں جماعت کے نصاب اسلامیات میں اس کو باصرار و اِحتجاج داخل کرایا، کیا ایک غیر جانب دار شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں ہوگا کہ شیعہ مذہب اسلام سے ماورا کوئی دِین ہے، جس میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمۂ اِسلام کافی نہیں بلکہ ''علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل'' کی پیوندکاری لازم ہے...؟

خصوصاً اس نکتے کو پیشِ نظر رکھئے کہ حضراتِ اِمامیہ کے نزدیک جس طرح ''محمد رسول اللہ'' کے منکر پر کفر کا فتویٰ ہے، اسی طرح ''علی ولی اللہ'' کا منکر بھی کافر ہے۔ مسئلۂ اِمامت کے ذیل میں اس نکتے کو کتبِ اِمامیہ کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں۔ اگر شیعہ مذہب، مسلمان ہونے کے لئے کلمۂ اِسلام کو کافی سمجھتا تو ''ولایتِ ائمہ'' کے منکروں پر کفر کا فتویٰ کیوں دیتا...؟

الغرض! آپ حضرات کا باصرار وتکرار ''علی ولی اللہ'' کو سرکاری طور پر کلمہ شریف میں داخل کرانا اور اس شیعی کلمے کے منکروں پر کفر کا فتویٰ جاری کرنا، کیا اس اَمر کا صاف صاف اعلان نہیں کہ آپ حضرات کا کلمہ بھی مسلمانوں سے الگ ہے...؟

دوم:... آپ حضرات یہی اضافی کلمات ''علی ولی اللہ ... الخ'' اَذان میں بھی لاؤڈاسپیکر پر دُہراتے ہیں، حالانکہ آپ کے شیخ صدوق ابوجعفر قمی نے ''من لا یحضرہ الفقیہ'' میں اس اِضافے کو ملعون مفوضہ کی من گھڑت بدعت قرار دیا ہے، چنانچہ اَذان کے کلماتِ ماثورہ نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

> ''وقال مصنف هٰذا الكتاب: هٰذا هو الأذان الصحيح لا يُزاد فيه ولا ينقص منه والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا أخبارًا وزادوا في الأذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين، وفي بعض رواياتهم بعد أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن عليًا ولي الله مرتين، ومنهم من روى بدل ذٰلك أشهد أن عليًّا أمير المؤمنين حقًّا مرتين، ولا شك في أن عليًّا ولي الله وأنه أمير

المؤمنين حقًا وأن محمدًا وآله صلوات الله عليهم خير البرية، ولٰكن ليس ذلك في أصل الأذان، وانما ذكرت ذلك ليعرف بهٰذه الزيادة المتهمون بالتفويض المدلسون أنفسهم في جملتنا."

ترجمہ:..... "مصنفِ کتاب فرماتے ہیں کہ: یہی صحیح اَذان ہے، اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ اور فرقہ مفوضہ نے ... ان پر اللہ کی لعنت ہو ... کچھ روایتیں گھڑی ہیں، اور انہوں نے اَذان میں "محمد وآل محمد خیر البریہ" کے الفاظ دو مرتبہ بڑھائے ہیں، اور ان کی بعض روایات میں "اشہد ان محمداً رسول اللہ" کے بعد "اشہد ان علیا ولی اللہ" (دو مرتبہ) کے الفاظ ہیں، اور بعض نے ان الفاظ کے بجائے "اشہد ان علیا امیر المؤمنین" (دو مرتبہ) کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

اور کوئی شک نہیں کہ علیؓ ولی اللہ ہیں، اور یہ کہ وہ واقعی امیر المؤمنین ہیں، اور یہ کہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ خیر البریہ ہیں، لیکن یہ الفاظ اَصل اَذان میں نہیں۔ میں نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس زیادتی کے ذریعے وہ لوگ پہچانے جائیں جن پر "تفویض" کی تہمت ہے اور جو اپنے عقیدے کو چھپا کر ہماری جماعت کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کے شیخ صدوق تاکیدِ شدید فرماتے ہیں کہ اَذان کے مأثورہ کلمات میں کمی بیشی نہ کی جائے اور یہ کہ "اشہد ان علیا ولی اللہ" کے کلمات کا اضافہ بدبخت اور ملعون مفوضہ کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ لیکن آج کل آپ ان ملعونوں کی بدعت پر بھی اِکتفا نہیں کرتے، بلکہ میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں کہ آپ حضرات اَذان میں یہ کلمات بڑھاتے ہیں: "أشهد أنّ أمير المؤمنين وامام المتقين، عليًّا ولي الله، وصي

رسول الله، وخلیفته بلا فصل" اور غریب موذن ایک سانس میں ان الفاظ کو ادا نہیں کر پاتا، اور اس طویل بدعتی عبارت کو ادا کرنے کے لئے اسے درمیان میں کئی جگہ سانس لینا پڑتا ہے۔ جب شیخ صدوق کے زمانے میں "اشہد ان علیا ولی اللہ" کے الفاظ بدعت اور موجبِ لعنت تھے تو اِنصاف فرمایئے کہ ان طویل الفاظ کے بڑھانے سے یہ بدعت اور لعنت کتنے گنا بڑھ گئی ہوگی؟ کیا آپ کی جماعت میں کوئی دانش مند ایسا نہیں جو اس پر غور کرے؟ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ...؟

سوم:... میں مسئلۂ اِمامت کی بحث میں "رجال کشی" اور "بحار الانوار" کے حوالے سے بتاچکا ہوں کہ "ولایتِ علی" کے عقیدے کا اظہار سب سے پہلے عبداللہ بن سبا ملعون نے کیا تھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعادت میں اور خلفائے راشدینؓ کے بابرکت زمانے میں "علی ولی اللہ" کے الفاظ "کلمۂ اِسلام" میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح شیعہ اَذان میں جو کلمات دُہرائے جاتے ہیں (اور جن کو شیخ صدوق نے مفوضہ لعنہم اللہ کی بدعت کہا ہے) وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اَذان میں شامل تھے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے تک خلافتِ راشدہ کے دور میں، بلکہ شیخ صدوقؒ کے زمانے تک خود شیعوں کی اَذان میں بھی نہیں تھے۔ اب خود اِنصاف فرمایئے کہ کلمہ اور اَذان میں ان الفاظ کا اِضافہ کرنا، دِینِ محمدی کے علاوہ ایک نئے دِین کی تصنیف نہیں تو اور کیا ہے...؟ اس پر اگر میں شکایت کرتا ہوں کہ شیعہ مذہب اِسلام کے کلمے پر بھی راضی نہیں، تو آنجناب اپنی اِصلاح کرنے کے بجائے اُلٹا مجھ پر خفا ہوتے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

آنجناب اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

"باقی رہا "علی ولی اللہ" تو یہ ایسی بات ہے جس کو علمائے اہلِ سنت بھی مانتے ہیں، کیونکہ یہ عقیدہ اس آیت سے ماخوذ ہے: "انما ولیکم الله ورسوله..... وهم راکعون" جو باتفاقِ مفسرین حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ مفتی محمد شفیعؒ نے بھی

اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، تو بفحوائے آیت کریمہ حضرت علی علیہ السلام ولی اللہ ہیں اور یہ آپ بھی مانتے ہوں گے، اس کا نکار تو آپ کر ہی نہیں سکتے۔"

آنجناب کی یہ مختصری عبارت چندر چند مغالطوں پر مشتمل ہے:

اوّل:... یہ کہ "علی ولی اللہ" کو اہلِ سنت بھی مانتے ہیں۔ یہ محض مغالطہ ہے، اس لئے کہ شیعوں کے کلمے اور اَذان میں "علی ولی اللہ" کے ایک خاص معنی مراد ہیں، جس کی تفسیر "وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل" کے الفاظ سے کی جاتی ہیں۔ آنجناب کو معلوم ہے کہ اہلِ سنت "علی ولی اللہ" کے اس مفہوم کو نہ صرف غلط سمجھتے ہیں، بلکہ اس کو اِبنِ سبا ملعون کی بدعت قرار دیتے ہیں اور اس عقیدے کو ہدمِ اسلام کی سازش سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود آنجناب کا یہ فرمانا کہ "علی ولی اللہ" کے سبائی مفہوم کو اہلِ سنت بھی مانتے ہیں، محض مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اگر "علی ولی اللہ" سے یہ مراد ہے کہ حضرت علیؓ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے ہیں، تب بھی اہلِ سنت کے نقطۂ نظر سے یہ فقرہ غلط ہے، کیونکہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتسلیمات) میں کروڑوں افراد "اولیاء اللہ" ہیں، اس میں حضرت علیؓ کی کیا تخصیص؟ اور کلمہ واَذان میں ان الفاظ کے نہ نکنے کے کیا معنی؟ آنجناب کو علم ہے کہ اہلِ سنت کے نزدیک اُمت کے اولیاء اللہ میں سب سے افضل صحابہ کرامؓ ہیں، اور صحابہ کرامؓ میں چار بزرگوار علی الترتیب افضلِ اُمت ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ لہٰذا اُمت کے اولیاء اللہ میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ چوتھے نمبر پر ہیں، پس "علی ولی اللہ" کا فقرہ اس مفہوم میں بھی عقیدۂ اہلِ سنت کے خلاف ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آنجناب ان باتوں سے بے خبر نہیں، لیکن مجھے بے حد تعجب ہے کہ آنجناب جیسا فہیم اور سمجھ دار آدمی بھی مغالطوں سے کام چلانے پر مجبور ہے۔

دوم:... یہ کہ آنجناب کا قول "یہ عقیدہ آیت شریفہ "انما ولیکم اللہ ورسولہ ... وھم راکعون" سے مأخوذ ہے" نہایت غلط ہے۔ اس آیت سے کوئی عاقل شیعوں کا عقیدۂ "ولایتِ علی" نہیں نکال سکتا، نہ آیت کے الفاظ سے یہ عقیدہ کشید کیا جاسکتا ہے، اور

نہ سیاق و سباق ہی اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن آنجناب اس کو میرے سامنے اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ گویا میرے نزدیک یہ ایک مُسلَّمہ چیز ہے، جس میں اِختلافِ رائے کی بھی گنجائش نہ ہو۔ فرمایئے! ایک خالص وہمی چیز کو، جس کا واقعہ نفس الامر میں کوئی وجود ہی نہ ہو، ایک مُسلَّمہ چیز کی حیثیت سے پیش کرنا نرا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے...؟

سوم:... آنجناب کا یہ ارشاد کہ: ''یہ آیت باتفاقِ مفسرین حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی'' دروغ بے فروغ ہے، حافظ ابنِ تیمیہؒ ''منہاج السنۃ'' میں لکھتے ہیں:

''قوله: قد اجمعوا أنها نزلت في عليّ من أعظم الدعاوى الكاذبة، بل أجمع أهل العلم بالنقل علىٰ أنها لم تنزل في عليّ بخصوصه، وأن عليًّا لم يتصدق بخاتمه في الصلٰوة، وأجمع أهل العلم بالحديث علىٰ أن القصة المروية في ذٰلك من الكذب الموضوع.''

(منہاج السنۃ ج:۴ ص:۴)

ترجمہ:... ''شیخ حلی کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت باتفاقِ مفسرین حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی، سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس کے برعکس اہلِ علم بالنقل کا اس پر اِجماع ہے کہ یہ آیت بطورِ خاص حضرت علیؓ کے حق میں نازل نہیں ہوئی، اور یہ کہ حضرت علیؓ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ نہیں کی، اور اہلِ علم بالحدیث کا اِجماع ہے کہ اس سلسلے میں جو قصہ نقل کیا جاتا ہے وہ من گھڑت جھوٹ ہے۔''

حافظ شمس الدین الذہبی ''المنتقیٰ'' میں لکھتے ہیں:

''والجواب أن قولك أجمعوا انها نزلت في عليّ من أعظم الدعاوى الكاذبة، بل أجمعوا علىٰ أنها لم تنزل في عليٍّ بخصوصه، وأن الخبر كاذب، وفي تفسير الثعلبي من الموضوعات ما لا يخفي، وكان

حاطب لیل، و کذا تلمیذه الواحدی." (المنتقیٰ ص:۴۱۹)

ترجمہ:... "جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی، سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس کے برعکس ان کا اِجماع اس پر ہے کہ یہ بطورِ خاص حضرت علی کے حق میں نہیں نازل ہوئی، جو روایت تم نے نقل کی ہے یہ جھوٹی ہے، اور تفسیر ثعلبی میں ایسے جھوٹے افسانے موجود ہیں جو اہلِ علم پر مخفی نہیں، اور یہ شخص حاطب لیل تھا، اسی طرح اس کا شاگرد واحدی بھی۔"

حافظ ابنِ کثیرؒ اس انگوٹھی کے قصے کو طبرانی اور ابنِ عساکر کے حوالے سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

"**وهٰذا لا یصح بوجه من الوجوه لضعف أسانیده، ولم ینزل فی علیّ شیء من القرآن بخصوصته.**" (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۵۷)

ترجمہ:... "یہ روایت کسی طریق سے بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس کی تمام اسانید کمزور ہیں، اور حضرت علیؓ کے حق میں خصوصیت سے قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔"

اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازالۃ الخفا" میں لکھتے ہیں:

"وسبب نزول و ماصدق آیت صدیق اکبر است ...... نہ چنانکہ شیعہ گمان برند و قصہٴ موضوعہ روایت کنند۔"

(ازالۃ الخفا ج:۱ ص:۳۷)

ترجمہ:... "اس آیت کا سببِ نزول و مصداق حضرت صدیق اکبرؓ ہیں ..... نہ جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں، اور ایک من گھڑت قصہ روایت کرتے ہیں۔"

چہارم:... آنجناب نے دعویٰ کیا ہے کہ: ''مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے'' حالانکہ یہ دعویٰ صریح مغالطہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''اس روایت کی سند میں علماء و محدثین کو کلام ہے، لیکن روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی گہری دوستی کے لائق نماز وزکوٰۃ کے پابند عام مسلمان ہیں۔ اوران میں خصوصیت کے ساتھ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اس دوستی کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ ایک دُوسری صحیح حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ'' (رواہ احمد از مظہری) یعنی ''میں جس کا دوست ہوں، تو علی بھی اس کے دوست ہیں۔''

ایک اور حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ'' یعنی ''یا اللہ! آپ محبوب بنالیں اس شخص کو جو محبت رکھتا ہو علی مرتضٰی سے، اور دُشمن قرار دیں اس شخص کو جو دُشمنی کرے علی مرتضٰی سے۔''

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو اس خاص شرف کے ساتھ غالباً اس لئے نوازا گیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آئندہ پیش آنے والا فتنہ منکشف ہوگیا تھا، کہ کچھ لوگ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے عداوت و دُشمنی رکھیں گے اور ان کے مقابلے میں علمِ بغاوت اُٹھائیں گے، جیسا کہ خوارج کے فتنے میں اس کا ظہور ہوا۔

بہرحال آیتِ مذکورہ کا نزول خواہ اسی واقعے کے متعلق ہوا ہو، مگر اَلفاظ آیت کے عام ہیں، جو تمام صحابہ کرامؓ اور سب مسلمانوں کو شامل ہیں، اَز رُوئے حکم کسی فرد کی خصوصیت نہیں، اسی لئے جب کسی نے حضرت اِمام باقرؒ سے پوچھا کہ اس آیت میں ''الذین

آمنوا'' سے کیا حضرت علی کرّم اللہ وجہہ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا
کہ: وہ بھی مؤمنین میں داخل ہونے کی حیثیت سے اس آیت کے
مصداق ہیں۔'' (معارف القرآن ج:۳ ص:۱۷۹)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ اوّل تو مفتی صاحبؒ اس قصے کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ثانیاً:... بفرضِ تسلیم آیت کو عام اہلِ ایمان کے بارے میں قرار دیتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ خصوصیت ہے تو یہ کہ خوارج ان سے عداوت و دُشمنی رکھتے ہیں، بلکہ ان کی تکفیر کرکے اپنا نامۂ عمل سیاہ کرتے ہیں، اس لئے اہلِ ایمان کو ان کے مقابلے میں حضرت علیؓ سے بالخصوص دوستی رکھنی چاہئے، پس ''ولی'' کے معنی محبوب اور دوست کے ہیں، نہ کہ بزعمِ شیعہ ''متولّی اَمرِ خلافت'' کے۔

ثالثاً:... مفتی صاحبؒ تصریح کرتے ہیں کہ آیت کا حکم تمام صحابہؓ کو اور سب مسلمانوں کو شامل ہے، کسی فرد کی خصوصیت نہیں۔

رابعاً:... حضرت مفتی صاحبؒ اِمام باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ تمام اہلِ ایمان کے بارے میں ہے، حضرت علیؓ بھی بحیثیت مؤمن ہونے کے اس آیت میں شامل ہیں، بطورِ خاص ان کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

کیا ان تصریحات کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ بھی شیعوں کے کلمہ ''علی ولی اللہ'' کی تائید کررہے ہیں...؟

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ
اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ